علامہ عبدالرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ

کی معروف کتاب "صید الخاطر"

کا وجد آفریں مستند اردو ترجمہ



مجالسِ جوزیہ

دِل کی دُنیا

بدلنے کے لئے ایک ایسی انقلاب آفرین کتاب جس کے مطالعہ سے بیسیوں دینی و دنیاوی عُقدے حل ہوتے ہیں..... حضرت مصنف کے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کا کفرو فسق..... شرک وبدعت سے توبہ کرنا مقبولیت عنداللہ کی واضح دلیل ہے..... اسی مقبولیت کا اثر ہے..... کہ اس کے مطالعے کے بعد خوشگوار اثر محسوس کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

مزید صاحب دل مترجم نے اس کی تاثیر کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان

(061-4540513-4519240

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ

کی معروف کتاب ''صید الخاطر''
کا وجد آفریں مستند اردو ترجمہ

مجالسِ جوزیہ

(کامل ۲ حصے)

دِل کی دُنیا بدلنے کے لئے ایک ایسی انقلاب آفرین کتاب جس کے مطالعہ سے بیسیوں دینی و دنیاوی عقدے حل ہوتے ہیں..... حضرت مصنف کے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کا کفر وفسق..... شرک و بدعت سے توبہ کرنا مقبولیت عنداللہ کی واضح دلیل ہے..... اسی مقبولیت کا اثر ہے..... کہ اس کے مطالعے کے بعد خوشگوار اثر محسوس کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

مزید صاحب دل مترجم نے اس کی تاثیر کو چار چاند لگادیئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت کاتہم (انڈیا)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

مجالسِ جوزیہ

تاریخ اشاعت.....................صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور
مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار......لاہور
مکتبہ رحمانیہ........اردو بازار........لاہور
مکتبہ الفاروق۔ مصریال روڈ چوہڑ ہڑپال۔ راولپنڈی
دارالاشاعت........اردو بازار........کراچی
مکتبۃ القرآن......نیو ٹاؤن..............کراچی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امام بعد! اسلامی تاریخ جن مصلحین کی کاوشوں سے روشن ہے۔ ان میں علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی اصلاح مجالس نے جہاں غافل مسلمین کو بیدار کیا وہاں سینکڑوں کفار کو حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنایا۔ ماضی قریب میں ہندوستان کے سفر میں آپ کی مبارک مجالس کا مجموعہ "صید الخاطر" نظر سے گزرا۔ جو مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ادیبانہ قلم سے ان مجالس کو اردو میں منتقل فرما رہے تھے۔ مطالعہ کے بعد جی چاہا کہ فی الوقت اس کی ایک جلد ہی شائع کر دی جائے اور ترجمہ کی تکمیل کا انتظار نہ کیا جائے۔ یوں اس کی بھی جلد شائع ہو کر نہایت مقبول ہوئی۔ اس دوران فاضل مترجم مدظلہ سے رابطہ رہا اور دوسری جلد بھی شائع ہوئی اور قدیم کتابت ہی کا عکس شائع کیا گیا۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹر کتابت میں پیش خدمت ہے۔ دوران مطالعہ یہ چیز پیش نظر رہے کہ یہ عربی سے اردو میں منتقل کی جانیوالی مجالس ہیں۔ عربی زبان کا اسلوب اردو زبان سے بالکل مختلف اور شاہی انداز کا ہے۔ اس لئے بعض جگہوں پر جو اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا سبب عربی زبان کے اسلوب کی ناواقفیت ہوتی ہے۔ تاہم فاضل مترجم مدظلہ نے کمال لیاقت سے آسان و سلیس انداز میں ترجمہ کیا ہے۔

اللہ پاک ان مبارک مجالس کو ہم سب کے دلوں کی دنیا کو آباد کرنے کا ذریعہ بنائیں اور صاحب مجلس مترجم، ناشر کیلئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ بمطابق فروری ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحب مجالس

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حالات

آپ کا نام عبدالرحمٰن بن علی تھا۔کنیت ابوالفرج ۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔شجرہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔صغرسنی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔۶ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد قرأت وتجوید میں مہارت پیدا کی۔اس کے بعد حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔آپ نے جن اساتذہ کرام سے جملہ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر حدیث' فقہ' اصول فقہ' تاریخ' ادب ولغت وغیرہ میں تحصیل کی۔حافظ ذہبی نے (م۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اساتذہ وشیوخ کی تعداد ۸۶ بتائی ہے۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تلامذہ کی فہرست علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں درج کی ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔بغداد جو علم وفن کا مرکز تھا۔آپ کا مولد ومسکن تھا اور کتب خانوں سے مالا مال تھا۔اس لئے حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کو کتابوں کے حصول کیلئے کسی قسم کی مشکل نہ تھی۔آپ خوب مطالعہ کرتے تھے اور ہر قسم کی کتاب آپ کے زیر مطالعہ آتی تھی۔خود فرماتے ہیں کہ

''میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے سیر نہیں ہوتی تھی' جب کوئی کتاب نظر آتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی دفینہ ہاتھ آگیا ہے۔اگر میں کہوں کہ میں نے ۲۰ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا''۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی اور کسب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے۔ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس ہیں۔ان مجالس وعظ نے سارے بغداد کو پرکیف بنادیا تھا۔

حافظ شمس الدین ذہبی (م۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ

’’آپ کو پرتاثیر وعظ کہنے کا ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک وسلاطین‘ امراء‘ وزراء بلکہ پس پردہ خلفاء بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعث فخر سمجھتے تھے‘‘۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ خود اپنے مجالس وعظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ’’خلفا وسلاطین‘ وزراء اور اکابر علماء بڑے اہتمام اور شوق سے وعظ میں شرکت کرتے ہجوم کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی ایک لاکھ آدمی وعظ میں جمع ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری وعظ میں یہ تاثیر تھا کہ لوگ غش کھا جاتے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں اور اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ ۲۰ ہزار یہودی وعیسائی میرے ہاتھ پر مشرف بالاسلام ہوئے‘‘۔

تصنیفات

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ نے ہر فن پر طبع آزمائی کی یعنی آپ نے تفسیر‘ حدیث‘ تاریخ وسیر‘ تصوف‘ لغت‘ تصوف اور مناقب پر کتابیں لکھیں آپ کی تصانیف کے بارے میں ارباب سیر اور علماء کرام کی مختلف آراء ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصانیف شمار کیں تو ایک ہزار تک پہنچیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ۶۲ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱- المغنی فی علوم القرآن	۲- زاد المسیر ۴ جلد	۳- تذکرۃ الاریب فی اللغۃ
۴- الوجوہ النظائر	۵- فنون الافنان	۶- جامع المسانید ۷ جلد
۷- الحدائق ۲ جلد	۸- نقی النقل	۹- عیون الحکایات
۱۰- التحقیق فی مسائل الخلاف ۲ جلد	۱۱- مشکل الصحاح ۴ جلد	۱۲- الوائیات ۳ جلد
۱۳- الضعفاء	۱۴- المذہب فی المذاہب	۱۵- الانتصار فی مذاہب الاختلاف
۱۶- المواقیت فی الخطب الوعظیہ	۱۷- نسیم السحر	۱۸- المنتخب
۱۹- المدہش فی المحاضرہ	۲۰- اخبار الاخیار	۲۱- اخبار النساء
۲۲- عشیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن		۲۳- المقعد المقیم

٢٤-زم الہدیٰ	٢٥-الاذکیاء	٢٦-المغفلین
٢٧-منافع الطب	٢٨-صبا نجد	٢٩-المزیج
٣٠-المطرب	٣١-المہلب	٣٢-منتہی المشتہی
٣٣-فنون الباب	٣٤-اظر نار	٣٥-سلوۃ الاحزان
٣٦-منہاج القاصدین	٣٧-ابومابفھائل ٢ جلد	٣٨-مناقب جماعۃ
٣٩-موافق المرافق	٤٠-درۃ الاکلیل فی تاریخ	٤١-فضائل العرب
٤٢-شذور القعود	٤٣-الامثال	٤٤-المنفقہ فی المذاہب الاربعہ
٤٥-المختار من الاشعار ١٠ جلد	٤٦-التبصرہ فی الوعظ ٣ جلد	٤٧-روس القواریر ٢ جلد
٤٨-نقد المسالک الولدۃ والسلاطین	٤٩-مناقب الصدیق	٥٠-مناقب عمر
٥١-مناقب علی	٥٢-مناقب عمر بن عبدالعزیز	٥٣-مناقب سعید بن المسیب
٥٤-مناقب حسن البصری	٥٥-مناقب سفیان الثوری	٥٦-مناقب احمد بن حنبل
٥٧-مناقب الشافعی	٥٨-مناقب ابراہیم بن ادہم	٥٩-مناقب بشر حافی
٦٠-مناقب معروف کرخی	٦١-کتاب الموضوعات ٢ جلد	٦٢-تلبیس ابلیس
٦٣-صید الخواطر ٣ جلد	٦٤-المنتظم فی تاریخ الملوک والامم	٦٥-تلقیح فہوم واہل اللہ فی عیون التاریخ والسیر
٦٦-صفوۃ الصفوہ ٤ جلد		

وفات

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ١٣ رمضان المبارک ٥٩٧ھ ٩٠ سال کی عمر میں بغداد میں انتقال کیا۔ بغداد میں کہرام مچ گیا۔ بازار بند ہو گئے۔ جامع منصورہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنازہ میں ان گنت لوگوں نے شرکت کی۔ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے لئے غسل کا پانی جو گرم کیا جائے وہ اس کترن اور برادہ سے کیا جائے۔ جو حدیث کے لکھنے کیلئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا اور کترن و برادہ بچ رہا۔ علیہ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً (ماخوذ البلاغ نومبر ١٩٩٠ء)

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆☆

مجالس جوزیہ

(حصہ اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ مترجم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. امابعد!

احقر محمد حنیف غفرلہ عرض رسا ہے کہ بندہ کا سیدی وسندی واستاذی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم وافاداتہم علینا کے اشارہ سے جو بندہ کے لیے بمنزلہ حکم کے ہے...... ایک عرصہ سے معمول ہے کہ جمعرات کو بعد ظہر مدرسہ کی مسجد میں اکابر واسلاف کی کتابوں سے کچھ سنایا کرتا ہے۔ آس پاس علاقہ کے دس بیس افراد اور کچھ مدرسہ کے طلبہ و اساتذہ کرام بھی شریک ہوجاتے ہیں۔ معمول یہ ہے کہ اکابر کی کوئی کتاب سامنے رکھ کر اس کی تشریح وتوضیح میں جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں یا اپنے بزرگوں سے سن کر یا پڑھ کر یاد ہوتی ہیں وہ بھی عرض کردی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور حضرت استاذی وسیدی کے طفیل یہ سلسلہ پسند کیا گیا۔ چنانچہ بعض احباب نے ان تقریروں کے ضبط کرنے اور لکھنے کا اہتمام بھی شروع کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمادیں اور ان تقریروں کو میرے لیے سعادت دارین کا سبب بنادیں۔

منجملہ انہی کتابوں کے جن کو سنانے کا معمول ہے محدث کبیر واعظ بے نظیر ابوالفرج عبدالرحمٰن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''صَیدُ الخَاطر'' بھی ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں۔ ہر فن میں نہایت بلند رُتبہ کے مالک اور ید طولیٰ رکھنے والے ہیں، وعظ ونصیحت اور اصلاح وتربیت کے باب میں

بھی اقران زمانہ سے فوقیت لے جانے والے تھے۔ خود آپ کا ہی بیان ہے کہ روزانہ میرے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی تعداد سوڈیڑھ سو سے زائد ہوتی ہے۔ اس طرح دو لاکھ سے زیادہ افراد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی (یعنی بیعت ہوئے) اور تقریباً دو سو سے زیادہ غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ کا وعظ کیا ہوتا تھا کسی شیخ کا حلقہ ہوتا تھا۔ سامعین پر گریہ طاری ہوتا تھا' چیخ و پکار ہوتی تھی' حال اور وجد آتا تھا اور خود آپ بھی نرے عالم ہی نہیں تھے بلکہ ایک سالک صوفی تھے' البتہ صوفی صافی تھے۔ ہر طرح کی بدعات اور غیر شرعی امور سے اجتناب کرنے والے اور رہبانیت سے کنارہ کش "صَیْدُ الْخَاطِرْ" آپ کی بے نظیر تصنیف ہے۔ اس میں آپ اپنی پوری صفات کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ گویا یہ کتاب آپ کا آئینہ زندگی ہے۔

ماضی قریب میں جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے رسوم و بدعات کی تردید فرمائی اور صحیح اور صاف ستھرے اسلامی تصوف کو پیش فرمایا اسی طرح علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے زمانے کے صوفیاء میں رائج ہو جانے والی بہت سی رسوم اور بدعات کی نشاندہی فرمائی اور ان کی اصلاح فرمائی ہے اور صحیح اسلامی تصوف کو پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ کہیں آپ خلوت اور گوشہ نشینی کی تردید فرماتے ہیں اور کہیں اس کی ضرورت کو بیان فرماتے ہیں' کہیں مال کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں اور غناء کا شرف ظاہر فرماتے ہیں اور کہیں اس میں اعتدال کا راستہ بتلاتے ہیں' کہیں حضرات صوفیاء پر سخت الفاظ میں نکیر فرماتے ہیں اور کہیں ان کی طرف سے تاویل کرتے ہیں اور تاویل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی بعض عبارات کو دیکھ کر جلدی کوئی فیصلہ نہ کر لینا چاہیے۔

احقر کو آپ کی یہ کتاب نہایت پسند تھی اور جب اس کے مضامین لوگوں کے سامنے پیش کرتا تو سننے والوں پر بھی خاص اثر ہوتا تھا۔ حسن اتفاق کہ ایک مرتبہ ممبئی کے بعض صالح احباب نے اسے سنا اور پسند کیا پھر خواہش ظاہر کی کہ اس کا ترجمہ ہو کر شائع ہو جاتا تو کام کی چیز ہوتی اور نفع اردو خوانوں میں بھی عام ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ترجمہ کا آغاز کر دیا گیا اور ساتھ میں ایک طالب علم کو لگا لیا جو اس کی کتابت اور مسودہ کی صفائی میں

معاونت کرتا رہا۔اس طرح یہ کتاب تیار ہوگئی۔"فللّٰہِ الْحَمْدُ والمنۃ"

☆ ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان ترجمہ لفظی ہوتا کہ مصنف کی مراد میں خلط واقع ہونے کا اندیشہ نہ رہے پھر بھی انسان چونکہ خطا کا پتلا ہے اس لیے اس کا امکان باقی ہے۔

☆ عربی نسخہ میں ہر فصل پر عنوانات لگے تھے۔اندازہ یہ ہوا کہ یہ عنوانات ملحق ہیں۔ بعد میں کسی نے لگائے ہیں اس لیے کہ مختلف نسخوں میں مختلف عنوانات تھے۔لہٰذا اس کی پیروی نہیں کی گئی بلکہ خود جو عنوان مناسب سمجھا گیا اختیار کیا گیا۔

☆ فصل کا لفظ حذف کر کے مجلس کا لفظ اختیار کیا گیا کیونکہ درحقیقت یہ کتاب علامہ کی مجالس ہیں کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔علامہ کی بعض عبارات پر مسودہ کی صفائی کرنے والے نے کچھ حاشیہ بھی لکھ دیا ہے۔

☆ عربی نسخہ کوئی پانچ سو (٥٠٠) صفحہ کا ہے۔اردو ترجمہ کی ضخامت اس سے کم کیا ہوتی اس لیے ضخامت کم کرنے کے خیال سے اس کے دو حصے کردیئے گئے۔نصف اس مرتبہ اور نصف بعد میں طبع ہوجائے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر نافع فرمائیں اور ہر طرح کے مکاید اور مکارہ سے اس ناکارہ کی اور اس میں معاونت کرنے والوں کی اور تمام مسلمین کی حفاظت فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بندہ محمد حنیف غفرلہ

(مدرسہ ریاض العلوم گورینی ٢٢ رشوال س ١٥ھ)

مقدمہ مصنف

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ حَمْداً یَبْلُغُ رِضَاہُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی اَشْرَفِ مَنِ اجْتَبَاہُ وَعَلٰی مَنْ صَاحَبَہٗ وَوَالَاہُ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا لَایُدْرَکُ مُنْتَھَاہُ. (اَمَّابَعْدُ)

موقعہ موقعہ سے دل میں آنے والے خیالات چونکہ کچھ دنوں کے بعد ذہن سے نکل جاتے ہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ انہیں محفوظ کرلیا جائے تاکہ بھول نہ جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابَۃِ (معلوم کو لکھ کر محفوظ کرلیا کرو)

مجھ کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی خاص نکتہ سمجھ میں آیا اور میں نے اس کو لکھا نہیں تو ذہن سے نکل جاتا ہے پھر مجھے افسوس ہوتا ہے۔

اور اپنے متعلق مجھے یہ محسوس ہوا کہ جب بھی میں نے کسی موقعہ پر فکر کی نگاہ استعمال کی غیب سے ایسے عجائبات منکشف ہوئے جو بیان سے باہر ہیں۔ لہٰذا ان کو دوسروں تک پہنچانے کا وہ طریقہ اختیار کرتا ہوں جس میں کسی طرح بھی کوتاہی مناسب نہیں ہے اور اس کتاب کو اپنے ان خیالات کے شکار کے لیے پنجرہ بناتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہی نفع کے کارساز ہیں۔ بیشک وہ قریب ہیں اور دعائیں قبول فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مواعظ کا اثر

مجلس.... مواعظ سنتے وقت تو سننے والے کو غفلت سے بیداری ہوتی ہے لیکن جونہی ان مجالس سے جدا ہوتا ہے غفلت اور قساوت لوٹ آتی ہے۔ میں نے اس کے سبب میں غور کیا اور اس کی حقیقت پا گیا۔

میں نے دیکھا کہ لوگ اس باب میں مختلف حالات کے ہیں لیکن یہ تو ایک عام حالت ہے کہ لوگوں کے دل مواعظ اور تقریریں سننے کے وقت اور سننے کے بعد یکساں حالت پر نہیں رہتے جس کے دو سبب ہیں۔

ایک تو یہ کہ مواعظ کی مثال کوڑوں جیسی ہے کہ کوڑے لگنے کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے بعد میں اس کا درد باقی نہیں رہتا۔

دوسرے یہ کہ مواعظ سننے کی حالت میں انسان ہر مرض باطنی سے الگ، جسم اور فکر کو اسباب دنیا سے علیحدہ کیے ہوئے، حضور قلب کے ساتھ خاموش ہو کر بیٹھتا ہے پھر جب دنیوی مشاغل کی طرف لوٹ کر جاتا ہے وہ اسے اپنی تمام آفتوں کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ پھر ان پر کشش مشاغل کے ساتھ پچھلی حالت پر باقی رہنا بھلا کیسے ممکن ہے۔

یہ حالت تو سب کو عام ہے۔ البتہ اس اثر کے باقی رہنے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ چنانچہ کچھ تو بلا پس و پیش کے پختہ عزم کر لیتے ہیں بغیر اور اِدھر اُدھر متوجہ ہوئے راستے سے گزر جاتے ہیں اور اگر کسی موقعہ پر طبیعت کے تقاضے انہیں روک دیتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں۔ جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ (حنظلہ منافق ہو گیا)

اور بعض ایسے ہیں کہ کبھی طبیعت ان کو غافل کرتی ہے اور کبھی سنے ہوئے مواعظ عمل کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ گویا ان کی مثال اس پودے جیسی ہے جسے ہوائیں اِدھر اُدھر مائل کر رہی ہوں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان پر صرف سننے کے وقت اثر ہوتا ہے۔ جیسے کسی چکنے پتھر پر پانی بہایا جائے۔

دنیا سے نفس کے رابطے

مجلس.... نفس کو دنیا کی طرف مائل کرنے والی چیزیں کثرت سے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ خود نفس کے تقاضے ہیں اور آخرت کی یاد ایسا معاملہ ہے جو طبعی تقاضوں سے خارج بھی ہے اور نگاہوں سے اوجھل بھی۔ بعضے بے علم قرآن کریم کی وعیدوں کو سن کر یہ گمان رکھتے ہیں کہ آخرت کی طرف مائل کرنے والی چیزیں زیادہ قوی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ دنیا کی طرف مائل ہونے میں طبیعت کی مثال اس بہتے ہوئے پانی جیسی ہوتی ہے جو نشیب چاہتا ہے اور جسے اوپر چڑھانے میں قدرے تکلف کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معاون شرع نے جواب دیا: **بِالتَّرْغِیْبِ وَالتَّرْهِیْبِ یُقَوِّیْ جُنْدُ الْعَقْلِ** (ترہیب وترغیب سے عقل کو قوت حاصل ہوتی ہے)

رہی طبعیت تو اس کو مائل کرنے والی چیزیں کثرت سے ہیں جن کا غالب ہونا ذرا بھی تعجب خیز نہیں، مغلوب ہونا البتہ قابل تعجب ہے۔

انجام کا اندازہ

مجلس.... جس نے ہر کام کے شروع میں اپنی نگاہ بصیرت سے اس کا انجام دیکھ لیا وہ ان کاموں کے خیر کو پا گیا اور ان کے شر سے محفوظ رہا اور جس نے انجام کو نہیں سوچا اس پر طبیعت غالب رہی، پھر وہ ان چیزوں سے رنج اُٹھاتا ہے جن سے سستی کا طالب ہوتا ہے اور ان چیزوں سے مشقت پاتا ہے جن سے راحت کا امیدوار ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت اپنے ماضی کو یاد کرنے سے ہوسکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ تم نے اپنی زندگی میں یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوگی یا فرمانبرداری۔ تو غور کرو تمہاری نافرمانیوں اور معصیتوں کی لذت کہاں ہے؟ اور تمہاری فرمانبرداریوں کا تعب کہاں رہا؟ افسوس دونوں اپنے اثرات لے کر جا چکے اور کاش! جب گناہ گزرے تھے اسی وقت فنا بھی ہوجاتے۔

میں اس کی مزید وضاحت کرتا ہوں کہ ذرا موت کی گھڑی کا تصور کیا کرو اور اس وقت کوتاہیوں پر حسرت اور ندامت کی تلخی کو سوچو۔

اور میں یہ نہیں پوچھتا کہ لذتوں کی شیرینی کہاں گئی؟ کیونکہ وہ تو کڑواہٹ سے بدل چکی ہے اور اب صرف غم کی تلخیاں باقی رہ گئی ہیں۔

اب تم ہی بتاؤ کیا تمہیں یقین نہیں ہوگیا کہ ہر کام کا ایک انجام ہے۔

"مَرَاقِبِ الْعَوَاقِبَ تَسْلَمُ وَلَا تَمِلْ مَعْ هَوىٰ الْحِسِّ فَتَنْدَمُ"

(لہٰذا انجام کو سوچ لیا کرو تا کہ محفوظ رہو اور خواہشات کی طرف مت جھکو کہ ندامت اُٹھاؤ)

دنیا کا دھوکہ

مجلس..... جو شخص دنیا کے انجام پر غور کرتا رہتا ہے وہ احتیاط کی راہ اختیار کرتا ہے اور جسے یہ یقین ہوتا ہے کہ راستہ طویل ہے وہ سفر کے لیے تیاری کرتا ہے۔

اے شخص تیرا حال کتنا عجیب ہے کہ ایک معاملہ کا یقین رکھتے ہوئے بھی اسے بھولا رہتا ہے اور جس حالت کے نقصان کا یقین رکھتا ہے اسی کی طرف لپکتا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تو اس سے ڈرے۔

جو چیزیں محض خیالی ہیں اس میں تیرا نفس تجھ پر غالب آ جاتا ہے اور جس کا تجھے یقین ہے اس میں تو اپنے نفس پر غالب نہیں آ پاتا۔

سب سے زیادہ قابل تعجب تیرا اپنے دھوکہ پر خوش ہونا ہے۔ اپنے لہو ولعب میں رہ کر ان سزاؤں کو بھول جانا ہے جو تیرے لیے چھپا دی گئی ہیں تو اپنی صحت پر مغرور ہوتا ہے اور قریب آنے والی بیماریوں کو بھولا رہتا ہے' اپنی عافیت پر اتراتا ہے اور تکالیف کے قرب سے غافل ہے۔

دوسروں کی بربادی تجھے تیری بربادی پر متنبہ کر رہی ہے' غیروں کے انجام نے تجھ پر موت سے پہلے ہی تیرا انجام ظاہر کر دیا ہے لیکن تیری لذتوں کے حصول نے تجھے اپنی بربادی سے غافل کر رکھا ہے۔

كَاَنَّكَ لَمْ تَسْمَعْ بِاَخْبَارِ مَنْ مَضٰى وَلَمْ تَرَ فِي الْبَاقِيْنَ مَا يَصْنَعُ الدَّهْرُ فَاِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِىْ فَتِلْكَ دِيَارُهُمْ مَحَاهَا مَجَالُ التَّرِيْحِ بَعْدَكَ وَالْقبْرُ.

''ایسا لگتا ہے تو نے گزشتہ دنوں کے حالات نہیں سنے اور نہیں دیکھا کہ موجودہ لوگوں

کے ساتھ زمانہ کیا سلوک کرتا ہے اور اگر تجھے اب تک علم نہ ہوا ہو تو دیکھ! یہ ان کے مکانات ہیں جنہیں ہواؤں کی گردش اور قبر کے گڑھے نے مٹا رکھا ہے۔"

اس پر حیرت اور افسوس ہے جس کا ہر لمحہ اسے ایسی (تکلیف دہ) منزل کی طرف لے جا رہا ہو اور اس کے مشاغل ان لوگوں کے سے ہوں جو نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ جانتے۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيْرَةٌ وَلَمْ تَدْرِ مِنْ اَيِّ الْمَحَلَّيْنَ تَنْزِلُ

"وہ آنکھ بھلا کیسے سکون سے سوتی ہے جسے یہ خبر نہیں ہے کہ کس منزل پر اترنا ہے۔"

گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ

مجلس.....جو بھی کسی معصیت کے قریب ہوا اس سے سلامتی دور ہوئی اور جو قریب جا کر صبر کا دعویٰ کرے اس کی حفاظت اسی کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔

بعض نظریں مہلت نہیں دیتیں (مبتلا کر دیتی ہیں)

اور سب سے زیادہ حفاظت اور نگرانی کے لائق دو چیزیں ہیں زبان اور نگاہ

خبردار! کسی معصیت کے قریب رہ کر اس سے بچنے کے پختہ عزم سے دھوکہ نہ کھانا کیونکہ خواہش نفس بڑی چالباز ہے۔ جنگ کی صف میں کھڑے کتنے بہادر اور شجاع دھوکہ سے مارے گئے کیونکہ بے سان و گمان انہیں ایسے معمولی شخص سے ہتھیار لگا جس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ یاد کرو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ (حضرت) وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ:

فَتَبَصَّرْ! وَلَا تَشِمْ كُلَّ بَرْقٍ رُبَّ بَرْقٍ فِيْهِ صَوَاعِقُ حَيْنِ

وَاغْضُضِ الطَّرْفَ تَسْتَرِحْ مِنْ غَرَامٍ تُكْتَسٰى فِيْهِ ثَوْبُ ذُلٍّ وَّشَيْنِ

فَبَلَاءُ الْفَتٰى مُوَافَقَةُ النَّفْسِ وَبَدْءُ الْهَوٰى طُمُوْحُ الْعَيْنِ

"سوچ سمجھ کر نگاہ اٹھاؤ! ہر بجلی (حسین چہرے) کی طرف مت دیکھنے لگو کیونکہ بہت سی بجلیوں میں موت کی کڑک ہوتی ہے اور نگاہ نیچی رکھا کرو تاکہ اس عشق سے محفوظ رہو جس میں ذلت اور عیب کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ حاصل یہ کہ ابتلاء کا سبب نفس کی موافقت ہے اور خواہش نفسانی کی ابتداء نگاہ اٹھانے سے ہوتی ہے۔

دلوں کی موت

مجلس.... سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ سزا پانے والے کو اس سزا کا احساس نہ ہو اور اس سے سخت یہ ہے کہ ایسے امور پر مسرور ہو جو درحقیقت سزا ہوں جیسے مال حرام کما کر خوش ہو اور گناہوں پر قابو پا کر اتراوے اور جس کی یہ حالت ہو جائے وہ کبھی طاعت میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

میں نے اکثر علماء اور زاہدوں کے حالات میں غور کیا تو انہیں ایسی سزاؤں میں گرفتار پایا جن کا انہیں احساس نہ تھا اور ان کو بیشتر سزائیں طلب جاہ کی راہ سے پہنچی ہیں۔ چنانچہ ان میں کا عالم' اگر اس کی خطا پر گرفت کر لی جاوے تو غضب ناک ہو جاتا ہے اور ان کا واعظ اپنے وعظ میں فنکاری اور ریا کاری کرتا ہے اور زہد کے نمائشی یا تو منافق نظر آئے یا ریا کار۔

ان کی سب سے پہلی سزا یہ ہے کہ مخلوق میں مشغولیت کے سبب حق تعالیٰ سے کٹے ہوئے ہیں اور ایک مخفی سزا یہ ہے کہ مناجات کی شیرینی اور بندگی کی لذت سے محروم ہیں۔

ہاں! کچھ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ہیں جن کے طفیل اللہ تعالیٰ روئے زمین کی حفاظت فرماتے ہیں ان کے باطن ظاہر جیسے ہیں بلکہ اور روشن! ان کے راز علانیہ جیسے ہیں بلکہ اور پاکیزہ! ان کی ہمتیں ثریا تک ہیں بلکہ اس سے بھی بلند!

اگر ان کو پہچان لیا جائے تو بھیس بدل دیتے ہیں اور اگر ان کی کرامت دیکھ لیجائے تو انکار کر دیتے ہیں۔ لوگ تو اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور یہ میدان سر کیے جاتے ہیں۔ زمین کا گوشہ گوشہ ان سے محبت کرتا ہے اور آسمان کا چپہ چپہ ان سے مسرور ہوتا ہے۔

ہم اللہ عزوجل سے ان کے اتباع کی توفیق مانگتے ہیں اور اس بات کی دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی پیروی کرنے والا بنا دیں۔

بلند ہمتی

مجلس.... عقل کے کامل ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان بلند ہمت ہو اور جو پستی پر راضی و مطمئن ہو وہ پست حوصلہ ہے۔

وَلَمْ اَرَفِیْ عُیُوْبِ النَّاسِ عَیْبًا کَنَقْصِ الْقَادِرِیْنَ عَلَی التَّمَام. ''میں نے اس سے بڑا اور برا کوئی عیب نہیں دیکھا کہ تکمیل پر قدرت کے باوجود کوتاہی کی جائے۔''

بے پایاں محبت

مجلس.... کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس کی محبت اپنے دوستوں کے لیے بے پایاں ہے کیونکہ اس نے اپنے بندوں کی ان فضائل پر مدح کی جو خود عطا کیے اور ان سے وہ چیزیں خریدیں جو خود انہیں دی تھیں۔ ان کے معمولی اوصاف کو بھی ان کے ایثار کی قدر کر کے بڑا درجہ دیا۔ چنانچہ ان کے روزوں پر فخر فرمایا اور ان کے منہ کی بُو کو (جو روزے سے پیدا ہوتی ہے) پسندیدہ بتلایا۔

ہائے! وہ محفوظ حالت جس پر ہر طالب قدرت نہیں پا سکتا اور جس کے وصف کی تہہ کو ہر ایک نہیں پہنچ پاتا۔

سفر آخرت کیلئے تیار رہنا چاہیے

مجلس.... ہر ذی ہوش کے لیے ضروری ہے کہ سامان سفر تیار رکھے کیونکہ اسے یہ خبر نہیں کہ کب اس کے پاس موت کا پیغام آ جائے اور وہ اس سے ناواقف ہے کہ کب بلا لیا جائے۔ میں نے بیشمار لوگوں کو دیکھا کہ شباب نے انہیں دھوکہ میں مبتلا رکھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی موت کو بھول گئے اور لمبی لمبی آرزوؤں نے غفلت میں ڈال دیا۔

چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عالم غیر عارف اپنے جی میں سوچتا ہے کہ آج میں علم میں مشغول رہوں، عمل بعد میں کرلوں گا' پھر راحت کا بہانہ کر کے لغزشوں میں تساہل برتتا ہے۔ سچی توبہ کی تیاری کو مؤخر کر دیتا ہے' غیبت کرنے اور اس کے سننے سے بچتا نہیں ہے اور شبہ کی آمدنی سے پرہیز نہیں کرتا۔ پھر یہ اُمید رکھتا ہے کہ آئندہ عمل کر کے ساری خطاؤں کو مٹا دے گا اور یہ بھولا رہتا ہے کہ موت اچانک ہی آتی ہے۔

پس سمجھدار وہی ہے جو ہر موقعہ کے واجبات ادا کرتا رہتا ہے تا کہ اگر موت اچانک آ جائے تو اسے تیار پاوے اور اگر اپنی آرزو کے مطابق تا دیر باقی رہے تو نیکیوں میں اضافہ کرتا رہے۔

عقوبت بقدر معصیت

مجلس.... دنیا میں جو اس قدر شدید مصائب اور بلائیں آتی ہیں جن کا انجام ہمیشہ

انتہائی تکلیفوں پر ہوا کرتا ہے ان کے متعلق میرے دل میں ایک خیال آیا۔

میں نے سوچا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو کریموں سے بڑھ کر کریم ہیں اور کرم کا تقاضا چشم پوشی ہے پھر ان سزاؤں کی کیا وجہ ہے؟

اس خیال پر غور کیا تو بہت سے لوگوں کی یہ حالت پائی کہ ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے وہ وحدانیت کے دلائل پر نظر نہیں ڈالتے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو نہیں دیکھتے بلکہ جانوروں کی طرح اپنی عادات پر زندگی گزارے چلے جارہے ہیں۔ اگر شریعت ان کی مراد کے موافق ہوئی تو ٹھیک ورنہ اپنی اپنی اغراض پر جمے رہتے ہیں۔ دینار ودرہم پالینے کے بعد اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ حلال ہے یا حرام؟ اگر نماز آسان معلوم ہوئی پڑھ لی ورنہ ترک کردی۔

اور انہی میں کچھ ایسے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں کو علی الاعلان کیا کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کی حرمت انہیں معلوم ہوتی ہے۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی عالم کی معرفت قوی ہوتی ہے اور اس کے گناہ بے حد وحساب۔ یہ سب دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ سزائیں اگرچہ بڑی اور سخت ہیں لیکن لوگوں کی خطاؤں سے کم ہیں۔ جب کوئی سزا کسی گناہ کو مٹانے کے لیے نازل ہوتی ہے تو کوئی فریاد کرتا ہوا کہتا ہے۔ لوگو! غور کرنا چاہیے کہ یہ سزا کس گناہ کی ہے؟ اور خود اپنے کیے گناہ ایسے جن میں کے بعض گناہوں سے زمین کانپ جائے' بھولا رہتا ہے۔

کسی بوڑھے کو اس کے بڑھاپے میں اس قدر ذلیل کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دل اس پر ترس کھانے لگتے ہیں اور اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ تذلیل وتوہین جوانی میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔

پس جب تم کسی مبتلا سزا کو دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ (''تَنبیہ از مُترجِم'' سزا میں اور امتحان میں فرق ہے جو مصائب ذلت اور توہین کے ساتھ ہوں وہ سزا ہیں اور جن میں ذلت اور توہین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا امتحان ہیں اور مؤمن کے لیے رحمت اور باعث اجر ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو بڑے بڑے ابتلاءات پیش آئے۔ ظاہر ہے کہ وہ سزا نہ تھے ۱۲)

علماء آخرت اور علماء دنیا

مجلس.....میں نے علماء کے درمیان پائے جانے والے عام مرض حسد کے بارے میں غور کیا تو مجھے اس کا منشاء حب دنیا معلوم ہوئی کیونکہ علماء آخرت تو آپس میں محبت اور مؤدت کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے۔جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَلاَ یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّا اُوْتُوْا.

"اور وہ اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے اس مقدار پر جو انہیں دی گئی۔"

اور فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَآؤُا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلاَ تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......

"اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرمادیجئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کھوٹ نہ رکھئے۔"

چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات اپنے معاصرین کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سے فرمایا! تمہارے ابا جان ان چھ حضرات میں سے ہیں جن کے لیے میں ہر رات تہجد کے وقت دُعا کیا کرتا ہوں۔

اور دونوں جماعتوں کو ممتاز کرنے والی علامت یہ ہے کہ علماء دنیا دنیا میں اقتدار پر نگاہ رکھتے ہیں اور مجمع کی کثرت اور اپنی تعریف چاہتے ہیں جبکہ علماء آخرت ان باتوں سے کوسوں دور ہیں بلکہ ان باتوں سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ان پر ترس کھاتے ہیں۔چنانچہ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ ستون کی ٹیک بھی نہ لگاتے تھے۔

اور حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے یہ سخت ناپسند ہے کہ میرے پیچھے پیچھے لوگ چلیں اور کہا جائے کہ دیکھو علقمہ کی یہ شان ہے۔

اور بعض علماء کا یہ حال تھا کہ جب ان کے پاس چار سے زیادہ لوگ بیٹھ جاتے تو مجلس سے اُٹھ جاتے۔یہ حضرات فتویٰ دوسروں پر ٹال دیتے اور گمنامی ہی پسند کرتے تھے۔گویا ان کی مثال بحر ذخار

میں سفر کرنے والے مسافر کی سی ہے کہ اسے جب تک نجات کا یقین نہ ہو جائے متفکر رہتا ہے۔

یہ حضرات ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اس لیے کہ یہ ایک ہی منزل کے ایسے راہی ہیں جو ساتھ رہتے ہیں اور آپس میں محبت کرتے ہیں، دن و رات کی گردش ان کی سواری ہے جو انہیں جنت کی طرف لیے جا رہی ہے۔

اہل تقویٰ کی زندگی

مجلس.... جسے اپنے حالات کی درستگی کی خواہش ہو اسے اعمال کی درستگی کی کوشش کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنَاهُمْ مَآءً غَدَقًا. ''اور یہ کہ اگر وہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے تو ہم انہیں خوشگوار پانی پلائیں گے۔''

اور حدیث قدسی میں ہے: لَوْ اَنَّ عِبَادِیْ اَطَاعُوْنِیْ لَسَقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَاَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ اُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ.

''اگر میرے بندے میری فرمانبرداری کریں تو رات میں انہیں بارش سے سیراب کر دوں اور دن میں سورج نکالا کروں اور انہیں بجلی کی کڑک اور گرج نہ سناؤں کیونکہ دن کو بارش ہونا اور سورج کا نہ نکلنا نیز بجلی کی کڑک اور گرج تکلیف دہ ہوتی ہے۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبِرُّ لَا يُبْلٰى وَالْاِثْمُ لَا يُنْسٰى وَالدَّيَّانُ لَا يَنَامُ وَكَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ.

''نیکیاں پرانی نہیں ہوتیں، گناہ بھلائے نہیں جاتے اور بدلہ دینے والا سوتا نہیں ہے (کہ کوئی معاملہ اس سے مخفی رہ جائے) بس جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔''

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ صَفّٰى صُفِّیَ لَهٗ وَمَنْ كَدَّرَ كُدِّرَ عَلَيْهِ وَمَنْ اَحْسَنَ فِیْ لَيْلِهٖ كُوْفِیَ فِیْ نَهَارِهٖ وَمَنْ اَحْسَنَ فِیْ نَهَارِهٖ كُوْفِیَ فِیْ لَيْلِهٖ.

''جس نے اعمال صاف ستھرے رکھے اس کے حالات نکھار دیئے گئے اور جس نے اعمال میں کدورت ملائی اس کے احوال، مکدر کر دیئے گئے اور جس نے رات میں حسن عمل کیا دن میں

اسے اس کا بدلہ دیا گیا (کہ بشاشت اور اطمینان حاصل رہا اور پریشانی سے امن رہا) اور جس نے دن میں اچھے اعمال کیے رات میں نوازا گیا (مناجات کی حلاوت اور عبادت میں سرور سے)"

ایک شیخ لوگوں کی مجالس میں گھوم گھوم کر کہتے "کہ جسے دائمی عافیت مطلوب ہو اسے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔"

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے جب کسی معصیت کا صدور ہوتا ہے تو مجھے اس کا احساس اپنی سواری اور باندی کے برتاؤ سے ہو جاتا ہے۔

اور یہ خوب سمجھ لو کہ غافل اور مدہوش کو تو ضرب شدید کا بھی احساس نہیں ہوتا جبکہ اپنا محاسبہ کرنے والا ذرا سے تغیر کو محسوس کر لیتا ہے۔

لہٰذا جب تم اپنے کسی حال میں تغیر محسوس کرو تو غور کرو کہ کسی نعمت کی ناشکری تو نہیں ہوگئی یا کوئی لغزش تو سرزد نہیں ہوگئی اور نعمتوں کے چھن جانے اور ذلتوں کے اچانک آپڑنے سے ڈرتے رہو۔ حلم خداوندی کی وسعت سے دھوکہ میں نہ رہو کبھی اس کے انقباض کا ظہور جلدی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَابِاَنۡفُسِہِمۡ.

"بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک اسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔"

اور حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ تمہارا دھوکہ ہے کہ تم گناہ کرو اور تمہارے ساتھ بھلائی کی جائے تو تم توبہ اس گمان سے چھوڑ بیٹھو کہ تم سے ساری غلطیوں پر چشم پوشی کی جائے گی۔

احکام شرعیہ کی قسمیں

مجلس....ایک دن میں نے احکام شرعیہ میں غور کیا تو ان کو دو قسموں میں پایا بعضے دشوار اور بعضے آسان۔ آسان تو اعضاء و جوارح کے اعمال ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی آپس میں بعض اعمال بعض کے مقابلے میں دشوار ہیں۔ چنانچہ وضو اور نماز روزے سے سہل ہے اور بعض کے حق میں روزہ، زکوٰۃ سے سہل ہے۔

اسی طرح دشوار اعمال میں بھی تفاوت ہوتا ہے کہ بعض بعض کے مقابلے میں دشوار

ہوتے ہیں انہی دشوار اعمال میں وحدانیت کے ان دلائل پر نظر کرنا اور ان سے استدلال کرنا ہے جن سے خالق کی معرفت ہو کیونکہ یہ ان لوگوں کے نزدیک دشوار ترین امر ہے جن پر محسوسات کا غلبہ ہے۔ البتہ اہل عقل کے لیے آسان ہے۔

اور انہی میں خواہشات پر غلبہ پانا نفس کو دبانا اور جن چیزوں کی طرف طبیعت لپک رہی ہوان سے طبیعت کو روکنا ہے۔ یہ سارے امور اگر چہ دنیا میں مشقت کے ہیں لیکن اہل عقل پر اس وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے ثواب کو سوچتے ہیں اور ان کے بہتر انجام کے امیدوار ہوتے ہیں۔

ہمارے لیے دشوار ترین اور عجب تر تکلیف و امتحان یہ ہے کہ ہمیں عقلی طور پر خالق تعالیٰ کے حکیم ہونے کا اعتقاد مستحکم ہے اس کے باوجود اپنے بندوں کے ساتھ اس کا سلوک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علمی مشاغل رکھنے والوں اور عبادت گزاروں کو اس حد تک فقر میں مبتلا کر دیتا ہے کہ فقر ان کا گوشت و پوست نوچ ڈالتا ہے۔ پھر انہیں روزی کے لیے جاہل کے سامنے جھکاتا ہے اور فاسق و بددین کو باوجود جہل کے اس درجہ غنا عطا فرماتا ہے کہ دنیا اس پر بہنے لگتی ہے۔ (عدل کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ورنہ بددین دنیا سے بھی جائے اور دین سے بھی۔ ۱۲ مترجم)

اسی طرح تم اسے دیکھو گے کہ جسموں کو پروان چڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر ابھی جسم کی تکمیل ہوئی ہے اور نوجوانی کا عالم ہے اسے توڑ کر چور کر دیتا ہے۔ (تا کہ دوسرے جوانوں کو عبرت ہو اور انہیں موت کا ڈر لگا رہے۔ مترجم)

اسی طرح دیکھو گے کہ بچوں کو اس طرح مبتلاء آزار کرتا ہے کہ ہر شخص ان پر ترس کھانے لگتا ہے (حالانکہ انسانوں میں ہمدردی و غم خواری کی تربیت کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے اس میں خود بچوں کی بھی تربیت ہوتی ہے اور ترس کھانے والوں کی بھی۔ یہ معاملہ مالک الملک اور رب العالمین کے بالکل شایان شان ہے۔ ۱۲ از مترجم)

ان سب کے ساتھ تم سے کہا جاتا ہے۔ ”ایّاک ان تشک فی انه ارحم الراحمین“، خبردار! اس کے ارحم الراحمین ہونے میں شک نہ کرنا۔

تنبیہ: واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ارحم الراحمین ہونے میں شک کسی مؤمن

عارف کونہیں ہوسکتا۔ اگر اندھا اور بے بصیرت ہوتو اس کا ذکر ہی کیا۔ عارف کا ہر لمحہ اس کے الطاف وعنایات اور رحم وکرم کے مشاہدہ میں گزرتا ہے بلکہ عارف کو ان حضرات پر تعجب ہوتا ہے جو مصائب وآلام کی شکایت کرتے پھرتے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی کا مقصود یہ ہے کہ اول وہلہ میں ایسے مواقع پر عقل کو جھٹکا لگتا ہے۔ اب اگر وہ عارف اور منقاد ہوگی تو اس پر ان امور کی حقیقت پانا آسان ہے ورنہ دشوار۔ (۱۲مترجم)

ایک انسان کو یہ واقعہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (اتمام حجت کے لیے) فرعون کے پاس پیغام رسالت دے کر بھیجا اور اسی سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی فرعون کو گمراہ کیا۔

اور تم جانتے ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اکلِ شجرہ سے چارہ نہ تھا اس کے باوجود انہیں تنبیہ کی گئی۔ "وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی" انہی جیسے سوالات میں ایک مخلوق متحیر ہے حتیٰ کہ کفر اور تکذیب تک پہنچ گئی۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی ان امور کا راز کریدنے کی کوشش کرتے تو یہ سمجھ لیتے کہ ان سارے امور کو مان لینے اور تسلیم کر لینے کا عقل کو اس لیے مکلّف بنایا گیا ہے تاکہ اس میں یقین اور پختگی پیدا ہو۔ (کیونکہ جب کوئی حقیقت بہت غور وفکر اور بڑے خطرات کے بعد سمجھ میں آتی ہے تو بہت قابل قدر ہوتی ہے اور اگر پھر بھی نہ سمجھ میں آوے لیکن عقل سرکشی بھی نہ کرے بے سمجھے مانتی رہے تو یہ ایسا مضبوط حصار ہے جسے ابلیس اعظم بھی اپنی تمام چالاکیوں اور مکاریوں کے باوصف نہیں توڑ سکتا۔ ۱۲مترجم)

اور یہ وہ بنیادی بات ہے کہ جو اسے سمجھ لے اُسے ہر گمراہی سے سلامتی حاصل ہو اور اس میں تسلیم وتفویض پیدا ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمارے لیے ان مشکلات کو کھول دے جن میں پڑ کر گمراہ فرقے متحیر ہوگئے۔ بیشک وہ بہت قریب ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے۔

وقت کی قدر وقیمت

مجلس..... انسان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کی قدر وقیمت کو جانے، اپنا ہر لمحہ نیکی اور

طاعت میں صرف کرے اور جو نیکیاں خواہ عملی ہوں یا قولی افضل ہوں پہلے ان میں لگے پھر دوسری اور تیسری میں اور اعمال شاقہ میں کوتاہی کیے بغیر ہر عمل خیر میں نیت تو ضرور درست رہنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ "مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔"

حضرات سلف کی جماعت کا یہ حال تھا کہ اپنا ایک ایک منٹ عمل میں لگانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک شخص نے عرض کیا تھوڑی دیر مجھ سے بات کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: سورج کو روک لو (تا کہ یہ لمحات فضول ضائع نہ ہوں)

اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کو (نزع کے وقت) تلقین شروع کی تو فرمایا بیٹے مجھے چھوڑ دو میں اس وقت اپنے چھٹے وظیفہ میں مشغول ہوں۔

بعض بزرگان دین کے پاس لوگ نزع کے قریب گئے تو انہیں اسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ ان سے عرض کیا گیا (کہ کیوں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں؟) تو فرمایا: یہ وہ وقت ہے کہ میرا صحیفہ اعمال بند کیا جانا ہے۔

واقعی بات ہے کہ جب انسان کو اس کا یقین ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے خوب مجاہدے کیے ہوں اور اعمال کا ذخیرہ کر چکا ہو کہ موت اسے عمل سے روک دے گی تو اپنی زندگی میں ایسے اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا اجر موت کے بعد بھی جاری رہے۔

چنانچہ اگر اس کو کچھ مالِ دنیا میسر ہوا تو وقف کرتا ہے، سڑکوں پر درخت لگاتا ہے، نہریں کھدواتا ہے اور ایسی اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے بعد اللہ کا ذکر کرے تا کہ ان سب کا اجر اُسے پہنچے۔ اور اگر عالم ہوا تو علمی کتابیں تصنیف کرتا ہے کیونکہ عالم کی تصنیف اس کے حق میں باقی رہنے والی اولاد کی طرح ہے۔

نیکیوں کو سیکھ سیکھ کر ان پر عمل کرتا ہے تا کہ دوسرے لوگ اس کا عمل دیکھ کر اس کی نقل کریں (اور یہ صدقہ جاریہ ہو جائے)

یہی وہ حضرات ہیں جو (مرجانے کے باوجود) کبھی مرتے نہیں ہیں۔ "قَلْمَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ اَحْيَآءٌ" کچھ لوگ بظاہر مر گئے لیکن لوگوں کے دلوں میں (اپنی اچھی یاد کی وجہ سے) زندہ ہیں۔

شیطان کی ایک بڑی چال

مجلس.... میں نے شیطان کا بڑا مکر اور اس کی چالبازی یہ دیکھی کہ وہ ارباب دولت کو طرح طرح کی آرزوؤں میں گھیرے رہتا ہے اور ایسی لذات میں مشغول کیے رہتا ہے جو انہیں آخرت کی یاد اور اس کے اعمال سے پھیرے رہیں۔ پھر جب مال جمع کرنے پر آمادہ کر کے مال سے ان کا تعلق جوڑ دیتا ہے تو ان میں بخل پیدا کرنے کے لیے مشورہ دیتا ہے کہ اس کو بچا بچا کر خرچ کرو۔ یہ اس کا مضبوط حیلہ اور قوی مکر ہے۔

پھر اسی مال کے معاملہ میں ایک اور دقیق اور مخفی حیلہ اختیار کرتا ہے وہ یہ کہ مؤمنین مخلصین کو اس کے جمع کرنے سے ڈراتا ہے جس کے نتیجہ میں طالبین آخرت مال سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور توبہ کرنے والے اپنے کو مال سے علیحدہ کر لیتے ہیں اور مسلسل شیطان انہیں زہد پر اُبھارتا اور مالِ دنیا کے ترک کا مشورہ دیتا رہتا ہے اور کسب کے راستوں سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ ثابت کر دے کہ میں ان کا خیر خواہ ہوں اور ان کا دین محفوظ رکھنا چاہتا ہوں حالانکہ اس کے اندر اس کی عجیب عجیب چالیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان ان توبہ کرنے والوں کے ان بعض مشائخ کی زبان پر جو ان کے مقتداء ہوتے ہیں ان سے بات کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ اپنے سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤ اور زاہدوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرو۔ جب تک تمہارے پاس صبح وشام کے کھانے کا انتظام رہے گا۔ زاہد نہ ہو سکو گے اور عزیمت کے مراتب نہ پا سکو گے بلکہ ان کے سامنے کبھی کبھی ایسی حدیثیں بھی پڑھ دیتا ہے جو یا تو صحیح سند سے ثابت نہیں یا کسی خاص سبب یا خاص علت پر مبنی ہوتی ہیں۔

پھر جب ان کے ہاتھ مال سے خالی ہو جاتے ہیں اور وہ کمانے کے لائق نہیں رہ جاتے تب شیطان ان کی طمع دوستوں کے عطایا اور ہدایہ سے متعلق کرنا شروع کرتا ہے یا بادشاہوں (اور امراء) کی صحبت کی خوبیاں بیان کر کے ان کی طرف مائل کر دیتا ہے کیونکہ انسان زہد اور ترک دنیا

کی راہ پر چند روز ہی چل سکتا ہے۔ پھر طبیعت کے تقاضے عود کرتے ہیں اور اپنے مطلوبات مانگتے ہیں۔ تب یہ شخص جس حالت سے بھاگا تھا اس سے بدتر حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پھر ان مطلوبات کی تحصیل میں سب سے پہلا جو سامان خرچ کرتا ہے وہ اپنا دین اور اپنی آبرو ہے اور وہ امراء کے ہاتھ میں صافی بن جاتا ہے اور دینے والوں کے بجائے مانگنے والوں کی صف میں آجاتا ہے۔

اگر وہ مردانِ راہ اور ہوش مندان طریق کے حالات پر نگاہ ڈالتا اور اصحاب علم سے صحیح احادیث حاصل کر کے ان میں غور کرتا تو اُسے یہ معلوم ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مال و دولت کی اس قدر بہتات تھی کہ ان کا علاقہ ان کے جانوروں سے تنگ پڑنے لگا تھا اور یہی حال حضرت لوط علیہ السلام اور دوسرے بہت سے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت کا تھا۔

صبر تو ان حضرات نے نہ ہونے کی صورت میں کیا اور یہ حضرات اتنی روزی کمانے سے کبھی نہیں رُکے جو ان کی بقاء کے لیے ضروری ہو اور مال موجود ہونے کے وقت مباحات کے کھانے سے پرہیز بھی نہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تجارت فرمایا کرتے تھے۔

ہاں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیت المال سے ملنے والے وظیفہ میں جو ضرورت سے زائد ہوتا اسے خرچ تو فرمادیتے تھے لیکن دوستوں اور احباب کے سامنے اپنی حاجت لے جانے کی ذلت سے ابھی اپنے کو بچاتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل اس باب میں یہ تھا کہ ہدایہ واپس بھی فرماتے اور کسی سے سوال بھی نہ کرتے تھے (اور نہ سوال کی صورت بنائے رکھتے تھے)۔

میں نے بہت سے دیندار علماء کی اس حالت پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ ابتداء میں تو تحصیل علم کے شغل نے انہیں کمانے کے ذرائع سے مشغول رکھا۔ پھر جب انہوں نے روزی کی ضرورت محسوس کی (اور حصول کی سہل صورت سمجھ میں نہ آئی) تو اپنے کو ذلت کے راستے پر ڈال دیا۔ حالانکہ سب سے زیادہ عزت کے وہی حقدار تھے۔

گزشتہ زمانے میں تو بیت المال ایسے حضرات کی کفالت کرتا تھا اور انہیں دوستوں کے عطیے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی لیکن اب جب کہ بیت المال نہ رہے کوئی دیندار بغیر اپنا دین فروخت کیے کچھ بھی دنیا نہیں حاصل کر پاتا۔

کاش! وہ ذرا غور کر لیتا کہ اس صورت میں اکثر دین تو ضائع ہو جاتا ہے اور دنیا سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

لہٰذا ہر سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ جو دولت اس کے پاس ہے اس کی نگہداشت کرے اور کچھ روزی کمانے کی کوشش کرے تاکہ (اس کا دینی نفع یہ ہو کہ) ظالموں کی مدارات اور جاہلوں کی مداہنت سے مامون ہو جائے اور ان جاہل صوفیاء کی بکواس کی طرف التفات نہ کرے جو فقر کے سلسلے میں اُلٹے سیدھے احوال کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بھلا فقر کیا ہے؟ صرف عاجزوں و درماندوں کا مرض ہے۔ (اگر پست حوصلگی کے سبب ہو اور اگر حوصلے کے ساتھ فقر اختیار کیا جائے تو افضل الاحوال ہے کیونکہ افضل الانبیاء کا حال تھا ۱۲ مترجم) اور فقر پر صبر کرنے والوں کو وہی ثواب ملتا ہے جو مرض پر صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔

اور اگر دنیاوی معاملات میں لگنے سے گھبراہٹ ہوتی ہو اور (پست حوصلگی کے سبب) قدر کفایت پر قناعت کرتا ہو تو یہ جواں مردوں کا مرتبہ نہیں ہے بلکہ کمزور دل زاہدوں کا مقام ہے۔

اور جو شخص اس نیت سے کماتا ہو کہ دینے والا بنے لینے کا محتاج نہ رہے، صدقہ کرنے والا بنے اس کا مستحق نہ رہے تو یہ مرتبہ اصحاب فضل (وہمت) اور بہادروں کا ہے۔

جس نے اس فصل کو غور سے پڑھ لیا اسے غنا کا شرف اور فقر کے اندر پوشیدہ خطرات کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

نفسانی لذتوں کے حاصل نہ ہونے پر اصحاب علم کی حسرت

مجلس.... میں نے اصحاب فضیلت کے احوال پر غور کیا تو ان میں سے بہتوں کو دیکھا کہ وہ مال دنیا سے محروم ہیں اور دنیا عام طور پر کم درجہ کے لوگوں کے پاس نظر آئی۔

پھر مجھے اصحاب فضیلت کا معاملہ یہ نظر آیا کہ وہ اس دنیا کے نہ پانے پر حسرت وافسوس

میں مبتلا ہیں جسے اہل نقص نے حاصل کرلیا ہے بلکہ بعض حضرات تو اس کے افسوس میں گھلنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر میں نے ایسے ہی حسرت میں مبتلا ایک صاحب کو پکڑا اور ان سے کہا تمہارا برا ہو۔ اگر تم اپنی حالت کو سوچو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ چند وجوہ تم غلطی پر ہو۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر تمہارے اندر دنیا کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو تا کہ نہ ملنے پر جس افسوس میں پڑے ہو اس سے راحت پا جاؤ کیونکہ تمہارا ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھا رہنا اور دوسروں کے مال و دولت کو دیکھ کر اظہار حسرت کرنا انتہا درجہ کے عجز کا مظاہرہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کے حاصل کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تم سہولت سے دنیا سے گزر جاؤ نہ یہ کہ (بلا ضرورت) تعمیر پر تعمیر کرتے جاؤ۔ یہ ایسی بات ہے کہ خود تمہاری معلومات اور تمہارا فہم بھی اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

اور جو زائد دنیا اہل نقص نے حاصل کر رکھی ہے وہ ان کے جسم و جان اور دین و ایمان دونوں کے لیے مضر ثابت ہوتی ہے۔ تم یہ سب جانتے ہو اس کے باوجود تم اس دنیا کے نہ ہونے پر غمگین ہو جس کا نہ ہونا ہی تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ زیادہ سے زیادہ تمہاری یہ حسرت اور افسوس اس مال کے ترک پر، جس کا تم سے دور رہنا ہی قرین مصلحت تھا، ایک سزا ہے۔ تو اگر تم اس کے سبب آخرت کے عذاب سے بچ سکتے ہو تو اس دنیاوی سزا پر قناعت کرلو۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تم کو فی الجملہ اس کا علم ہے کہ دنیاوی غذاؤں اور لذتوں کے حصوں میں جانوروں کے مقابلے میں انسانوں کا حصہ بے حد کم ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں جانور امن کے ساتھ حاصل کرلیتا ہے اور تم خوف کے ساتھ اور تھوڑی مقدار میں پاتے ہو تو اب اگر تمہاری خواہش کے مطابق تمہارا دنیوی حصہ بڑھا دیا جائے تو گویا تم کو اس معنی کر جانوروں کے ساتھ لاحق کر دیا گیا کہ یہ دنیا تمہارے فضائل کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بنے جبکہ خرچ کی کمی مراتب کے حصول پر ابھارتی ہے۔

پس جب تم نے دنیوی لذات کے کم ہونے کے باوجود دنیا ہی کو ترجیح دی تو تم نے اس چیز پر اقدام کیا جس کی خرابی تمہیں معلوم تھی اور تم نے اپنے علم کو بدنام کیا اور اپنی رائے کی کمزوری پر دلیل فراہم کردی۔

لغزشیں

مجلس...ایک دن میں نے اس پر غور کیا کہ آخر علماء ان شہوات کو کیونکر اختیار کر لیتے ہیں جن کی ممانعت نصوص میں موجود ہے اور یہ ایسا مقام ہے کہ اگر ایک حقیقت واضح نہ ہوتی تو کفر کے قریب ہو جاتے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ عین گناہ کے وقت ان کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔

بعضے تو گناہ کے گناہ ہونے سے ناواقف ہوتے ہیں تو یہ ایک درجہ کا عذر رہے اور بعضے حرام کو مکروہ سمجھتے ہوتے ہیں تو یہ بھی پہلی قسم کے قریب ہیں۔ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام اسی قسم میں داخل ہوں (کہ اکل شجرہ میں درجہ حرمت کی ممانعت نہ سمجھی ہو اور جنت میں رہنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ارتکاب فرمالیا ہو لیکن تحقیق یہ ہے کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے بالکل جائز امر کا ارتکاب فرمایا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ مکروہ سمجھتے ہوئے ارتکاب فرمایا ہو اور اجتہاد میں چوک انبیاء سے ممکن ہے ان کی شان کے خلاف نہیں ہے۔۱۲ مترجم)

اور کچھ ایسے ہیں کہ تاویل کرتے ہیں اگر چہ غلط کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک متعین درخت کے (پھل کے) کھانے سے روکا گیا تھا لیکن آپ نے اسی جنس کا دوسرا پھل کھالیا (یہ سمجھا کہ خاص اسی درخت سے ممانعت ہے۔۱۲ مترجم)

اور بعضے اس فعل کی حرمت سے واقف ہوتے ہیں مگر شہوت کے غلبہ کے سبب انہیں حرمت یاد نہیں رہ جاتی۔ گویا جو چیز دیکھ رہے ہیں وہ انہیں اس حرمت سے مشغول کر لیتی ہے جس کا انہیں علم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چور کو ہاتھ کا کٹنا یاد نہیں رہتا بلکہ مال کا لطف حاصل کرنے میں بالکل بے خبر ہو جاتا ہے اور زانی کو عین زنا کے وقت رسوائی اور حد زنا یاد نہیں رہتی کیونکہ نظر آنے والی چیز ذہن میں رہنے والی چیز سے ذہول کرا دیتی ہے۔

اور بعض لوگ اس کا گناہ ہونا بھی جانتے ہیں اور یہ انہیں یاد بھی رہتا ہے تو ان کے معاملہ پر سکوت مناسب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہوش مند کو احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اور کیوں نہ کرے گا جب کہ اسے معلوم ہے کہ اس حکمت والی اور سلطنت والی ذات نے ربع دینار چرانے پر ہاتھ کاٹنے کا

حکم دیا ہے اور مضبوط جسم کو پتھروں سے رجم کے ذریعہ ہلاک کرنے کا قانون بنایا ہے اور یہ سب صرف ایک لحہ کی لذت کے سبب۔

اور کتنی قوموں کو زمین میں دھنسادیا کتنوں کی صورتیں مسخ کردیں اور کتنوں کو غرقاب کردیا۔

قانونِ جزا

مجلس.... جو بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں غور کرے گا ان کو قانون عدل کے مطابق پاوے گا اور اسے یہ اندازہ ہوگا کہ ہر کام کا بدلہ ضرور ملتا ہے خواہ کچھ مدت بعد سہی۔

لہٰذا جس شخص کی غلطیوں پر چشم پوشی کی جارہی ہو اسے دھوکہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ بدلہ ملنے میں تاخیر بھی ہوا کرتی ہے۔

سب سے بدتر گناہ جس کی سزا بھی بڑی ہے اپنے گناہوں پر اصرار کرنا ہے۔ کیوں پھر ایسا شخص دکھلاوے کا استغفار و نماز اور عبادتیں کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ ریا کاری مفید ہوگی (حالانکہ اصرار گناہ کے ساتھ ظاہری عبادتیں بیکار ہیں)۔

اور سب سے زیادہ دھوکہ میں وہ شخص مبتلا ہے جو خود تو ایسے افعال کرے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کی آرزو باندھے جنہیں وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے:

وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِىَّ.

''وہ بڑا احمق ہے جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے تابع کرلیا اور اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی آرزوئیں باندھیں۔''

اس لیے سمجھدار آدمی کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ کئے کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو عار دلاتے ہوئے کہہ دیا اے مفلس! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود میں افلاس میں مبتلا ہوگیا۔ چالیس سال کے بعد۔

اور حضرت ابن الجلاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایک امرد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے شیخ نے دیکھ لیا تو فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ آئندہ تمہیں اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ چالیس سال کے بعد میں قرآن شریف بھول گیا۔

اس کے برعکس جنہوں نے نیک اعمال کیے اور نیت درست رکھی تو انہیں اس کے اچھے بدلہ کا منتظر رہنا چاہیے۔ اگرچہ کچھ مدت بعد سہی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَایُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ.

''بیشک جنہوں نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا اور صبر کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔''

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عَنْ مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَثَابَهُ اللّٰهُ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ.

''جس نے اپنی نگاہ کسی اجنبی عورت کو گھورنے کے بجائے نیچی کر لی اللہ تعالیٰ اس کے عوض ایمان میں ایسا اضافہ فرما دیں گے جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔''

حاصل یہ کہ عقلمند آدمی کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ:

''مِیْزَانُ الْعَدْلِ لَایُحَابِیْ'' (عدل کی ترازو بیجا کسی طرف نہیں جھکتی)

جاہل صوفیاء کی حماقتیں

مجلس.... میں نے صوفیاء اور زاہدوں کے حالات میں غور کیا تو ان کے اکثر احوال کو کچھ تو شریعت سے ناواقفیت کے سبب اور کچھ ذاتی اختراعات کی وجہ سے شریعت سے منحرف پایا۔ وہ ایسی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں جن کے حقیقی معنی نہیں سمجھتے اور ایسی احادیث کو حجت بناتے ہیں جن کے اسباب کچھ اور تھے بلکہ اکثر تو ثابت بھی نہیں ہوتیں۔ مثلاً انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیتیں سنیں ''وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ'' (دنیاوی ساز و سامان صرف دھوکہ کا سامان ہے)۔ ''اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ'' (دنیوی زندگی صرف کھیل تفریح اور آرائش کی چیز ہے) اور اس طرح کی حدیث سنی ''اَلدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَاةٍ مَیْتَةٍ عَلٰی اَهْلِهَا'' (دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک مردار بکری سے بھی کم تر ہے) تو ان لوگوں نے بجائے دنیا کی حقیقت معلوم کرنے کے اس کو چھوڑنے میں مبالغہ شروع کر دیا حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کی حقیقت نہ معلوم کر لی جائے نہ اس کی مدح درست ہے نہ

مذمت۔ چنانچہ جب ہم نے دنیا کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی تو ہم نے دیکھا کہ یہ روئے زمین جسے مخلوق کے لیے جائے قرار بنایا گیا ہے اسی سے ان کی روزی نکلتی ہے اور اسی میں ان کے مردے دفن ہوتے ہیں اور ایسی چیز جس میں انھی کی مصلحت اور نفع ہو مذموم نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح ہم نے روئے زمین پر پائے جانے والے پانی کھیت اور جانوروں کو دیکھا کہ سب کے سب آدمی کے نفع اور اس کی مصلحتوں کے لیے اور اس کی بقاء کا ذریعہ ہیں اور اس پر بھی غور کیا کہ آدمی اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اپنے رب کی معرفت اور اس کی فرمانبرداری کرے۔ پس جو چیزیں ایسے آدمیوں کی بقاء کا ذریعہ ہوں جو خدا کی معرفت وعبادت کریں وہ قابل مذمت ہونے کے بجائے قابل مدح ہیں۔ اب ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دنیا کی جو مذمت حدیث وقرآن میں وارد ہے وہ دنیا سے متعلق جاہلوں اور نافرمانوں کی حرکات کی وجہ سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مباح مال حاصل کرکے اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو شریعت اس پر کوئی ملامت نہیں کرتی۔ چنانچہ حضرت زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی وفات کے بعد مال کی جو مقدار چھوڑی وہ سب پر عیاں ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ کی مقدار چالیس ہزار درہم کو پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد نوے ہزار درہم چھوڑے۔ حضرت لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالانہ آمدنی بیس ہزار درہم تھی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی تجارت فرماتے تھے اور حضرت ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر سال دو ہزار اشرفی کی آمدنی ہوتی تھی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص زیادہ نکاح کرے اور باندیاں زیادہ رکھے تو وہ بھی قابل مدح ہے نہ کہ قابل مذمت کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باندیاں بھی تھیں اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں کثرت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں اور آپؓ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً چار سو نکاح فرمائے[1]۔

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک وقت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اوراس نکاح میں اگر کسی کا مقصد اولاد حاصل کرنا ہو تو یہ انتہائی بندگی ہے اور اگر لذت ہی حاصل کرنا ہو تو بھی مباح ہے بلکہ ایسے نکاح میں بھی بیشمار طاعتیں مضمر ہیں۔ مثلاً اپنی اور اپنی بیویوں کی عفت اور پاک دامنی وغیرہ۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پاکیزہ زندگی کے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی مہر میں گزار دیئے۔ اگر نکاح میں کچھ فضیلت نہ ہوتی تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک طویل زمانہ اس میں نہ گزرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے ''اس اُمت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے پاس بیویاں زیادہ ہوں'' جبکہ خود آپ کا یہ حال تھا کہ آپ اپنی ایک باندی سے جماع شروع کرتے (اور اس کو فارغ کر کے) دوسری میں انزال فرماتے۔

حضرت ربیع بن خثیم کی باندی نے بیان کیا کہ ربیع عزل کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کھانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے بدن میں قوت پیدا ہو جائے اور سواری کے مالک کو اپنی سواری کا خوب خیال رکھنا چاہیے تاکہ وہ اس کا بوجھ ڈھو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ بھی میسر آ جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرما لیتے تھے۔ اگر گوشت ملتا گوشت کھاتے' مرغ ملتا مرغ تناول فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ شیرینی اور شہد پسند تھا اور یہ کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مباح کھانے سے اجتناب فرمایا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فالودہ لایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تناول فرمایا اور پوچھا یہ کس خوشی میں ہے؟

لوگوں نے عرض کیا آج نوروز ہے (ایک تہوار) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارا نوروز تو ہر روز رہتا ہے۔ البتہ آسودگی سے زیادہ کھانا ضرور مکروہ ہے۔

اسی طرح تکبر اور ناز کے طور پر کپڑے پہننا بھی ناجائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چار سے زیادہ بیویاں رہی ہوں بلکہ آپ نکاح فرماتے تھے اور ایک رات کے بعد طلاق دیدیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ اگر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت ایک لمحہ کی بھی نصیب ہو جائے گی تو ان شاء اللہ قیامت میں سرخروئی حاصل ہوگی اور ایک شان حاصل ہوگی۔ ۱۲ مترجم

لیکن بہت سے لوگوں نے قدر ضرورت سے کم پر اس لیے اکتفا کیا کہ انہیں حلال خالص اتنا میسر نہیں ہو سکا جس سے ساری مراد حاصل کی جا سکتی ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جوڑا زیب تن فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ستائیس اونٹ کے عوض خریدا گیا تھا اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ایسا جوڑا تھا جو ایک ہزار درہم میں خریدا گیا تھا اور آپ اسی کو پہن کر تہجد پڑھا کرتے تھے لیکن ان سب کے علی الرغم کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زہد کا مظاہرہ کیا اور ایسا راستہ اختیار کر لیا جسے ان کے لیے خواہش نفس نے مزین کیا تھا۔ پھر اس کے لیے دلائل بھی فراہم کرنے کی کوشش کی حالانکہ قاعدہ یہ تھا کہ دلیل کا اتباع کیا جاتا نہ یہ کہ کوئی راستہ خود سے تجویز کر کے پھر اس کے جواز کے لیے دلیل ڈھونڈی جائے۔ ایسے حضرات کی مختلف قسمیں ہیں:

کچھ تو ظاہر میں تصنع اور مکر کرتے ہیں مگر باطن میں کچھار کے (خطرناک) شیر ہیں۔ خلوتوں میں شہوات وخواہشات پر عمل کرتے ہیں اور لذتوں میں مست رہتے ہیں اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بڑے صوفی اور زاہد ہیں۔ حالانکہ ان کا سارا زہد ان کی قمیص میں ہوتا ہے اور اگر ان کو غور سے دیکھا جائے تو ان کے اندر فرعون کا سا تکبر ملتا ہے۔

کچھ باطن کے اعتبار سے تو ٹھیک ہیں مگر احکام شریعت سے ناواقف ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مجلس لگاتے اور کتابیں لکھتے ہیں پھر کچھ جاہل ان کے پیرو بن جاتے ہیں تو ان جاہلوں کی مثال ایسے اندھوں جیسی ہوتی ہے جو کسی اندھے کو اپنا رہبر بنا لیں۔

اگر یہ لوگ قرنِ اول کے ان حالات پر نگاہ ڈالتے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے تھے تو راہ مستقیم سے نہ بھٹکتے۔

اور محققین کی جماعت کسی ایسی شخصیت کی پرواہ نہیں کرتی جو اگرچہ لوگوں کے نزدیک بڑا ہو لیکن کسی مسئلہ میں جادہ شریعت سے منحرف ہو گیا ہو بلکہ اس کو سخت ملامت کرتی ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ سے مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا ''نکاح کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔'' مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہنا چاہا کہ ابراہیم تو یوں کہتے ہیں ابھی

ابراہیم ہی کہہ سکتے تھے کہ بڑی زور سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم (سنت کے مقابلے میں) طریق کی چھوکریوں[1] کا نام لیتے ہوں۔

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی سے ذکر کیا گیا کہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو الف کھڑا رہا اور ب نے سجدہ کیا الخ تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے پاس نہ بیٹھنے دو۔

یہ خوب سمجھ لو کہ محقق کو کسی بڑی شخصیت کا نام دھلاتا نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر باطل پر تھے؟ تو آپ نے اس سے فرمایا:

اِنَّ الْحَقَ لَایُعْرَفُ بِالرِّجَالِ اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفُ اَهْلَهٗ.

"حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا حق کو پہچان لو اہل حق کو پہچان لو گے۔"

سچ عرض کرتا ہوں کہ لوگوں کے دلوں میں بہت سے حضرات کی عظمت اس قدر جمی ہوئی ہے کہ جب ان کی کوئی بات نقل کی جاتی ہے تو شریعت سے ناواقف لوگ اسے سنتے ہی قبول کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک دن میرے نفس نے سرکشی کی تو میں نے قسم کھالی کہ ایک سال پانی نہ پیوں گا۔ اگر یہ روایت ان کی طرف صحیح منسوب ہے تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی اور سخت لغزش ہے اس لیے کہ پانی ہی سے بدن میں غذائیں سرایت کرتی ہیں اور کوئی چیز پانی کا بدل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا جب انہوں نے پانی پینا چھوڑ دیا تو گویا اپنے بدن کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔

حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی (دور سے) لایا جاتا تھا اور یہ ایسی ذات کا فعل ہے جس کو پورا احساس تھا کہ یہ جان اپنی نہیں ہے اور اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک صوفی کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے جو اس نے خود بیان کیا کہ میں نے مکہ کا

---

[1] آپ سے غلبہ جوش میں یہ لفظ صادر ہو گیا ورنہ آپ خود بہت بڑے صوفی زاہد اور صاحب طریق تھے اور یہ غلبہ مذموم نہیں محمود ہے جیسا کہ اس کی نظائر حضرات انبیاء اور حضرات صحابہ میں بھی ہیں۔ ۱۲ مترجم

سفر بطریق توکل شروع کیا۔ میں ننگے پیر تھا راستہ میں اگر کانٹا دھنس جاتا تو اسے زمین سے رگڑ دیتا، پیر اُٹھاتا نہیں تھا اور میرے پاس ایک ٹاٹ تھا جب میری آنکھ دکھنے لگتی تو اس ٹاٹ سے رگڑ دیتا جس کی وجہ سے ایک آنکھ جاتی رہی۔

اور اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن کو عام طور سے قصہ گو واعظین کرامت پر محمول کرتے ہیں اور عوام کے سامنے ان کو بڑھا کر پیش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ باور کرادیں کہ ایسا کرنے والے مرتبہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ واللہ یہ حرکتیں بدترین گناہ اور بڑا عیب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" (اپنے کو ہلاک مت کرو) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَيْکَ حَقًّا" (تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تلاش کیا تھا اور جب ایک چٹان نظر آئی تو اسی کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لگایا تھا۔

دراصل اس طرح کی غلطیاں جو اس اُمت کے قدیم حضرات سے منقول ہیں ان کی ابتداء دو سبب سے ہوئی۔ ایک تو جہالت کے سبب دوسرے زمانہ رہبانیت سے قرب کے سبب۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ فرقد سنجی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایسا کھانا لایا گیا جس میں گوشت بھی تھا تو فرمایا یہ نہ مالکؒ کی دو روٹیاں ہیں نہ فرقد کے دو پیالے۔

اور ایک مرتبہ فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے بدن پر ایک کمبل دیکھا تو فرمایا اے فرقد! اہل جہنم وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں ٹاٹ استعمال کیا کرتے تھے[1]۔

---

[1] ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے واقعات پر نکیر اس لیے فرماتے ہیں کہ ان کا ظاہر موحش ہے ورنہ خود وہ بھی ان کو محمل حسن پر محمول کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی عبارتوں سے ظاہر ہے اور کیوں نہ محمول کیا جائے جبکہ یہ حضرات بہت زیادہ متبع شریعت تھے اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ میں دو سونے کے کنگن دیکھ کر نہیں فرمایا تھا "سواران من نار" (جہنم میں لیجانے والے کنگن ہیں) بھلا عورت کیلئے سونے کے کنگن میں کون سی حرمت تھی اور سوائے اسکے کون سی قباحت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر حب مال کو محسوس فرمالیا تھا یعنی وہ زکوٰۃ نہیں دیتی تھی۔ بس اسی طرح کی توجیہ مذکورہ واقعہ میں بھی ممکن ہے۔ ۱۲ حمزہ

بہت سے قصہ گو اپنی مجلس ایسے حضرات کے تذکرہ سے سنوارتے ہیں جو بلا دانہ پانی کے سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور اس سے بے خبر ہیں کہ یہ فعل نہایت برا ہے اور اللہ تعالیٰ کو آزمانا نہیں چاہیے۔ چنانچہ بعض جاہل ایسے قصے سن کر (بلا زادِ سفر) سیاحت کے لیے نکل پڑتے ہیں اور راستے میں مر جاتے ہیں تو ان کے گناہ کا ایک حصہ ان واعظین کو بھی پہنچتا ہے۔

بہت سے واعظین حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاحت کے دوران ایک مسافر عورت سے ملاقات کی اور دونوں نے بات چیت کی اور ان صحیح روایات کو بھولے رہتے ہیں جن میں یہ مروی ہے کہ ''کسی عورت کے لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے جائز نہیں ہے۔'' اور بعض یہ نقل کرتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگ پانی پر چلے۔ ابراہیم حربی نے فرمایا کہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے کہ کوئی کبھی پانی پر چلا ہو۔ جب انہوں نے یہ قول سنا تو کہنے لگے کہ تم اولیاء و صالحین کی کرامات کے منکر معلوم ہوتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہم کرامتوں کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ ان روایات کو مانتے ہیں جو صحیح سند سے ثابت ہوں۔

یہ خوب سمجھ لیجئے کہ صالح بزرگ وہ لوگ ہیں جو اتباع شریعت کا اہتمام کرتے ہیں اور نئی نئی عبادتیں نہیں ایجاد کرتے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ شَدَّدُوْا فَشَدَّدَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ.

''بنی اسرائیل نے اپنے اوپر سختیاں شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔''

اور بہت سے واعظین لوگوں کو فقر اختیار کرنے پر اُبھار دیتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض لوگ اپنے ہاتھ خالی کر لیتے ہیں پھر ان کا معاملہ اُلٹتا ہے تو اب ضرورت کے وقت یا تو اللہ پر غصہ کرتے ہیں (نعوذ باللہ) یا لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ تقلیل طعام کا مشورہ دے کر کتنے مسلمانوں کی تکلیف کا ذریعہ بنتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ثُلُثٌ طَعَامٍ ثُلُثٌ شَرَابٍ ثُلُثٌ نَفَسٍ'' تو بجائے اس حدیث کے حکم پر اکتفا کرنے کے لوگوں کو تقلیل میں مبالغہ کا مشورہ دینے لگے۔

چنانچہ ابوطالب مکی نے ''قوت القلوب'' میں نقل کیا ہے کہ صوفیاء میں ایک صاحب

تھے ہر روز صبح ایک کھجور تول کر کے لیتے اور پورے چوبیس گھنٹے میں صرف اس کی تھوڑی سی تری کم ہوتی تھی۔ بچپن میں میں بھی ان کی اقتداء کرنے لگا لیکن میری آنت تنگ ہوگئی جس کے نتیجے میں کئی سال مرض میں مبتلا رہا۔ بھلا بتاؤ یہ فعل کس حکمت کا تقاضا ہے یا کون سی شریعت کا پسندیدہ ہے؟ آدمی کی قوتیں ہی اس کی سواری ہیں جب وہ انہیں میں وہ تقلیل کرے گا تو عبادت کرنے کے لائق نہیں رہ جائے گا۔

یہ کبھی نہ کہنا کہ حلال خالص کا حاصل کرنا دشوار تھا اس لیے اس دشواری سے بچنے کے لیے ایسا زہد اختیار کیا گیا کیونکہ مؤمن کو بس یہ دیکھ لینا کافی ہے کہ جو طریقہ کسب کا اس نے اختیار کیا ہے وہ حلال ہے یا نہیں اس پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ جب سے وہ مال پیدا ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک کے تمام ذرائع کی تحقیق کرے (کہ آیا یہ سب حلال تھے یا نہیں؟) چنانچہ اگر ہم مثلاً روم کے علاقہ کو فتح کر کے وہاں پہنچیں تو شراب کی قیمتیں اور گناہوں کی اُجرت میں لگے ہوئے پیسے ملیں گے لیکن وہ ہمارے لیے غنیمت کے نام سے حلال ہوں گے۔ کیا تم ایسا حلال تلاش کرتے ہو کہ مثلاً سونا جب سے اپنی کان سے نکلا ہے اب تک کسی ناجائز کام میں خرچ نہ ہوا ہو یہ تو ایسی قید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کا مال حرام تھا لیکن جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر گوشت صدقہ کیا گیا اور انہوں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عین اسی گوشت کا کھانا وصف کے بدل جانے کی وجہ سے جائز ہو گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''میں طعام میں (زیادہ) تقلیل کو مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ بہت سے لوگوں نے ایسا کیا تو وہ فرائض بھی ادا کرنے کے لائق نہیں رہ گئے۔''

واقعی آپ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کیونکہ جو لوگ کھانے میں کمی کرتے رہتے ہیں وہ پہلے نوافل سے عاجز ہوتے ہیں پھر فرائض سے پھر اپنی بیوی کے حقوق سے اور اس کو پاک دامن رکھنے سے پھر بال بچوں کے لیے کمانے سے اور ان تمام افعال خیر سے جن کو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔

اور تم اُن احادیث کو سن کر گھبرا مت جاؤ جو بھوک کی فضیلت کے سلسلے میں وارد ہیں

کیونکہ ان کا مقصود یا روزہ پر اُبھارنا ہے یا بہت زیادہ کھانے سے منع کرنا ہے۔ رہا مستقل اتنا کم کھانا جو قویٰ میں مؤثر ہو جائے وہ تو جائز ہی نہیں ہے۔

میں اس وقت جن کی مذمت کر رہا ہوں انہیں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا خیال گوشت ترک کرنے کا ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند تھا کہ روزانہ گوشت تناول فرمائیں۔

مجھ سے بے محابا سن لو! اور میرے اوپر لوگوں کے نام پیش کر کے حجت مت کرنا کہ کہنے لگو بشر نے یوں کہا اور ابراہیم بن ادہم نے یوں فرمایا کیونکہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حجت پکڑی اس کی دلیل اور حجت سب سے قوی اور مضبوط ہے۔

اگرچہ ان حضرات سلف کے ایسے واقعات کی توجیہات موجود ہیں اور ان سے حسن ظن کی وجہ سے ہم ان کو انہی توجیہات پر محمول بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے استاذ سے بعض بڑے بزرگان دین کے اس فعل کی حکمت پوچھی کہ انہوں نے اپنی لکھی حدیث کے مجموعوں کو دفن کرا دیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا بہتر جواب سکوت ہے یعنی آپ کا اشارہ یہ تھا کہ اس فعل کا منشاء سراسر جہل تھا لیکن میں نے ان کی طرف سے یہ تاویل کی کہ شاید جو مجموعے دفن کرائے ہیں ان میں کچھ اپنی رائے بھی لکھ لی ہوگی پھر بعد میں اس خیال سے دفن کرا دیا ہوگا کہ لوگ میری ان آراء پر عمل نہ کریں۔

ہمیں حدیث کے سلسلے میں احمد بن ابی الحواری کے متعلق یہ روایت پہنچی کہ انہوں نے اپنے لکھے ہوئے مجموعے سمندر میں پھینک دیئے اور ان کو خطاب کر کے کہا "تمہارے اندر بہترین دلائل تھے لیکن جب ہم مدلول تک پہنچ گئے تو اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

ان کے اس فعل پر اگر ہم ان سے حسن ظن رکھیں تو یہ تاویل کر لیں گے کہ اس میں خود ان کا کچھ ایسا ذاتی کلام رہا ہوگا جس کی اشاعت انہیں ناپسند ہو کیونکہ اگر ان میں سارے علوم صحیح مان لیے جائیں تو اس سے بڑھ کر اضاعت علم کیا ہو سکتی ہے؟

اور میں نے اگرچہ ان حضرات کی طرف سے تاویل کر دی ہے لیکن یہ تاویل صرف علماء کے حق میں درست ہوگی کیونکہ ہمیں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے بھی اپنے مجموعے کو دفن کرا دینے کی وصیت فرما دی تھی اور یہ اس

لیے کہ آپ نے کچھ غیر معتبر لوگوں سے بھی روایتیں لکھ لی تھیں جس پر آپ کو ندامت بھی تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حدیث جمع کرنے کی ہوس نے اس پر اُبھارا۔ گویا اس دفن کی وجہ یہ تھی کہ آپ ضعفاء ومتروکین کی روایتیں بھی لکھ لیتے تھے۔ پھر جب امتیاز دشوار معلوم ہوا تو سب کو دفن کر دینے کی وصیت فرمادی۔ اسی طرح ان تمام علماء نے جنہوں نے کچھ اپنی رائے کا اضافہ کر رکھا تھا پھر اس سے رجوع کر لیا تھا۔ ان کے لیے اس کی گنجائش تھی کہ ایسی کتابیں دفن کرا دیتے۔ پس یہ تاویل علماء کے حق میں تو درست ہوئی۔ رہے زاہد! تو انہوں نے علماء کے فعل کا ظاہر دیکھ لیا اور اپنی اچھی کتابیں بھی اس نیت سے دفن کرا دیں کہ انہیں عبادت سے مشغول نہ کرے۔ حالانکہ اس کا منشاء سراسر جہل ہے کیونکہ انہوں نے ایسے روشن چراغ کو بجھانا چاہا جس سے انہیں روشنی ملتی تھی اور اس مال کو ضائع کرنے کی جرأت کی جس کا ضائع کر دینا ان کے لیے حلال نہیں تھا اور ایسے ہی لوگوں میں جنہوں نے کتابوں کے دفن کر دینے کی حرکت کی۔ یوسف بن اسباط ہیں۔ پھر حدیث بیان کرنے سے صبر بھی نہ ہوا تو خلط شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعفاء میں شمار کیے گئے۔

ہم سے عبدالوہاب بن المبارک نے محمد بن مظفر شامی، احمد بن محمد عتیقی، یوسف بن احمد، محمد بن عمر عقیلی، محمد بن عیسیٰ اور احمد بن خالد خلال کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے شعیب بن حرب کو بیان کرتے سنا کہ میں نے یوسف بن اسباط سے پوچھا۔ آپ نے اپنی کتابوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کہنے لگے کہ میں ایک جزیرہ پر گیا جب پانی خشک ہوا تو اس میں دفن کر دیا پھر اس پر پانی آیا اور اس نے سب کو ختم کر دیا۔ میں نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا تاکہ ساری فکر ایک طرف متوجہ ہو جائے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے)

اور عقیل نے آدم اور امام بخاری کے واسطے سے بیان کیا کہ حضرت صدقہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوسف بن اسباط نے اپنی کتابیں دفن کر دیں۔ بعد میں ان کو حدیثوں میں نسیان ہونے لگا اور وہ اچھی طرح بیان نہیں کر پاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابوں میں ایسا علم موجود تھا جو بعد

والوں کے لیے مفید ہوتا لیکن کم علمی کے سبب ایسی کوتاہی سرزد ہوگئی جس سے قصد تو کیا گیا تھا خیر کا لیکن تھا درحقیقت وہ شر۔ اگر ان کی کتابیں بھی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی طرح ہوتیں کہ ان میں بھی ضعفاء کی روایت ہوتی اور تمیز کرنا دشوار ہوا ہوتا تو یہ بھی ان کی طرح معذور ہوتے لیکن خود ان کی یہ توجیہ ''کہ ساری فکر آخرت کی طرف ہوجائے'' یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کو وہ عذر نہ تھا۔

غور کیجئے کہ قلت علم اچھے لوگوں کے ساتھ بھی کیا سلوک کیا کرتی ہے۔

ہمیں فن حدیث کی ایک بڑی صاحب عظمت شخصیت کے متعلق خبر پہنچی جن کی ہم لوگ زیارت کو بھی جاتے ہیں کہ انہوں نے دریائے دجلہ کے کنارے پیشاب کیا اور تیمّم کرلیا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ پانی تو آپ کے قریب ہی موجود تھا؟ انہوں نے فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے میں پانی تک نہ پہنچ سکوں (اور موت آجائے) اس قول سے اگرچہ ان کا قصرِ امل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اسے فقہاء نے سنا تو ان کا مذاق بنایا کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم درست ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب پانی قریب ہی موجود تھا تو تیمّم کی صورت اختیار کرنا لغو تھا اور موجود ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بالکل پہلو میں رکھا ہوا ہو۔ اگر کچھ دور بھی ہو تو بھی موجود سمجھا جائے گا اور ایسی صورت میں نہ تیمّم معتبر ہے اور نہ اس کا اثر مرتب ہوگا۔

جس نے مذکورہ تمام باتوں پر غور کیا اسے اس کا یقین ہو جائے گا کہ ایک فقیہ عالم۔ اگرچہ اس کے متبعین تھوڑے ہوں اور جب اس کے پیروکار ختم ہوجائیں تو اس کا نام ونشان مٹ جائے۔ ایسے ہزاروں سے افضل ہے جن کو عوام تبرکاً چھوتے ہوں اور جن کے جنازوں کے پیچھے پیچھے بے شمار مخلوق چلتی ہو۔

لوگوں میں بھلا کون صاحب فضل ہے سوائے اس عالم حدیث کے جس کا ہم اتباع کریں اور سوائے اس فقیہ کے جو شریعت کی مراد سمجھتا ہو اور اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہالت سے محفوظ رکھیں اور بلا دلیل (تصوف کے اعمال و اشغال میں) اسلاف کی بیجا تقلید سے پناہ میں رکھیں۔

اور جس نے قرنِ اول پر نظر رکھی اسے دوسرے سارے گھاٹ گدلے نظر آویں گے۔

دراصل سب سے بڑی آزمائش عوام کی تعریفیں ہیں۔ کتنوں کو انہوں نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مَآ اَبۡقٰی خَفۡقُ النِّعَالِ وَرَاءَ الۡحُمۡقٰی مِنۡ عُقُوۡلِهِمۡ شَيۡئًا.

"کم عقلوں کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کے جوتوں کی آواز ان کی رہی سہی عقل بھی ختم کر دیتی ہے۔"

ہم نے خود مشاہدہ کیا کہ عوام کسی کی مدح کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں رات میں سوتے نہیں ہیں۔ دن میں روزہ رکھتے ہیں، بیوی کو پہچانتے بھی نہیں، کبھی دنیا کی کوئی مزیدار چیز نہیں چکھی، بیچاروں کا جسم لاغر ہو گیا ہے، ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ حتیٰ کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں اور ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ یہ صاحب ان تمام علماء سے بہتر ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور مباح لذات دنیوی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

یہ ہے ان عوام کا مبلغ علم! اگر کچھ سمجھ رکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اگر ساری دنیا اپنی تمام مباح لذات وشہوات کے ساتھ ایک لقمہ میں جمع ہو جائے اور اسے ایسا عالم کھا لے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا فتویٰ دیتا ہو اور اس کی شریعت لوگوں کو بتلاتا ہو تو اس کا یہ ایک فتویٰ جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کی رہبری کر رہا ہے ایسے عابدوں کی ساری زندگی کی عبادت سے افضل و بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: "فَقِيۡهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلٰی اِبۡلِيۡسَ مِنۡ اَلۡفِ عَابِدٍ" میری یہ باتیں سن کر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں ان علماء کی بھی مدح کر رہا ہوں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ میں تو ان علماء کی تعریف کر رہا ہوں جو اپنے علم پر عمل کرنے والے ہیں اور جو اپنی حالت کے مناسب مصلحتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ چنانچہ ان میں ایسے علماء بھی ہیں جو موٹے جھوٹے کو اپنی مصلحت کے مناسب خیال کرتے تھے۔ جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے علماء بھی ہیں جو باذوق اور نفیس زندگی گزارنے والے ہیں جیسے (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام فضیلتوں کے ساتھ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ورع کے ساتھ، امام مالک اپنے تدین کے ساتھ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت فہم کے باوصف۔

لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص (اپنی قوت برداشت وتحمل کا اندازہ کیے بغیر) ان احوال

کو اپنانے کی کوشش کرے جن پر دوسروں کو قوت حاصل تھی کیونکہ ہر انسان اپنی حالت سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے: "اِنْ کَانَ صَلَاحُ قَلْبِکَ فِی الْفَالُوْذَجِ فَکُلْہُ" (اگر تمہارا نفس فالودہ ہی کھا کر ٹھیک رہتا ہو تو وہی کھایا کرو)

لہٰذا اے قارئین! آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو صرف زہد کی صورت دیکھتے ہیں کیونکہ بہت سے خوش عیشوں کا مقصد تنعم نہیں ہوتا بلکہ وہ مصلحت کے تحت ایسا کرتے ہیں اور چونکہ ہر بدن سختی کا تحمل نہیں کر پاتا۔ خصوصاً ان لوگوں کا بدن جنہیں مشقتوں کا سامنا ہو اور قوت فکریہ انہیں تھکا ڈالتی ہو یا فقر نے چور چور کر رکھا ہو تو ایسے لوگ اگر اپنے ساتھ سہولت کا معاملہ نہ کریں تو وہ ایک واجب کے تارک ہوں گے۔

یہ مختصر سا کلام ہے۔ اگر میں اس کی شرح احادیث و آثار کے ذریعے کرتا تو بات لمبی ہو جاتی۔ مگر جونہی یہ خیالات دل میں آئے میں نے انہیں فوراً لکھ لیا۔ اب اللہ تعالیٰ ہی نفع کے کارساز ہیں۔

برزخ

مجلس..... بہت سے لوگوں پر روح کی حقیقت اور ماہیت کا معاملہ مشکل ہو گیا جبکہ اتنے جز پر سب کا اتفاق ہے کہ روح موجود ہے۔

اور اگر کسی موجود چیز کے موجود ہونے کا علم ہو (اور اس کی حقیقت او جھل ہو) تو اس کی حقیقت سے ناواقفیت میں زیادہ مضائقہ نہیں ہے۔

اسی طرح جان نکلنے کے بعد اس کے ٹھکانے کا سمجھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی جان باقی رہتی ہے اور عیش و آرام یا عذاب و تکلیف اُٹھاتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں ہیں اور کافروں کی روحیں جہنم میں اور شہداء کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں جو جنت کے درختوں پر رہتے ہیں بعض جاہلوں نے عیش و نعمت کی احادیث کے ظاہر کو لے لیا اور اس کے قائل ہو گئے کہ مردے قبور میں کھاتے پیتے اور نکاح و شادی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بات میں صحیح مسلک یہ ہے کہ مرنے کے بعد جان یا تو عیش و نعمت کی طرف جاتی ہے یا عذاب و مشقت کی طرف اور اسے یہ چیزیں قیامت تک

ملتی رہیں گی۔ پھر جب قیامت قائم ہوگی تو ساری جانیں جسم میں لوٹا دی جائیں گی تا کہ ان جسموں کے واسطے سے پوری لذت حاصل ہو سکے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی'' اس پر دلیل ہے کہ روحیں کسی واسطے اور ذریعہ سے لذت پاسکتی ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ لذت سے مراد کھانے پینے کی لذت ہے ورنہ علوم و معارف کی لذتیں ممکن ہے کہ براہ راست ہی روح کو حاصل ہوتی ہوں۔

اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ مجھ کو موت کے تصور سے کچھ گھبراہٹ محسوس ہوئی تو اس وقت یہ احساس ہوا کہ میرے نفس کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ موت کے بعد جان فنا ہو جائے گی۔ تو میں نے اس سے کہا اے نفس! اگر تو شریعت پر ایمان رکھتا ہے تو میں نے اس کا حکم تجھے بتلا رکھا ہے اور اس کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر تجھے شریعت ہی کی خبر میں کچھ شک ہے تو پھر شریعت کی صحت میں گفتگو ہونی چاہیے؟ نفس نے جواب دیا مجھے کچھ شک نہیں ہے۔ میں نے کہا تو پھر اپنا ایمان صحیح اور مضبوط کرنے کی کوشش کر اور سچا تقویٰ اختیار کر۔ اگر تو نے ایسا کر لیا تو پھر موت کے وقت ہی سے راحت کی خوشخبری سن لے کیونکہ مجھے تیرے اوپر سوائے عمل میں کوتاہی کے اور کسی چیز کا اندیشہ نہیں ہے اور اس کا یقین رکھ کہ نعمت و راحت میں فرق فضیلتوں کے درجات کے اعتبار سے ہوگا۔

لہٰذا کوشش اور محنت کے بازوؤں سے سب سے اونچا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کر اور خواہشات کے نشانے اور دھوکہ کے جال سے اپنے کو بچا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے۔

عقلاء کی اُلجھنیں

مجلس.... ایک دن میں نے اپنی مجلس میں کہہ دیا کہ ''اگر پہاڑوں کو وہ چیز اُٹھانی پڑ جاتی جس کا میں تحمل کر رہا ہوں تو وہ اُٹھا نہ پاتے عاجز رہ جاتے۔'' پھر جب گھر کو لوٹا تو میرے دل نے مجھ سے پوچھا آپ نے یہ جملہ کیوں کہا؟ اس سے لوگوں کو یہ وہم بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہیں حالانکہ آپ اور آپ کے گھر والے سب عافیت اور

سکون سے ہیں۔ آخر آپ کو کون سی چیز اُٹھانی پڑ رہی ہے سوائے اس چیز کے جس کو سارے انسان اُٹھائے ہوئے ہیں؟ پھر اس شکایت کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا کہ جب میری برداشت سے باہر ہونے لگا تو میں نے کہہ دیا شکایت کے طور پر نہیں بلکہ اس نیت سے کہا کہ دل کو سکون حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مجھ سے پہلے بہت سے صحابہ و تابعین بھی فرما چکے ہیں: ”لَیْتَنَا لَمْ نُخْلَقْ“ اور اس کا سبب وہی بوجھ تھا جو برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔

اگر کسی کا گمان ہو کہ تکالیف شرعیہ سہل ہیں تو اس نے تکالیف کو جانا ہی نہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تکالیف اعضاء کو ایک لوٹے پانی سے دھو لینے یا محراب میں جا کر دو رکعت پڑھ لینے کا نام ہے۔ لاحول ولا قوۃ! یہ تو سہل ترین احکام ہیں۔

اصل تکلیف شرعی وہ ہے جس کے تحمل سے پہاڑ بھی درماندہ رہ جائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ تقدیر کبھی ایسے فیصلے کرتی ہے جو عقل نہیں سمجھ پاتی تو میں نے اپنی عقل پر لازم کر دیا کہ بس ہر معاملہ میں مقدر پر یقین رکھو۔ دیکھو یہ ہے دشوار ترین تکلیف۔ خصوصاً ایسے معاملہ میں جس کی حقیقت کا ادراک عقل کو نہیں ہو پاتا۔ مثلاً بچوں کو مبتلا آزار کرنا' جانوروں کو ذبح کرانا وغیرہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کا فیصلہ کرنے اور حکم دینے والا ارحم الراحمین[1] ہے۔

چنانچہ یہی وہ معاملات ہیں جن میں عقل متحیر ہے اور ان میں مان لینے اور اعتراض نہ کرنے کی تکلیف ہے اور بدن کی تکالیف اور عقل کی تکالیف میں بے انتہا فرق ہے۔

اگر میں اس کی شرح کرنے بیٹھوں تو مضمون طویل ہو جائے مگر مجھے تو اپنے کہے ہوئے جملہ کی توجیہ مقصود ہے اس لیے اپنے متعلق کہتا ہوں اس تنبیہ کے ساتھ کہ دوسرے کا حال میرے حال پر حجت نہیں ہے۔

میرا حال یہ ہے کہ بچپن ہی سے علم کا شوق میرے اندر پیدا کر دیا گیا۔ اسی لیے اسی کا

---

[1] تنبیہ: ظاہر ہے کہ اس طرح کے معاملات اس وجہ سے دشوار ہیں کہ ان کی مصلحت اور حکمت عقل انسانی پر مخفی ہے حالانکہ انسانی عقل تحقیق چاہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی حکمتوں کو سمجھنے کا مکلف نہیں بنایا اور یہ بڑی گستاخی ہے کہ اپنی محدود عقل کے ذریعے غیر محدود اور غیر متناہی امور کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشغلہ اختیار کیا لیکن مجھے کسی ایک فن کا شوق نہیں ہوا بلکہ سارے فنون کا ہوا۔ مزید یہ کہ میری ہمت کسی بھی فن میں تھوڑے پر راضی نہیں رہتی بلکہ پورے فن کا احاطہ کرنا چاہتی ہے جبکہ وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ شوق بڑھتا جا رہا ہے اور عجز ظاہر ہوتا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض علوم پر واقفیت کی حسرتیں ہی رہ جائیں گی۔

پھر جب کچھ علم حاصل ہوا تو اس نے معبود کی طرف رہنمائی کی اور اس کی بندگی پر اُبھارا۔ پھر اس کی معرفت کے دلائل نے مجھے آواز دی تو میں خدا کے حضور کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنی صفات میں پوشیدہ ہے۔ پس اس کی صفات سے اس کو پہچانا۔ پھر میری نگاہِ بصیرت نے اس کے الطاف و کرم کا مشاہدہ کیا تو وہ مجھے اس کی شدید محبت کی دعوت دینے لگے اور میرے اندر اس کی تحریک پیدا کرنے لگے کہ میں اس کی بندگی کے لیے اپنے کو سارے مشاغل سے علیحدہ کرلوں کیونکہ جب میں اس کا ذکر کرنے بیٹھتا تو وجد جیسی کوئی چیز مجھ پر طاری ہونے لگتی اور اللہ کی بندگی میں گزرنے والی خلوتیں مجھے تمام شیرینیوں سے بڑھ کر شیریں معلوم ہونے لگیں۔

لیکن جونہی تمام مشاغل سے کٹ کر میں خلوت کی طرف مائل ہوا علم نے پکارا کہ کس راستہ کی طرف بڑھ رہے ہو؟ مجھی سے رُخ پھیر رہے ہو حالانکہ میں ہی تمہاری معرفت کا ذریعہ ہوں۔ میں نے کہا تمہاری حیثیت رہبر کی تھی جب میں مقصود تک پہنچ گیا تو اب رہبر کی کیا ضرورت؟ علم نے کہا ہیہات! تم اپنے علم میں جتنا اضافہ کرتے رہو گے تمہارے محبوب کی معرفت بڑھتی رہے گی اور تم پر اس کا راز کھلتا جائے گا کہ اس کا مزید قرب کیسے حاصل ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کل تمہیں معلوم ہوگا کہ آج تم ناقص حالت میں تھے۔

کیا تم نے اپنے محبوب کا وہ ارشاد نہیں سنا جو اس نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" (اے میرے رب! میرے علم میں ترقی عطا فرماتے رہئے) اور کیا تم اس کے قرب کے طالب نہیں ہو؟ اگر ہو تو (اس کا ایک طریق یہ ہے کہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رب ذوالجلال کے افعال کی حکمتوں کے پیچھے پڑا جائے۔ اگرچہ رب العالمین اپنے بعض افعال کی حکمتیں بعض بندوں پر کھول بھی دیتے ہیں اور وہ بندے ان کو بیان بھی کر دیتے ہیں لیکن ہر کس و ناکس کو ان کے پیچھے پڑنا اور اپنے کو ان کے سمجھنے کا اہل سمجھنا جرأت اور حماقت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے افعال میں تسلیم و تفویض سے کام لے تاکہ دین اور عقل دونوں سلیم رہیں۔ ۱۲ حمزہ)

اس کے بندوں کو اس کی طرف بلانے میں لگ جاؤ کیونکہ یہ حضرات انبیاء کا مقام ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے عبادت کی خلوتوں پر مخلوق کی تعلیم و رہبری کو اس وجہ سے ترجیح دی تھی کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ ان کے محبوب کو اسی کی ترجیح پسند ہے؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نہیں ارشاد فرمایا ہے:

لَاَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمُرِ النُّعَمِ.

''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی شخص کو ہدایت دیں تو یہ یقیناً تمہارے حق میں سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے۔''

جب مجھے اس قول کی سچائی کا احساس ہوا تو میں پوری طرح اسی میں لگ گیا لیکن جب میں لوگوں کے مجمع میں مشغول ہوتا تو خود میری فکر میں انتشار شروع ہو جاتا اور جب میری مراد ملتی ہوئی محسوس ہوئی یعنی لوگوں کا نفع ہونے لگا تو خود میں ضائع ہونے لگا۔ اب میں تردد میں پڑ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کس طرف قدم بڑھاؤں۔

ابھی اسی تحیر کے عالم میں تھا کہ علم نے پکارا اور کہا کہ بال بچوں کی پرورش کے لیے اُٹھو اور ایسی اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرو جو اللہ کا ذکر کرے۔ جب میں نے اس میں لگنا چاہا تو دوہنے کے وقت دنیا کا تھن خشک معلوم ہونے لگا۔ یعنی معاش کا دروازہ اپنے حق میں مسدود پایا کیونکہ علم کے مشغلے نے مجھے کسی فن کے سیکھنے سے مشغول کیے رکھا۔ پھر جب ابناء زمانہ کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو دیکھا کہ وہ جو کچھ فروخت کرتے ہیں اس کے عوض خریدار کا دین لے لیتے ہیں یعنی جو ان سے منافقت کرے یا ریاکاری برتے وہی کچھ دنیا حاصل کر سکتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین برباد ہو جاتا ہے اور مراد حاصل نہیں ہو پاتی۔

ایسے حالات میں اگر اُلجھن کہتی ہے کہ راہِ فرار اختیار کرو (اور کمانا چھوڑ دو) تو شریعت کہتی ہے:

کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّضِیعَ مَنْ یَقُوْتَ.

''وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو اپنے اہل وعیال کو ضائع کر دے۔''

اور اگر عزم کہتا ہے کہ تنہائی اختیار کر لو تو شریعت پوچھتی ہے کہ پھر ان کا کیا ہوگا جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ آخر کار میں نے تقلیل کا راستہ اختیار کیا حالانکہ میں نعمتوں میں پلا

تھااور خالص غذاؤں سے پرورش پایا تھااور میرا مزاج بہت لطیف اور نفیس تھا۔ چنانچہ جب میں نے اپنا لباس بدلا اور خشک کھانے شروع کیے۔ اس لیے کہ آمدنی زیادہ فراخی کی اجازت نہیں دیتی تھی تو عادت نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت میں انکار پیدا ہوا اور مرض لاحق ہوگیا جس نے مجھے بہت سے واجبات سے محروم اور بہت سی آفات میں مبتلا کردیا کیونکہ ایسے شخص کو جو عیش کے ساتھ حاصل ہونے والے لطیف کھانوں کا عادی ہو چکا ہو خشک اور موٹی غذا استعمال کرنا اپنی جان ضائع کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

اب میں سوچتا ہوں کہ کیا کروں؟ اور کون سا راستہ اپناؤں؟ خلوتوں میں اس کو سوچ سوچ کر اپنے احوال کے نقص پر خوب روتا ہوں اور اپنے جی میں کہتا ہوں کہ ''میں علماء کرام کے احوال بیان کرتا ہوں اور خود میرا جسم علوم کے تکرار و مطالعہ سے عاجز ہوگیا ہے۔'' زاہدوں کی حکایتیں نقل کرتا ہوں اور خود میرا بدن زہد کی طاقت نہیں رکھتا۔ اہل عشق و محبت کی روداد سناتا ہوں اور مخلوق سے ملنے جلنے سے خود میری فکر منتشر ہونے لگتی ہے اور میرے اندر نفسانی خواہشات کی صورتیں منقش ہونے لگتی ہیں جس سے میرا آئینہ قلب زنگ آلود ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ شجر محبت اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کی پرورش پاکیزہ مٹی میں ہو اور فکر کے ہزارے سے خلوت کا پانی اس میں ڈالا جائے اور اگر کمانا چاہتا ہوں تو اس کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر ابناء زمانہ سے کچھ تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں (تاکہ دنیا حاصل کروں) جبکہ میری طبیعت ذلت سے نفور ہے اور میرا دین مجھے اس سے روکے گا تو ان موانع کے ہوتے ہوئے اس تعلق کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور مخلوق سے میل جول تو روح کے ساتھ جسم کے لیے بھی موذی ہے۔

اب میں سچی توبہ پر بھی قادر نہیں ہوں اور مجھے علم وعمل یا محبت میں سے کسی بھی مرتبہ کے حاصل کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ بس مجھے اپنی حالت وہی محسوس ہوتی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

اَلْقَاهُ فِی الْیَمِّ مَکْتُوفًا وَقَالَ لَهٗ ‏ ‏ ‏ اِیَّاکَ اِیَّاکَ اَنْ تَبْتَلَّ بِالْمَآءِ

اسی مضمون کا ایک شعر فارسی میں ہے:

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردئی ‏ ‏ ‏ بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

میں اپنی حالت کو سوچ سوچ کر حیرت میں پڑا ہوں اور اپنی زندگی پر روتا ہوں اور

تنہائیوں میں بعض عوام سے سنے ہوئے یہ اشعار پڑھتا ہوں جس میں شاعر نے گویا میری ہی حالت کی ترجمانی کی ہے۔

وَاحَسُرَتِیُ کَمُ اُدَارِیُ فِیُکَ تَعُشِیُرِیُ

''ہائے میری حسرتیں! تمہاری وجہ سے کس قدر میں اپنی لغزشوں کی خاطر داری کروں۔''

مِثُلَ الاَسِیُرِ بِلاَحَبُلٍ وَّلاَ سَیُرِیُ یَاحِیُلَتِیُ فِی الُھَوٰیُ قَدُ ضَاعَ تَدُبِیُرِیُ.

''اس قیدی کی طرح جو بلا بندھن کے قید ہو۔ میرے لیے اپنی خواہشات کو پانے کی اب کوئی صورت نہیں رہی، ساری تدبیریں ضائع ہوگئیں۔''

لَمَّا شَکَلُتُ جَنَاحَیَّ قُلتِ لِیُ طِیُرِیُ.

''اور جب بھی میں نے اپنے پروں کو سمیٹنے کی کوشش کی تو تم نے مجھے چین نہیں لینے دیا۔''

گوشہ نشینی اور ذکر وفکر کی اہمیت

مجلس.... میں نے دنیا اور آخرت کے متعلق غور کیا تو دنیاوی تمام چیزیں حسی اور طبعی نظر آئیں اور آخرت کے سارے امور ایمان اور یقین سے متعلق معلوم ہوئے اور یہ مسلم ہے کہ ان لوگوں کے لیے جن کا یقین پختہ اور مضبوط نہ ہو حسی چیزیں زیادہ کشش رکھتی ہیں۔

کوئی بھی معاملہ ہو جس قدر اس کے اسباب سے تعلق ہوگا اتنی ہی اس میں قوت پیدا ہوگی۔ چنانچہ لوگوں سے زیادہ میل جول، خوبصورت اشیاء کا دیکھنا اور پُر لطف چیزوں کا کثرت استعمال یہ سب امور حس کو قوی کرتے ہیں اور گوشہ نشینی غور وفکر اور علوم کا مطالعہ و تکرار یہ سارے امور اخروی یقین کو پختہ بناتے ہیں۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ انسان جب بازاروں میں نکلتا ہے اور دنیا کی آرائش وزیبائش کو دیکھتا ہے پھر قبرستان کی طرف جاتا ہے اور موت کے متعلق سوچتا ہے، جس سے اس کا دل نرم پڑتا ہے تو اس وقت دونوں حالتوں کے درمیان واضح فرق محسوس ہوتا ہے، جس کا سبب اسباب سے تعلق ہے۔

پس تم گوشہ اختیار کرلو اور ذکر وفکر اور علوم کے مطالعہ میں لگے رہو کیونکہ گوشہ نشینی پرہیز ہے اور فکر ومطالعہ دوائیں ہیں اور بد پرہیزی کے ساتھ دوائیں بے فائدہ ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً

جب کہ تمہارے اوپر مخلوق سے اختلاط اور افعال میں بد پرہیزیوں کا غلبہ ہو جائے تو اس کی بس وہی دوا ہے جو میں نے بیان کی اور اگر تم یہ چاہو کہ مخلوق سے اختلاط بھی رہے اور شہوات نفسانی کے پیچھے بھی لگے رہو اور ساتھ ساتھ قلب کی درستگی چاہو تو تم ایک امر محال کے طالب ہو۔

انسان وہی چیز کیوں پسند کرتا ہے جس سے روکا جاتا ہے

مجلس....ایک دن اس پر غور کیا کہ انسان کو جس چیز سے روکا جاتا ہے اس کے اندر اس کے کرنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ اسے جتنی قوت سے منع کیا جاتا ہے اسی قدر حرص بھی بڑھتی جاتی ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے دیکھئے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پودے کے کھانے سے روکا گیا تو باوجودیکہ دوسرے بہت سے درخت موجود تھے اور آپ کو اس پودے کے کھانے کی ضرورت نہ تھی مگر آپ نے اسی کو کھایا۔

اور مثل بھی بیان کی جاتی ہے: "اَلْمَرْءُ حَرِيْصٌ عَلٰى مَامُنِعَ وَتَوَاقٌ اِلٰى مَالَمْ يَنَلْ" (کہ انسان اس چیز کا حریص ہو جاتا ہے جس سے روک دیا جاتا ہے اور اس کا زیادہ خواہش مند ہو جاتا ہے جسے پا نہ سکے۔)

اور اسی لیے کہا جاتا ہے: لَوْ اُمِرَ النَّاسُ بِالْجُوْعِ لَصَبَرُوْا وَلَوْ نُهُوْا عَنْ تَفْتِيْتِ الْبَعْرِ لَرَغِبُوْا فِيْهِ وَقَالُوْا مَانُهِيْنَا عَنْهُ اِلَّا لِشَيْئٍ.

"اگر لوگوں کو بھوکا رہنے کو کہہ دیا جائے تو بھوکے رہ سکتے ہیں لیکن اگر مینگنی توڑنے سے منع کر دیا جائے تو اس کے توڑنے کے پیچھے پڑ جائیں گے اور سوچیں گے کہ ہم کو کسی خاص سبب کے تحت روکا گیا ہے۔"

اور کہا گیا ہے: اَحَبُّ شَيْئٍ اِلَى الْاِنْسَانِ مَامُنِعَا.

"انسان کو سب سے زیادہ وہی چیز پسند ہوتی ہے جس سے اسے روک دیا جائے۔"

جب اس کے سبب کی تلاش کی تو دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نفس قید پر صبر نہیں کر پاتا

وہ تو یونہی جسم کی قید میں ہے پھر جب کسی رکاوٹ کے سبب معنوی قید میں پھنستا ہے تو اس کا طیش بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اپنے گھر میں خود سے ایک مہینہ بیٹھا رہے تو کچھ دشوار نہ ہو اور اگر اس کو حکم دے دیا جائے کہ ایک دن گھر سے نہ نکلو تو یہ دن اس پر پہاڑ ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ نفس کو کسی کے حکم کے تحت آنا بڑا شاق ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے حرام چیزوں میں بہت لذت ملتی ہے اور مباح میں وہ لذت نہیں پاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس پر اپنے خود ساختہ معبود اور عبادت کے طریقے شارع کے بتلائے ہوئے معبود و عبادت کے مقابلے میں آسان ہوتے ہیں۔

کار خیر کو چھوڑ کر گوشہ نشینی

مجلس..... وعظ کی مجلسوں کو اور اس کے اثر سے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو اور زاہدوں کے حالات کو دیکھ دیکھ کر خود میرے اوپر جو اثر پڑتا تھا اس کی وجہ سے میرے نفس نے مجھ سے مسلسل تقاضا شروع کر دیا کہ زہد اپناؤ، مخلوق سے کنارہ کش ہو جاؤ اور آخرت کے لیے علیحدگی اختیار کر لو۔

اس پر میں نے غور کیا تو اس تقاضا کی وجہ شیطانی وسوسہ معلوم ہوئی کیونکہ شیطان دیکھتا ہے کہ میری کوئی مجلس ایسے بیشمار لوگوں سے خالی نہیں رہتی جو اپنے حال زار پر روتے ہیں اور اپنے گناہوں پر اظہار غم کرتے ہیں اور عام طور پر میری مجلس سے ایسی جماعت اٹھتی ہے جو پچھلے گناہوں سے تائب ہوتی ہے اور بچپنے کی حرکات کو چھوڑتی ہے، کبھی کبھی ڈیڑھ ڈیڑھ سو تک ایسے افراد کی تعداد پہنچ جاتی ہے اور بعض دنوں میں سو سے زائد افراد نے توبہ کی ہے جن میں اکثر وہ نوجوان ہوتے تھے جو کھیل کود میں پلے اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں تو شیطان نے ان کے برائیوں میں غرق ہونے کے بعد مجھے دیکھا کہ میں اس کے متبعین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہوں۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے اس سے روک دے تاکہ صرف وہ رہ جائے اور وہ لوگ رہ جائیں جن کو میں نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ (میں درمیان میں نہ رہوں) پھر قاعدے سے بہکا سکے۔

چنانچہ مجھ سے مجلسیں ترک کرنے کی خوبیاں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا کہ خلوت میں وہی شخص نہیں بیٹھتا جو مخلوق کے لیے طرح طرح سے تصنع کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ الفاظ کی تحسین وتزئین اور مضمون کو بہتر پیرایہ میں پیش کرنا فضیلت کی چیز ہے کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ ہاں! اگر میں لوگوں کو ایسا راستہ بتلانے لگوں جو شریعت میں ناجائز ہو تو اس سے البتہ اللہ کی پناہ۔

اسی طرح شیطان کی ایک چال یہ سمجھ میں آئی کہ وہ مجھے زہد اختیار کرا کے کسب کے مباح طریقوں سے روکنا چاہتا تھا۔ تو میں نے اس سے کہا فرض کر لو کہ اگر تمہارا بتایا ہوا زہد مجھے بھا جائے اور میں گوشہ نشینی بھی اختیار کر لوں پھر میرا سارا مال ختم ہو جائے یا میرے بال بچوں میں کوئی مال کا محتاج ہو جائے تو کیا میں اُلٹے قدم واپس نہ لوٹ جاؤں گا۔

پس مجھے چھوڑ دو کہ میں اتنا مال جمع کر لوں جو میری ضرورتوں کی کفالت کر سکے اور مجھے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رکھے۔ پھر اگر میری عمر طویل ہوگئی تو وہ مال میرے کام آئے گا ورنہ میرے بال بچے اس سے نفع اُٹھائیں گے اور میں اس مسافر کی طرح ہونے سے بچ جاؤں گا جس نے سراب دیکھ کر اپنا پانی ضائع کر دیا تھا۔ پھر جب پانی نہ ملنے پر شرمندہ ہوا تو اس وقت اس کی ندامت کچھ کام نہ آئی۔ بہتر یہی ہے کہ سونے سے پہلے لیٹنے کی جگہ تیار کر لی جائے اور بڑھاپے سے پہلے بقدر ضرورت مال جمع کر لیا جائے تا کہ احتیاط پر عمل ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: لَانْ تَتْرُکَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَآءَ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تَتْرُکَھُمْ عَالَۃً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ.

''تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ و اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔''

اور فرمایا: نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ.

''کیا خوب ہے پاکیزہ مال نیک شخص کے حق میں۔''

رہا کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کا مسئلہ تو بہتر یہ ہے کہ آدمی برائیوں سے کنارہ کش ہو نہ کہ بھلائیوں سے بلکہ برائیوں سے علیحدگی تو ہر حال میں (ہر شخص پر) واجب ہے جبکہ طالبین کو سکھلانا اور مریدین کی رہبری کرنا عالم کے حق میں عبادت ہے چنانچہ یہ بڑی غلطی ہے جو بعض علماء

سے ہوگئی کہ انہوں نے نفل نماز روزہ کو تصنیف و تالیف اور علم نافع کی تعلیم پر ترجیح دے دی کیونکہ یہ سب ایسے بیج ہیں جس میں پھل خوب آتے ہیں اور جس کے نفع کا زمانہ بھی بہت طویل ہے۔

اور نفس جو شیطان کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف مائل ہو رہا تھا اس کی دو وجہ ہے۔

ایک تو یہ کہ نفس کو بیکاری بہت محبوب ہے جس کے لیے اس پر کنارہ کشی بہت آسان ہے۔

دوسری یہ کہ وہ مدح کا بہت خواہش مند ہوتا ہے تو جب زہد کے ساتھ اس کی شہرت ہوگی تو عوام کا میلان اس کی طرف زیادہ ہوگا۔

لہٰذا اے قارئین! آپ قرنِ اول پر نظر رکھئے اور انہی حضرات کے ساتھ رہئے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا طریقہ اختیار کیجئے۔ کیا ان حضرات میں سے کسی سے بھی علم سے کنارہ کشی اور مخلوق سے علیحدگی کا وہ طریق منقول ہے جسے جاہل صوفیوں اور زاہدوں نے ایجاد کر رکھا ہے۔

کیا حضرات انبیاء علیہم السلام کا شغل مخلوق کے ذریعے مشقتوں کے تحمل کا نہیں تھا؟ اور کیا ان کا مشغلہ نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں سے روکنے کا نہیں تھا؟

ہاں گوشہ نشینی اور کنارہ کشی اسے اختیار کرنی چاہیے جو عالم نہ ہو اور اس قصد سے کرنی چاہیے کہ (لوگ اس کی برائیوں سے اور وہ لوگوں کی) برائیوں سے محفوظ رہے لیکن یہ مقام اس تپ زدہ مریض کا مقام ہے جو بد پرہیزی سے بچنا چاہتا ہے کیونکہ ماہر طبیب تو جو کچھ کھاتا ہے اس سے نفع اُٹھاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے۔

علم و عمل کا حاصل

مجلس.... میں نے سوچا کہ آخر بندوں کی تخلیق سے مقصود کیا ہے؟ تو یہ سمجھ میں آیا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرنا ہے۔

چنانچہ میں نے علماء اور عابدین کو دو صفوں میں تصور کیا۔ علماء کی صف میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ' امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا اور عابدین کی صف میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور

حضرت بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کو رکھا۔

پھر جس وقت عابدین عبادت و ریاضت میں مجاہدہ شروع کرتے اور زبان حال ان سے پکار کر کہتی کہ ”تمہاری عبادتوں کا نفع تم سے تجاوز نہیں کرتا ہے اور علماء کا نفع متعدی ہوتا ہے۔ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ زمین میں اللہ کے خلیفہ ہیں' انہی پر ساری اُمت کا اعتماد ہے اور انہی کو فضیلت حاصل ہے فوراً سر جھکا دیتے ہیں' اظہار تواضع کرتے اور اس قول کی سچائی کا اقرار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علم دین سیکھنے آتے تھے اور فرماتے تھے کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ ہیں۔“

اور جب علماء کو یہ خیال گزرنے لگتا کہ انہیں علم کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے' زبان حال ان سے پکار کر کہتی کہ ”علم سے مقصود عمل ہی ہے۔“ جیسا کہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وَهَلْ يُرَادُ بِالْعِلْمِ اِلَّا مَا وَصَلَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ؟“ علم سے مقصود وہی منزل ہے جہاں معروف کرخی پہنچے ہیں اور صحیح سند سے حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میری خواہش ہے کہ میرا ہاتھ کٹ جاتا اور میں حدیث لکھنا چھوڑ دیتا“ (کیونکہ زیادتی علم بلا عمل حجت بنتی جاتی ہے)

حضرت اُم درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک آدمی سے فرمایا: ”کیا تم نے اپنے علم پر عمل کر لیا“ اس نے عرض کیا نہیں! فرمایا: ”پھر کیوں تم اپنے اوپر اللہ کی حجت بڑھاتے جا رہے ہو۔“

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”جس نے علم نہیں حاصل کیا اور عمل بھی نہیں کیا اس پر ایک مرتبہ ہلاکت ہے اور جس نے علم تو حاصل کر لیا لیکن عمل نہیں اس پر ستر مرتبہ بربادی ہے۔“

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”عالم کے ایک گناہ کی مغفرت سے پہلے پہلے جاہل کے ستر گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی[1]۔“

اور سب سے بہتر اس باب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ“ ہے۔

---

[1] اگر یہ حدیث سے ثابت نہ ہو تو آپ کا کشف ہوگا۔ ۱۲ حمزہ

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تا کہ ان کے ملفوظات سے نفع اُٹھائیں۔

حاصل یہ کہ علم نے علماء کو اس کی رہبری کی کہ علم سے مقصود عمل ہے اور علم محض ایک آلہ ہے یہ سن کر علماء بھی جھک گئے اور اپنے قصور کا اعتراف کیا۔

گویا سبھی نے اعتراف تقصیر اور تواضع وانکسار سے کام لیا۔ پس ان کے اعتراف قصور کی وجہ سے میں نے بندگی کی حقیقت معلوم کر لی کہ تمام تکالیف شرعیہ سے یہی مقصود ہے۔

محبت خداوندی کیوں؟ اور کیسے ہو؟

مجلس.... اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ نفس اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کا جو قلق کا سبب بنے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت محض اس کی فرمانبرداری کا نام ہے یہ محسوس کر کے اندازہ ہوا کہ وہ طبعی تقاضوں کے غلبہ کی وجہ سے جہالت کا شکار ہو گیا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ طبعی محبت ظاہری صورتوں سے ہوتی ہے اور علم وعمل کی محبت حقیقت اور معنویت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم ایک بڑی جماعت کو دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتی ہے اور ایک جماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔ ایک جماعت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے تعصب برتتی ہے اور ایک جماعت حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ پھر یہ لوگ اسی محبت کی بنیاد پر آپس میں قتال کرتے ہیں اور اس میں اپنی جان تک دے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے ان حضرات کی صورت نہیں دیکھی ہے اور صورت دیکھ کر ایسی محبت ہو بھی نہیں سکتی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے ان حضرات کی حقیقتیں (باطنی کمالات) ظاہر ہوئیں اور علوم میں ان کا مقام معلوم ہوا تو ان کو ان حضرات کے ان کمالات سے محبت ہو گئی جو نگاہ بصیرت سے نظر آئے۔

پھر بھلا اس ذات سے محبت کیوں نہ ہو جس نے ان حضرات کو یہ کمالات معنویہ عطا فرمائے۔

اور بھلا میں کیوں اسی ذات کریم سے محبت نہ کروں جس نے مجھے حسی لذتوں سے نوازا ہے اور علمی لذتوں کی معرفت کرائی ہے جبکہ میرے نزدیک علم کی لذت اور علوم کے

ادراک کا لطف تمام حسی لذتوں سے بڑھ کر ہے اور جس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے جس نے مجھے علوم عطا کیے ہوں اور میرے اندر ادراک کی قوت پیدا فرمائی ہو اور ان علوم کی طرف رہبری کی ہو جن کا میں نے ادراک کیا ہے اور جو ہر لحہ میرے سامنے جدا جدا مخلوق میں جلوہ گر نظر آتا ہے اور جس کا میں ہر مخلوق میں اس کی مضبوطی اور خوبی کو دیکھ کر مشاہدہ کرتا ہوں۔

گویا میری ساری حسی و معنوی محبوب چیزیں مجھ کو اسی کی طرف سے حاصل ہیں۔ سب اسی کی حکایت کرتی ہیں اور سب اسی سے مسبب ہیں۔ ادراک کے طریقوں کی سہولت اسی کا فیض ہے۔ سارے علوم اسی کی عطا ہیں اور سب سے لطیف اور لذت بخش اس کی وہ معرفت ہے جو مجھ کو حاصل ہے اور جس کی تعلیم اگر خود ہی نہ کرتا تو میں اس کو حاصل نہ کر پاتا۔

اور میں کیوں اس ذات سے محبت نہ کروں جس سے میرا وجود قائم ہے جس سے میری بقاء ہے جس کے قبضہ میں میری تدبیر ہے جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور جس نے تمام خوبصورت اور پسندیدہ چیزیں بنائی ہیں انہیں سنوارا ہے، زینت بخشی ہے اور لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کیے ہیں اور جو ذات کامل القدرۃ ہے جس کا حسن ہر مخلوق سے برتر ہے اور جو عجیب صفت والا ہے اور ہر مصنوع سے اکمل ہے۔

''واقعی ادراک کی حقیقت کا عرفان بڑا لذت بخش عرفان ہے۔''

اگر ہم کہیں کوئی عجیب نقش دیکھتے ہیں جو دل کو پسند آ جائے تو اس کے نقاش کی عظمت اور اس کی بہترین حکمت کے تصور میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ پاکیزہ فکریں ساری حسیات کو پار کر کے ہمیں پہنچتی ہیں اور ایسی حالت میں خالق کی محبت پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

لہٰذا جس قدر مصنوعات میں اس کے صانع کا مشاہدہ کیا جائے گا اسی قدر صانع سے محبت ہوگی۔

پھر اگر وہ محبت غالب ہوئی تو قلق اور شوق پیدا کرتی ہے اور اگر عارف کو ہیبت کی طرف لے گئی تو خوف پیدا کرتی ہے اور اگر مشاہدہ کرم کی طرف مائل کرتی ہے تو رجاء پیدا کرتی ہے۔ ''قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ''

تسلیم حکمت الٰہی

مجلس..... میں نے بعض حالات پر غور کیا۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کو

حکمت کے مطابق بہت مضبوط بنایا ہے اس سے اس کی قدرت کا کمال اور حکمت کی خوبی معلوم ہوئی پھر بعد چندے اسے چور چور کر دیا تو اب اس کی حکمت کا یقین ہو جانے کے بعد اس کے اس فعل کے راز میں عقلیں متحیر ہو گئیں۔ پھر ان عقلوں کو یہ بتایا گیا کہ سارے جسم قیامت میں دوبارہ بنا دیئے جائیں گے اور یہ سانحہ صرف اس لیے بنایا گیا تا کہ معرفت کا میدان عبور کر لے اور عمل کے موسم میں تجارت کر لے یہ سن کر عقلوں کو کچھ سکون ہو گیا۔

پھر انہوں نے کچھ چیزیں دیکھیں جو اس سے بڑھ کر تعجب خیز تھیں۔ مثلاً ایسے نو جوانوں کو موت دے دینا جو ابھی اپنے مقصد پیدائش میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکے تھے اور اس سے زیادہ مقام حیرت اس کا یہ معاملہ ہے کہ بچوں کو ان کے تڑپتے والدین کے ہاتھوں سے چھین لیتا ہے اور اس کا راز ظاہر نہیں ہوتا۔ حالانکہ خدا ان بچوں سے بے نیاز تھا اور ان کے والدین ضرورت مند تھے اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز معاملہ ایسے بوڑھوں کو باقی رکھنا ہے جو بیچارے اپنی بقاء کی حقیقت سے بھی غافل ہو چکے ہوں اور ان کو تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اور اسی قبیل سے عقل مند مؤمن پر روزی کا تنگ کرنا ہے اور احمق کافر پر وسیع کرنا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے معاملات ہیں جن کی علت اور راز سمجھنے میں عقل متحیر اور مبہوت ہے[1]۔

میں اس طرح کی تکالیف پر غور کرتا رہا۔ جب عقل ان کی حکمتیں سمجھنے سے عاجز ہو گئی اور وہ اس کی معتقد ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کے تمام افعال کی حکمتوں کو جاننے سے قاصر ہے۔ لہٰذا اعتراف عجز کرتے ہوئے جھک گئی اور اتنا کر لینے سے اس کا فرض ادا ہو گیا۔

چنانچہ اب اگر عقل سے کہا جائے کہ تم پر اس کی بنائی چیزوں کی حکمت واضح ہو چکی ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ اگر وہ ان چیزوں کو توڑ دے تو اس کی حکمت میں قدح کیا جائے؟ عقل جواب دے گی۔ ”چونکہ میں دلیل قطعی سے جان چکی ہوں کہ وہ حکیم ہے اور میں اس کی حکمتوں کے سمجھنے

[1] اس فصل سے مقصود ان حضرات کو تنبیہ ہے جو اپنی ضعیف و ناتواں عقل کو اس کی حدود سے متجاوز کر کے تمام افعال خداوندی کی حکمتیں سمجھنے کا اہل گمان کر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی جرأت ہے اور خطرہ کا مقام ہے کیونکہ جو اس کے پیچھے پڑا وہ گمراہی کے راستے پر چل پڑا اور کہیں نہ کہیں ٹھوکر ضرور کھائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ عقل کو جھکا دیا جائے اور حکمت عالیہ کو تسلیم کر لیا جائے اور ایسا نہیں ہے کہ جو امور یہاں مذکور ہیں ان کی حکمتیں سب پر مخفی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں پر ان کا راز کھول دیتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے قاصر ہوں۔لہٰذا میں سر جھکا کر تسلیم کرتی ہوں اور اپنے عجز کا اعتراف کرتی ہوں۔"

نکاح سے متعلق کچھ نصیحتیں

مجلس.....میں نے نکاح کے فوائد' اس کی حقیقت اور مشروعیت وغیرہ پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ نکاح کی مشروعیت کی سب سے بنیادی وجہ نسل ہے اس لیے کہ ہر ذی روح کا جسم تحلیل ہوتا رہتا ہے۔ پھر غذا اس تحلیل کی تلافی کرتی ہے لیکن کچھ مدت کے بعد اس کے ایسے اجزاء فنا ہونا شروع ہو جاتے ہیں جن کی تلافی نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا اس کا فنا ہونا لابدی ہے حالانکہ مقصود دنیا کو تادیر باقی رکھنا ہے اس لیے نسل کو اصل کا نائب قرار دیدیا گیا اور چونکہ نکاح کی حقیقت ایسی گھناؤنی تھی جس پر شریف اور سلیم طبیعتیں کبھی راضی نہ ہوتیں یعنی ستر کا کھلنا اور ایسے حصے سے ملنا ہے جسے پسند نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے شہوت پیدا کر دی گئی جو نکاح پر اُبھارے اور مقصود حاصل ہو۔

پھر اس مقصود اصلی کے ساتھ ایک اور فائدہ بھی نظر آیا وہ یہ کہ اس سے وہ مادہ نکل جاتا ہے جس کا روکے رکھنا ایذاء کا سبب ہے کیونکہ منی چوتھے ہضم سے نکلتی ہے اس لیے وہ غذا کا سب سے عمدہ اور صاف جوہر ہے پھر وہ جمع ہوتی رہتی ہے تو اس کا ایک ذخیرہ ہو جاتا ہے کیونکہ نفس اپنی بقاء وقوت کے لیے خون کا ذخیرہ کرتا ہے پھر منی کا پھر اس رطوبت کا جو گویا بدن کا ایک ستون ہے اور جو شاید اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اگر دوسرے ذخیرے کم ہو جائیں تو یہ کام آوے۔ لہٰذا جب منی زیادہ جمع ہو جاتی ہے تو تکلیف ہونے لگتی ہے جیسے پیشاب روکنے والے کو پیشاب اذیت پہنچاتا ہے مگر منی کی باطنی تکلیف پیشاب کی ظاہری تکلیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چنانچہ بعض کی حکمتیں ماقبل میں کہیں بیان کی جا چکی ہیں اور ایسے امور جن کی حکمتیں نہ سمجھ میں آویں اور عقل متحیر ہو وہاں اس اعتقاد کا استحضار کرنا چاہیے کہ وہ ذات ساری کائنات کی مالک ہے۔ وہ سارے امور کی منتظم ہے' جذبات سے پاک ہے' سب سے بڑی عالم ہے اور سب سے زیادہ حکیم ہے۔ مالک ہے اس لیے اس کو ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے' منتظم ہے اس لیے اس کے سارے افعال انتظام کے تحت ہوتے ہیں اور انتظام کی رعایت سے ہوتے ہیں' جذبات سے پاک ہے۔ لہٰذا جن چیزوں کو ہمارے جذبات سے تعلق ہے ضروری نہیں ہے کہ ان کی رعایت بھی ہو۔ سب سے بڑا عالم ہے لہٰذا بہت سی مصلحتیں جو ہم سے مخفی ہیں وہ ان سے واقف ہے اور ان کی رعایت کرتا ہے اور حکیم ہے۔ لہٰذا اس کا ہر فعل حکمت سے ناشی ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہر پریشانی میں ان دو صفتوں کا تصور کیا جائے تو پریشانی نہ ہو۔ ایک یہ کہ وہ حاکم ہیں دوسرے یہ کہ حکیم ہیں۔ ۱۲ حمزہ

سے بڑھ کر ہوتی ہے کیونکہ اس کا زیادہ جمع ہونا پھر اس کو روکے رہنا بہت سے تکلیف دہ امراض پیدا کر دیتا ہے اس لیے کہ اس سے پیدا ہونے والا بخار دماغ پر چڑھتا ہے اور ایذاء کا سبب ہوتا ہے اور کبھی سمّیت (زہریلا پن) بھی پیدا کر دیتا ہے۔

تندرست آدمی کی طبیعت منی کے جمع ہونے کے بعد اس کے اخراج کا تقاضا کرتی رہتی ہے جیسے پیشاب کے نکلنے کا تقاضا ہوتا ہے اور اگر کسی کی طبیعت خراب ہو تو منی کا اجتماع کم ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے اخراج کا تقاضا بھی کم ہوتا ہے لیکن ہماری گفتگو تندرست آدمی کے متعلق ہے۔ لہٰذا کہتا ہوں کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ جب منی کو روک لیا جاتا ہے تو بہت سے امراض پیدا کر دیتی ہے' گندے گندے خیالات لاتی ہے اور عشق و وسوسہ جیسی آفتیں پیدا کرتی ہے۔

کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تندرست آدمی جس کے اندر منی کا اجتماع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسے (جماع کے ذریعے) خارج کرتا ہے تو زیادہ جمع ہونے کے باوجود بھی کم نکلتی ہے اور اس کا حال اس کھانے والے کے مثل ہوتا ہے جو کھا کر بھی آسودہ نہ ہو پایا ہو۔ میں نے اس کی وجہ سوچی تو سمجھ میں آیا کہ منکوحہ میں کسی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً پھوہڑ پن' بدصورتی یا کوئی بیماری وغیرہ یا اس وجہ سے کہ اس وقت نفس میں اس کا تقاضا پورا نہیں ہوتا تو ان صورتوں میں کچھ نکلتی ہے اور کچھ رہ جاتی ہے۔

اگر تم اس کا اندازہ کرنا چاہو تو محل مشتہی اور غیر مشتہی دونوں میں جماع کر کے منی کی مقدار میں فرق کا اندازہ کر لو۔ مثلاً رانوں کے درمیان جماع بمقابلہ اصل محل کے یا باکرہ سے جماع بمقابلہ ثیبہ کے۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ منکوحہ کا اچھا ہونا زائد منی کو کھینچ لیتا ہے اور اس وقت فضول مادہ کے نکل جانے کی وجہ سے لذت بھی پوری حاصل ہوتی ہے۔

اور اس کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اگر دو نوجوان جوڑے اپنے کو ایک طویل مدت تک جماع سے روکے رہیں تو ان کی اولاد دوسرے ان نوجوانوں سے بہتر ہوگی جو ہر وقت جماع پر آمادہ رہتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے نکاح ناپسندیدہ ہے کیونکہ ایسے نکاح میں پورا

انبساط نہیں ہوسکتا تھا اس لیے کہ انسان کو یہ خیال ہوتا کہ وہ اپنے ہی کسی حصے سے جماع کر رہا ہے اور اجنبی عورتوں سے نکاح اسی وجہ سے پسندیدہ ہے۔

مذکورہ تقریر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ خوبصورت اور جوان منکوحہ سے مقصود زیادہ حاصل ہوتا ہے یعنی نقصان دہ مادہ اچھی طرح نکل جاتا ہے اور اگر منکوحہ بدصورت ہو تو عادتاً اس سے پورا مقصود حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اگر گوشت روٹی سے پیٹ بھر لے اور ایک لقمہ کی بھی گنجائش نہ رہ جائے اس وقت اس کے سامنے حلوہ لایا جائے۔ تو اگر وہ زیادہ مزیدار ہوتا ہے تو یہ شخص کھالیتا ہے اس لیے کہ جدت اور عمدگی میں ایک عجیب حقیقت مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس جس سے مانوس ہو اس کی طرف زیادہ میلان نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کی طلب میں رہتا ہے جس سے ناواقف ہو اور اس کو ہر نئی چیز میں اپنے مقصود کو پانے کی امید ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ اپنی مراد نہیں پاتا تو دوسرے جدید کی طرف اس طرح لپکتا ہے گویا اسے یقین ہے کہ اس میں اس کا مقصود و مراد بلا کسی کدورت کے پورا پورا مل ہی جائے گا۔

اور اس حقیقت کے اندر بعث بعد الموت کی دلیل موجود ہے کیونکہ ایسی مخلوق کا پیدا ہونا جس کی فکر و توجہ کسی چیز سے متعلق نہ رہے عبث ہے[1]۔

اسے خوب سمجھ لو! کیونکہ نفس دنیا میں ہر چیز کو برتنے کے بعد جب عیب اور کدورت ہی دیکھتا ہے تو اُسے دنیا کے باہر نئی چیز کی تلاش ہوتی ہے۔

اور اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ عشق محبوب کے عیوب دیکھنے سے اندھا ہوتا ہے لہٰذا جس نے اپنے محبوب کے عیوب پر غور کیا وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اور اسی حکمت کے پیش نظر عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے شوہر سے اتنی دوری نہ اختیار کرے کہ شوہر اس کو بھول جائے اور اتنی قریب بھی نہ ہو کہ شوہر اس سے اکتا جائے اور

---

[1] یعنی ساری فکر دنیا ہی سے متعلق رہ کر یہیں ختم ہو جائے عبث ہے کیونکہ انسان کی طبیعت ہمیشہ جدت چاہتی ہے اور دنیا کی ساری چیزیں محدود ہیں۔ طبیعت کی سیری نہیں ہوسکتی اس لیے آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے تا کہ وہاں کی جدید چیزیں برتے اور مراد حاصل کرلے اور آخرت کی تمام لذات اور شہوات غیر محدود ہیں اس لیے اسے سیری نہ ہوسکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں ہر آن پہلے آن سے ہر لون پہلے لون سے ہر پھل دوسرے پھل سے ہر لطف دوسرے لطف سے مختلف ہوگا تا کہ طبیعت اس سے بے رغبت نہ ہو اور یہی راز ہے جنتیوں کے خلود کا کہ کبھی جنت سے اکتاہٹ نہ ہوگی۔ ۱۲ فللّٰہ الحمد حمزہ

شوہر کے لیے بھی یہی مناسب ہے تاکہ عورت اس سے نہ اکتا جائے یا بیوی کے پوشیدہ عیوب اس پر نہ ظاہر ہو جائیں اور شوہر کو اپنی بیوی کی ستر بھی نہیں دیکھنی چاہیے اور اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے ہمیشہ اس حال میں ملے کہ وہ بنی سنوری اور خوشبو وغیرہ لگائے ہوئے ہو یعنی وہ تمام امور اختیار کیے ہو جو سمجھدار اور سلیقہ مند عورتیں کیے رہتی ہیں اور یہ سارے امور سمجھدار عورتوں کو فطری طور پر آ جاتے ہیں کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ بیوقوف اور بد سلیقہ عورتیں ان سب چیزوں پر نظر نہیں کرتیں جس کی وجہ سے جلدی ہی ان کے شوہر ان سے بے رُخی کرنے لگتے ہیں۔ الغرض جس کی تمنا یہ ہو کہ اولاد خوبصورت پیدا ہو اور تقاضا اچھی طرح پورا ہو تو اسے اچھی بیوی کو پسند کر لینا چاہیے۔

اگر بیوی لانے کا ارادہ ہو تو پہلے اسے دیکھ لے پسند آوے تو اس سے نکاح کر لے۔ لیکن اس پر بھی غور کر لے کہ دل میں اس کی کس قدر محبت ہے اور محبت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس سے نظر ہٹانے کو جی نہ چاہے اور اگر نظر ہٹے تو دل میں ٹیس ہو۔ یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے۔ جس کے نیچے بہت سے مراتب ہیں جیسے جس کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں ویسی ہی محبت ہوتی ہے۔

اگر باندی خریدنی ہو (یہ اس زمانے کی بات ہے جب باندیاں فروخت ہوتی تھیں) تو اس کو خوب دیکھ بھال کر لے اور جسے عورت سے (جس سے نکاح کا ارادہ ہو) کچھ بات کرنے کا موقع مل جائے تو اس سے بات بھی کر لے اور اس کے طرز گفتگو پر غور کرے کیونکہ حسن دو جگہ ہوتا ہے آنکھوں میں اور منہ میں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز پر تصریح فرمائی ہے کہ مرد (اس) عورت کے (جس سے نکاح کا ارادہ ہو) ایسے حصے کو بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کے حق میں ستر ہے۔ اشارہ تھا کہ چہرے سے زیادہ بازو[1] وغیرہ بھی دیکھ سکتا ہے۔

اور جو شخص عقد نکاح یا باندی کا خریدنا اتنی مدت مؤخر کر سکتا ہو کہ اس کا اندازہ کر سکے کہ دل میں نکاح کی کس قدر خواہش ہے اور سمجھدار آدمی پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ طبیعت کا میلان نئے پن کی وجہ سے ہے یا محبت کی وجہ سے۔ لہٰذا جب محبت پیدا ہونے والے درد کا احساس ہونے لگے تب نکاح پر اقدام کرے کیونکہ ہمیں محمد بن عبدالباقی نے حمد بن احمد ابو

---

[1] حضرات احناف کے نزدیک صرف چہرہ ہتھیلی اور قدم دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ حمزہ

نعیم، سلیمان ابن احمد، عبدالجبار بن ابی عامر، ان کے والد ابو عامر اور خالد بن سلام کے واسطے سے خبر دی کہ حضرت عطا خراسانی نے فرمایا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے:

كُلُّ تَزْوِيجٍ عَلٰى غَيْرِ هَوًى حَسْرَةٌ وَنَدَامَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

''ہر وہ نکاح جو بغیر محبت کے ہو ہمیشہ کے لیے پچھتاوے کا سبب ہے۔''

اور پسند کرنے والے کو چاہیے کہ زوجہ کے اخلاق کی خوب چھان بین کر لے کیونکہ اخلاق پوشیدہ ہوتے ہیں اور اگر صورت سیرت سے خالی ہو تو اس کی مثال گھوڑے پر اگنے والے سبزے کی ہوتی ہے (کہ اوپر سے نہایت خوش منظر اور اندر سے نہایت بد بودار اور گندہ منظر)

اور اولاد کی خوبصورتی و ذکاوت تو مقصود ہے اسی طرح نفس کے تقاضوں سے اس کو فارغ کرنا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ قلب کی توجہ ضروری امور کی طرف ہو سکے کیونکہ جو شخص عارضی ضرورتوں سے فارغ ہوگا وہی اصل ضرورتوں پر توجہ دے سکے گا۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے:

لَايَقْضِى الْقَاضِىُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ. ''کوئی شخص غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔''

اور اِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَحَضَرَتِ الْعِشَآءُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَآءِ.

''جب رات کا کھانا لگا دیا جائے (اور بھوک بھی شدید ہو) اور عشاء کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھالو (تاکہ اطمینان ہو جائے)''

ساری فصل کا حاصل یہ ہے کہ جسے صورت اور سیرت ہر اعتبار سے اچھی بیوی مل جائے تو وہ اس کے عیوب اور ستر کو نہ دیکھے اور بیوی اس کی کوشش کرے کہ شوہر کے سامنے اس کی پسندیدہ حالت میں آوے اور اتنی قریب نہ ہو کہ اکتاوے اور اتنی دور بھی نہ ہو جائے کہ شوہر اسے بھول جائے۔ ہمیشہ اس کے سامنے بن سنور کے آوے تاکہ دونوں مقصود حاصل ہوں۔ اولاد بھی اچھی ہو اور خواہش بھی اچھی طرح پوری ہو۔

میری ان نصیحتوں پر عمل کرنے سے رفاقت دائم رہ سکتی ہے اور دوسری بیوی سے استغناء ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی مرد ایک سے زیادہ بیوی رکھنے پر قادر ہو اور دوسرا نکاح اس یقین کے ساتھ کرے کہ دوسرا نکاح کر کے اس کو فراغ قلب میسر ہو سکے گا تو اس کی یہ حالت افضل ہے۔

اور اگر سوکنوں کی لڑائی کا اندیشہ ہو جس سے دل میں انتشار پیدا ہو جائے حالانکہ دل

کی جمعیت اور سکون ہی کا اہتمام ہم کو اس فصل سے مطلوب ہے یا خوبصورت بیوی سے اس کا اندیشہ ہو کہ وہ یاد آخرت سے غافل کردے گی یا اس کے مطالبات اتنے زیادہ ہوں گے جو شوہر کو تقوئی کی حدود سے نکال دیں گے تو ایسے وقت ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

میری نصیحت میں یہ بھی داخل ہے کہ خوبصورت بیویوں کی پاک دامنی دشوار ہوتی ہے اس لیے جو شخص خوبصورت بیوی لائے وہ اس کی خوب حفاظت کرے اور خوب چھپا کر رکھے۔

اور اگر ایسی بیوی مل جائے جو پسند نہ ہو تو فوراً اسے بدل دے کیونکہ مستقل غم سے چھٹکارے کی یہی صورت ہے اور اگر کوئی شخص اکتفاء کرسکتا ہو تو ایک پر اکتفاء کرنا اولیٰ ہے۔ یعنی اگر بیوی مراد کے مطابق ہو تو ایک پر قناعت کرلے ورنہ دوسری سے نکاح کرلے کیونکہ پسندیدہ بیوی سے نکاح کرنے سے پورا مادہ منویہ خارج بھی ہوجاتا ہے، اولاد بھی عمدہ اور مکمل حاصل ہوتی ہے اور خواہش بھی پوری ہوجاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص زیادہ نکاح بھی چاہے اور سوکنوں کی لڑائی سے ڈرتا بھی ہو تو وہ باندیاں خریدے کیونکہ ان میں یہ لڑائی کم ہوتی ہے اور ان کو رکھنا بیویوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اور بہت سے حضرات ایسے ہوئے ہیں جن کے لیے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا آسان تھا اور ان کی بیویاں بھی بجائے لڑکے کے صبر وضبط سے کام لیتی تھیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار بیویاں تھیں[۱]۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تو معلوم ہی ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چار بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں اور آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً چار سو نکاح فرمائے۔

جن باتوں کو میں نے اشارۃً بیان کردیا ہے ان کو سمجھ لو۔ ان شاء اللہ کامیاب رہو گے۔

گناہوں پر دنیوی سزائیں

مجلس.... دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا فرمائی ہیں سب آخرت میں پائی جانے والی چیزوں کا نمونہ ہیں۔ لہٰذا جتنی مصیبتیں دنیا میں پیش آتی ہیں آخرت میں بھی پیش

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی شریعتوں میں ۴ سے زائد نکاح کی اجازت تھی۔ ۱۲ حمزہ

آویں گی (یعنی کافروں کو) لیکن آخرت کی چیزوں کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ يُشْبِهُ مَافِي الدُّنْيَا اِلَّا الْاَسْمَآءُ "جنت کی چیزوں اور دنیا کی چیزوں میں صرف نام کی مشابہت ہوگی۔ یعنی نام ایک ہوگا۔ باقی حقیقت بالکل مختلف ہوگی۔"

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کا نمونہ دکھلا کر اپنی نعمتوں کا شوق دلایا ہے اور عذاب کا نمونہ دکھلا کر اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

چنانچہ دنیا میں جاری ہونے والے معاملات میں سے ایک یہ ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم پر اسی دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے۔ اسی طرح گنہگار کو اور یہی مفہوم ہے باری تعالیٰ کے ارشاد کا: "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ"

ایسا بھی ہوتا ہے کہ نافرمان شخص اپنے جسم اور مال کی سلامتی دیکھ کر یہ گمان کر لیتا ہے کہ اسے سزا نہیں ہو رہی ہے حالانکہ ان سزاؤں سے غفلت جن میں وہ گرفتار ہے خود ایک سزا ہے۔ چنانچہ حکماء نے فرمایا ہے:

اَلْمُعْصِيَةُ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ عِقَابُ الْمَعْصِيَةِ وَالْحَسَنَةُ بَعْدَالْحَسَنَةِ ثَوَابُ الْحَسَنَةِ.

"گناہ کے بعد دوسرے گناہ کا ارتکاب پہلے کی سزا ہے اور نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق اس کا صلہ ہے۔"

اور دنیاوی عذاب کبھی معنوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے ایک عالم نے عرض کیا کہ:

"اے میرے رب! میں نے بارہا آپ کی نافرمانی کی لیکن آپ نے مجھے سزا نہ دی۔"

تو اس سے کہا گیا "میں نے بارہا تجھے سزائیں دیں لیکن تجھے احساس نہ ہوا کیا میں نے تجھے اپنی مناجات کی حلاوت سے محروم نہیں کر رکھا ہے۔"

پس جس نے اس طرح کی سزاؤں پر غور کیا وہ انہیں منتظر پاوے گا بلکہ جب حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا نافرمان شخص طاعت کی لذت پا سکتا ہے؟ تو

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جسے معصیت کا میلان بھی ہوگیا (اور اس نے استغفار و توبہ سے تلافی نہیں کی) وہ بھی نہیں پا سکتا۔"

چنانچہ بعض لوگوں نے اپنی نگاہ آزاد چھوڑ دی تو نگاہ بصیرت سے محروم کردیئے گئے یا زبان کو بے لگام رکھا تو صفاء قلب سے محروم کردیئے گئے یا کھانے پینے میں مشتبہ سے پرہیز نہ کیا تو ان کا باطن تاریک ہوگیا اور وہ رات کی نمازوں اور مناجات کی حلاوت سے محروم کردیئے گئے۔ وغیرہ ذالک۔

یہ سب ایسی سزائیں ہیں جن کا احساس انہیں حضرات کو ہوپاتا ہے جو اپنے نفس سے محاسبہ کے عادی ہوتے ہیں۔

اور اس کے برعکس متقی شخص دنیا ہی میں بہترین بدلہ سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں (یعنی حدیث قدسی ہے):

اَلنَّظْرَةُ اِلَی الْمَرْاَةِ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِّنْ سِهَامِ الشَّیْطَانِ مَنْ تَرَکَهٗ اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ اٰتَیْتُهٗ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ.

"اجنبی عورت کی طرف دیکھنا شیطان کا زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے جس نے میری رضا کی خاطر اس کو نہیں دیکھا، میں اسے ایمان کا ایسا درجہ عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

یہ ایک نمونہ ہے اسی پر بقیہ نیکیوں کو قیاس کرلو۔

اور اگر آدمی کھلے عام نافرمانی کرے تو کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ نہ پاوے۔ چنانچہ اسی قبیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

اَلصُّبْحَةُ تَمْنَعُ الرِّزْقَ. "فجر بعد کا سونا رزق سے محرومی کا سبب ہے۔"

اور اِنَّ الْعَبْدَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُهٗ.

"بندہ رزق سے محروم کردیا جاتا ہے جس کا سبب اسی کا گناہ ہوتا ہے۔ (جس سے اس نے توبہ نہ کی ہو)"

اور حضرات مفسرین نے روایت ذکر فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولاد میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ لڑکے ہوئے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے ذرا سے میلان کی وجہ سے گیارہ ہوئے۔

ان جیسے واقعات میں اگر ذی بصیرت شخص غور کرے تو اسے ہر کام کا بدلہ ضرور نظر آوے گا۔ جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "اگر مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو اس کو اپنی سواری اور باندی کے برتاؤ میں محسوس کر لیتا ہوں۔"

اور حضرت عثمان نیشاپوریؒ کا واقعہ منقول ہے کہ جمعہ کے لیے جاتے ہوئے ان کے جوتے کا ایک تسمہ الگ ہو گیا' آپ اس کو درست کرنے کے لیے تھوڑی دیر رک گئے پھر فرمایا کہ جوتے کا تسمہ اس لیے ٹوٹ گیا کہ میں نے آج جمعہ کے لیے غسل نہیں کیا ہے۔

دنیا ہی میں ملنے والا ایک تعجب خیز بدلہ وہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے ظلم کے ہاتھ آپ کی طرف دراز ہوئے اور انہوں نے آپ کو نہایت معمولی قیمت میں فروخت کر دیا تو پھر انہی کے ہاتھ آپ کے سامنے (ذلت کے ہاتھ بن کر) بڑھوائے گئے اور وہ لوگ آپ سے عرض کر رہے تھے "وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا"

اور جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی طرف میلان کے وقت صبر فرمالیا تو وہی عورت حلال طریقہ سے آپ کو دے دی گئی اور جب اس عورت نے آپ کے خلاف یہ جھوٹا الزام تراشا "مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا" تو سچی بات اسی سے کہلائی گئی "اَنَا رَاوَدْتُّهٗ" (میں نے ہی یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی تھی)

اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی معصیت چھوڑتا ہے تو اس کا ثمرہ ضرور دیکھے گا۔ اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے (تو اس کا بدلہ بھی ضرور محسوس کرے گا)

حدیث شریف میں ہے: اِذَا اَحْلَقْتُمْ فَتَاجِرُوا اللّٰهَ بِالصَّدَقَةِ (اَیْ عَامِلُوْهُ لِزِيَادَةِ الْاَرْبَاحِ الْعَاجِلَةِ.

"اگر تم افلاس کا اندیشہ کرتے ہو تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرو (یعنی دنیوی نفع کے لیے بھی اللہ سے معاملہ کرو)"

اور ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہوں نے دنیوی راحت کے لیے معصیت میں سہل انگاری کی لیکن ان کی حالت دنیوی پریشانی کی طرف اُلٹ گئی اور مقاصد برعکس ہو گئے۔

ایک شیخ نے اپنی یہ حکایت بیان کی کہ ''انہوں نے جوانی میں ایک باندی خریدی۔''

ان کا بیان ہے کہ ''جب میں اس کا مالک ہو گیا تو اس کی طرف شدید میلان ہونے لگا۔ پھر میں برابر ایک ایک فقیہ سے پوچھتا رہا کہ شاید کوئی مجھے اجازت دے دے لیکن ہر ایک نے یہی کہا کہ اس کے حیض آنے سے پہلے نہ اس کی طرف نظر شہوت سے دیکھنا جائز ہے اور نہ جماع۔'' فرماتے ہیں کہ میں نے باندی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب میں فروخت کی گئی ہوں اس وقت حیض سے تھی، میں نے سوچا چلو جلدی معاملہ نبٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر پھر فقہاء سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا حیض وہ معتبر ہے جو تمہاری ملکیت میں آنے کے بعد شروع ہو۔ اب میں نے اپنے نفس سے پوچھا جب کہ وہ شہوت کی قوت، باندی پر قابو اور اس کے قرب کی وجہ سے بے تاب ہو رہا تھا کہ اب کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا ایمان کا تقاضا انگارے پر صبر کرنا ہے چاہو تو ایمان کی رعایت کرو، چاہو نہ کرو۔ چنانچہ میں نے صبر کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ پاک ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس صبر کے عوض مجھے ایسے مراتب رفیعہ عطا فرمائے جو کہیں بہتر تھے۔

اعتبار باطن کا ہوتا ہے

مجلس.....میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے دلائل پر نظر ڈالی تو انہیں تعداد میں ریت سے زیادہ پایا۔ ان میں ایک دلچسپ دلیل یہ نظر آئی کہ انسان اپنی غلط حرکتوں کو چھپانا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرما دیتے ہیں۔ اگرچہ کچھ مدت بعد سہی اور لوگوں کی زبانوں پر ان کا تذکرہ آ جاتا ہے۔ اگرچہ سب نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا ہوتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نافرمان شخص ایسی نافرمانی کر بیٹھتا ہے جو اسے لوگوں کے درمیان رسوا کر دیتی ہے تو یہ ان تمام گناہوں کا جواب ہو جاتی ہے جو اس نے چھپا کر کیے ہیں اور ایسا اس لیے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ایسے موقعوں پر ایک ایسی ذات نگراں ہوتی ہے جو لغزشوں پر سزا دے سکتی ہے اور اس کی قدرت کے مقابلے میں کوئی

حجاب اور کوئی پردہ کام نہیں آسکتا اور اس سے کسی کا کوئی عمل چھوٹتا نہیں ہے۔ اسی طرح انسان اپنی طاعتوں کو چھپاتا ہے لیکن وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لوگ ان کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں بلکہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے لیے گناہ کا تصور بھی چھوڑ دیتے ہیں صرف نیکیاں ہی بیان کرتے ہیں اور یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان موقعوں پر ایک رب تھا جو کسی عمل کرنے والے کا عمل رائیگاں نہیں جانے دیتا۔

اور بے شک لوگوں کے دل کسی کی حالت کو سن کر اس سے محبت کرتے ہیں یا نفرت کرتے ہیں یا کسی کی مذمت کرتے ہیں اور کسی کی مدح کرتے ہیں تو یہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کے مطابق معاملہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے ہر غم کی کفایت فرماتے ہیں اور ان سے ہر شر کو دور فرماتے ہیں۔

لہٰذا جس بندے نے بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کے درمیان اچھا بننا چاہا اس کا مقصود اُلٹ جاتا ہے اور اس کی مدح کرنے والے مذمت کرنے والے ہو جاتے ہیں۔

خیر کم اور شر زیادہ

مجلس.... میں نے زمین اور اس میں بسنے والوں پر نگاہ بصیرت ڈالی تو یہ نظر آیا کہ آباد زمین کے مقابلے میں ویران زمین زیادہ ہیں۔ اسی طرح اس پر آباد ہونے والے انسانوں کے متعلق غور کیا تو اکثر علاقوں پر کافروں کو غالب پایا اور مسلمانوں کو کافروں کی بہ نسبت کم پایا۔

پھر مسلمانوں کے حالات پر غور کرتے ہوئے ان کی آمدنیوں کو سوچا تو یہ دیکھا کہ اکثر مسلمان اپنے کسب میں لگ کر اپنے رزاق سے غافل ہیں اور ایسے علم کے حاصل کرنے سے رُخ پھیرے ہوئے ہیں جو انہیں اللہ تک پہنچاتا۔

چنانچہ بادشاہ اپنی حکومت میں مشغول رہتا ہے اور عارضی لذتوں میں مست ہے اور اپنی اغراض بلا ان کا شکر ادا کیے ہوئے پوری کیے جا رہا ہے۔ جس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ اس سے ملنے جاتے ہیں بجائے اسے نصیحت کرنے کے اس کی مدح و توصیف کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی خواہشات نفس بڑھتی جاتی ہیں حالانکہ امراض کا علاج ضد سے کرنا چاہیے

تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب تم مجھے دیکھو کہ میں کسی معاملہ میں حق سے ہٹنے لگا ہوں تو میرا دامن پکڑ لینا اور جھٹک کر کہنا ''مَالَکَ یَاعُمَرُ؟'' عمر! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ اَھْدٰی اِلَیْنَا عُیُوْبَنَا'' (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں، جو ہماری کمزوریوں کی نشاندہی کرے) جس کا اصل یہ ہے کہ سارے لوگوں میں وعظ و نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق سلطان ہے۔

اگر سلطان کے فوجیوں کو دیکھا جائے تو اکثر فوجی خواہشات کے نشے میں اور دنیوی زیب و زینت میں مبتلا ہیں بلکہ جہالت و ناواقفیت میں بھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کسی گناہ سے رنج نہیں ہوتا۔ شراب پینے اور ریشمی لباس کے پہننے سے ذرا بھی گھبراتے نہیں بلکہ بعض تو (منع کرنے پر) کہہ دیتے ہیں کہ پھر فوجی کیا پہنے؟ کیا روئی کا لباس پہن لے؟ دوسروں کے سامان زبردستی استعمال کر لینا ان کی عادت ہے اور ظلم گویا ان کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔

گاؤں کے دیہاتیوں پر جہل چھایا ہوا ہے۔ اکثر تو نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دیہاتی عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں۔

تاجروں کے حال پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ ان پر حرص غالب ہے جس کی وجہ سے وہ اس پر نظر نہیں کرتے کہ ان کے کسب کے طریقے جائز ہیں یا نہیں؟ سود ان کے معاملات میں عام ہو گیا ہے اور کوئی بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ دنیا اسے کیسے حاصل ہو رہی ہے؟ اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی خوف خدا میں کمی کے سبب کوتاہی کرتے ہیں، ہاں کچھ تاجر محفوظ بھی ہیں۔

پھر دوسرے ارباب معاش کو دیکھا تو ان کے زیادہ تر معاملات میں کھوٹ، دھوکہ اور ناپ تول میں کمی پائی اور وہ سب کے سب جہل میں غرق نظر آئے۔ ان کی اکثریت اولاد کو ضروری تعلیم اور ادب کی تربیت سے پہلے ہی بچپن ہی سے کسب معاش میں لگا دیتی ہے۔

عورتوں پر نظر ڈالی تو ان کو بھی دین میں کمزور اور جہالت میں غرق پایا۔ انہیں آخرت کے امور سے بے خبری ہوتی ہے۔ ہاں بعض مستثنیٰ ہیں۔

ان سب کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ اب اللہ کی اطاعت اور اس کی معرفت کے لیے

کون باقی بچا؟ چنانچہ غور کیا تو علماء، طلبہ، عابدین اور زاہدین نظر آئے۔

لہٰذا زاہدوں اور عابدوں پر نظر بصیرت ڈالی تو دیکھا کہ اکثر بغیر علم حاصل کیے عبادت کرتے ہیں۔ اپنی تعظیم اور دست بوسی کرانے اور مریدین کی کثرت کے خواہش مند ہیں حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی کو بازار سے کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو خود نہیں جاتے تاکہ ان کی جاہ نہ متاثر ہو جائے اور اپنی ناموس کی حفاظت انہیں اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو نہیں جاتے۔ جنازہ میں شرکت نہیں کرتے۔ الا یہ کہ کوئی ان سے بڑے مرتبہ کا ہو۔ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرتے بلکہ اس میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ گویا ان کی ناموس ان کا بت ہے جس کی وہ لوگ بے خبری میں عبادت کیے جا رہے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو جاہل ہونے کے باوجود فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں تاکہ سرداری میں کمی نہ آوے پھر علماء پر حرصِ دنیا کے سلسلے میں نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں اور اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ مذموم دنیا وہ ہے جس میں وہ مبتلا ہیں (یعنی حب جاہ وغیرہ) نہ کہ مباحات کا استعمال۔

ان کے بعد علماء وطلبہ پر نگاہ ڈالی تو اندازہ ہوا کہ ایسے طالب علم بہت کم ہیں جن پر نجابت وشرافت کی علامت ہو کیونکہ نجابت کی علامت یہ ہے کہ علم کو عمل کے لیے حاصل کیا جائے جبکہ اکثر طلبہ علم کے ذریعے ایسی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ان کے کسب دنیا میں جال کا کام دے سکے یعنی یا تو اس سے کسی جگہ کا منصب افتا مل جائے یا کسی شہر کا منصب قضاء اور صرف اتنا علم حاصل کرتے ہیں جس سے اپنے ہم عمروں سے ممتاز ہو جائیں اور بس۔

پھر علماء کے حالات پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اکثر علماء خواہش نفس سے مغلوب اور اس کے غلام ہیں۔ چنانچہ جن چیزوں سے علم انہیں روکتا ہے انہی کو کرتے ہیں اور جن سے منع کرتا ہے انہی پر عمل کرتے ہیں، اللہ کی عبادت کے ذوق سے محروم ہیں۔ بس ان کی ساری توجہ تقریر و بیان کرنے کی طرف ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ روئے زمین کو کبھی ایسے شخص سے خالی نہیں فرماتے جو دوسروں پر حجت ہو، علم وعمل کا جامع اللہ عزوجل کے حقوق کا عارف اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو اور ایسے

ہی کو قطب العالم کہا جاتا ہے اور جب یہ وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو پیدا فرما دیتے ہیں لیکن عامۃ ایسا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی اس وقت تک وفات نہیں ہوتی جب تک ہر معاملہ میں اس کی نیابت کرنے والے پیدا نہ ہو جائیں۔ لہٰذا ایسے شخص سے روئے زمین خالی نہیں ہونے پاتی اور یہی وہ ہے جو اُمت میں مثل نبی کے ہوتا ہے۔

اور جس کے اوصاف میں بیان کر رہا ہوں وہ اصول کو مضبوطی سے تھامے رہنے والا اور حدود کی پوری محافظت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا علم دوسرے علماء سے کم ہو یا اس کی ظاہری عبادات زیادہ نہ ہوں۔

رہے ایسے افراد جو تمام جہتوں میں کامل ہوں تو ان کا وجود نادر ہوتا ہے اور صدیوں میں کوئی ایک پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے سارے حضرات سلف پر نگاہ ڈالی اور یہ چاہا کہ ان میں ایسے حضرات کا انتخاب کروں جو علم کے اس درجہ جامع ہوں کہ مرتبہ اجتہاد پر ہوں اور عمل کے اس درجہ جامع ہوں کہ سارے عبادت گزاروں کے پیشوا سمجھے جاتے ہوں تو مجھے تین سے زیادہ نظر نہیں آئے۔ جن میں سب سے پہلا[1] مقام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ دوسرا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اور تیسرا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ہر ایک کی مستقل سوانح حیات لکھی ہے اور اگر کوئی چوتھے مرتبہ پر حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دے تو میں انکار نہ کروں گا۔

اگرچہ حضرات سلف میں سبھی ہمارے بڑے ہیں لیکن اکثر پر کسی ایک جہت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری جہت کا جامع نہیں ہو پاتا۔

چنانچہ بعض پر علم کا غلبہ ہے اور بعض پر عمل کا لیکن ان سبھی حضرات کو علم کا وافر نصیبہ اور عبادت و معرفت کا بیشتر حصہ حاصل ہوتا ہے۔

اور ایسے لوگوں کے وجود سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے جو بعینہ ان کے نقش قدم پر چل سکیں۔ اگرچہ سبقت کی وجہ سے فضیلت انہی حضرات کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زہد و عبادت اور تقویٰ کے حالات پر نگاہ ڈالی جائے اور اجتہاد میں آپ کی افضلیت مسلم ہی ہے تو آپ کا مقام اس فہرست میں سرفہرست ہونا چاہیے تھا۔ ۱۲ حمزہ

خضر علیہ السلام کو ان حقیقتوں کی اطلاع فرمادی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مخفی تھیں کیونکہ اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور اس کی عطا کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مجھے ابن عقیل کی یہ حکایت پہنچی کہ وہ اپنے متعلق (فخریہ) فرماتے تھے کہ ''میں نے ایک کشتی پر توجہ ڈالی تو وہ ٹوٹ گئی۔'' حالانکہ ان کا یہ فعل غلط تھا کیونکہ انہیں اس (کشتی کو توڑنے) کا حق کہاں تھا؟

پس کتنے اپنے اوپر خوش ہونے والے ہیں کہ بعد کے لوگوں نے ان میں ایسی غلطیاں پکڑ لیں جن سے ان کی تحقیر ہوتی ہے اور کتنے متاخر ایسے ہیں جو سابقین پر سبقت لے گئے۔ شاعر کہتا ہے:

اِنَّ اللَّیَالِیَ وَالْاَیَّامَ حَامِلَۃٌ وَلَیْسَ یَعْلَمُ غَیْرُ اللّٰہِ مَاتَلِدُ.

''بیشک زمانہ حمل سے ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کیا خبر؟ کہ اس سے کیا پیدا ہوگا۔''

نفس کو ایک نصیحت

مجلس.... میں نے نفس کا خواہشات کی طرف اس درجہ میلان دیکھا کہ اس کے ساتھ دل و دماغ عقل سب انہی خواہشات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور آدمی کسی نصیحت کا اثر قبول کرنے کے لائق نہیں رہ جاتا۔ تو ایک دن جبکہ میرا نفس ایک خواہش کی طرف بالکل جھک چکا تھا میں نے اسے ڈانٹا اور کہا تیرا برا ہو۔ تھوڑی دیر صبر کر' میں تجھ سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں پھر جیسا سمجھ میں آوے ویسا کر۔ اس نے کہا فرمائیے میں سن رہا ہوں! میں نے کہا یہ تو تجھے تسلیم ہے کہ مباح خواہشات کی طرف تیرا میلان کم ہوتا ہے اور حرام چیزوں کی طرف زیادہ۔ میں دونوں کی حقیقت تیرے سامنے بیان کر دیتا ہوں ممکن ہے شیریں نظر آنے والی خواہشات تجھے تلخ نظر آنے لگیں۔

مباح خواہشات کی تجھے اجازت ہے لیکن ان کے حصول کا طریق دشوار ہے اس لیے کہ اتنا مال نہیں ہو پاتا کہ بڑی بڑی خواہشات پوری کی جا سکیں اور کسب سے بھی ان کو حاصل کرنا دشوار ہے کیونکہ اس میں بہت سا قیمتی وقت برباد ہو جائے گا اور بالفرض اتنا مال میسر ہو بھی جائے تو بھی ان خواہشات کو حاصل کرنے اور ان کو برتنے کے وقت ان کے ختم ہو جانے

کا اندیشہ لگا رہے گا۔ پھر ان سے پیدا ہونے والے نقصانات بھی جو کسی سمجھ دار پر مخفی نہیں ہیں۔ ان خواہشات کو مزید بدمزہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر وہ کھانے کی قبیل سے ہو تو آسودگی سے زیادہ کھانا بہت سے امراض پیدا کرتا ہے اور اگر افراد کی قبیل سے ہو تو اکتاہٹ یا فراق کا تصور یا بداخلاقی وغیرہ اور نکاح جو سب سے زیادہ لذت بخش ہے وہ سب سے زیادہ جسم کو کمزور کرنے والی چیز ہے اور دوسرے بہت سے مباحات جن کا ذکر طول کا سبب ہوگا۔

رہیں حرام خواہشات تو ان میں وہ دشواریاں بھی ہیں جن کو ابھی مباحات کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور مزید ذلت کا اندیشہ دنیوی سزا اور رسوائی کا خوف اور آخرت کی وعیدیں بھی ہیں۔ اور اگر کسی نے توبہ بھی کر لی تو جب ان کی یاد آئے گی تب گھبراہٹ اور فکر ہوگی (کہ آیا توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں؟)

جبکہ خواہش نفس کو دبا لینے کی قوت کے اندر ایسی لذت ہے جو ہر لذت سے بڑھ کر ہے۔

کیا تم نے خواہشات سے مغلوب ہو جانے والوں کو نہیں دیکھا کہ کس طرح ذلیل ہوتے ہیں؟ اور یہ صرف اس لیے کہ نفس سے مغلوب ہو گئے بخلاف خواہشات پر قابو رکھنے والوں کے وہ دل کے مضبوط اور غالب ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے نفس کو دبا لیا ہے۔

پس خبردار! خواہشات کی طرف اس چور کی طرح پسندیدگی کی نگاہ سے کبھی مت دیکھنا جو محفوظ مقام سے مال کے نکال لینے کی لذت کو تو دیکھتا ہے لیکن ہاتھ کے کٹ جانے کا خیال نہیں کرتا۔

اپنی نگاہِ بصیرت کھلی رکھنی چاہیے تا کہ ہر خواہش کے انجام کو اور ہر لذت کے تلخی سے بدل جانے کو اور اس کے لذت نہ رہ جانے کو۔ خواہ اکتاہٹ یا کسی پسندیدہ شئی کے نہ ملنے کی وجہ سے دیکھ لے کیونکہ پہلی معصیت کی مثال اس لقمہ کی ہوتی ہے جسے بھوکا کھاوے، پھر بھوک کا کتا پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ اس کی خواہش طعام اور بڑھ جاتی ہے اور انسان کو خواہشات کے دبا لینے کی لذت اس سے صبر کے فوائد کے ساتھ ساتھ یاد رکھنا چاہیے جسے نگاہ بصیرت کے استعمال کی توفیق مل گئی۔ سلامتی اس کے بہت قریب ہے۔

اصلاح نفس کی رکاوٹیں

مجلس.... جس وقت میری مجلس بڑی عمدہ چل رہی تھی یعنی لوگوں کے دل حاضر تھے

آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، سر جھکے ہوئے تھے لوگ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو رہے تھے اور ارادے اپنی اصلاح کے لیے پختہ ہو رہے تھے اور لسان ملامت اندر ہی اندر بے احتیاطیوں اور بد پرہیزیوں پر دراز ہو رہی تھی۔ اس وقت میرے دل میں ایک خیال آیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی؟ کیونکہ ابھی میں نفس کو اور غفلت سے بیداری کو ایک ساتھ ایک دوسرے کے قریب دیکھ رہا ہوں اور ابھی جب ہم سب مجلس سے اُٹھیں گے فوراً ہی دونوں جدا ہو جائیں گے۔

اس پر میں نے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ نفس تو ہمیشہ بیدار اور دل ہمیشہ معرفت سے سرشار رہتا لیکن ان کو مشغول کر لینے والے بہت سے موانع ہیں اور وہ فکر جس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی میں ہونا چاہیے تھا دنیوی ضرورتوں اور لوگوں کی حاجت کے پورا کرنے میں لگ کر تھک جاتی ہے اور دل انہی میں ڈوبا رہتا ہے اور جسم تو فکر وقلب کا خادم ہے۔ چنانچہ ابھی دیکھو کہ فکر کھانے پینے اور پہننے کے سامان مہیا کرنے کی فکر میں تھی اور اس کی رکاوٹوں اور کل پرسوں بلکہ پورے سال کا ذخیرہ جمع کرنے کے متعلق غور کر رہی تھی کہ اچانک اسے ان فضلات کے نکالنے کی فکر لاحق ہوگئی جن کا روکے رکھنا مضر ہے (اور ان میں سے منی بھی ہے) لہٰذا اسے نکاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ پھر معلوم ہوا کہ نکاح بغیر کسب مال کے مناسب نہیں ہے تو اب کسب مال کی فکر شروع کی اور اس کے مقتضی پر عمل کرنے لگی۔ پھر اولاد ہونے لگی تو اس کے لیے اہتمام شروع ہو گیا۔

گویا فکر پوری طرح دنیا کے اصول وفروع میں لگی رہتی ہے اور جس وقت انسان مجلس میں آتا ہے تو اس وقت نہ بھوک میں مبتلا ہوتا ہے نہ پیشاب پاخانہ کے روکنے کی تکلیف میں بلکہ ساری فکر مجتمع کر کے اور دنیا کی یاد بھلا کر حاضر ہوتا ہے۔ لہٰذا نصیحت کو صاف ستھرا دل ملتا ہے تو وہ اسے وہ چیز یاد دلا دیتی ہے جس سے وہ مانوس ہے (یعنی بیداری) اور اس کی طرف کھینچ لیتی ہے جس کی اسے معرفت حاصل ہے۔ چنانچہ دل معرفت میں ڈوب جاتے ہیں لوگ اپنی کوتاہیوں پر محاسبہ شروع کر دیتے ہیں اور گزشتہ غلطیوں پر اپنے نفس سے مواخذہ کرنے لگتے ہیں، پھر ندامت کی نگاہوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور تلافیوں کے ارادے پختہ ہونے لگتے ہیں۔

اگر یہ نفس ان مشاغل سے جن کا میں نے ذکر کیا ہے خالی ہوتا تو ضرور اپنے پالنہار کی

طاعت و بندگی ہی میں لگا رہتا اور اگر اسے کچھ محبت نصیب ہو جاتی تو اس کے قرب کے حصول کے لیے ساری دنیا سے وحشت کرنے لگتا اس لیے زاہدوں نے خلوت اختیار کی اور موانع کو ختم کرنا چاہا اور ایسا کر کے اپنے مجاہدے کے بقدر اپنا مقصود پایا بھی جیسا کہ کہا جاتا ہے ''جتنا بوؤ گے اتنا کاٹو گے''

ہاں میں نے اس حالت میں ایک باریک دھوکہ محسوس کیا ہے وہ یہ کہ بعضوں کا نفس اگر ہر وقت بیداری کی حالت میں رہے تو وہ پہلے سے زیادہ بدتر حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یعنی اپنی حالت پر عجب اور دوسروں کی تحقیر کرنے لگتا ہے اور کبھی اپنی علمی و عرفانی قوت کے پندار میں دعویٰ بھی کرنے لگتا ہے کہ مجھ کو ایسا ایسا مقام حاصل ہے اور میرے پاس ایسے ایسے کمالات ہیں اور میں فلاں فلاں امور کا مستحق ہوں۔ سو ایسے شخص کو اس کے گناہوں کی موج میں چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں وہ بھٹکتا رہتا ہے۔ پھر اگر کبھی کنارہ پر آ لگا اور بندگی کا حق پہچاننے لگا تو اس کے لیے یہی حالت بہتر ہے۔

توکل کے متعلق ایک تنبیہ

مجلس....ایک مرتبہ غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ کچھ مال محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے اور جسے جاہل صوفیاء توکل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی سارے مال سے علیحدہ ہو جانا یہ مشروع نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ بَعۡضَ مَالِکَ اَوۡ کَمَا قَالَ لَهٗ.

''کچھ مال روکے رکھو (سب راہِ خدا میں نہ دے ڈالو کہ پھر مانگنا پڑے)''

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

لِاَنۡ تَتۡرُکَ وَرَثَتَکَ اَغۡنِیَآءَ خَیۡرٌ مِّنۡ اَنۡ تَتۡرُکَهُمۡ عَالَةً یَتَکَفَّفُوۡنَ النَّاسَ.

''تم اپنے ورثہ کو غنی چھوڑ جاؤ' یہ بہتر ہے اس سے کہ انہیں محتاج چھوڑو پھر وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔''

اس پر اگر کوئی بیوقوف اعتراض کرے اور کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے تو (جنگ تبوک کے موقع پر) سارا مال دے دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حوصلہ مند بھی تھے اور تاجر بھی تھے۔ لہٰذا اگر آپ نے سب خرچ کر دیا تو اس پر قادر بھی تھے کہ قرض لے کر روزی حاصل کر لیتے (پھر قرض چکا دیتے) اور جو شخص ایسا ہو وہ اگر سارا مال خرچ کر دے میں اس کی مذمت نہیں کرتا۔ میں مذمت ان کی کر رہا ہوں جنہوں نے سارا مال خرچ کرنے کا راستہ تو اختیار کیا لیکن وہ کما نہیں سکتے یا کمانے کی سکت تو رکھتے ہیں مگر اس سے علیحدہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں پر بوجھ بنے رہتے ہیں اور دوسروں سے عطاء کے طالب ہوتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ انہیں فتوحات ہو رہی ہیں۔ درانحالیکہ ان کے دل مخلوق سے متعلق ہیں اور ان کی حرص لوگوں سے بندھی ہوئی ہے جب ان کے دروازے کی زنجیر ہلتی ہے تو ان کا دل اُچھل جاتا ہے کہ روزی آئی۔

اور یہ معاملہ ان لوگوں کے حق میں قبیح ہے جو معاش کی تحصیل پر قادر ہیں اور اگر قادر نہ ہو تو پھر سارے مال کا خرچ کر دینا قبیح تر ہے اس لیے کہ پھر ان کے دل لوگوں کی جیب سے متعلق رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو کسی کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اور کسی کے سامنے اپنا زہد چمکانا پڑتا ہے اور کم از کم یہ لوگ فقراء و مساکین اور اپاہجوں کا حصہ تو بٹا ہی لیتے ہیں[1]۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اتباع کرو اور دیکھو کیا ان میں بھی کوئی ایسا کرنے والا موجود ہے۔ جیسا یہ جاہل صوفیاء کرتے ہیں اور میں کتاب کے شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ ان حضرات نے کمایا بھی اور بہت سا مال بھی چھوڑا۔ بس تم انہی حضرات کی راہ اختیار کرو کہ یہ راستہ نہایت صاف ستھرا ہے اور ان تمام راستوں سے بچ کر چلو جن کو جاہل صوفیاء نے اپنی رائے سے گھڑ لیا اور جو شریعت سے خارج ہیں کیونکہ ان راستوں کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ شریعت ناقص تھی اور ابھی اس کی تکمیل کی ضرورت ہے۔

اور یہ سمجھ لو...... اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ بدن ایک سواری ہے اور سواری کے لیے چارہ کی اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر تم نے اپنی سواری یوں ہی چھوڑے رکھی تو اس سے تمہاری رفتار متاثر ہوگی۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ

---

[1] یہ مذمت ان لوگوں کی ہے جو تصوف کو حصول مال کا جال بنالیں ورنہ محض دین کی خدمت کے لیے کسب دنیا سے اس طرح علیحدہ ہو جانا کہ طمع مخلوق سے متعلق نہ رہے یہ تو تمام انبیاء و مصلحین کا شعار رہا ہے۔ ۱۲ احمزہ

تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ کندھے پر غلہ ڈھو کر لیجا رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں جبکہ صحابی رسول ہیں؟ فرمایا:

اِنَّ النَّفْسَ اِذَا اَحْرَزَتْ قُوْتَهَا اِطْمَأَنَّتْ.

"نفس جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو اطمینان سے کام کرتا ہے۔"

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِذَا حَصَّلْتَ قُوْتَ شَهْرٍ فَتَعَبَّدْ.

"جب تم (کم از کم) ایک مہینہ کی روزی حاصل کر لو تب عبادت میں لگو۔"

پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے پاس دعویٰ کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے اس طرح کی باتیں سن کر کہا "یہ تو رزاقیت میں شک کرنا ہے حالانکہ اس پر اعتماد ہونا چاہیے تھا۔" پس ایسے لوگوں سے بہت دور رہو۔

اور اگر اس طرح کا کوئی واقعہ حضرات سلف کے بڑے بڑے زاہدوں سے منقول ہو تو اس کو مدار نہ بناؤ اور ان کی مخالفت سے مت گھبراؤ کیونکہ ابوبکر مروزی نے بیان کیا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے سن کر عرض کرنا چاہا کہ ابن ادہم تو یوں کہتے ہیں ابھی میں صرف ابن ادہم ہی کہہ سکا تھا کہ بڑی زور سے بگڑے اور فرمایا:

ان اَنَا اَذْكُرُ لَكَ حَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ وَتَاْتِيْنِيْ بِبُنَيَّاتِ الطَّرِيْقِ؟

خوب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ کہ اگر کوئی مدعی زہد اسباب کو ترک کر دے اور کہے کہ میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا نہ دھوپ سے اُٹھ کر سایہ میں بیٹھوں گا اور نہ ٹھنڈک سے بچنے کا اہتمام کروں گا تو ایسا شخص بالا جماع گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے اہل و عیال موجود ہیں اور وہ کہے کہ میں ان کے لیے کماؤں گا نہیں ان کا رزق تو اللہ کے ذمہ ہے پھر انہیں کوئی تکلیف پہنچ گئی تو گناہ گار ہوگا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُّضِيْعَ مَنْ يَّقُوْتُ.

"انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔"

اور یہ بھی سمجھ لو کہ کسب مال سے فکر مجتمع ہو جاتی ہے قلب فارغ ہو جاتا ہے اور مخلوق سے طمع ختم ہو جاتی ہے کیونکہ طبیعت کے کچھ حقوق ہیں جن کا وہ تقاضا کرتی ہے اور شریعت نے اس کو بیان بھی کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا.

''تمہارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔''

مرید سالک کے ساتھ طبیعت کی مثال اس کتے کی طرح ہوتی ہے جو رات میں آنے والوں کو پہچانتا نہیں ہے لہٰذا جسے بھی آتا ہوا دیکھتا ہے بھونکنے لگتا ہے اور اگر اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو فوراً چپ ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ ساری بحث سے مقصود صرف دل کی جمعیت وسکون کا اہتمام ہے۔ لہٰذا ان بنیادی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ ان کا سمجھ لینا نہایت اہم ہے۔

مباح خواہشات میں بھی اعتدال چاہیے

مجلس.... میں نے دنیاوی خواہشات میں غور کیا تو ان کو ہلاکت کا جال اور بربادی کا ذریعہ پایا۔ لہٰذا جس کی عقل طبیعت پر غالب اور حاکم رہتی ہے وہ تو محفوظ رہتا ہے اور جس کی طبیعت غالب رہتی ہے وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

خود میں نے بہت سے ابناء زمانہ کو دیکھا کہ انہیں جماع کا بہت شوق تھا جس پر طرفہ یہ کہ وہ ایسی گرم دوائیں استعمال کر لیتے ہیں جو قوت باہ کو بڑھانے والی اور شہوت میں ہیجان پیدا کرنے والی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں ان کی حرارت غریزیہ تحلیل ہو جاتی ہے اور برباد ہو جاتے ہیں۔

اور خواہشات نفس میں نکاح سے زیادہ جلدی ہلاک کرنے والی کوئی خواہش میں نے نہیں دیکھی کیونکہ جب بھی انسان کسی خوبصورت عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس سے قوت باہ میں عادت سے زیادہ تحریک پیدا ہوتی ہے پھر جب اس سے زیادہ خوبصورت عورت کی طرف میلان ہوتا ہے تو تحریک اور بڑھ جاتی ہے اور منی پہلے کے مقابلے میں زائد خارج ہوتی ہے اور جوہر حیات زیادہ فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس اگر عورت بدصورت ہو تو اس سے نکاح زائد منی کو اچھی طرح خارج نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کے رُکے رہنے

اور خواہش کے قوی ہونے کی وجہ سے ایذاء ہوتی ہے۔

اور کھانے میں افراط کرنے والا بھی اپنے اوپر بہت سی بیماریاں مسلط کر لیتا ہے اور زیادہ کمی کرنے والے کا بھی یہی حال ہے۔ ان سب سے مجھے یقین ہو گیا کہ "اَفْضَلُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا" (ہر کام میں اعتدال ہی بہتر ہے)

اور دنیا تو ایک جنگل ہے جس میں بہتر یہی ہے کہ عقل رہنما رہے۔ پس جس نے اپنی سواری کی لگام طبیعت اور خواہش نفس کے سپرد کر دی وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔

یہ گفتگو بدن اور امور دنیا سے متعلق تھی اسی پر آخرت کے اعمال کو قیاس کر لو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

خلاف سنت اور خلاف مصلحت زُہد

مجلس.... مجھے اپنے زمانے کے ایک زاہد کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ ان کے سامنے کھانا لایا گیا تو کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ پوچھا گیا کیوں؟ کہنے لگے اس لیے کہ مجھے اس کی خواہش ہو گئی ہے اور کئی سال سے میں نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کی چیز نہیں دی ہے۔

یہ سن کر میں نے سوچا کہ اس شخص پر راہ صواب دو طرح سے مخفی رہی اور اس خفاء کا سبب بے علمی ہے۔ ایک یہ کہ یہ طریقہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرغے کا گوشت تناول فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی اور شہد پسند تھا۔

ایک مرتبہ فرقد سبخی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسنؒ کے پاس آئے تو دیکھا کہ فالودہ کھا رہے ہیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا فرقد! اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرقد نے کہا نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اس کے کھانے والے کو پسند کرتا ہوں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شہد گیہوں اور گھی کو ملا کر کھایا جائے تو اسے کون مسلمان برا کہہ سکتا ہے۔

اور ایک آدمی حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا میرا ایک پڑوسی فالودہ نہیں کھاتا' دریافت فرمایا آخر کیوں؟ اس نے کہا وہ کہتا ہے کہ میں اس کا شکر نہیں ادا کر پاتا تو فرمایا تمہارا پڑوسی جاہل ہے۔ بھلا کیا ٹھنڈے پانی کا شکر ادا کر پاتا ہے؟

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ سفر میں فالودہ اور بھنا ہوا گوشت لے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ سواری (بدن) کے ساتھ جب اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے تو کام قاعدے سے کرتی ہے۔

اور اس فن (غلط تصوف) کی جو چیزیں زاہدوں میں بعد میں پیدا ہوگئی ہیں[1]۔ وہ زیادہ تر رہبانیت سے ماخوذ ہیں اور مجھے تو ان باتوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے خوف معلوم ہوتا ہے "لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا" یہی وجہ ہے کہ حضرات سلف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں تھی اور اگر کچھ نظر آوے تو وہ کسی عارض کے سبب ہے۔ چنانچہ اس روایت کا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہوئی تو آپ نے وہ فقیر کو دے دی اور اپنی باندی رمیثہ کو یہ کہہ کر آزاد فرمادیا کہ مجھے یہ سب سے زیادہ محبوب تھی تو یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات ان میں کوئی عیب نہیں ہے بلکہ خوبی ہے کیونکہ اس میں اس چیز کا ایثار کردینا ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پسند ہے یا جس سے زیادہ محبت ہے اور جب کبھی ایسا کیا جاتا رہے گا تو اس سے خواہش نفس کی تیزی مغلوب ہوجاتی ہے پھر نفس ہر خواہش کے پورا کرنے کے لیے سرکشی نہیں کرتا۔

لیکن جو لوگ ہمیشہ علی الاطلاق اس کی مخالفت ہی کرتے ہیں تو وہ اپنی بصیرت کو فنا اور قوتوں کو خراب کرلیتے ہیں اور اپنے عزائم کو منتشر کرلیتے ہیں، تب جتنا نفع نہیں ہوتا اس سے زیادہ نقصان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "جب دل پر جبر کیا جاتا رہے گا تو اس کی بصیرت ختم ہوتی جائے گی۔" آپ کے اس مقولہ کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی طبیعت عجیب طرز کی بنائی ہے وہ یہ کہ وہ ایسی ہی خواہشات پر عمل کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لیے مناسب ہوں۔ لہٰذا طبیعت اگر کسی چیز کو قبول کرلیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے لیے مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکماء طب نے فرمایا ہے کہ "طبیعت اگر کھانے کی کسی چیز کو چاہے تو تنگی نہیں کرنی چاہیے اگرچہ اس میں کچھ ضرر ہی

---

[1] اس سے مراد نفس کو علی الاطلاق اس کے حظوظ سے محروم کردینا مخالف شریعت اعمال اشغال کو ایجاد کرکے برتنا وغیرہ ہے ورنہ جو اعمال و اشغال معین ہوں اصلاح اخلاق و تحصیل فضائل میں اور باعث ہوں شریعت پر عمل کا ان کے تو خود ابن الجوزی بھی قائل ہیں۔ ۱۲ احمزہ

سمجھ میں آوے'' کیونکہ طبیعت اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لیے مناسب ہو۔ لہٰذا جب اس زاہد نے ایسی چیزوں میں نفس کو دبا دیا تو اس کے بدن کو ضرور ضرر لاحق ہوگا۔

اور اگر طبیعت میں خواہشات نہ ہوتیں تو بدن باقی نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ خواہش ہی کھانے پر ابھارتی ہے اور جب کھانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے تو خواہش اس کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔ پس خواہش سرکش بھی ہوتی ہے اور کام کی بھی کیونکہ وہی بدن کی مصلحت کی رعایتوں پر ابھارتی ہے اور جب اس میں افراط سے کام لیا جائے تو مضر ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ جب اسے اس کی پسندیدہ چیزوں سے علی الاطلاق محروم کر دیا جاتا ہے جب کہ آئندہ کسی ضرر کا اندیشہ بھی نہ ہو تو پھر یہ نفس کے احوال میں خرابی، جسم میں کمزوری اور مختلف قسم کے امراض پیدا کرتی ہے۔ مثلاً سخت پیاس کے وقت پانی نہ پینا، بھوک کے وقت کھانا نہ کھانا، شہوت کے وقت جماع نہ کرنا اور نیند کے غلبہ کے وقت نہ سونا وغیرہ۔ بلکہ اگر غمگین شخص شکایت اور اظہار غم کر کے راحت حاصل نہ کرے تو گھٹن سے مر جائے گا۔

ان باتوں کو اگر وہ زاہد سمجھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف طرز اختیار کیا اور طبی اصول کے بھی خلاف کیا۔

اس پر وہ زاہد یہ نہیں کہہ سکتا کہ پھر حلال خالص غذا کہاں سے حاصل کروں؟ کیونکہ اگر اسے حلال خالص نہیں ملتا ہے تو اس کا ترک ہی پرہیزگاری ہے لیکن ہماری گفتگو اس غذا سے متعلق ہے جس میں ایسی کوئی رکاوٹ نہ ہو جو پرہیزگاری میں مؤثر ہو۔

میرا اب تک کا کلام زاہد کے اس جملہ کے متعلق تھا کہ ''میں اپنے نفس کو اس کی خواہش کی کوئی چیز کبھی نہیں دیتا'' دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اس زاہد پر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس کی خواہش اُلٹ نہ جائے یعنی سب کچھ ترک کر دینا ہی اس کی خواہش بن جائے اور وہ یہی خواہش کرنے لگے کہ پسندیدہ چیزیں نہ کھائے کیونکہ اس میں نفس کا کید اور ریاء خفی ہے اور بالفرض اگر وہ مخلوق کے دکھاوے سے محفوظ بھی رہے تو نفس کا ایسی خواہش سے متعلق رہنا بھی برا ہے کیونکہ اس سے اندر اندر ناز پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ خطرہ کا مقام ہے اور بڑی غلطی ہے۔

ممکن ہے کوئی بیوقوف کہے کہ یہ تو بھلائی اور زہد سے روکنا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے

کیونکہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کُلُّ عَمَلٍ لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ" (ہر وہ بات جو ہمارے اصول کے خلاف ہو مردود ہے)

جریج کی عبادت اور ذوالخویصرہ کے تقویٰ سے دھوکہ میں نہ پڑو کیونکہ اب زاہدوں نے ایسے ایسے طریقے اختیار کر لیے ہیں جن پر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یعنی حد سے زائد اظہار خشوع' لذات دنیویہ کے ترک میں مبالغہ اور بہت سے ایسے اعمال جن کی عوام تحسین کرتے ہیں بلکہ یہ امور کچھ لوگوں کے لیے ایک ذریعہ معاش کی طرح ہو گئے ہیں جن کا نفع ہاتھ کا چومنا' تعظیم میں زیادتی اور اپنی ناموس کی حفاظت وغیرہ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں[1]۔

اور اکثر تو اپنی خلوتوں میں اس حالت پر نہیں رہتے جو جلوت میں تھی۔ چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے درمیان ہنستے تھے اور قہقہہ لگاتے تھے اور رات میں خلوت میں اس طرح روتے گویا آپ پوری آبادی کے قاتل ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں کہ وہی اصل ہے اور جب حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کرتا ہے اور سنت کے مطابق عبادت کی تحریک پیدا کرتا ہے اور اخلاص کے راستہ پر چلاتا ہے۔ اصل الاصول علم ہے اور انفع العلوم (نافع تر علم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہے۔

اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَای اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (قرآن)

نفس کیساتھ دو مجاہدے

مجلس.... میں نے نفس کے ساتھ مجاہدہ پر غور کیا تو اس کو سب سے بڑا جہاد پایا لیکن علماء وزاہدین کی ایک بڑی جماعت نفس کے ساتھ مجاہدے کی حقیقت سے بے خبر ہے کیونکہ ان میں بعض ایسے ہیں جو نفس کو علی الاطلاق اس کی لذات سے محروم کرتے ہیں حالانکہ یہ دو وجہ سے غلط ہے۔

---

[1] خبردار! معتبر تصوف اور نیک صوفیاء میں اور غلط تصوف اور بنے ہوئے جاہل صوفیاء میں خلط نہ ہو اور ان باتوں کا محمل متعین کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ ۱۲ حمزہ

ایک تو یہ کہ کتنے لوگ اپنے نفس کو ایک خواہش سے روک کر اس کی اس سے بڑی خواہش پوری کرنے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اس کو کسی مباح سے پرہیز کرایا جس سے شہرت ہوگئی تو اب نفس کو اس پر خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسے عوض میں عوام کی مدح ملی اور اس سے مخفی یہ ہے کہ نفس کو مباح خواہشات سے روکنے والے کو یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ ان دوسروں سے افضل ہے جو ایسے مباحات کو برتتے ہیں لیکن اس طرح کے دقیق کیدوں کو سمجھنے کے لیے فہم صحیح کی ضرورت ہے جو ان سے چھٹکارا دلا دے[1]۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی جان کی حفاظت کا مکلّف بنایا گیا ہے اور نفس کا ان چیزوں کی طرف میلان جو اس کو درست رکھیں جان کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کو وہ چیزیں دینا نہایت ضروری ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی دینا چاہیے اور اس کی مباح خواہشات پوری کرنی چاہیے کیونکہ ہم لوگ اس کی حفاظت کے وکیل ہیں اور یہ جان ہماری مملوک نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس امانت ہے۔ لہٰذا جس نے اس کو علی الاطلاق اس کے حقوق سے محروم کر دیا وہ خطرہ میں ہے۔ (البتہ حظوظ میں تقلیل تو اصلاح نفس کے لیے مناسب ہے جیسا کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی بعض فصلوں سے ظاہر ہے۔ ۱۲ حمزہ)

جبکہ بہت سی سختیاں (جو حدود سے متجاوز ہوں) نرمی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے اپنے اوپر تنگی کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے نفس نے فرار اختیار کر لیا تو اس کی تلافی دشوار ہوگئی۔

نفس کے ساتھ ویسا ہی مجاہدہ کرنا ہوتا ہے جیسا سمجھدار مریض اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے کہ جن دواؤں سے اس کی شفاء کی توقع ہوتی ہے۔ اگر چہ اسے ناپسند ہوں۔ پلاتا ہے اور اگر کڑوی ہوں تو تھوڑی شیرینی ملا دیتا ہے اور اسے اس مقدار میں غذائیں دیتا ہے جو طبیب تجویز کرے بلکہ اس کا نفس خود ہی ایسے کھانے نہیں کھانا چاہتا جو بسا اوقات بھوکے رہنے کا سبب ہو جاتے ہیں اور ایسے لقمے جو بہت سے لقموں سے محرومی کا ذریعہ ہو جاتے ہیں پس اسی طرح سمجھدار مؤمن کا بھی حال ہے کہ نفس کی لگام چھوڑتا بھی نہیں اور اس کی رسی ہاتھ سے جانے بھی نہیں دیتا بلکہ کسی کسی وقت ڈھیلی کر دیتا ہے اور اس کا سرا اپنے ہاتھ میں رکھتا

---

[1] اور اگر خود فہم صحیح سے محروم ہو تو کسی محقق شیخ سے رجوع کرے اور کون ہے جو فہم صحیح کا مدعی ہو؟ "اِلَّا نَادِرًا وَمَنِ ادَّعٰی فَهُوَ لَيْسَ بِفَهِيْمٍ" ۱۲ اور شیخ محقق کا مطلب یہ ہے کہ وہ مکائد نفس سے خوف واقف ہو۔ "صَرَّحَ بِهِ التَّهَانَوِی"

ہے۔ پھر جب تک وہ سیدھے راستے پر رہتا ہے زیادہ تنگی نہیں کرتا اور جب کسی طرف مائل ہوتا دیکھتا ہے تو نرمی سے واپس لانے کی کوشش کرتا ہے پھر اگر مان گیا تو ٹھیک ہے ورنہ سختی کر دیتا ہے۔ گویا وہ اپنے نفس کی خاطر داری اس بیوی کی طرح کرتا ہے جس کی عقل ناقص اور کمزور ہوتی ہے کیونکہ بیوی کی نافرمانی کے وقت پہلے اسے نصیحت کی جاتی ہے اگر نہ ٹھیک ہو تو بستر علیحدہ کر دیا جاتا ہے اگر پھر بھی درست نہ ہو تو مارنے کی بھی اجازت ہے۔

اور نفس کی تادیب کے لیے عزم کے کوڑے سے بہتر کوئی تازیانہ نہیں ہے یہ تو عملی مجاہدے کا بیان ہوا۔

رہا وعظ و نصیحت اور انابت کے ذریعے مجاہدہ! تو جو شخص اپنے نفس کی یہ حالت پاوے کہ وہ مخلوق کے سامنے جھکتا ہو ابداخلاقیوں میں مبتلا ہو وہ اس کو خالق کی تعظیم کی معرفت کرادے اور اس سے کہے "کیا تم وہی نہیں ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے بنایا تیرے سامنے ملائکہ سے سجدہ کرایا' اپنی زمین میں خلافت کے لیے تیرا انتخاب کیا' پیغمبری کے شرف سے تجھے نوازا' تجھ سے قرض مانگا اور تجھ سے (تیری جان و مال وغیرہ) خریدا"

اور اگر دیکھے کہ تکبر میں مبتلا ہے تو اس سے کہے کیا تیری حقیقت نطفہ ناپاک کے ایک قطرہ سے زیادہ ہے؟

کیا ایک ہلکا سا اُچھو تیری جان نہیں لے لیتا؟ اور ایک حقیر سا مچھر تجھے ستاتا نہیں ہے؟

اگر کوتاہی کرتا ہوا دیکھے تو اُسے آقا کے ساتھ غلاموں کے حقوق بتلائے۔

اگر عمل میں سستی کرتا ہوا محسوس کرے تو بہترین بدلے کی خوشخبری سنا کر ابھارے اور اگر خواہشات کی طرف مائل ہو تو سخت سزاؤں کا خوف دلائے اور دنیا کی حسی سزاؤں سے ڈرائے جس کے لیے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ" اور معنوی سزاؤں سے بھی خوف دلائے جس کا اشارہ اس آیت میں ہے: "سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ" پس یہ قولی مجاہدہ ہے اور وہ عملی مجاہدہ تھا۔

قبولیت دعا میں تاخیر کے اسباب

مجلس.... میں نے ایک عجیب آزمائش دیکھی کہ مؤمن دعا کرتا رہتا ہے اور

قبولیت کے آثار نہیں دیکھتا پھر مزید الحاح کے ساتھ دُعا کرتا ہے لیکن ایک مدت گزر جاتی ہے اور قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے۔ ایسے وقت میں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد رکھے کہ یہ ایک آزمائش ہے جس میں صبر کی ضرورت ہے اور قبولیت میں تاخیر کے وقت جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں وہ ایک مرض ہے جس کے علاج کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ مجھ کو بھی یہ حالت پیش آئی۔ یعنی مجھ پر بھی ایک مصیبت نازل ہوئی، میں نے بہت دعائیں کیں لیکن قبولیت کا اثر نہ دیکھا تو شیطان نے اپنی چالوں کا جال بننا شروع کردیا۔ چنانچہ کبھی کہتا کہ خدا کا کرم بڑا وسیع ہے اور اس سے بخل کا امکان نہیں ہے پھر قبولیت میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ ایسے موقعہ پر میں نے شیطان سے تو یہ کہا کہ دور ہو ملعون! نہ مجھے تجھ سے فیصلہ کرانے کی ضرورت ہے اور نہ میں تجھ کو وکیل بنانا چاہتا ہوں اور اپنے نفس سے کہا کہ خبردار! شیطان کے وسوسوں کو جگہ مت دینا کیونکہ اگر قبولیت کی تاخیر میں اس کے سوا کوئی اور حکمت نہ ہو تجھ کو شیطان لعین کے مقابلہ میں آزمایا جائے تو یہی کافی ہے۔

نفس نے کہا: اچھا تو پھر مجھے اس معاملہ میں جس میں مبتلا ہوں تاخیر کی حکمت بتلا کر تسلی دیجئے؟

میں نے کہا دلیل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں اور مالک کو دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار رہتا ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا حکیم ہونا مضبوط دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اپنی مصلحت سمجھو لیکن اس کی حکمت کا تقاضا اس کے خلاف ہو (اور اس کی حکمت تم پر ظاہر نہ ہو) چنانچہ طبیب جو تدبیریں مصلحتاً اختیار کرتا ہے بظاہر تکلیف دہ بھی ہوتی ہیں اور ان کی حکمت بھی مریض سے مخفی رہتی ہے۔ سو ممکن ہے یہ بھی ایسے ہی معاملات میں سے ہو۔

تیسری بات یہ کہ کبھی تاخیر ہی میں مصلحت ہوا کرتی ہے اور جلد بازی نقصان دہ۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَایَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ خَیْرٍ مَّالَمْ یَسْتَعْجِلْ یَقُوْلُ دَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ.

''انسان جب تک جلد بازی نہ شروع کردے کہ کہنے لگے میں نے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی، اس وقت تک خیر میں رہتا ہے۔''

چوتھی بات یہ ہے کہ کبھی عدم قبولیت خود تیرے اندر پائے جانے والے کسی سبب سے ہوتی ہے ممکن ہے تیری غذا مشتبہ ہو یا تیرا دل دعاء کے وقت غافل رہتا ہو یا تیری ضرورت روک کر اس گناہ کی سزا میں اضافہ مقصود ہو جس سے تو نے سچی توبہ نہ کی ہو۔ چنانچہ تو ان میں سے ہر سبب کے متعلق تحقیق کرتا کہ تجھے میری بات کا یقین ہو جائے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک عجمی آپ کے گھر میں گھس آیا۔ جب آپ تشریف لائے اور اسے دیکھا تو دروازے ہی پر رُک گئے اور اپنے شاگردوں کو حکم دیا (کہ جاؤ گھر میں تازہ لگائی گئی مٹی کو اکھاڑ دو) وہ اندر گئے اور نئی مٹی کو اکھاڑ دیا' عجمی اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ جب ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مٹی کی حلت میں کچھ شبہ تھا جب مشتبہ چیز زائل کر دی گئی مشتبہ شخص بھی بھاگ گیا۔

اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کسی منکر پر نکیر کرنے کے لیے نکلے تو آپ کا کتا آپ کو بھونکنے لگا اور آگے بڑھنے سے روکنے لگا۔ آپ واپس ہوئے اور سیدھے مسجد تشریف لے جا کر نماز پڑھی پھر نکلے تو وہی کتا دم ہلانے لگا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور نکیر فرمائی لہٰذا وہ منکر ختم ہو گیا۔ جب آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ''خود میرے اندر ایک منکر موجود تھا اس لیے کتے نے روکا' جب میں واپس گیا اور اس سے توبہ کی تو پھر وہ ہوا جس کا تم نے مشاہدہ کیا۔

پانچویں بات یہ کہ اپنے اس مطالبہ کے مقصود کی تحقیق کرو۔ ممکن ہے اس کے حاصل ہونے کی تقدیر پر گناہ میں اضافہ ہو جائے یا وہ کسی مرتبہ خیر سے پیچھے رہ جانے کا ذریعہ بن جائے تو ایسی صورت میں دُعا قبول نہ ہونے ہی میں مصلحت ہے۔ چنانچہ بعض سلف کے متعلق مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جہاد کی دعا کرتے تھے۔ ان کو ایک غیبی آواز نے پکارا کہ اگر تم جہاد کرو گے تو قید کر لئے جاؤ گے اور اگر قید ہوئے تو نصرانی ہو جاؤ گے۔

چھٹی بات یہ کہ بسا اوقات محرومی ذریعہ بن جاتی ہے۔ بارگاہ خداوندی میں حاضری اور التجاء کا اور اس کا حصول سبب ہو جاتا ہے خدا سے غفلت اور لاپروائی کا۔ اس کی بین دلیل یہ ہے کہ اگر یہ مصیبت نہ آتی تو اس وقت ہم تمہیں التجا کرتا ہوا نہ دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا یہ حال معلوم تھا کہ وہ اس کی بر اور احسان کے سبب اس سے بے رُخی کرنے لگے گی۔ اس لیے تمام نعمتوں کے درمیان تکلیف دہ ایسے عارضی حادثات پیدا فرمادیئے جو انہیں خدا تعالیٰ کے دروازے پر لے جائیں تا کہ وہ اس سے فریاد کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے جو بلاء کے پردہ میں ہے کیونکہ واقعی مصیبت تو وہ ہوگی جو تجھے خدا سے مشغول کر لے اور جو مصیبتیں تجھے اس کے دربار تک پہنچانے کا ذریعہ ہو جائیں ان میں تیرا ہی بھلا ہے۔

حضرت یحییٰ (جو بہت رونے والے تھے) کا واقعہ ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو عرض کیا بار الٰہا! ''میں آپ سے دعائیں کرتا ہوں لیکن آپ قبولیت کا اثر ظاہر نہیں فرماتے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یحییٰ! مجھے تمہارے رونے کی آواز سننا بہت پسند ہے۔''

اب جبکہ تم نے ان باتوں میں غور کرلیا تو ایسے کام میں مشغول ہو جاؤ جو تمہارے لیے فوت ہونے والے مقصود سے زیادہ نفع بخش ہو یعنی اپنی کمزوریوں کو دور کرو اور لغزشوں پر معذرت کرو یا رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری دے کر التجائیں کرو۔

مصیبت کا علاج

مجلس..... جو شخص کسی مصیبت اور بلاء میں گرفتار ہو اور اسے ختم کرنا چاہتا ہو وہ اس مصیبت کو اس قدر بڑھا کر تصور میں لائے کہ پیش آمدہ مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح اس کے ثواب کو سوچے اور اس سے بڑی کسی مصیبت کے آجانے کا تصور کرے تب اسے درپیش مصیبت غنیمت معلوم ہونے لگے گی۔

اور اس کے جلد ہی ختم ہو جانے کے وقت پر نگاہ رکھے۔ ''واقعی اگر مصیبتوں کا رنج نہ ہوتا تو راحت کی گھڑیوں کی اُمید نہ ہوتی'' اور اس کا یقین رکھے کہ اس کے پاس اس مصیبت کے ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی ہے جتنی ایک ایسے اجنبی مہمان کی ہوتی ہے جو (دوسرے شہر میں جا کر) ہر وقت اپنی ضرورت کا سامان تلاش کرتا ہو کیونکہ ایسا شخص بہت جلد (اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر) رخصت ہو جاتا ہے اور پھر اپنی محفلوں اور مجلسوں میں جا کر میزبان کے کرم کی تعریفیں بھی کرتا ہے۔

پس یہی حال مصیبت میں مؤمن کا ہونا چاہیے کہ اپنے ایک ایک لمحہ کی فکر کرتا رہے

اور اپنے نفس کے احوال کی اور تمام اعضاء کی نگرانی کرتا رہے۔ اس خوف سے کہ کہیں زبان سے کوئی کلمہ شکایت نہ نکل جائے (اور مصیبت کا مہمان ناراض ہو جائے) یا دل میں اس مصیبت پر ناراضگی نہ پیدا ہو جائے۔

اس طرح کہ گویا وہ اجر کی فجر دیکھ چکا ہے اور مصیبت کی رات ختم ہونے کو ہے اور اندھیریوں کو قطع کر کے چلتے رہنے والے کی مدح ہونے والی ہے۔ پھر جونہی جزاء کا سورج طلوع ہو گا یہ شخص سلامتی کی منزل پر جا اُترے گا۔

علم کیساتھ عمل بھی ضروری ہے

مجلس..... مجھے محسوس ہوا کہ علم کے متعلق میرے نفس کی رائے بہت بہتر ہے کیونکہ وہ علم کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے اور اس کو دلیل کا درجہ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ علم میں لگنے والے اوقات کو نوافل میں گزرنے والی گھڑیوں پر فضیلت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نوافل پر علم کی افضلیت کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کو نفل نماز، روزوں نے علمی نوافل سے مشغول کر لیا کہ وہ اصول میں غلطی کرنے لگتے ہیں تو میں نے اپنے نفس کو اس سلسلے میں جادہ مستقیم پر اور اس کی رائے کو درست پایا۔

مگر مجھ کو یہ بھی احساس ہوا کہ وہ علم کے ظاہری شغل پر اکتفاء کیے ہے تو اسے پکارا کہ پھر بھلا تیرے علم نے تجھے کیا فائدہ پہنچایا؟ خدا کا خوف کہاں ہے؟ اس کی محبت کا درد کہاں ہے؟ احتیاط اور پرہیز کہاں ہے؟

کیا تم نے جید علماء کی عبادت و ریاضت کے حالات نہیں سنے؟

کیا حضور صلی اللہ علیہ سلم نے ساری مخلوق کے آقا ہونے کے باوجود اتنا قیام نہیں فرمایا کہ پاؤں مبارک ورم کر گئے تھے؟

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد سسکیاں بھرنے اور بہت رونے والے نہیں تھے؟

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رخساروں پر آنسوؤں کے دو نشان نہیں بن گئے تھے؟

کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف نہیں ختم فرماتے تھے؟

کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ رات میں محراب میں کھڑے ہو کر اس قدر نہیں روتے تھے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی؟ اور فرماتے تھے اے دنیا! کسی اور کو دھوکہ دینے کی کوشش کر؟

کیا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قلق محبت کے سبب پوری رات جاگتے نہیں رہ جاتے تھے؟

کیا حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح مسجد سے نہیں لگے رہے کہ چالیس سال جماعت بھی فوت نہ ہوئی؟

کیا حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر روزے نہیں رکھے کہ سبز اور زرد پڑنے لگے؟

کیا حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنے باپ سے نہیں پوچھا تھا کہ کیا بات ہے کہ لوگ تو سوتے ہیں اور آپ نہیں سوتے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ تمہارا باپ رات کے عذاب سے ڈرتا ہے؟

کیا حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں ایک کوڑا نہیں رکھتے کہ جب سستی ہو تو نفس کی تادیب کریں؟

کیا حضرت یزید رقاشی نے چالیس سال روزے نہیں رکھے اس کے باوجود فرماتے تھے کہ "ہائے محرومی! عبادت گزار مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھ کو روک دیا گیا؟

کیا حضرت منصور بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال روزے نہیں رکھے؟

کیا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ خوف خدا کی وجہ سے خون کے آنسو نہیں رونے لگے تھے؟

کیا حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ خوفِ خداوندی کے سبب خون کا پیشاب نہیں کرنے لگے تھے؟

اور کیا تجھے آئمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے زہد و عبادت کا حال نہیں معلوم؟

پس عمل کے بغیر علم کے ظاہر پر مائل ہونے سے بچو کیونکہ یہ اپاہجوں اور کاہلوں کی حالت ہے۔

وَخُذْلَکَ مِنکَ عَلٰی مُهْلَةٍ وَمُقْبِلُ عَیْشِکَ لَمْ یُدْبِرْ وَخَفْ هَجْمَةً لَاتُقِیْلُ الْعِثَارَ وَتَطْوِی الْوُرُوْدَ عَلَی الْمَصْدَرِ وَمَثِّلْ لِنَفْسِکَ اَیُّ الرَّعِیْلُ اَیضِمُّکَ فِیْ حِلْبَةِ الْمَعْشَرِ.

''مہلت کے زمانے میں کچھ کرلو جوزندگی گزرگئی وہ واپس نہ آوے گی اور اس موت سے ڈرو جو درگزر نہ کرے گی اور گھاٹ پر اُترنے سے روک دے گی اور اپنے نفس کے سامنے اس کا تصور باندھو کہ تم میدان محشر میں کس گروہ میں ہوگے؟''

علم کی فضیلت کی ایک وجہ

مجلس.... میرے اندر علم کی فضیلت کا احساس اس وجہ سے اور بڑھ گیا کہ کچھ لوگ عبادت میں لگ کر علم سے محروم رہے اور مطلوب کی حقیقت تک رسائی نہ حاصل کر سکے۔

چنانچہ کسی قدیم صوفی کا قول مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا اے ابوالولید! کاش تم ابوالولید ہوتے' یعنی وہ اس کو ابوالولید کی کنیت سے اس لیے نہیں پکارنا چاہتے تھے کہ وہ لاولد تھا۔

اگر وہ صوفی علم میں گھستے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالصہباء رکھی تھی اور ایک بچے کو ابوعمیر کی کنیت سے پکار کر فرمایا تھا: ''یَا اَبَا عُمَیْر! مَافَعَلَ النُّغَیْرُ؟''

اسی طرح ایک زاہد نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک دن کہا گیا کہ ''دودھ پی لو'' میں نے کہا یہ مجھ کو نقصان پہنچا دے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد کھڑے ہو کر میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ! میں نے پلک جھپکنے کے بقدر بھی شرک نہیں کیا'' تو ایک غیبی آواز نے پکار کر کہا کہ ''کیا دودھ والے دن بھی شرک نہیں ہوا؟''

یہ واقعہ اگر درست ہو تو ایسا ممکن ہے کہ ان کی تادیب مقصود ہوتا کہ اسباب میں لگ کر مسبب کو بھول نہ جائیں ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَازَالَتْ اُکْلَۃُ خَیْبَرَ تُعَاوِدُنِیْ حَتّٰی الْاٰنَ قَطَعَتْ اَبْھُرِیْ.

''خیبر میں کھائے ہوئے زہریلے لقمے کی تکلیف بار بار لوٹتی رہی حتیٰ کہ اب اس نے میری شہ رگ کاٹ دی ہے۔''

اور فرمایا: مَانَفَعَنِیْ مَالٌ کَمَالِ اَبِیْ بَکْرٍ.

''مجھ کو ابوبکر کے مال جتنا نفع کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔''

اور بعض جاہل زاہد توکل کا مطلب سارے اسباب سے منقطع ہو جانے کو خیال کرتے

ہیں حالانکہ یہ جہالت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں پناہ لی' طبیب سے علاج کرایا' ذرہ پہنی' خندق کھدوائی اور مطعم بن عدی جو کافر تھے ان کی پناہ میں داخل ہوئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

لَانْ تَدَعَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ.

''اپنے ورثہ کو مال دار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ انہیں محتاج چھوڑ و اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔''

لہٰذا مسبب کو بھول کر اسباب پر اکتفاء کرنا تو غلط ہے لیکن اسباب کو اس طرح برتنا کہ دل مسبب سے متعلق رہے یہ مشروع ہے (بلکہ یہی افضل ہے ۱۲ حمزہ)

اور (غلط تصوف کی) یہ ساری تاریکیاں علم کا چراغ ہی ختم کر سکتا ہے۔ یقیناً وہ شخص بھٹک گیا جو جہالت کی تاریکی میں چلا یا خواہش نفس کی گلی میں داخل ہو گیا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

مجلس..... مجھ کو ان لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو ملائکہ کو انبیاء اور اولیاء پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ اگر وہ انہیں صورت کی بنیاد پر فضیلت دیتے ہیں تو آدمی کی صورت پَر والوں کی صورت سے بہتر ہے اور اگر آدمی کی صورت ان گندگیوں کی وجہ سے (یعنی پیشاب' پاخانہ' بلغم' تھوک منہ کی بدبو وغیرہ) جو اس سے متعلق ہیں نظر انداز کی جاتی ہو تو صورت تو آدمی نہیں ہے بلکہ صورت تو قالب کا نام ہے جبکہ صورت سے متعلق بھی بعض چیزیں جو عادۃً قبیح سمجھی جاتی ہیں ان کو شریعت میں پسند کیا گیا ہے۔ مثلاً روزہ دار کے منہ کی بو شہداء کا خون' نماز کے دوران نیند۔ لہٰذا صورت بھی بہتر ہو گئی جبکہ اصل فیصلہ تو معنی سے ہوگا۔

آخر کیوں بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو انسان پر فضیلت دی ہے۔ کیا فرشتوں کو کوئی ایسا مرتبہ حاصل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہوں یا کوئی ایسی فضیلت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دوسروں پر فخر فرماتے ہوں؟ معاملہ اُلٹ کیسے دیا گیا؟ جبکہ انہوں نے ہم کو سجدہ کیا ہے اور یہ ہماری تفصیل میں صریح ہے اور اگر فضیلت علم کی بنیاد پر ہو تو تمہیں ''لَا عِلْمَ لَنَا اور یٰٓا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ'' کے دن کا قصہ معلوم ہوگا۔

اور اگر ان کی ذات کی جوہریت کو دیکھ کر فضیلت دیتے ہوں تو ہماری روحوں کی جوہریت بھی اسی جنس کی ہے جبکہ ہمارے اوپر جسم کی عباء کا بوجھ مزید ہے۔ واللہ اگر سوار اپنی سواری میں اس کا محتاج نہ ہوتا کہ اس کا چارہ تلاش کرنے کے لیے ٹھہرے اور اس کے ساتھ چلنے میں نرمی کرے تو دسویں ذی الحجہ کو دوسروں سے پہلے رات ہی میں منیٰ پہنچ جاتا (یعنی اگر انسان پر جسم کے کچھ حقوق نہ ہوتے تو وہ فرشتوں کو ہر دوڑ میں پیچھے چھوڑ دیتا)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم فرشتوں کی کثرت عبادت کو دیکھ کر ان کو فضیلت دیتے ہو۔ اس میں ان کا کیا کمال ہے جب کہ ان کی فطرت ہی یہی ہے کیا پانی کو بہتا دیکھ کر تعجب کرتے ہو؟ یا اگر اوپر سے نیچے آنے والا پانی تیزی سے اترے تو اس پر تعجب کرتے ہو؟ تعجب تو اس چڑھنے والے پر ہوتا ہے جو راستے کو پھاڑتا ہوا اور گھاٹیوں کو قطع کرتا ہوا اوپر چڑھتا ہو۔

ہاں! ان سے بھی مخالفت کا اور الوہیت کے دعویٰ کا امکان[1] ہے۔ کیونکہ وہ چٹانوں کو چور کرنے اور زمین کو پھاڑنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو دھمکی دی گئی "وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ" (اور ان میں سے جس نے بھی الوہیت کا دعویٰ کیا اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے) لیکن چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی سزاؤں کا یقین ہے اس لیے اس سے ڈرتے ہیں جب کہ ہم حقیقی معرفت سے دور ہیں۔ خدا پر ہمارا یقین کمزور ہے اور غفلت کے ساتھ ہماری شہوت بھی غالب ہے اور یہ سب کے سب ایسے مجاہدہ کے محتاج ہیں جو فرشتوں کے مجاہدے سے بڑھ کر ہے۔

واللہ! اگر مقرب ترین فرشتوں میں سے بھی کوئی فرشتہ ان میں مبتلا کر دیا جاتا جن میں ہم مبتلا ہیں تو اپنے پر قابو نہیں رکھ سکتا کیونکہ ہم میں سے ہر ایک صبح اس حالت میں اُٹھتا ہے کہ شریعت اس سے خطاب کر کے کہتی ہے کہ تمہیں اپنے اہل وعیال کے لیے کمانا ہے اور کمانے میں احتیاط کرنا اور اس پر کچھ غیر اختیاری امور بھی ہیں مثلاً بیوی کی محبت اولاد کے

---

[1] صرف عقلاً امکان ہے شرعاً نہیں کیونکہ ارشاد ہے: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.
وذكر فى حاشية صيدالخاطر فقال وتتميما اللفائدة اعلم ان الملائكة اجسام نورانية لاياكلون ولايشربون ولا ينامون ولايتعبرون ولا يسأمون وليسوا ذكورا ولا اُناثا فلايتناكحون ولا يتناسلون ولايعصون الله ما امرهم ويفعلون مايؤمرون اه

لیے دل کی رگ سے نکلنے والے نطفہ کا علوق اور بدن کے لیے ضروری چیزیں۔

ان سب کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرو اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ دو پھر چلو منجنیق پر چڑھ جاؤ تا کہ آگ میں ڈال دیئے جاؤ اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا جاتا ہے ایک ماہ مسلسل دن و رات روزہ رکھو غصہ سے مغلوب سے کہا جاتا ہے غصہ پی لو۔ دیکھنے والوں سے کہا جاتا ہے اپنی نگاہ نیچی کرلو اور بات کرنے والوں سے کہا جاتا ہے خاموش ہو جاؤ' نیند سے لطف اندوز ہونے والے سے کہا جاتا ہے تہجد پڑھو اور جس کا کوئی محبوب مر جائے اس سے کہا جاتا ہے صبر کرو اور جس کے جسم میں تکلیف پہنچ جائے اس کو شکر کا حکم دیا جاتا ہے اور جہاد کے دوران ہلاکتوں میں گھرے شخص کو حکم سنایا جاتا ہے کہ پیٹھ دکھا کر بھاگنا حرام ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ موت سخت ترین تلخیاں لے کر آتی ہے تا کہ بدن سے روح نکالے اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ جب موت آوے ثابت قدم رہنا اور اس کا یقین بھی دلایا جاتا ہے کہ قبر میں جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا لیکن تم دل سے اس پر راضی رہو کیونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اگر تمہیں مرض لاحق ہو جائے تو مخلوق سے شکایت نہ کرو۔

بھلا کیا ملائکہ کو اس طرح کی مشقت ہے؟ اور بھلا کیا وہاں محض عبادت کے سوا طبیعت کی مخالفت اور خواہش سے مقابلہ بھی ہے؟ جبکہ ان کی عبادتیں بھی صرف ظاہری ہیں یعنی رکوع ہے سجدہ ہے تسبیح ہے ہماری طرح معنوی عبادات ان کو کہاں حاصل ہیں؟

اور بھلا ان کو فضیلت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اکثر فرشتے ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔ کچھ ہمارے اعمال کی کتابت میں لگے ہیں کچھ ہماری حفاظت پر مامور ہیں اور کچھ بارش اور ہواؤں کے لیے مسخر ہیں اور ان کا سب سے بڑا وظیفہ ہمارے لیے استغفار کرنا ہے۔ پھر بغیر کسی ظاہری دلیل کے وہ ہم سے افضل کیونکر ہو جائیں گے؟

اور جب بھی ان میں سے کسی کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا گیا جیسے ہاروت و ماروت تو بالکل کھوٹا[1] ثابت ہوا۔ تم یہ گمان نہ کرلو کہ میں ملائکہ کی عبادتوں اور طاعتوں میں کسی کوتاہی کا گمان رکھتا ہوں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی معرفت کی وجہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے ہیں

---

[1] یہاں اسرائیلی روایات سے متاثر ہو کر چوک ہوگئی۔ ہاروت ماروت سے معصیت کا صدور نہیں ہوا تھا اس کے لیے ان کا صاف ستھرا واقعہ بیان القرآن اور معارف القرآن میں دیکھ لیا جائے۔ ۱۲ حمزہ

لیکن جو خطا کار نہ ہو اس کا اطمینان اس کو صرف تقویت دیتا ہے اور جو لغزشوں اور خطاؤں میں غوطے کھا رہا ہو اس کی ذرا سی توجہ اس کی روح کو ترقی پر پہنچا دیتی ہے۔

پس میرے بھائیو! اپنے مرتبہ کے شرف کو پہچانو اور اپنے جوہر کو گناہوں کی ملامت سے گندہ نہ کرو کیونکہ تم فرشتوں پر فضیلت کے مقام میں ہو۔ لہٰذا اس سے بچو کہ گناہ تم کو بہائم کی پستیوں میں پہنچا دیں۔ "وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

فضول بحثیں

مجلس.... میں نے بہت سے لوگوں کو حتیٰ کہ بعض علماء کو بھی دیکھا کہ ان مسائل کی تحقیق کرنے سے باز نہیں آتے جن سے ناواقف رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کی حقیقت معلوم کرنے سے روکا گیا ہے۔

مثلاً روح کہ اسے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر چھپایا ہے "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے) لیکن انہوں نے اس پر قناعت نہیں کی اور لگے اس کی تحقیق کرنے لیکن کچھ حاصل نہ کر سکے کیونکہ جو کچھ دعویٰ کرتے ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے۔

اسی طرح عقل کہ وہ بھی بلا ریب موجود ہے جیسا کہ روح بھی بلا شک موجود ہے اور ان دونوں کو ان کے آثار سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ ذات کی تحقیق کرنے سے۔

اگر کوئی پوچھے کہ پھر ان چیزوں کے چھپانے کا راز کیا ہے؟ میں کہوں گا اس لیے کہ نفس ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ پس اگر وہ ان کی حقیقت پر اطلاع پا جاتا تو ان کے خالق کی طرف ترقی کرتا' اس لیے خالق سے کمتر چیزوں کو پوشیدہ کر کے خالق کی تعظیم میں اضافہ مقصود ہے کیونکہ جب اس کی بعض مخلوقات کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی تو خالق تو کہیں اعلیٰ اور برتر ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ کڑک کیا ہے؟ بجلی کیا ہے؟ اور زلزلے کیا ہیں؟ ہم کہیں گے کہ وہ ڈرانے والی چیزیں ہیں۔ بس اتنا جواب کافی ہے اور ان کو چھپانے میں راز یہ ہے کہ اگر ان کے حقائق منکشف کر دیئے جائیں تو ان کی عظمت کی مقدار کم ہو جائے جس نے اس فصل کو غور سے پڑھا اسے معلوم ہو جائے گا کہ بڑی نادر اور قابل قدر فصل ہے۔

پھر جب یہ بات مخلوقات میں ثابت ہوگئی تو خالق تو کہیں اجل و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اثبات میں اس کے وجود کی دلیل پر اکتفاء کیا جائے۔ پھر رسولوں کی بعثت کے امکان پر دلیل قائم کی جائے' پھر اس کے اوصاف کو اس کی کتابوں اور رسولوں سے حاصل کیا جائے اور اس پر زیادہ نہ کیا جائے۔

بہت سے لوگوں نے اس کی صفات کے متعلق قیاس سے بحث کی تو اس کا وبال انہی پر لوٹا۔ اسی لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور ہمیں اس کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ سمیع ہے بصیر ہے' حیّ ہے' قادر ہے تو اس کی صفات کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اب ہم اس میں مزید غور و خوض نہ کریں گے۔ اسی طرح جب ہم کہتے ہیں وہ متکلم ہے اور قرآن اس کا کلام ہے تو ہم اس سے زیادہ تکلف نہیں کرتے۔ حضرات سلف میں کبھی بھی تلاوت اور متلو قرأت اور مقرو کا اختلاف نہیں چھڑا اور وہ کبھی اس بحث میں نہیں اُلجھے کہ کیا عرش پر اپنی ذات سے مستوی ہوا؟ اور وہ نہیں کہتے کہ وہ اپنی ذات سے نزول فرماتا ہے بلکہ جو کچھ وارد ہوا بس اس پر اکتفاء کیا اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ جو صفات دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوں ان کا اطلاق اس پر درست نہیں ہے۔ یہ چند کلمات بطور مثال کے ہیں انہی پر ساری صفات کو قیاس کرلو۔ ان شاء اللہ کامیاب رہو گے اور اللہ کو معطل کرنے سے یا اس کو کسی مخلوق سے تشبیہ دینے سے محفوظ رہو گے۔

مہمل انسانوں کو باقی رکھنے کا راز

مجلس.... میں نے بہت سے انسانوں کو دیکھا کہ ان کا وجود اور عدم برابر ہے کیونکہ بہت سے انسان خالق کی معرفت نہیں رکھتے۔ بہت سے اس کا اثبات اپنے طبعی تقاضوں کے موافق کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تکالیف شرعیہ کے مقصود سے ناواقف ہیں۔

اپنے اوپر زہد کی علامت لگا لینے والوں کو دیکھو گے کہ وہ قیام و قعود کی مشقت تو اُٹھاتے رہتے ہیں اور شہوات و خواہشات کو ترک بھی کرتے ہیں لیکن جن شہوتوں سے مانوس ہو چکے ہیں یعنی شہرت کی شہوت اور دست بوسی وغیرہ کی تمنا کو بھولے رہتے ہیں۔ اگر ان کے متعلق کوئی کچھ کہہ دیتا ہے تو برافروختہ ہو کر کہتے ہیں مجھ جیسی شخصیت کو ایسا کہہ دیا گیا؟

اور فلاں فاسق نے کہہ دیا؟ پس یہی لوگ ہیں جو مقصود کی حقیقت نہیں سمجھتے۔

اسی طرح بہت سے علماء دوسروں کو حقیر سمجھنے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہیں۔

یہ دیکھ کر مجھ کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ آخر کس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟ اور جنت میں کیسے جگہ پاسکیں گے؟ پھر سمجھ میں آیا کہ دنیا میں بھی ان کے رہنے کا ایک فائدہ ہے اور یہی فائدہ جنت میں بھی رہنے کا ہوگا وہ یہ کہ یہ لوگ دنیا میں عبرت کا ذریعہ ہوتے ہیں کہ عارف کو ان کی محرومی دیکھ کر اپنے اوپر ہونے والی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے۔ یا یہ کہہ لو کہ ان کی حیثیت تابع کی ہے جن سے آبادی کی تکمیل مقصود ہے اور زندگی کی ضرورتیں فراہم کرنے کا کام لینا ہے۔

واقعی انسان انسان کے درمیان پائے جانے والے فرق ہی کی بنیاد پر زندگی خوشگوار رہ سکتی ہے ہاں یہ ہے کہ خواص میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور عارفین کے وقت میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ ظاہر پرستوں سے اختلاط کریں لہٰذا زاہد ریوڑ کے چرواہے کی طرح ہے (یعنی کچھ بے زبان افراد پر حاکم) اور عالم بچوں کے استاذ کی طرح ہے (اپنے شاگردوں پر حاکم) اور عارف ایک شیخ کے مقام پر ہے (مریدین پر حاکم) اور اگر بادشاہوں کے لیے پہریدار اور خدام اور آتش دان کو روشن کرنے والے نہ ہوتے تو اس کی زندگی گزارنا دشوار ہوجاتی۔

لیکن عارف اپنی ضرورتوں میں عوام سے کام لیتا ہے۔ پھر جب یہ لوگ عارف کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو ان سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ (گویا یہ کام کے لوگ ہوگئے) اور کچھ ایسے بھی ہیں جو نہیں پہنچ پاتے تو ان کا وجود گفتگو کے دوران بڑھا دیئے جانے والے لا۔ کی طرح ہے کہ زائد بھی ہے اور تاکید بھی پیدا کرتا ہے (ایسے ہی یہ بھی کہ زائد بھی ہیں اور آبادی کی تکمیل کا سبب ہیں)

اگر کوئی کہے کہ فرض کرلو یہ تقریر دنیا کے متعلق درست ہے لیکن جنت کے متعلق کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پڑوسیوں سے انسیت مطلوب ہوگی اور کم درجہ والوں کو دیکھ کر زیادہ درجہ والوں کا لطف بڑھے گا۔ "وَلِكُلٍّ شِرْبٌ"

جس نے میرے اس اشارہ پر غور کیا اسے یہ چند الفاظ کا رمز طویل شرح سے بے نیاز کردے گا۔

نکتہ معرفت

مجلس.... جب میں نے اپنے رزق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کو سوچا کہ بادلوں کو مسخر کرتا ہے' سہولت کے ساتھ بارش نازل فرماتا ہے اور زمین کے نیچے انسانی مردوں کی طرح اس بیج کو دفن کرتا ہے جو سڑنے کے بعد صور حیات کے پھونکے جانے کا منتظر رہتا ہے پھر جونہی صور پھونکتا ہے سبزہ ہو کر لہلہانے لگتا ہے' جب پانی ختم ہو جاتا ہے تو ہاتھ پھیلا کر پانی مانگتا ہے پھر اپنا سر تواضع سے جھکا لیتا ہے اور تغیر کا جوڑا پہن لیتا ہے۔ گویا وہ بھی ان تمام چیزوں کا محتاج ہوتا ہے جن کے ہم ہیں یعنی سورج کی حرارت پانی کی ٹھنڈک بادنسیم کا لطف اور زمین کی تربیت۔

تو میں پکار اُٹھا کہ بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے میرے سامنے خود میری تربیت کا نقشہ کھینچ دیا۔ پس! اے وہ نفس جو اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں پر مطلع ہو چکا ہے تیرے لیے بہت برا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف مائل ہو۔ پھر مزید تعجب ہے کہ تو اپنے ہی جیسے محتاج کی طرف کیسے مائل ہوتا ہے جس کی زبان حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے شریف آدمی! میں بھی انہی چیزوں کا محتاج ہوں جن کے تم ہو۔ لہٰذا تم خدا کی طرف رجوع کرو اور سبب کے بجائے مسبب سے مانگو' تمہارے لیے بڑی خوشخبری ہے کہ تم نے اس کو پہچان لیا۔ بے شک اس کی معرفت دنیا و آخرت کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔

خلوت اور ترکِ اختلاط واجب ہے

مجلس.... مجھ کو ابتداء شباب میں زہد کے طریق سلوک یعنی مستقل نماز' روزہ وغیرہ کی توفیق ہوئی اور خلوت محبوب کر دی گئی۔ اس وقت میں اپنے قلب کو قلب لیب اور اپنی نگاہ بصیرت کو تیز محسوس کرتا تھا۔ ایک لمحہ بھی اگر غیر طاعت میں گزرتا تو افسوس ہوتا تھا اس لیے میرے سارے اوقات عبادت میں گزرنے لگے تھے۔ مجھے ایک طرح کا انس ہو چلا تھا اور مناجات میں شیرینی محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بعض حکام کو میری تقریر پسند آنے لگی تو میری طبیعت ان کی طرف مائل ہوئی اور جب طبیعت کا میلان حکام

کی طرف ہوا تو وہ حلاوت رخصت ہوگئی۔

پھر دوسرے امیر نے مجھے اپنی طرف مائل کیا تو میں اس کی مخالطت سے اور اس کے کھانوں سے شبہ کی وجہ سے اجتناب کرتا تھا۔ میری یہ حالت بھی کچھ ٹھیک تھی۔

پھر تاویل کا دروازہ کھل گیا اور مباحات میں وسعت ہونے لگی تو جو کچھ نورانیت اور سکینہ رہ گیا تھا سب ختم ہوگیا اور امراء سے اختلاط دل میں ظلمت پیدا کرتا رہا یہاں تک کہ نورانیت کا ایک شمہ بھی نہیں رہ گیا۔

پھر یہ حالت ہوئی کہ اپنی ضائع شدہ پونجی پر میری آہ و بکا اہل مجلس کو تڑپاتی اور وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے لیکن میں مفلس کا مفلس ہی اُٹھ جاتا۔ پھر جب اس مرض پر میری چیخ و پکار بڑھتی ہی گئی اور میں اپنے علاج سے عاجز ہوگیا تو میں نے صلحاء کی قبور میں پناہ لی اور اسی کو میں نے اپنی اصلاح کے لیے وسیلہ بنایا۔ چنانچہ مولا کے لطف نے مجھے خلوت کی طرف کھینچ لیا۔ باوجودیکہ مجھے خلوت سے وحشت ہو چلی تھی اور میرا قلبی سکون اور نورانیت واپس کر دی گئی جبکہ وہ زائل ہو چکی تھی اور میں جس کی طرف مائل ہونے لگا تھا اس کی خرابی واضح کر دی گئی۔

جب میں اپنے مرض سے افاقہ پا گیا تو اپنی مناجات میں عرض کیا:

''میرے آقا! بھلا میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں؟ اور کس زبان سے آپ کی تعریف کروں کہ آپ نے میری غفلت پر مواخذہ نہیں فرمایا۔ مجھے نیند سے بیدار کر دیا اور میری کراہت کے باوجود میری حالت درست فرما دی۔ پس میری چھینی ہوئی نعمت نے مجھے کس قدر فائدہ پہنچایا جبکہ اس کا ثمرہ آپ سے التجا نکلا' میرا اختلاط کس قدر مفید ہوا جبکہ اس کا نتیجہ آپ کے ساتھ خلوت کی صورت میں ظاہر ہوا' میں بے نیاز ہوگیا جبکہ آپ کا فقیر بنا اور مجھے کیسا انس دیدیا گیا کہ مخلوق سے وحشت پیدا ہوگئی۔ آہ! وہ زمانہ جو آپ کی طاعت میں نہیں گزرا اور افسوس ان اوقات پر جو آپ کی خدمت میں نہ گزرے۔ جب میں فجر کے وقت اُٹھتا تو رات بھر کا سونا مجھے تکلیف نہیں پہنچاتا تھا اور جب دن گزر جاتا تو اس دن کے ضیاع پر افسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت یہ احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ بے حسی مرض میں شدت کے سبب سے ہے۔ اب عافیت کی بادِ نسیم چلی ہے تو مجھ کو الم کا احساس ہوا ہے اور میں نے صحت کا

اندازہ لگایا ہے۔ پس اے عظیم انعام والے! میرے لیے عافیت کو تام اور دائم فرما دیجئے۔

آہ! اس مدہوش پر جس کو اپنی مدہوشی کا احساس افاقہ کے وقت ہوتا ہے۔ یقیناً میں نے ایسی چیز پھاڑ دی ہے جس کا جوڑنا دشوار ہے۔ ہائے افسوس! اس پونجی پر جو ضائع ہوگئی ہے اور اس ملاح پر جو ایک مدت تک اُتری ہوا کو پھاڑتا ہوا چلتا رہا پھر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گیا تو جہاں سے چلا تھا وہیں پہنچ گیا۔

اے لوگو! جو میرے اس بد پرہیزی سے ڈرانے کو پڑھ رہے ہو اگرچہ میں نے ٹھوکر کھائی ہے[۱] لیکن اپنے بھائیوں کا خیر خواہ ہوں کہ اے میرے بھائیو! ان چیزوں میں رخصتوں پر عمل کرنے سے ڈرو جن میں کسی خرابی کا گمان ہو کیونکہ شیطان اول وہلہ میں تو مباح کی خوبیاں بیان کرتا ہے پھر گناہ کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ لہٰذا انجام کو سوچو! اور حال کو سمجھو۔

ایسا ممکن ہے کہ وہ تمہیں بہتر انجام سمجھانے کی کوشش کرے جبکہ اس میں کچھ مخالفت خداوندی بھی ہو رہی ہو تو ایسے موقع پر اپنے جدامجد کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ ”وَهَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى“ (کیا میں تمہیں ایسا درخت نہ بتادوں جسے کھا کر تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسا ملک میسر رہے جو کبھی ختم نہ ہوگا) کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے انجام کو یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے کو سوچا لیکن طریق پر نظر نہ ڈالی اور یہ ابلیس کی بڑی گہری چال ہے جس سے وہ علماء کا شکار کرتا ہے۔ بیچارے نتائج کی مصلحتوں کی تاویل کرتے ہیں اور مفاسد سے نقصان اُٹھا لیتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان عالم سے کہتا ہے اس ظالم حاکم کے پاس جاؤ اور فلاں مظلوم کی سفارش کردو پھر یہ ظالم کے پاس جانے والا عالم منکرات کو دیکھنے کے باوجود جاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے خود اس کا دین متزلزل ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ایسے جال میں پھنسا دیتا ہے کہ یہ عالم اس ظالم سے بڑا ظالم ہو جاتا ہے۔

پس جسے اپنے دین کی مضبوطی پر اعتماد نہ ہو وہ ان جالوں سے بچے کیونکہ بہت مخفی ہیں اور بزدلوں کے لیے سب سے اسلم راستہ گوشہ نشینی ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جس میں خیر مٹ چکا ہے، منکرات زوروں پر ہیں اور اہل علم کی کوئی حیثیت حکام کے نزدیک نہیں رہ گئی

۱؎ من نکردم شما حذر بکنید ۱۲ حمزہ

ہے۔لہٰذا جو شخص ان کے پاس جائے گا ان منکرات کو برداشت کر کے ہی جا سکتا ہے کیونکہ اسے ان کو ان منکرات سے نکالنے پر قدرت نہیں ہوسکتی۔

جس نے ان علماء کے حالات پر غور کیا جو کسی منصب حکومت پر ہیں انہیں علم کے نفع سے علیحدہ اور محروم پاوے گا۔ گویا وہ پولیس کے سپاہی کے برابر ہیں۔

پس مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنا اور اختلاط کے متعلق الٹی سیدھی تاویلیں چھوڑنا نہایت ضروری ہے۔اس لیے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کے لیے اپنا نقصان کر لینے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے کو نفع پہنچائے[1]۔ پس بہت دور رہو تاویلات کے دھوکوں سے اور غلط فتوؤں سے اور گوشہ نشینی کی مشقوں پر جمے رہو کیونکہ اگر تم اپنے مولا کے ساتھ تنہائی اختیار کرلو تو وہ تم پر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دے گا۔ پھر ہر مشکل آسان ہوجائے گی اور ہر تلخ شیریں ہوجائے گا ہر دشواری آسان ہوجائے گی اور تمام مطلوبات حاصل کرسکو گے۔توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور طاعت پر قوت اور نافرمانی سے بچنا خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔

غلط تاویل کا نتیجہ

مجلس.... ایک مرتبہ میرے نفس نے ایک ایسے مباح میں تاویل سے کام لیا تاکہ کچھ دنیا حاصل کرسکے جس میں کچھ کراہت بھی تھی۔ میں نے اس پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس معاملہ نے سب سے پہلے میرے دین کا مغز نچوڑا یعنی اللہ کی طاعت کی حلاوت ختم ہوگئی ہے پھر ردعمل کے طور پر میری تاویل کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ گویا دونوں طرف سے نقصان ہوا' یہ محسوس کر کے میں نے اپنے نفس سے کہا ''تیری مثال ایک ظالم حاکم کی سی ہے جس نے بہت سا مال ناجائز طور پر جمع کرلیا ہو پھر اسے معزول کردیا جائے اور اس کا سارا جمع کردہ مال چھین لیا جائے بلکہ مزید جو پہلے کا تھا وہ بھی چھن جائے۔''

پس غلط تاویل سے بچو! کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا اور اس کی نافرمانی کر کے اس کی نعمت نہیں حاصل کی جاسکتی۔

---

[1] حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا: ''میاں اشرف علی دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی گٹھڑی نہ اُٹھوا دینا۔'' ۱۲ حمزہ

فکر کی جلاء کی فکر اور وظیفہ عمل

مجلس.....میں نے اپنے نفس کو دیکھا کہ جب اس کی فکر صاف ہوتی ہے اور اسے کسی واقعہ سے نصیحت ہوتی ہے یا وہ صلحاء کی قبروں کی زیارت کر لیتا ہے تو اس کی توجہ اللہ کی بندگی اور گوشہ نشینی کی طرف ہونے لگتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اس سے کہا جبکہ اس نے بھی مجھ سے بات کی کہ بتاؤ تمہارا مقصود کیا ہے؟ اور تمہاری خواہش کیا ہے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں جنگل کی طرف نکل جاؤں جہاں کوئی انسان نہ ہو۔ پھر میری جماعت فوت ہونے لگے اور جہاں طلبہ کے نہ ہونے سے میرا علم ضائع ہو جائے؟ یا میں ایسی موٹی غذا استعمال کرنے لگوں جس کا میں عادی نہیں ہوں پھر میرا لاغر جسم مزید کمزور ہو جائے؟ یا میں ایسا موٹا کپڑا پہننے لگوں جس کی مجھ کو برداشت نہیں ہے پھر میں اپنے کپڑے کے بوجھ کی وجہ سے یہ بھی بھول جاؤں کہ میں کون ہوں؟ اور میں ایسی اولاد نہ حاصل کر سکوں جو میرے بعد اللہ کا ذکر کرے جبکہ مجھے اس کے حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو؟

واللہ اگر میں تیری موافقت کر لوں تو میرے اس علم نے جس میں میں نے جان کھپادی ہے کوئی نفع نہیں پہنچایا تجھے علم سے متعلق جو غلط فہمی ہے میں اس کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

یہ خوب سمجھ لو کہ بدن ایک سواری ہے اور جب سواری کے ساتھ نرمی نہیں کی جائے گی وہ سوار کو منزل تک نہیں پہنچا سکے گی۔ نرمی سے میری مراد ساری خواہشات پوری کرنا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت اتنی غذا دی جائے جو بدن کو درست رکھے تا کہ فکر صاف رہے، عقل درست رہے اور ذہن کو قوت حاصل ہو۔

کیا تم نے صفاء ذہن میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں کی تاثیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں محسوس نہیں کیا: لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ.

''غصہ کی حالت میں کوئی شخص فیصلہ نہ کرے۔''

جس پر علماء نے بھوک اور اس کی مثل چیزوں کو قیاس فرمایا ہے مثلاً پیشاب، پاخانہ روکنا وغیرہ۔

اور طبیعت کی مثال تو کتے کی طرح ہے کہ وہ کھانے والے کو دیکھتا رہتا ہے جب کھانے والا روٹی کا ایک ٹکڑا اس کی طرف پھینک دیتا ہے تب خود سکون سے کھاپاتا ہے۔

ہاں کنارہ کشی اور گوشہ نشینی شر سے اختیار کرنی چاہیے نہ کہ خیر سے کیونکہ اگر تمہارے لیے اس خلوت نشینی میں کچھ خیر ہوتا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے منقول ہوتا۔

تمہارا برا ہو! مجھے خوب معلوم ہے کہ کچھ لوگوں نے کھانے میں مسلسل تقلیل کی اور خشک غذائیں استعمال کرتے رہے جس کی وجہ سے ان کی فکر متغیر ہوگئی اور ان پر سودا غالب ہوگیا تو انہیں لوگوں سے وحشت ہونے لگی اور بعض لوگوں کے اندر خراب کھانوں کی وجہ سے خراب خلطیں جمع ہوگئیں پھر اس کی وجہ سے وہ دو دو تین تین دن کھانا کھائے بغیر رہ جاتے ہیں تو اس کو اللہ کا لطف گمان کر لیتے ہیں حالانکہ اس کا سبب بدہضمی ہے۔

اور کچھ ایسے ہیں کہ خلط کے اثر سے کچھ صورتیں نظر آنے لگتی ہیں تو ان کو فرشتہ خیال کر لیتے ہیں۔ لہٰذا علم کے سلسلے میں اور عقل کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ نورِ عقل کو بجھا دینا جائز نہیں ہے اور علم کی تنقیص کی طرف میلان درست نہیں ہے اور جب تک یہ دونوں محفوظ رہیں گے ایک ایک لحہ کا وظیفہ محفوظ رہے گا' تمام مضر چیزوں کو یہ دونوں دفع کر دیں گے' نفع بخش چیزوں کو حاصل کرتے رہیں گے اور کھانے پینے اور اختلاط کے سارے دستور درست رہیں گے۔

میری یہ طویل تقریر سن کر نفس نے کہا: اچھا مجھے میرے کرنے کا کام بتلاؤ اور مجھ کو ایسا مریض سمجھو جس کے لیے شربت تجویز کیا جائے (یعنی جسے کڑوی دواؤں کا تحمل نہ ہو) میں نے کہا کہ میں نے تجھ کو ایسے علم کا پتہ بتا دیا ہے جو ایسا طبیب ہے جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہنے والا ہے اور جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر مرض کے لیے اس کے مناسب دوا بتلائے گا اور اجمالاً تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ گفتگو میں' دیکھنے میں اور تمام اعضاء کے استعمال میں اللہ کے تقویٰ کا اہتمام کرنا چاہیے' کھانے میں حلال کی تحقیق کرنی چاہیے' ہر وقت میں اس کے مناسب عمل کرنا چاہیے' اپنے اوقات کو افضل کام میں لگانا چاہیے یعنی نفع میں کمی یا پونجی میں گھاٹے سے بچنا چاہیے اور جو بھی عمل کرو پہلے نیت درست کر لو' موت کے جھٹکے کے لیے تیار رہو پتہ نہیں کس وقت آ جائے اور بدن کی مصلحت کی چیزوں میں رخنہ اندازی نہ کرو یعنی نعمتیں اس کو خوب فراوانی سے دو لیکن صحیح ضابطہ کے مطابق نہ کہ خواہش نفس کے تقاضا کی بنیاد پر کیونکہ بدن کی سلامتی دین کی سلامتی کا ذریعہ ہے اور اس تکبر کو چھوڑ

دو جس کا منشاء جہل ہے نہ کہ علم۔ یعنی یہ مت سوچو کہ فلاں سرکہ اور سبزی کھاتا ہے اور فلاں رات بھر سوتا نہیں ہے۔ (لہٰذا میں پیچھے کیوں رہوں؟) بلکہ تم وہی کرو جو تمہارے بس میں ہو اور جتنے کی سکت کا اندازہ ہو۔ اگر پہاڑ سے کودنے کی قوت محسوس کرو تو کود جاؤ اور اگر معلوم ہو جائے کہ نہیں کود سکتے تو مت کودو' چاہے قتل کر دیئے جاؤ۔ سارے جسم تحمل میں برابر نہیں ہوتے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ابتداء میں ایسے ایسے مجاہدات کر لیے (جن کی سکت نہیں تھی تو) ایسے امراض میں مبتلا ہو گئے جنہوں نے ان کو بہت سے خیر سے محروم کر دیا بلکہ بعض تو ان امراض میں مبتلا ہو کر اللہ پر غصہ کرنے لگے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

لہٰذا تم علم کو لازم پکڑو۔ یہی ہر مرض سے شفاء ہے۔ "وَاللّٰہ الْموفِق"

جاہل سلفی اور ظاہریہ

مجلس.... مجھ کو ایسے لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی ہے جو علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض احادیث کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے عقیدہ' تشبیہ کا رجحان رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان احادیث کو ویسی ہی باقی رکھتے جیسی وہ وارد ہوئی تھیں تو محفوظ رہتے[1]۔ اس لیے کہ جس نے نصوص کے معنی متعین کرنے میں اجتہاد نہیں کیا اور نہ اعتراض و جواب کیا یوں ہی چھوڑ دیا تو اگرچہ اس نے فائدہ نہیں اُٹھایا لیکن اپنے کو نقصان سے بچا لیا۔ لیکن کچھ لوگوں کے پاس علم کم تھا انہوں نے یہ سمجھا کہ کلام کو اس کے غیر ظاہر معنی پر محمول کرنا گویا معنی میں تحریف کرنا ہے۔ حالانکہ اگر لغت کی وسعت کا علم رکھتے تو انہیں ایسا وہم نہ ہوتا۔ ایسے لوگ حجاج کے کاتب کی طرح ہیں کہ جب خنساء شاعرہ نے حجاج کی مدح میں یہ اشعار کہے:

اذا هبط الحجاج ارضاً مريضةً.

"جب حجاج کسی (بغاوت کے) مریض علاقہ میں پہنچتا ہے۔"

تتبع اقصٰى دائها فشفاها.

---

[1] مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید' وجہ' ساق وغیرہ کہ ان کے معنی اور حقیقت خود سے متعین نہ کرتے بلکہ یوں کہہ دیتے کہ اللہ کا ید ہے لیکن ہمارے ید کی طرح نہیں۔ وجہ ہے لیکن ہمارے وجہ کی طرح نہیں' ان کی حقیقتیں خدا کو معلوم ہیں تو محفوظ رہتے۔ ۱۲ حمزہ

''تو اس کے انتہائی مرض (بغاوت) کو تلاش کر کے شفا دے دیتا ہے۔''

شَفاها من الداء العضال الذی بها.

''اس کو اس کے دائمی مرض سے چھٹکارا دلا دیتا ہے۔''

غلام اذا هز القناة شفاها.

''اپنے قوت بازو اور ہتھیار سے۔''

جب قصیدہ پورا کر لیا تو حجاج نے اپنے کاتب سے کہا ''اِقْطَعْ لِسَانَهَا'' (اس کی زبان کاٹ دو) وہ احمق کاتب اُسترا لے کر واقعی کاٹنے پہنچ گیا۔ خنساء نے کہا ارے احمق! حجاج کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اتنا انعام دے دو (کہ زبان بند ہو جائے) پھر حجاج کے پاس گئی اور اس سے شکایت کی کہ وہ تو میری زبان ہی کاٹنے آ گیا تھا۔

اسی طرح یہ ظاہر یہ بھی ہیں کہ اکابر کی بات مان کر فتنہ سے اپنی حفاظت نہیں کی۔ ان میں جس نے قرآن و حدیث کو پڑھا اور کچھ اضافہ نہیں کیا میں اس کو ملامت نہیں کرتا کیونکہ یہ بھی بعض اسلاف کا طریقہ رہا ہے لیکن جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ ''فلاں حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے'' اور ''فلاں کا محمل یہ ہے'' مثلاً کہے کہ اللہ عرش پر اپنی ذات سے مستوی ہوا اور آسمان دنیا پر اپنی ذات سے نزول فرماتا ہے تو یہ ایسی زیادتی ہے جس کو اس کے قائل نے اپنی طبیعت سے سمجھا ہے۔ حدیث و قرآن سے نہیں۔

چنانچہ مجھ کو ایک اندلسی عالم جن کو ابن عبدالبر کہا جاتا ہے ان پر بڑی حیرت ہے کہ انہوں نے ''کتاب التمہید'' لکھی ہے اور اس میں آسمان دنیا کی طرف نزول والی حدیث کو ذکر کر کے کہا ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں کیونکہ اگر عرش پر نہ ہوتے تو پھر ینزل کے کیا معنیٰ؟ حالانکہ ایسا کلام تو اللہ کی معرفت سے ناواقف شخص کا ہو سکتا ہے جس نے اپنی حس اور طبیعت کے مطابق اجسام کے نزول کو دیکھا ہو پھر اسی پر حق تعالیٰ کے نزول کو بھی قیاس کر لیا ہو۔

بھلا ان ظاہر پرستوں کو احادیث و آثار کا اتباع کہاں نصیب؟

واللہ انہوں نے ان سے زیادہ بدتر کلام کیا ہے جنہوں نے تاویلات کا راستہ اختیار کیا ہے اس کے باوجود متکلمین پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اے راہ صواب کے طالبو! خوب سمجھ لو کہ ہم کو عقل

ونقل کی دو مضبوط بنیادیں عطا کی گئی ہیں اور یہی دونوں اس طرح کے مسائل میں معیار ہیں۔

نقل تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" ہے اور جس نے اسے سمجھ لیا وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ایسے معنی پر جو حس کے موافق ہو نہیں محمول کر سکتا۔

اور عقلی بنیاد یہ ہے کہ صانع اور اس کی مصنوعات میں فرق یقینی ہے کیونکہ مصنوعات کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ہر دم متغیر ہیں اور وہ انفعال کو قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا عقل کے نزدیک صانع کا قدیم ہونا ثابت ہو گیا۔

تعجب ہے ان سلف کی باتوں کو رد کرنے والوں پر جو کلام کا منشاء نہیں سمجھتے کیا حدیث صحیح میں یہ وارد نہیں ہے کہ موت کو جنت و جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر عقل میں اس نقل سے بے نیاز ہو جائے تو اس حدیث کو اس کی حقیقت سے پھیر دے گی؟ کیونکہ موت کی ماہیت ایسی ہے کہ اسے ذبح نہیں کیا جا سکتا؟ اس کو یوں سمجھو کہ ایک تاویل کرنے والا کہتا ہے کہ موت ایک ایسا عرض ہے جو حیات کے فنا ہونے کا سبب ہے پھر موت کو کیسے موت دی جائے گی؟ اس سے پوچھا جائے کہ پھر حدیث کیا کا جواب دو گے؟ وہ کہے کہ حدیث میں موت کو ایک صورت کی شکل میں فرض کر کے بطور مثال کے کہہ دیا گیا ہے تاکہ اس صورت حسیہ کے فوت ہونے سے اس کے معنی کے فنا ہونے کو سمجھ لیا جائے۔ اسی طرح اس سے پوچھا جائے کہ حدیث صحیح میں مروی ہے کہ "سورہ بقرہ و آل عمران حشر میں اس طرح آویں گی۔ گویا دونوں بدلی ہوں"؟ وہ کہے گا کہ کلام نہ بادل ہو سکتا ہے نہ اس کے مشابہ۔ پوچھا جائے گا کہ کیا حدیث لغو ہے؟ تو وہ کہے گا کہ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کا ثواب آوے گا' پھر اس سے پوچھا جائے کہ ان حقائق سے پھیرنے والی دلیل صارف تمہارے پاس کیا ہے؟ اور وہ جواب دے کہ مجھے اس کا یقین ہے کہ کلام اجسام کے مشابہ نہیں ہو سکتا اور موت کو جانوروں کی طرح ذبح نہیں کیا جا سکتا اور یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ لغت عرب بہت وسیع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کلام کو اس طرح ظاہر سے پھیر دے تو اس میں تنگی کی کیا وجہ ہے؟

یہ سب سن کر یقیناً یہ ظاہر یہ کہیں گے کہ تم نے سچ کہا ہم بھی سورہ بقرہ کے آنے اور موت

کے ذبح کیے جانے کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ کیا اس وقت اس (تاویل کرنے والے) کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ واہ! تم موت اور کلام کے متعلق تو ایسے معنی کو نہیں مانتے جو ان کے مناسب نہ ہوں۔ اس وجہ سے کہ تمہیں ان کے حقائق کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم سے ایسے معنی کو نہیں پھیرتے جو اس کو مخلوق سے مشابہ قرار دیتے ہیں جبکہ اس کے لیے ایسے معنی سے تنزیہہ دلیل سے ثابت ہے۔ پھر یہ شخص انہی دلائل کے ذریعہ مجادلہ کرتا رہے گا اور کہے گا کہ میں اس وقت تک بحث کروں گا جب تک زندہ رہوں گا۔ چنانچہ کرتا بھی رہا۔

حکم رَجم سے متعلق ایک نکتہ

مجلس.... ایک دن میں نے اس نکتہ پر غور کیا جس کی وجہ سے قرآن کریم سے آیت رَجم تلاوتاً منسوخ کردی گئی ہے جبکہ حکماً بالاجماع باقی ہے تو اس کی دو وجہ سمجھ میں آئی۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے لطف کا معاملہ کرتے ہوئے رودررو ایسا سخت حکم نہیں سنانا چاہتے اس لیے کوڑے لگانے کا ذکر فرمایا اور رجم کو چھپالیا۔ چنانچہ اسی حکمت کے پیش نظر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ اور مشقت کے احکام میں "کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ" (تمہارے اوپر روزہ فرض کردیا گیا ہے) فعل مجہول سے فرمایا۔ اگرچہ سب کو اس کا یقین ہے کہ فرض کرنے والا وہی ہے اور جب راحت کی بات ذکر فرمائی تو فرمایا "کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ" (تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے)

دوسری وجہ یہ کہ اس کے ذریعے اس اُمت کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ اُمت (نسبتاً) کمزور دلیل پر بھی اکتفا کرتی ہوئی جان تک دے دیتی ہے۔ (تو جب دلیل قوی ہو تو اس کا کیا کہنا) اور ٹال مٹول کے لیے دلیل کی قوت اور ضعف کا بہانہ نہیں تراشتی)

(کمزور اس لیے کہہ دیا کہ) جب کسی حکم پر اُمت کا اجماع ہو تو یہ بھی اگرچہ دلیل شرعی ہے لیکن قرآن وسنت کی دلیل سے مؤخر ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محض خواب دیکھ کر اپنے لڑکے کو ذبح کرنے لگنا ہے حالانکہ بیداری کی وحی زیادہ مؤکد ہوتی ہے۔

اسباب توکل کے منافی نہیں

مجلس.... مجھے ایک ایسی حالت پیش آئی جس میں میں نے سچے دل سے خدائے واحد کے حضور التجاء کی اس اعتقاد کے ساتھ کہ میرا نفع وضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے بعد میں نے اسباب سے سہارا لیا تو بعض لوگوں نے میرے یقین پر نکیر کی اور کہا کہ یہ توکل میں کمی کی بات ہے میں نے کہا نہیں! یہ بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو حکمتوں کے تحت بنایا ہے۔ لہٰذا ان سے اعراض کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جو اسباب بنائے ہیں وہ بے فائدہ ہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جبکہ شریعت میں بھی اسباب ہمیشہ ملحوظ رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ. الخ

''اور جب آپ ان کے درمیان رہیں تو آپ ان کو نماز پڑھائیے اس طرح کہ ان میں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ پڑھے اور ہتھیار ساتھ میں لئے رہے۔ الخ (یعنی حفاظت کا ظاہری سبب الگ نہ کردو)''

اور فرمایا: فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ.

''پھر غلہ کو بالیوں میں چھوڑے رکھو۔ (تاکہ محفوظ رہے نہ یہ کہ توکل کرلو)''

اور کسی جنگ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید حفاظت کے لیے) دو ذرہیں زیب تن فرمائیں (علاج میں) دو طبیبوں سے مشورہ لیا اور جب طائف تشریف لے گئے تو مکہ میں اس وقت تک داخل نہ ہوئے جب تک مطعم بن عدی کی پناہ میں داخل نہ ہوگئے۔ حالانکہ آپ توکل کر کے بلا سبب اختیار کیے بھی داخل ہوسکتے تھے۔ پس جب شریعت نے سارے امور کو اسباب سے متعلق رکھا ہے تو ان سے اعراض کرنا حکمت کی نفی کرنا ہے۔

اسی لیے میرے نزدیک علاج مستحب ہے باوجودیکہ میرے صاحب مذہب (یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) اس کے قائل ہیں کہ ترک تداوی افضل ہے لیکن دلیل صحیح نے اس باب میں مجھے آپ کی اتباع سے روکا کیونکہ صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا وَاَنۡزَلَ لَهٗ دَوَاءً فَتَدَاوَوۡا. ''اللہ تعالیٰ نے جتنے امراض

نازل فرمائے سب کی دوائیں بھی نازل فرمائی ہیں اس لیے تم لوگ دوا کیا کرو۔''

یہ امر کا صیغہ ہے اور امر یا تو وجوب کے لیے ہوگا یا استحباب کے لیے کیونکہ پہلے سے کوئی ممانعت نہیں تھی کہ اس کو امر اباحت سمجھا جائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار بیمار پڑنے پر آپ کے لیے تجویز کی جانے والی دواؤں کو سن کر طب سیکھ لی'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

كُلْ مِنْ هٰذَا فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَکَ مِنْ هٰذَا.

''تم یہ کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے۔'' (آپ اس وقت بیمار تھے)

دراصل جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ دوا کا ترک افضل ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ سلم کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِلاَ حِسَابٍ.

''جنت میں ستر ہزار افراد بلا حساب داخل ہوں گے۔''

پھر ان کی صفت بیان فرمائی:

لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.

''جو جسم میں داغ نہیں لگواتے تعویذ گنڈہ نہیں کراتے فال نہیں کھلواتے بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

لیکن یہ روایت تداوی کے منافی نہیں ہے (یعنی اس روایت میں یہ فضیلت ترک دوا پر نہیں ہے بلکہ اس زمانے کے عقائد کی اصلاح پر یہ فضیلت ہے) کیونکہ بہت سے لوگ اس اعتقاد پر داغ لگواتے تھے کہ اب کبھی بیمار نہ پڑیں گے (یعنی وہ داغ لگوانے کو مؤثر سمجھتے تھے) اور اس اعتقاد سے تعویذ گنڈہ کرتے تھے کہ کوئی مصیبت نہ پہنچ سکے گی۔

جبکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زرارہ کے جسم پر داغ لگایا ہے اور حدیث صحیح میں تعویذ کی اجازت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا مقصود وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا۔

اگر مجھے اسہال کی ضرورت ہو اور میں غور کروں کہ بلوط کے کھانے سے میری طبی معلومات

مجھے روک رہی ہیں اور ماء تمرِ ہندی مفید ہے۔ پھر ایسی دوا نہ پیوں جو میرے موافق ہو اور دعا کرنے لگوں کہ "اے اللہ! مجھے عافیت دیجئے تو حکمت مجھ سے نہ کہے گی کہ کیا تم نے سنا نہیں؟ کہ پہلے اونٹ باندھ لو پھر توکل کرو لہٰذا پہلے دوا پیو پھر کہو کہ اے اللہ! شفا دیجئے اور ایسے نہ بنو جیسے کسی شخص کے کھیت اور نہر کے درمیان تھوڑی مٹی حائل ہو اور اسے پانی ہاتھ سے اُٹھا کر کھیت میں ڈالتے ہوئے کاہلی محسوس ہو تو کھڑا ہو جائے' نماز پڑھنے کہ بارش کی دعا کرے اور اس شخص کی طرح بھی نہ بنو جس نے تجربہ کے طور پر سفر کیا ہو یعنی اس نیت سے کہ اللہ کو آزمائے اور دیکھے کہ رزق دیتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس سے پہلے ہی کہا جا چکا ہے "وَتَزَوَّدُوْا" (توشۂ سفر لے کر سفر کرو) اور یہ گویا کہتا ہے کہ میں توشۂ سفر نہیں لوں گا کیونکہ ایسا شخص ہلاک ہونے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا اور اگر دورانِ سفر نماز کا وقت آ جائے اور اس کے پاس پانی نہیں ہے تو اس کی کوتاہی پر ملامت کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ جنگل میں جانے سے پہلے پانی کیوں نہیں لے لیا؟"

خبردار! ایسے لوگوں کے افعال سے دور رہو جنہوں نے سختی کی اور شریعت کے وضع کردہ قوانین سے تجاوز کر گئے۔

اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ دین کا کمال یہ ہے کہ آدمی طبعی تقاضوں سے نکل جائے اور شریعت کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرے۔

اگر علم میں قوت اور رسوخ نہ ہوتا تو میں یہ شرح نہ کر سکتا اور نہ اس حقیقت تک پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا میرے اشارات کو سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ بہت سی کتابوں سے زیادہ نفع بخش ہیں اور الفاظ کے بجائے معنی پر غور کیا کرو۔

صفائی اور زینت

مجلس.... میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے جسم سے لاپروا رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کھانے کے بعد خلال سے دانت نہیں صاف کرتے۔ بعض لوگ چکنائی لگے ہاتھ کو اچھی طرح دھوتے نہیں، بعض مسواک ہی نہیں کرتے، بعض سرمہ نہیں لگاتے اور بعض ایسے ہیں جو موئے بغل وغیرہ صاف نہیں کراتے حالانکہ یہ لاپروائی دین اور دنیا دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دین تو اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو صفائی ستھرائی کا حکم دیا گیا ہے۔ جمعہ کے لیے، لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے، غسل کا حکم دیا گیا ہے۔ لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانے سے روکا گیا ہے، جوڑوں کے صاف کرنے کا حکم دیا ہے، نیز وہ ناخن تراشنے، مسواک کرنے اور استرہ استعمال کرنے کا مامور ہے۔ پس جب اس نے ان چیزوں سے لاپروائی برتی تو شریعت کی سنتوں کا تارک ہوا جبکہ بسا اوقات اس سے عبادتوں میں خلل بھی ہونے لگتا ہے۔ مثلاً کسی نے ناخن بڑھا لیے پھر اس کے نیچے اتنا میل جمع ہو گیا جو وضو میں پانی پہنچنے سے مانع ہو گیا۔ (تو نماز ہی درست نہ ہو گی)

اور دنیا اس طرح متاثر ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جب سرگوشی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں جب کہ غفلت کے سبب انہیں اپنی تکلیف دہ بدبو کا احساس نہیں ہوتا اور سرگوشی شروع کر دیتے ہیں تو چونکہ میں اپنے کو ہٹا سکتا نہیں کیونکہ ان کا مقصود سرگوشی میں چپکے سے کہنا ہے اس لیے مجھ کو سخت تکلیف دہ بدبو برداشت کرنی پڑتی ہے شاید اکثر صبح کو اُٹھ کر دانتوں پر انگلی بھی نہیں پھیرتے۔ (اور گندگی سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں جس سے صحت، مال اور وقت کا برباد ہونا ظاہر ہے۔ ۱۲ حمزہ)

اور ایسی چیزیں بیویوں کی بے رغبتی کا بھی سبب ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اپنے شوہروں سے ان باتوں کا ذکر پسند نہیں کرتیں۔ لہٰذا جلد ہی بے رغبت ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ "مجھے یہ پسند ہے کہ جیسے عورت میرے لیے زینت اختیار کرے میں اس کے لیے زینت اختیار کروں۔"

ممکن ہے کچھ لوگ کہہ دیں کہ یہ تصنع ہے لیکن ان کا یہ کہنا لغو ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا تو زینت بھی بخشی ہے اس لیے کہ نگاہ کا بھی کچھ حق ہے اور جس نے آنکھوں کی پلکوں پر، بھنوؤں پر اور انسان کی حسن ترتیب پر غور کیا اسے یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مزین فرمایا ہے۔

اور دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نظیف سب سے پاکیزہ تھے۔ حدیث شریف میں آپ کے متعلق آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اُٹھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی بغل مبارک میں (کالے کالے بالوں کے بجائے) سفیدی نظر آتی۔ (یعنی بال نہ ہوتے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساق مبارک کھل جاتی تو چمکتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسواک کبھی جدا نہیں ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سخت ناپسند تھا کہ خوشبو کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے کوئی بُو ظاہر ہو اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح میں ہے: "مَا شَانَهُ اللّٰهُ بِبَيْضَاءَ" اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفید داغ کے عیب سے پاک رکھا۔

حکماء نے فرمایا ہے کہ جس نے کپڑے صاف ستھرے پہننے کی عادت رکھی اس کی فکر میں انتشار کم ہوگا اور جس نے خوشبو لگانے کی عادت بنائی اس کی عقل بڑھے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا "مَالَكُمْ تَدْخُلُوْنَ عَلَيَّ قُلْحًا اِسْتَاكُوْا" (کیا بات ہے کہ بے مسواک کیے میرے پاس چلے آتے ہو مسواک کیا کرو) اور مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز بے مسواک کی نماز سے افضل قرار دی گئی ہے۔ پس نظیف کو خود راحت بھی رہتی ہے اور اس کا مرتبہ بھی بڑھتا ہے۔

اور حکماء نے فرمایا ہے کہ جو ناخن بڑے رکھنے کا عادی رہا اس کے ہاتھ چھوٹے رہیں گے (تنگ دست ہو جائے گا) نظیف شخص اپنی نظافت اور خوشبو کی وجہ سے لوگوں کے دل کے قریب ہوتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت پسند فرماتے تھے۔ بیوی کو بھی یہ حالت بہت محبوب ہوتی ہے کیونکہ عورتیں مردوں کے مماثل ہیں پس جس طرح مرد کو عورت کا پھوہڑ پن ناپسند ہوتا ہے اسی طرح عورت کو مرد کی لاپروائی ناپسند ہوگی بلکہ مرد تو صبر کر سکتا ہے لیکن عورت صبر نہیں کر پاتی۔

میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو زاہد ہونے کے مدعی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ گندے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم نے ان کی اصلاح نہیں کی ہے اور وہ واقعہ جو حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا منقول ہے کہ آپ سے کہا گیا "اپنی داڑھی درست کر لیجئے! آپ نے فرمایا مجھ کو اس کا موقعہ نہیں ہے! تو یہ سنت پر عمل سے معذرت کرنے والے (نہ کہ اعراض کرنے والے) کا قول ہے اور خوف آخرت میں شدت کی وجہ سے اپنے سے غفلت سے ناشی ہے۔" اگر آپ اس حال سے افاقہ میں ہوتے تو سنت ترک نہ فرماتے۔ لہٰذا

مغلوب الحال حضرات سے استدلال نہ کرو۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں غور کیا وہ آپ کو علم اور عمل دونوں میں کامل پاوے گا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء کرنی چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سارے انسانوں پر حجت ہیں۔

سردی اور گرمی سے بچنے میں اعتدال چاہیے

میں نے اس پر غور کیا کہ امراء ٹھنڈک اور گرمی سے بچنے میں بڑا مبالغہ کرتے ہیں تو سمجھ میں آیا کہ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اس صورت میں تھوڑی لذت تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن ایسی لذت میں کیا بھلائی ہے جس کے بعد تکلیف اٹھانی پڑے۔ چنانچہ گرمی میں برف کا پانی پیتے ہیں حالانکہ یہ بہت مضر ہے۔ اہل طب کا کہنا ہے کہ اس سے بہت سے دشوار ترین ایسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اثر بڑھاپے میں ظاہر ہوتا ہے اور باریک کپڑے پہنتے ہیں۔ اسی طرح جاڑے میں ایسے کپڑے استعمال کرتے ہیں جو بالکل ٹھنڈک لگنے ہی نہیں دیتے حالانکہ یہ سب اللہ کی وضع کردہ حکمت کے خلاف ہے۔

کیونکہ اس نے گرمی اس لیے بنائی ہے تاکہ سب خلطیں تحلیل ہو جائیں اور جاڑا ان کو جامد کرنے کے لیے ہے لیکن یہ لوگ پورے سال کو موسم ربیع بناتے رہتے ہیں تو وہ حکمت پوری نہیں ہو پاتی جس کے لیے جاڑا اور گرمی بنائے گئے ہیں۔ نتیجتاً امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔

اس تقریر کو سننے والا یہ نہ سمجھ لے کہ میں اسے جاڑے گرمی کے مقابلہ کا مشورہ دے رہا ہوں۔ نہیں! بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ احتیاط میں زیادہ مبالغہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بقدر قوت گرمی برداشت کرنی چاہیے جس سے ساری خلطیں تحلیل ہو سکیں اور بقدر برداشت اتنا جاڑا کہ تھوڑی ٹھنڈک لگ جائے کیونکہ یہ دونوں بدن کی مصلحت کے لیے ہیں۔

بعض امراء اپنے کو جاڑے اور گرمی سے بہت بچاتے تھے۔ ان کی حالت متغیر ہو گئی اور جلدی ہی مر گئے۔ میں نے اپنی کتاب "لُقطُ اللّنَافِعُ" (جو فن طب میں ہے) اس کا پورا قصہ لکھا ہے۔

تقدیر کے فیصلوں پر صبر کا واقعہ

تقدیر پر صبر کرنے سے زیادہ مشکل تکلیف شرعی کوئی نہیں ہے اور نہ تقدیر پر راضی

رہنے سے افضل کوئی حکم ہے' صبر کرنا تو فرض ہے جبکہ تقدیر پر راضی رہنا فضیلت ہے۔

اور صبر اس وجہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے کہ عامۃً تقدیر کے فیصلے نفس کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں سے میری مراد محض جسم کی بیماری اور تکلیف کا فیصلہ نہیں بلکہ مختلف قسم کے ایسے فیصلے ہیں جن میں عقل متحیر ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ اسی قبیل کا فیصلہ یہ ہے کہ تم ایک ایسے شخص کو جو دنیا میں ڈوبا ہوا ہو۔ یعنی دنیا کی دولت اس پر ٹوٹی پڑ رہی ہو حتیٰ کہ وہ نہ سمجھ پاتا ہو کہ اتنا مال کیا کرے گا۔ دیکھو گے کہ وہ اپنے استعمال کے لیے سونے چاندی کے برتن بنواتا ہے حالانکہ بلور' عقیق اور تانبہ کے برتن سونے چاندی سے خوبصورت ہوتے ہیں لیکن چونکہ اس کو شریعت کی پرواہ کم ہے اس لیے شرعی ممانعت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا ہے۔ ریشمی لباس پہنتا ہے' لوگوں پر ظلم کرتا ہے' ان سب کے ساتھ دنیا بھی اس کو خوب ملتی ہے اور دینداروں اور طالبان علم دین کو دیکھو گے کہ ان پر فقر اور مصیبتیں ٹوٹی پڑتی ہیں اور وہ اس ظالم کی حکومت کے تحت ظلم سہتے رہتے ہیں۔

ایسے وقت میں شیطان وسوسے پیدا کرتا ہے اور تقدیر کے فیصلہ میں قدح شروع کر دیتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ دنیا میں پہنچنے والے مصائب پر صبر کرے اور ابلیس سے جدال کرتا رہے۔ اسی طرح مسلمانوں پر کافروں کو مسلط کرنے اور دینداروں پر فاسقوں کو حاکم بنانے کی حکمت میں عقل حیران ہے اور سب سے زیادہ امتحان کا موقع جانوروں کو تکلیف میں مبتلا کرنا' بچوں کو بیمار کرنا وغیرہ امور ہیں کہ ان مواقع میں ایمان خالص کی ضرورت ہوتی ہے[1]۔ لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ عقل اور نقل دونوں اعتبار سے صبر کو تقویت پہنچائی جائے۔ چنانچہ نقل قرآن اور سنت ہے اور قرآن کریم نے اس کو دو طرح سے سمجھایا ہے۔ ایک تو کافر اور نافرمان کو دنیا عطا کرنے کی وجہ بیان کی ہے۔

"اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا" ...... "وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ الخ وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا۔"

---

[1] ماقبل کی بعض تنبیہات میں کہیں اس طرح کے اُمور کی حکمتیں اور کہیں ایسے موقعوں پر مراقبہ کا بیان ہو چکا ہے ان دونوں کو پڑھ لینے کے بعد اُمید کہ عقل اور ایمان دونوں قابو میں رہیں گے۔ ۱۲ حمزہ

"ہم انہیں اس لیے چھوٹ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اوراضافہ کرلیں۔اگر سارے لوگ ایک طرح کے نہ ہوجاتے تو ہم کافروں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنادیتے۔

اور جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امراء کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔الخ"

اور اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان کیا ہے۔ دوسرے قرآن نے مؤمن کی آزمائش کی وجہ بیان کی ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا .... اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ .... اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

"کیا تم نے یہ گمان کرلیا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے پہلوں کو پہنچیں ان کو تنگی اور فقر کے حالات پیش آئے اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔

کیا تم لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں جانا کہ تم میں سے کس نے مجاہدہ کیا۔

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے مجاہدہ کیا۔"

اس مضمون کو بھی بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

اور حدیث شریف کی دو قسمیں ہیں قولی اور حالی۔ حالی حدیث میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر کروٹ لیٹتے تھے جس سے جسم مبارک میں نشان پڑ جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور عرض کیا کہ کسریٰ و قیصر ریشم و دیباج میں رہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفِيْ شَكٍّ اَنْتَ يَا عُمَرُ! اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَنَا الْاٰخِرَةُ وَلَهُمُ الدُّنْيَا؟

"عمر! کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لیے آخرت

ہواوران کے لیے دنیا۔"

اور قولی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ الدُّنْیَا تُسَاوِیُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَاسَقٰی کَافِرًا مِنْھَا شُرْبَۃَ مَاءٍ۔

"اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی اہمیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔"

یہ سب نقل ہیں اور عقل مختلف طریقوں سے صبر کو قوت پہنچاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کہے کہ میرے نزدیک دلائل قطعیہ سے اس طرح کے فیصلے کرنے والے کا حکیم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا میں اس اصل اور بنیاد کو جو ثابت اور راسخ ہے کسی ناواقف حکمت کے قول کی بنیاد پر نہیں چھوڑ سکتا جو اس میں خلل پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ اے دیکھنے والے! جس چیز کو تو نافرمان کے ہاتھ کی کشادگی سمجھ رہا ہے درحقیقت وہ قبض اور تنگی ہے اور فرمانبردار کے ہاتھ کی بندش درحقیقت بسط ہے کیونکہ نافرمان کے بسط کا نتیجہ طویل سزا ہے اور فرمانبردار کے قبض کا اثر آخرت میں اجر جزیل ہے اور دونوں کا موجودہ زمانہ جلد ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ مراحل طے ہوتے جا رہے ہیں اور قافلہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مؤمن مزدور کے مثل ہے اور مشقتوں کے زمانہ کی مثال دن کی ہے۔ لہٰذا مٹی کا کام کرنے والے مزدور کو اچھا کپڑا نہیں پہننا چاہیے بلکہ کام کے وقت ذرا صبر کرلے۔ جب فارغ ہو جائے تب غسل کر کے بہترین کپڑے پہنے کیونکہ جو شخص کام کے وقت عیش میں پڑا رہا وہ اجرت ملنے کے وقت نادم ہوگا اور اسے کام میں سستی پر سزا دی جائے گی۔

یہ مختصر سا تصور صبر کو بہت تقویت پہنچائے گا۔ اب میں ذرا کھل کر کہتا ہوں کہ تم ہی بتاؤ جب مسلمانوں کو شہید کرانا ہو تو کیا ایسی قومیں نہ پیدا کی جائیں گی جو مسلمانوں کے قتل کے لیے دست درازی کریں؟ بھلا کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابولؤلؤ کے سوا کسی اور سے شہید کراتے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابن ملجم کے علاوہ کون شہید کرتا؟ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو ظالم کافر بادشاہ کے سوا کیا کوئی اور بھی قتل کر سکتا تھا؟

اگر سمجھ پر تاریکی کا پردہ نہ ہوگا تو تم مسبب کو دیکھو گے نہ کہ سبب کو اور فیصلہ کرنے

والے کو دیکھو گے نہ کہ فیصلہ کو اور اگر اس کی آزمائشوں پر اس کے ارادے کا تصور کر کے صبر کرتے رہو تو تم کو تقدیر کے فیصلوں پر رضا حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ایک مصیبت میں مبتلا بزرگ سے عرض کیا گیا کہ اللہ سے عافیت کی دعا کر لیجئے۔ انہوں نے فرمایا: ”جو اللہ کو پسند ہے وہی میری بھی پسند ہے۔“

اِنْ کَانَ رِضَاکُمْ فِیْ سَهَرِیْ فَسَلَامَ اللّٰهِ عَلٰی وَسَنِیْ.

”اگر آپ کی خوشنودی میرے جاگنے میں ہے تو اپنی نیند کو سات سلام۔“

تقدیر پر رضا کا مراقبہ

مجلس.... جب میں گزشتہ فصل لکھ کر فارغ ہوا تو میرے باطن سے آواز آئی کہ تقدیر پر صبر کرنے کی تشریح رہنے دو کیونکہ جتنا تم بیان کر چکے ہو اتنا کافی ہے۔ اب تقدیر پر راضی رہنے کا مراقبہ بیان کرو میں اس کے تذکرہ میں اپنی روح کے لیے راحت کی بو محسوس کر رہا ہوں۔

میں نے کہا اے ہاتف باطنی! اپنا جواب سنو! اور سچی بات سمجھو!

تقدیری فیصلوں پر رضا معرفت کا ثمرہ ہے۔ جب تم کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہو گی تو اس کے فیصلوں پر راضی بھی رہو گے کیونکہ قضا کے ضمن میں بہت سی تلخیاں پیش آتی ہیں جن کا مزہ راضی برضا محسوس کرتا ہے لیکن عارف کے نزدیک معرفت کی حلاوت کی وجہ سے وہ تلخیاں کم ہو جاتی ہیں کیونکہ معرفت محبت کی طرف لے جاتی ہے جس سے تقدیر کی تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

عَذَابُهٗ فِیْکَ عَذْبٌ   وَبُعْدُهٗ فِیْکَ قُرْبٌ
وَاَنْتَ عِنْدِیْ کَرُوْحِیْ   بَلْ اَنْتَ مِنْهَا اَحَبُّ
حَسْبِیْ مِنَ الْحُبِّ اَنِّیْ   لِمَا تُحِبُّ اُحِبُّ

”آپ کے سلسلے میں اس کی سزائیں شیریں ہیں اور آپ کے لیے اس کی دوری قربت ہے۔ آپ میرے نزدیک میری روح کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میرے لیے محبت کا اتنا درجہ کافی ہے کہ جسے آپ پسند کریں میں بھی پسند کروں۔“

اور ایک محبّ نے اسی معنی میں کہا ہے:

وَيَقْبُحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِیْ فَتَفْعَلُهٗ فَيَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَا.

"دوسرے کا کیا ہوا کام جو مجھ کو برا لگتا ہے اسی کو جب آپ کرتے ہیں تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

اس تقریر کو سن کر ہاتف باطنی نے کہا اب مجھ سے وہ امور بتلایئے جن پر رضا اختیار کروں؟ فرض کیجئے کہ میں بیماری اور فقر کے فیصلوں پر راضی رہوں تو کیا اس کی اطاعت میں سستی پر بھی رضا اختیار کروں؟ اور اہل محبت سے دوری پر بھی راضی رہا کروں؟ اس لیے مجھ سے بیان کیجئے کہ کون سے افعال اس کی رضا کے تحت آتے ہیں اور کون سے نہیں؟

میں نے کہا تم نے بہت عمدہ سوال کیا۔ اچھا تو دونوں کا فرق ذرا گوشِ ہوش سے سننا۔

تم ان امور پر رضا اختیار کرو جو خدا تعالیٰ سے صادر ہوں جبکہ سستی اور تخلف تمہاری طرف منسوب ہے۔ پس اپنے فعل پر راضی نہ رہنا اور اللہ تعالیٰ کا پورا پورا حق ادا کرنا اور ان امور میں جو اس سے قریب کریں نفس سے مجاہدہ کرنا لیکن جو چیزیں مجاہدہ میں سستی کا سبب ہوں ان پر راضی نہ رہنا۔

اور جو اس کے ایسے فیصلے ہوں جن میں تیرا کچھ دخل نہ ہو ان پر راضی رہو۔ جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ایک عابد کا ذکر ہوا جو گھورے سے دانہ چن چن کر کھاتے تھے۔ "پوچھا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے علاوہ دوسرا رزق کیوں نہیں مانگ لیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص تقدیر پر راضی ہو وہ خود سے انتخاب نہیں کرتا۔"

اور جو شخص معرفت کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ اس میں محبت کا مزہ پاتا ہے پھر وہ رضا خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا دلائل میں غور کر کے اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر معرفت کے مطابق اس کی بندگی کرنی چاہیے تاکہ اس سے محبت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَايَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يَبْصُرُ بِهٖ. (حدیث قدسی)

"بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنالیتا

ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔"

پس یہی حالت غنیٰ اکبر ہے اور اس پر افسوس ہے جو اس سے محروم ہے۔

ایک دلچسپ توجیہ

مجلس.... میں نے بہت سے علماء کو دیکھا کہ بچپن میں طلب علم انہیں تحصیل معاش سے مشغول کر لیتی ہے۔ پھر جب ضروریات زندگی کی احتیاج ہوتی ہے اور بیت المال یا دوستوں کے عطایا سے بقدر کفایت نہیں ملتا تو اپنے کو ذلت کے راستے پر ڈال دیتے ہیں‘ مجھے اس میں دو حکمتیں سمجھ میں آئیں۔

(۱) ایک تو اس ذلت کے ذریعے ان کے عجب و پندار کو توڑنا ہے۔

(۲) دوسرے ان کو ثواب عطا فرما کر ان کو نفع پہنچانا ہے۔

پھر میں نے اور گہرائی سے سوچا تو ایک لطیف نکتہ نظر آیا وہ یہ کہ جب متکبر نفس دنیا کی یہ حالت دیکھتا ہے تو اس کو دل میں جگہ نہیں دیتا بلکہ پختہ عزم کے ساتھ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور وہ دنیا کو اس گھورے کے مشابہ سمجھتا ہے جہاں کتے رہتے ہیں یا بیت الخلاء کے مشابہ جہاں بس مجبوری کے تحت جایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب موت اس جیسی دنیا سے کوچ کا پیغام لے کر آوے گی تو چونکہ قلب کا تعلق دنیا سے مضبوط نہ رہے گا اس لیے اس پر موت آسان ہو جائے گی۔

زاہدوں کی ناواقفی

مجلس.... زاہدوں کی جماعت ان علماء پر نکتہ چینی کرتی ہے جو مباحات میں توسع کرتے ہیں حالانکہ اس کا منشاء جہل ہے کیونکہ اگر ان کے پاس علم کی فضیلت ہوتی تو کبھی علماء پر عیب گیری نہ کرتے اس لیے کہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کو روکھے پھیکے پر قدرت ہوتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔

اور کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو ایسے طرز زندگی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے جس کی خود طاقت رکھتا ہو کیونکہ ہمارے پاس شریعت کا قانون موجود ہے جس میں

رخصت کا بھی ضابطہ ہے اور عزیمت کا بھی۔ لہٰذا ہر شخص اپنے لیے جس ضابطہ کو پسند کرے اس پر ملامت نہیں کی جاسکتی جبکہ بعض رخصتیں اپنے نفع کے سبب بہت سی عزیمتوں سے بڑھ جاتی ہیں۔

کاش زاہدوں کو اس کی خبر ہو جاتی کہ علم سے اللہ کا خوف حاصل ہوتا ہے اور علماء کے قلوب اس کے خوف سے پارہ پارہ ہوتے رہتے ہیں اور جسم اس کے ڈر سے پگھلنے لگتے ہیں اس لیے اجسام کی حفاظت کے لیے کچھ توسع بھی ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ علم اور یادداشت کا آلہ قلب اور فکر ہے اور جب آلہ درست رہے گا تو عمل ٹھیک ہوگا لیکن یہ ایسی بات ہے جو علم کے ذریعے ہی جانی جاسکتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زاہدوں نے علم کی کمی کے سبب ان باتوں پر نکیر کی جن کا انہیں علم نہ تھا اور یہ گمان کرلیا کہ شریعت کا مقصود بدن کو تھکانا اور جسم کو لاغر کرنا ہے اور اس سے ناواقف رہے کہ لاغر کردینے والا خوف ایسی راحت کا محتاج ہوتا ہے جو اس خوف کا دفاع کرسکے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے: "رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ تَعِي الذِّكْرَ" (دلوں کو راحت پہنچاؤ تا کہ یادداشت درست رہے)

شیطان کا ایک مخفی کید

مجلس.... ساری موجودات میں علم سے اشرف کوئی چیز نہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ وہی رہبر ہے اور جب نہ ہوگا تو لوگ راستہ بھٹک جائیں گے۔

شیطان کا ایک مخفی کید یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے عبادت کی خوبیاں اس لیے بیان کرتا ہے تا کہ افضل العبادات علم سے اس کا رُخ پھیر دے۔ حتیٰ کہ اس نے ایک جماعت کو ایسا بہکایا کہ انہوں نے اپنے حدیث کے مجموعوں کو دفن کرادیا یا سمندر میں پھینکوادیا۔ چنانچہ ایسا واقعہ بہت سے لوگوں کو پیش آیا۔ میں ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے ان مجموعوں میں (حدیث کے علاوہ) خود ان کی بھی رائے لکھی ہوگی جس کا شائع ہونا انہیں پسند نہ تھا ورنہ اگر صرف صحیح اور مستند احادیث ہی ہوتیں جن سے کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا پھینکنا مال کو ضائع کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی چال میں صوفیاء کی ایک جماعت بھی پھنس گئی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے تلامذہ کو حدیث لکھنے سے منع کردیا اور حتیٰ کہ جعفر خلدی نے بیان کیا کہ اگر مجھ کو صوفیاء

اجازت دے دیں تو میں دنیا بھر کی سندیں بیان کر دوں لیکن میں نے ابوالعباس دوری کی ایک مجلس کی روایات لکھیں تو مجھ سے ایک صوفی نے ملاقات کی اور کہا:

دَعْ عِلْمَ الْوَرَقِ وَعَلَیْکَ بِعِلْمِ الْخِرَقِ.

"کتابوں کا علم چھوڑو اور دل کو شکستہ کرنے والا علم حاصل کرو۔"

اور میں نے ایک صوفی کے پاس دوات دیکھی تو دوسرے صوفی نے اس سے کہا۔ اپنی ستر چھپاؤ اور شبلی کا یہ شعر پڑھتے ہیں:

اِذَا طَالَبُوْنِیْ بِعِلْمِ الْوَرَقِ بَرَزْتُ عَلَیْھِمْ بِعِلْمِ الْخِرَقِ.

"جب لوگوں نے مجھ سے کتابی علم کا مطالبہ کیا تو میں نے دل کو شکستہ کرنے والا علم ان کے سامنے پیش کیا۔"

حالانکہ یہ شیطان کا ایک مخفی حیلہ ہے اور واقعی اس نے ان صوفیاء کے متعلق اپنا گمان سچ کر دکھایا اور شیطان نے جو یہ سب کیا اور ان کے سامنے ان باتوں کی خوبیاں بیان کیں، اس میں شیطان کی دو خواہش تھی۔

ایک یہ کہ لوگ ظلمت میں چلتے رہیں۔ دوسری یہ کہ علم کی تلاش جو ہر روز عالم کے علم میں اضافہ کرتی ہے مخفی باتوں کو کھولتی ہے، ایمان اور معرفت کو قوت بخشتی ہے اور عالم کے راستوں کی بہت سی خرابیاں واضح کرتی ہے خصوصاً جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی راہ پر نظر رکھے۔

اس کے لیے اس نے اپنی چال کے ذریعے اس راستہ کو بند کرنا چاہا اور ظاہر یہ کیا کہ مقصود عمل ہے نہ کہ علم حالانکہ دھوکہ کھا جانے والوں نے یہ نہ سوچا کہ علم خود بہت بڑا عمل ہے۔

پس شیطان کے اس خفیہ فریب سے بچو کیونکہ علم ہی سب سے بڑی بنیاد ہے اور روشنی کا بہت بڑا مینار ہے۔

یاد رکھو! کبھی ورقوں کا اُلٹنا صوم وصلوٰۃ اور حج وغزوہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ کتنے علم سے اعراض کرنے والے اپنی عبادت میں لگ کر خواہش نفسانی کے عذاب میں مبتلا ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو نفل میں لگ کر فرائض کے تارک ہیں اور افضل ...... بزعم خویش ...... میں مشغول

ہوکر واجبات سے محروم ہیں۔ اگر ان کے پاس نورِ علم کا چراغ ہوتا تو سیدھے راستے پر رہتے۔

میری باتوں پر غور کرو راہِ صواب پا جاؤ گے۔ ان شاء اللہ

نفس کو بہلا کر رکھنا ضروری ہے

مجلس.... میرے سامنے سے دو مزدور ایک بھاری کڑی اُٹھائے ہوئے گزرے اور دونوں کے ساتھ ایک دوسرے کے جواب میں کچھ پڑھتے جاتے یا بات کرتے جاتے تھے اور جب ایک کچھ پڑھتا تو دوسرا اس کو کان لگا کر سنتا پھر اس کو دہراتا یا اس کا جواب دیتا اور پہلا ایسا ہی کرتا۔

میں نے سوچا کہ اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ان پر مشقت زیادہ ہوتی اور بوجھ زیادہ محسوس ہوتا اور جب کہ وہ اس میں مشغول ہیں معاملہ آسان ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے سبب پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس کا سبب ہر ایک کی توجہ کا دوسرے کے کلام کی طرف لگنا اور اس سے نشاط حاصل کرنا اور اس کے جواب کی فکر میں مشغول ہونا ہے کہ اس سے راستہ قطع ہوتا رہتا ہے اور بوجھ کا احساس بھولا رہتا ہے۔

اس سے میں نے ایک عجیب اشارہ نکالا کیونکہ یہ دیکھا کہ انسان کو بھی بہت سے امور شاقہ کا مکلّف بنایا گیا ہے جن میں سب سے ثقیل بوجھ اپنے نفس کی مدارات کرنا اس کی پسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا' ناپسندیدہ امور پر تحمل کرنا وغیرہ ہے۔ تو اشارہ یہ نکالا کہ نفس کو تسلی دے کر اور اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کر کے صبر کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

فَاِنْ تَشَكَّتْ فَعَلِّلْهَا الْمَجَرَّةَ مِنْ ضَوْءِ الصَّبَاحِ وَعِدْهَا بِالرَّوَاحِ ضُحًى.

"اگر نفس شکایت کرے تو شام کو صبح کے حوالے دے کر بہلاؤ اور صبح میں شام کا بہانہ کر دو۔"

اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے جو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ ایک شخص دونوں چلے' راستہ میں اس کو پیاس لگی۔ آپ سے پوچھا کہ اسی کنویں سے پی لیں؟ فرمایا اگلے کنویں تک صبر کرلو' جب اگلے پر پہنچے تو فرمایا اچھا اس کے بعد والے کنویں پر پی لینا۔ اسی طرح اس کو بہلاتے رہے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ دنیا کا سفر اسی طرح قطع کیا جا سکتا ہے۔

جس نے اس اصل کو سمجھ لیا وہ نفس کو بہلائے گا اس کے ساتھ نرمی کرے گا اور اس سے اچھے وعدے کرے گا تا کہ مشقتوں پر صبر کر سکے۔ جیسا کہ بعض سلف اپنے نفس سے کہتے تھے کہ ''واللہ! تیری یہ محبوب چیز تجھ سے صرف اس لیے روک رہا ہوں کہ تجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔''

اور حضرت ابو یزیدؒ فرماتے تھے ''میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچا تو رونے لگا اور (کچھ بہلانے کے بعد) پھر کھینچا تو ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔''

خوب سمجھ لو! نفس کے ساتھ مدارات اور مہربانی ضروری ہے کیونکہ راستہ اسی طرح قطع ہو سکتا ہے اور یہ ایک اشارہ کا رمز ہے اس کی شرح بہت طویل ہے۔

آج کل کے جلسے

مجلس.... میں نے وعظ و نصیحت کے جلسوں میں رواج پا جانے والی چند چیزوں پر غور کیا جن کو عوام اور نادان علماء خیر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ منکر اور شریعت کے خلاف ہیں۔

اور وہ یہ کہ قاری خوب لہجے بنا بنا کر قرأت کرتا ہے اور لہجوں کو موسیقی کے طرز پر ڈھالتا ہے اور واعظ لیلیٰ مجنوں کے اشعار گاتا ہے تو کوئی تالی بجاتا ہے اور کوئی (وجد کا بہانہ کر کے) اپنے کپڑے پھاڑتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب سے بڑا نیک کام ہے حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ لہجے موسیقی کے طرز پر ہوتے ہیں جو نفس میں نشاط اور ہیجان پیدا کر دیتے ہیں اور ایسا کام جو کسی مفسدہ کا سبب بنے بڑی غلطی ہے بلکہ واعظوں کو اس پر سزا دینی چاہیے[1]۔

اسی طرح قبروں کے مجاور بھی ہیں کہ غم انگیز مضامین بیان کرتے ہیں تا کہ عورتیں خوب روئیں اور پیسہ زیادہ دیں کیونکہ اگر یہ صبر کا مشورہ دیتے تو عورتیں انہیں کچھ نہ دیتیں اور یہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔

ابن عقیل نے بیان کیا کہ ''ہم ایک شخص کے ہاں تعزیت میں گئے اس کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تھا وہاں قاری نے یہ آیت تلاوت کی ''یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ'' میں نے کہا یہ تو قرآن کے ذریعے نوحہ خوانی ہو گئی۔''

اور واعظوں میں بعضے معرفت اور محبت کی باتیں کرتے ہیں۔ اس وقت تم چھوٹی

---

[1] حاکم وقت کی طرف سے نہ کہ عوام ہی یہ جرأت شروع کر دیں۔ البتہ عوام پر واجب ہے کہ غلط تقریریں نہ سنیں۔ ۱۲ حمزہ

قوموں اوران بازاریوں کودیکھوگے جنہیں نماز کے فرائض تک سے بے خبری ہے کہ اللہ کی محبت کے دکھاوے میں اپنے کپڑے تارتار کرڈالتے ہیں۔

اورصاف ستھرے احوال کا (کم علم) صوفی (جبکہ یہی سب سے زیادہ نیک بھی ہوتا ہے) اپنے واہمہ سے کسی صورت کوخدا تصور کرلیتا ہے پھر جب وہ اس کی عظمت ورحمت اور اس کی اچھی صفات کا تذکرہ (وعظ کی مجلسوں میں) سنتا ہے تو اس کا شوق اسے رُلاتا ہے حالانکہ جوصورت اس کے خیال میں ہے وہ معبودنہیں ہے معبودتو ایسا ہے جوکسی کے خیال میں نہیں آسکتا۔(بقول اکبرمرحوم)

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

اگرچہ عوام کے ساتھ صحیح معاملہ کرنا بڑادشوار ہےاوروہ حقائق کی تلخیوں کی وجہ سے ان کے نفع سے محروم رہ جاتے ہیں مگرواعظ تواس کا مامور ہے کہ درست راہ سے تجاوزنہ کرے اوران کی خرابیوں سے علیحدہ رہے بلکہ اچھے ڈھنگ سے ان کواصلاح کی طرف لائے لیکن اس کے لیے تھوڑے فن کی ضرورت ہے کیونکہ عوام کوالفاظ کی صحیح بندش بہت اچھی لگتی ہے۔بعضوں کوہاتھ کے اشارے پسند آتے ہیں اوربعض اشعار سے منقادہوتے ہیں اس لیے بلاغت کی سب سے زیادہ ضرورت واعظ کوہوتی ہے تاکہ وہ ان کے تمام مطلوبات اکٹھا کرسکے۔

اوراس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ضروری باتیں بیان کرےاورمباح الفاظ کا اتنا ہی استعمال کرے جتنا کھانے میں نمک کاہوتا ہے پھرانہیں عمل کی طرف لے جائے اورسیدھاراستہ دکھلادے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حارث محاسبی کی مجلس وعظ میں شریک ہوئے اورتقریر سنی تو رونے لگے۔پھر بعد میں فرمایا کہ ”مجھے اس کی مجلس نہیں پسند آئی“ لیکن آپ کواس کے طرزتقریر سے رونا آ گیا۔

اوراگرچہ حضرات سلف رحمۃ اللہ علیہم قصہ گوواعظین کی بے احتیاطیوں کودیکھ کران کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے لیکن اس زمانے میں علی الاطلاق وہ ممانعت درست نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کے زمانے میں اکثر لوگ علم میں مشغول تھے نہ اس لیے حضرات سلف نے اس کوعلم میں رکاوٹ کی چیز سمجھا اوراب علم سے اعراض کا زمانہ ہے۔لہٰذا

عوام کے لیے سب سے نفع بخش وعظ کی مجلسیں ہیں جو ان کو گناہ سے روکتی ہیں اور توبہ کی تحریک پیدا کرتی ہیں۔ البتہ خرابی قصہ گو واعظوں میں بہت ہے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

عوام کے سامنے اعتقادی بحثوں کی مضرت

مجلس.... عوام کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ صفات خداوندی کی نفی کرنے اور ان کی تاویلیں اور مطلب بیان کرنے والوں کا کلام ہے۔

کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت کرنے پر محنت کی تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کا وجود راسخ ہو جائے کیونکہ لوگوں کے دل اثبات سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب عامی ایسی گفتگو سنے گا جو خدا تعالیٰ (کے کسی متعلق) کی نفی کرتی ہو تو اس کے دل سے اثبات کا تصور نکل جائے گا اور اس میں بڑا ضرر ہے۔ اس طرح بزعم خویش صفات باری کی تنزیہہ کرنے والے انبیاء علیہم السلام کے اثبات کو مٹانے اور ان کے جوابات کو غلط ٹھہرانے والے بن جاتے ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر استوا کی خبر دی تو لوگوں کے دلوں میں ایک معبود کا تصور ہو گیا۔ اسی طرح فرمایا: "وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ" (آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا) اور "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتٰنِ" (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں) اور "غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" (اللہ ان پر ناراض ہوا) "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی "يَنْزِلُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا" (وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے) اور فرمایا "قُلُوْبُ الْعِبَادِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ" (بندوں کے دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں) اور فرمایا "كَتَبَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهٖ" (اس نے توراۃ اپنے ہاتھ سے لکھی) اور "كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ" (اللہ نے ایک کتاب لکھی اور وہ اس کے پاس عرش پر ہے) وغیر ذالک۔ یہ سب سن کر عامی اور بچوں کے دلوں میں اثبات خداوندی کا تصور راسخ ہو گیا لیکن جب وہ خدا کے لیے اپنی حس کے موافق صفات کا تصور باندھنے لگے تو ان سے کہہ دیا گیا "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" اس کے ذریعہ ان کے سارے خیالی نقشوں کو مٹا دیا گیا۔ اب

صرف اثبات کے الفاظ دلوں میں باقی رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی باتوں کو باقی رکھا (تردید نہیں فرمائی)۔

چنانچہ ایک شاعر کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا. ''عرش پر ہمارا رب ہے۔''

تو تبسم فرمایا اور ایک شخص نے عرض کیا ''اَوَيَضْحَكُ رَبُّنَا'' (کیا ہمارا رب ہنستا بھی ہے) تو فرمایا ہاں! اور خود آپ نے فرمایا ''وہ عرش پر اس طرح متمکن ہے'' یہ سب اسی مصلحت کے تحت کہا کہ دلوں میں اللہ کا وجود راسخ ہو جائے۔

اور بہت سے لوگ خدا کا تصور اپنے مشاہدہ کے مطابق ہی کر سکتے ہیں تو ان سے اتنے ہی پر قناعت فرمائی یہاں تک کہ وہ تنزیہہ کو سمجھنے لگیں۔

اب اگر ہم ایسے عامی کے سامنے جس کا دل خدا کے تصور سے خالی ہو بیان کرنے لگیں کہ وہ نہ آسمان میں ہے نہ عرش پر ہے اس کے ہاتھ نہیں ہو سکتے اس کا کلام ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اس کا کوئی کلام ہمارے پاس نہیں ہے اور خدا کا نزول متصور نہیں ہو سکتا تو ہم اس کے دل سے قرآن کی عظمت مٹا دیں گے اور اس کے دل میں معبود کا تصور راسخ نہیں کر سکیں گے اور یہ انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہمارا سخت جرم ہوگا جس کی وجہ سے ان کی محنتوں پر پانی پھر جائے گا۔

بلکہ کسی عالم کے لیے ایسے عامی کے سامنے جو خدا کے تصور سے مانوس ہو چکا ہو ایسی باتیں کرنا جائز نہیں ہے جو اس کو حیرت میں ڈال دیں کیونکہ اس سے اس کا عقیدہ خراب ہوگا۔ پھر اس کی اصلاح دشوار ہوگی۔ البتہ عالم کے سامنے بیان کرنے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس پر صفات خداوندی کے تجدد کا استحالہ استواء کا غیر متصور ہونا' اس کے محمول ہونے کا ممتنع ہونا اور ملاصقہ و مس سے اس کا غیر متصف ہونا اور انتقال کا غیر ممکن ہونا مخفی نہیں ہوتا۔ نیز اس سے یہ پوشیدہ نہیں ہوتا کہ اصبعین کے درمیان قلوب کی تقلیب سے مراد قلوب پر پورے پورے قابو کی خبر دینا ہے کیونکہ انسان جس چیز کو دو انگلیوں کے درمیان گھما سکتا ہو ظاہر ہے اس پر اس کو پورا قابو ہوگا اور اب اس کو اس تاویل کی ضرورت نہ پڑے گی کہ اصبع سے مراد اثر حسن

ہے لہٰذا قلوب ربوبیت کے دو آثار اقامت اور ازاغت کے درمیان ہیں اور نہ اس کی ضرورت ہوگی کہ یدین سے مراد اس کی نعمتیں ہیں کیونکہ جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ مقصود خدا کا اثبات ہے اور ہم سے ایسی صفت بیان کی گئی ہے جسے ہم سمجھ سکیں اور ایسی مثال دی گئی جس کا ہم تصور کر سکیں اور ہم کو دلیل قطعی سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر ان تصورات کا حمل درست نہیں ہے جو طبعی تقاضوں سے ناشی ہوں تو ہمیں ان کے ذکر کرنے کا مقصود معلوم ہو گیا۔

اور ہمیں عوام سے یہ کہنا چاہیے کہ ان باتوں کو جوں کا توں باقی رکھو ان کی تاویل کے پیچھے نہ پڑو۔ اس تصور کا حاصل خدا کے اثبات کی حفاظت ہے اور حضرات سلف کے پیش نظر یہی مقصود تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس بحث سے منع فرماتے تھے کہ قرآن کا تلفظ مخلوق ہے یا غیر مخلوق تا کہ اتباع قرآن پر ابھاریں اور اثبات کلام کے الفاظ اپنی حالت پر رہیں۔

لَاتُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ.

''سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو ان چیزوں کو جن کی تعظیم شارع کا مقصود ہو کمزور کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو ساتھ لے کر دشمنوں کے علاقہ میں مت جاؤ۔''

اس میں قرآن سے مراد مصحف ہے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بے وضو شخص کو جزدان کے باوجود قرآن شریف اُٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس سے آپ کا مقصود قرآن کی تعظیم ہے۔

لیکن اپنے کو ماہر جتلانے والے لوگ پیدا ہوئے اور کہنے لگے کہ کلام تو ایک ایسی صفت ہے جو متکلم کی ذات سے قائم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا احترام کیا جائے حالانکہ یہ شریعت کے مقصود کے خلاف ہے۔

اس لیے واجب ہے کہ شریعت کی حکمتوں کو سمجھا جائے اور انبیاء علیہم السلام کے مقصود پر نگاہ کی جائے۔ چنانچہ ہمیں ان باتوں کی تحقیق سے منع کیا گیا ہے جن میں شریعت نے اجمال کیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر میں گفتگو سے اور اس میں بحث سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان چیزوں میں مباحثے مضر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تقدیر میں بحث کرنے والا اس مرحلہ پر پہنچے گا کہ اللہ نے خود ہی فیصلہ بھی کیا اور پھر سزا بھی دیں گے تو اس کا عدل پر ایمان متزلزل ہو جائے گا اور اگر یہ کہے گا کہ فیصلہ ہی نہیں کیا تو قدرت اور

سلطنت پر ایمان کمزور ہوگا اس لیے ان باتوں میں بحث کا ترک کرنا ہی اولیٰ ہے۔

شاید کوئی کہے کہ یہ تو حقائق پر اطلاع پانے سے روکنا اور تقلید کا حکم دینا ہے۔ میں کہوں گا بلکہ میں تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ تم سے مجمل ایمان مقصود ہے اسی لیے کُنہ اور حقیقت معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا جبکہ تمہارے فہم کی طاقتیں حقائق کے ادراک سے عاجز ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" (مجھے دکھلایئے آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے یعنی کیفیت احیاء کا سوال کیا تھا) لیکن آپ کو ایک مردہ زندہ کرکے دکھلا دیا گیا احیاء کی کیفیت نہیں دکھلائی گئی اس لیے کہ آپ کے قویٰ اس کے ادراک سے عاجز تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو مبعوث ہی اس غرض کے لیے ہوئے تھے کہ لوگوں کے سامنے قرآن کو خوب واضح کرکے بیان کردیں' لوگوں سے نفسِ اقرار اور مجمل اعتقاد پر اکتفاء فرماتے تھے۔

اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ ان میں سے کسی کے متعلق بھی منقول نہیں ہے کہ تلاوت اور متلو قرأت اور مقروٴ کے اختلاف میں لگے ہوں یا استویٰ کے معنی استولیٰ اور تنزل کے معنی برحم بیان کیے ہوں بلکہ سب نے ایسے مجمل ایمان پر اکتفاء کیا جو قلوب میں عظمت پیدا کرے اور "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" کوسن کر اللہ رب العزت کے متعلق خیال آرائی کرنے سے باز رہے۔

دیکھو منکر نکیر بھی اصول مجملہ کا سوال کریں گے یعنی پوچھیں گے "مَنْ رَّبُّکَ؟" (تمہارا رب کون ہے؟) "مَادِیْنُکَ؟" (تمہارا دین کون سا ہے؟) "وَمَنْ نَبِیُّکَ؟" (تمہارا نبی کون ہے؟)

جس نے اس فصل کو سمجھ لیا وہ فرقہ مجسمہ کی تشبیہ سے اور فرقہ معطلہ کی تعطیل سے محفوظ رہے گا اور حضرات سلف کے راستہ پر رہے گا۔

آنکھ' کان اور دل

مجلس.... میں نے یہ آیت پڑھی: قُلْ اَرَأَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْکُمْ بِهٖ.

”کہہ دیجیے تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر اللہ چھین لے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو اسے واپس لا سکے۔“

اس میں مجھے ایسا اشارہ ملا جس سے بہت انفعال ہوا۔ وہ یہ کہ سمع و بصر سے مراد اگر ظاہری آنکھ اور کان ہوں تو کان سنی ہوئی باتوں کے ادراک کا آلہ ہے اور آنکھ دیکھی ہوئی چیزوں کے ادراک کا آلہ ہے پھر یہ دونوں اپنے ادراک کو دل پر پیش کرتے ہیں اور دل غور کرتا اور عبرت حاصل کرتا ہے۔

لہٰذا جب مخلوقات آنکھ اور کان کے سامنے آویں اور وہ ان کی ایسی خبریں دل کو پہنچاویں جو خالق کی طرف رہبری کرتی ہوں اور اس کی اطاعت پر اُبھارتی ہوں اور نافرمانی کے وقت اس کی گرفت سے ڈراتی ہوں تو یہی ان کا فائدہ ہے ورنہ آنکھ اور کان کا جو مقصود ہے وہ پورا نہیں ہوگا۔

اور اگر سمع و بصر سے ان کی حقیقت مراد ہو تو پھر مقصود کا پورا نہ ہونا اس طرح ہوگا کہ خواہشات میں لگ کر اپنے مدرکات کی حقیقتوں سے ذہول کرے تو بطور سزا کے ان آلات کی حقیقت چھین لی جاتی ہے۔ پھر انسان دیکھتا تو ہے لیکن نہ دیکھنے کی طرح اور سنتا ہے لیکن نہ سننے کی طرح۔ دل اپنی اصلاح کی چیزوں سے غافل رہتا ہے اس وقت انسان خطاؤں پر خطائیں کرتا رہتا ہے اور اس کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا کہ آخر اس سے مقصود کیا ہے؟ اپنے سڑ گل جانے کو بھولا رہتا ہے، کوئی نصیحت اس پر کارگر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی حقیقت ہی بھول جاتا ہے اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مرجع یعنی آخرت سے ذہول ہو جاتا ہے۔ دنیوی طبعی فائدوں کو دیکھتا ہے اور آخرت کے گھاٹوں کو نہیں سوچتا۔ اپنے رفقاء سے عبرت نہیں حاصل کرتا اور اپنے ساتھیوں سے نصیحت نہیں قبول کرتا اور اپنے سفر کے لیے توشہ نہیں اختیار کرتا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اَلنَّاسُ فِیْ غَفْلَةٍ وَالْمَوْتُ یُوْقِظُهُمْ وَمَا یُفِیْقُوْنَ حَتّٰی ینفد الْعُمُرُ.

”لوگ غفلتوں میں مست ہیں حالانکہ دوسروں کی موت انہیں جگا رہی ہے اور انہیں افاقہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ موت آجائے۔“

يُشَيِّعُوْنَ اَهَالِيَهِمْ بِجَمْعِهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى مَافِيْهِ قَدْقُبِرُوْا وَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى اَحْلَامِ غَفْلَتِهِمْ كَاَنَّهُمْ مَارَأَوْا اشَيْئًا وَّلَا نَظَرُوْا۔

"اپنے گھر والوں کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں اور ان کے دفن ہونے کا منظر دیکھتے ہیں لیکن پھر اپنی غفلت کے خوابوں میں لوٹ جاتے ہیں اس طرح کہ انہوں نے نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔"

یہ حالت بہت سے لوگوں کی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے ان آلات سمع وبصر کے چھن جانے سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ وہ بہت قبیح حالت ہوگی۔

عشق کیوں ہوتا ہے؟

مجلس.... حکماء نے عشق کی حقیقت اس کے اسباب اور علاج کے متعلق جو کلام کیا ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا پھر ایک کتاب لکھی جس کا نام "ذَمُّ الْهَوٰی" رکھا ہے۔ اس میں میں نے حکماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عشق کا سبب "خالی نفس کا حرکت میں آنا ہے" پھر حکماء کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ عشق خوش مزاج ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ عشق ان کو ہوتا ہے جو حقائق میں غور کرنے سے غافل ہوتے ہیں۔

مجھ کو کتاب لکھ چکنے کے بعد ایک عجیب حقیقت سمجھ میں آئی ہے۔ یہاں اس کی تشریح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ عشق اسی کو ہو سکتا ہے جس کی طبیعت میں جمود اور ٹھہراؤ ہو کیونکہ جو لوگ بلند پرواز ہمت کے مالک ہوں جب ان کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی ہے جو محبت کی محرک ہو تو دوسرے ہی لمحہ میں اس کے عیوب بھی پیش نظر ہو جاتے ہیں خواہ محبوب کے تصور کے بعد یا اس سے اختلاط کے بعد! اس لیے ان کا نفس پیچھے ہٹ جاتا ہے اور دوسرے مطلوب سے متعلق ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ایسے عشق پر جو ایک محبوب سے متعلق رہے اور اس کے عیوب سے اندھا رہے وہی ٹھہر سکتا ہے جس کی طبیعت میں جمود ہو۔

رہے وہ لوگ جن کو عیوب سے نفرت ہو وہ ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوتی اور جب بھی ان کی طبیعتیں کسی شخص کی محبت سے متعلق ہوتی ہیں تو انفعالی عشق تک نہیں پہنچتیں بلکہ ان کو کسی وقت میں یا تو تفکر کی کمی یا اختلاط کی کمی یعنی عیوب پر اطلاع میں کمی کے سبب شدید میلان ہو جاتا ہے اور اس لیے بھی میلان ہو جاتا ہے کہ دو شخصوں

کے درمیان کوئی پسندیدہ صفت یکساں ہوتی ہے جیسے خوش مزاج کو خوش مزاج کے ساتھ اور ایک ذہین کو دوسرے ذہین کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے لیکن عشق نہیں ہوتا کیونکہ ان کی طبیعت فہم کے تابع ہوتی ہے اور ان کی ہمتوں کا تعلق ایسی چیز سے ہوتا ہے جو اس دنیا میں نہ پائی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ان کمالات پر نظر رکھتے ہیں جن کا وجود دنیا کے افراد میں نہ ہو۔

حاصل یہ کہ اس طرح کے لوگ جب محبوب کے عیوب کو دیکھتے ہیں تو اس سے ان کی طبیعت ہٹ جاتی ہے۔ اسی طرح قلوب کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا بھی دوسروں کے عشق سے مانع ہو جاتا ہے۔ اگر چہ اللہ کی محبت مخلوق کی محبت سے مختلف ہوتی ہے لیکن اہل معرفت اللہ کی طرف اس قدر متوجہ ہو جاتے ہیں کہ اس کی محبت دوسروں کی محبت سے مشغول کر لیتی ہے اور ان کی طبیعتیں معرفت اور محبت کی قوت کی وجہ سے اسی کی تصور میں غرق رہتی ہیں۔

جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے:

اُحِبُّ حَبِيْبًا لَا اُعَابُ بِحُبِّهٖ.

''میں ایسے محبوب سے محبت کرتی ہوں جس کی محبت میں مجھ پر کوئی عیب نہیں لگ سکتا۔''

وَاَحِبَّتُهُمْ مَنْ فِیْ هَوَاهُ عُيُوْبٌ.

''اور لوگوں کے محبوب ایسے ہیں جن کی محبت عیب ہی عیب ہے۔''

اور ایک فقیر صوفی کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک عورت کے پاس سے گزرے وہ انہیں پسند آ گئی۔ اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا' باپ نے نکاح کر دیا اور صوفی کو گھر لے جا کر اس کے پرانے کپڑے اتارے اور نئے نئے کپڑے پہنا دیئے۔ جب رات ہوئی تو فقیر صوفی شور مچانے لگے میرا کپڑا لاؤ میں اپنے دل کی کیفیت سے محروم ہو گیا ہوں۔

دیکھو! فقیر کی اس لغزش ہی نے اسے خبر دار کر دیا کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے لیکن ایسے حالات اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور رذائل سے نفرت کرنے والوں ہی کو پیش آتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اِذَا اَعْجَبَتْ اَحَدَكُمْ اِمْرَاَةٌ فَلْيَتَذَكَّرْ مَثَانَتَهَا. ''جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آ جائے (اور وسوسہ ہونے لگے) تو اس کے مثانہ کا تصور کرے۔''

اس ارشاد کو اس طرح سمجھو کہ پسندیدہ اور مشتہیٰ کھانا دیکھ کر عقل اس کے منہ میں چبائے جانے اور اس کے نگلنے کے تصور سے غافل ہو جاتی ہے اور جماع کے وقت گندگیوں سے ملنے کا تصور شہوت کے غلبہ کی وجہ سے ذہن سے نکل جاتا ہے اور تھوک نگلنے کے وقت اس کا غذا سے بدلنا بھولا رہتا ہے۔ اگرچہ ان کو بھول جانے میں مصلحتیں ہیں مگر بیدار طبیعت لوگوں کو قصداً تصور کیے بغیر بھی اکثر اوقات یہ احساس پیش آتا ہے جو ان پر زندگی کی لذتوں کو سادہ کر دیتا ہے اور خواہشات سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔

پس عاشق جس قدر انجام کو سوچے گا اس کے دل سے عشق کم ہو گا اور طبیعت کے جمود کے بقدر قلق بڑھے گا۔ متنبی کہتا ہے:

لَوْ فَكَّرَ الْعَاشِقُ فِيْ مُنْتَهٰى حُسْنِ الَّذِىْ يَسْبِيْهِ لَمْ يَسْبِهٖ.

"اگر عاشق اس محبوب کے حسن کی انتہا کو سوچ لیتا جس کا وہ غلام بن گیا ہے تو غلام نہ رہ جاتا۔"

حاصل اس تشریح کا یہ ہوا کہ بیدار طبیعت لوگوں کی طبیعتیں ترقی کرتی رہتی ہیں۔ کسی خوبصورت چیز پر ٹھہرتی نہیں اور ان کی ترقی کا سبب اس چیز کے عیوب اور نقائص کو سوچنا یا ایسی چیز کی طلب میں لگنا ہے جو اس سے بھی اہم ہو۔ اسی لیے عارفین کے قلوب اپنے خدا کی طرف ترقی کرتے ہیں اور عبرت کے پل سے گزرتے رہتے ہیں اور اہل غفلت دونوں موقعوں پر جامد رہتے ہیں اور دونوں مقام سے غافل رہتے ہیں جو ان کی قید و بندش اور حیرت کا سبب بنتا ہے۔

اعتراف قصور

مجلس.... مجھ کو ایک ایسا معاملہ پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ضرورت تھی۔ میں نے بھی دعاء کی اور میرے ساتھ ایک دیندار عابد بھی دعاء کرتے رہے۔ جب قبولیت کا اثر ظاہر ہوا تو میرے نفس نے کہا کہ یہ قبولیت اس عابد بندے کی دعاء کے سبب ہوئی ہے نہ کہ تمہاری دعاء سے۔

میں نے کہا کہ بیشک میں اپنے اندر ایسے گناہ اور کوتاہیوں کو پاتا ہوں جو قبولیت دعاء میں مانع ہو سکتے ہیں مگر ممکن ہے میری ہی دعاء قبول ہوئی ہو جس کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ وہ نیک

عابد اپنے متعلق عجز و قصور کا وہ اعتراف نہ رکھتے ہوں جو میں رکھتا ہوں اس لیے کہ میرے پاس اپنے قصور کا اعتراف ہے اور ممکن ہے ان کے پاس اپنے معاملہ پر ناز ہو اور بسا اوقات اعتراف قصور سے حوائج زیادہ برآتے ہیں۔

اگرچہ ہم اور وہ دونوں خدا کے فضل ہی کی بنیاد پر سوال کر رہے تھے اپنے اعمال کی بنیاد پر نہیں لیکن جب میں انکسار کے ساتھ اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنے فضل سے عطاء فرمایئے تو میرے سوال میں کوئی ایسا جز نہیں تھا جس کی بنیاد پر میری دعا قبول نہ کی جاتی اور یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے حسن عمل پر بھی نگاہ ڈالی ہو جو قبولیت میں رکاوٹ کا سبب ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اے نفس! مجھ کو مزید مت توڑ کیونکہ مجھ کو اپنا کسر و قصور کافی ہے اور میرے پاس ایسا علم موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کا ادب اور اعتراف قصور سکھلائے اور اپنے مطلوب کی احتیاج اور خدا تعالیٰ کے فضل کا یقین بتلاوے جو ممکن ہے اس عابد کے پاس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس عابد کی عبادت میں برکت عطا فرمادے اس لیے مجھے اُمید ہے کہ میرا اعتراف قصور زیادہ مقبول ہوا ہوگا۔

ایک دلچسپ اشارہ

مجلس.... میں نے بعض مدعیان علم کے سامنے کچھ نادر نکتے اور دلچسپ حکمتیں بیان کیں لیکن ان کو دیکھا کہ وہ کچھ توجہ نہیں دیتے اور تہہ تک نہیں پہنچتے اور ان کی طرف مائل نہیں ہوتے تو میں ان کو دوسری چیزیں سنانے لگا اور سوچا کہ یہ باتیں ایسے سمجھدار آدمی کے سامنے بیان کرنی چاہئیں جو ان کو پیاسے کی طرح سنے پھر اس سے ایک اشارہ نکالا۔ اگر یہ شخص میری بات سمجھتا اور اس پر میری تعریف کرتا تو خود اس کی قدر میرے دل میں زیادہ ہو جاتی اور میں اس کو اپنے دوسرے اچھے کلام اور اچھی کتابیں دکھلاتا لیکن جب میں نے اس کو اہل نہیں دیکھا تو اس سے رُخ پھیر لیا اور توجہ ہٹالی تو اس سے یہ اشارہ نکالا کہ:

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو تصنیف کیا ان کو بہترین ترتیب دی اور مضبوطی عطا کی پھر اہل عقل کے سامنے ان کو پیش فرمایا۔ اب جس عقلمند نے نورِ فہم سے ان کو دیکھا اور سمجھا تو اس کے سمجھنے کے بقدر اس کی مدح کی گئی اور مصنف تعالیٰ نے اس کو محبوب بنالیا۔

اسی طرح اس نے قرآن کریم اتارا جو عجیب عجیب حکمتوں پر مشتمل ہے جس نے اس کو فہم کے ذریعے سمجھا اور فکر کی خلوت میں اس پر غور کیا وہ متکلم کی خوشنودی حاصل کرلے گا اور اس کا قرب پا جائے گا اور جس کا ذہن حسیات میں ڈوبا رہا وہ اس مقام سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ.

''میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔''

عالی ہمتی

مجلس... ایک دن میں نے دعاء کی اے اللہ! علم وعمل کی میری تمام تمنائیں پوری فرما دیجئے اور میری عمر اتنی طویل فرما دیجئے کہ میں علم وعمل کے اس مرتبہ پر پہنچ سکوں جس کی مجھ کو خواہش ہے۔

اس پر ابلیس کا وسوسہ مجھ کو تنگ کرنے لگا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا پھر موت نہیں آ جائے گی۔ لہٰذا طولِ حیات سے کیا فائدہ؟ میں نے کہا اے بیوقوف! اگر تو میرے سوال کی تہ تک پہنچتا تو تجھے پتہ چل جاتا کہ میرا سوال عبث نہیں تھا۔ کیا ہر روز میرا علم اور میری معرفت بڑھتی نہیں جا رہی ہے؟ جس سے میرا ثواب بڑھ رہا ہے اور ثواب کی قدر اس کے پانے کے وقت ہوگی۔

کیا میں اس پر راضی ہو سکتا ہوں کہ بیس سال کی عمر میں مر جاتا؟ نہیں! کبھی نہیں! کیونکہ اس وقت مجھ کو آج کی معرفت کا عشر عشیر بھی نہیں حاصل تھا اور یہ ثمرہ ہے اس زندگی کا جس میں میں نے وحدانیت کے دلائل فراہم کیے ہیں اور (امور معرفت میں) تقلید کی پستی سے نکل کر بصیرت کی چوٹی پر پہنچا ہوں اور مجھ پر ایسے علوم کھلے ہیں جن سے میرا مرتبہ بڑھا ہے اور میں باوزن ہو گیا ہوں۔

اسی طرح آخرت کا بھی فائدہ ہوا اور طلبہ کو علم دین سکھلا کر میری تجارت آخرت میں مزید استحکام بھی ہوا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا.

''اور کہیے کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرماتے رہیے۔''

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَایَزِیْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُہٗ اِلَّا خَیْراً.

''مؤمن کی عمر اس کی نیکیوں ہی میں اضافہ کرتی ہے۔''

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ السَّعَادَۃَ اَنْ یُّطَوَّلَ عُمُرُ الْعَبْدِ وَیَرْزُقَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ الْاِنَابَۃَ.

''نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ بندے کی عمر طویل کردی جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائیں۔''

پس کاش! مجھ کو عمر نوح مل جائے کیونکہ علوم بہت ہیں اور علم جتنا بھی حاصل ہوگا رفعت کا اور فائدہ کا سبب بنے گا۔

سبب پر اکتفاء نہ کرنا چاہیے

مجلس.... عارفین کے قلوب اگر اسباب سے کچھ بھی تعلق کرتے ہیں تو خدا کو غیرت آتی ہے۔ اگر چہ اسباب کو دل میں جگہ نہ دیں کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے سب سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی ضرورتوں کا کفیل ہو گیا ہے۔

چنانچہ جب بھی انہوں نے اسباب پر نظر کی تو ان کا اثر مٹا دیا گیا۔

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا.

''اور جنگ حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا تو اس کثرت نے تمہیں کچھ نہیں پہنچایا۔''

غور کرو! حضرت یعقوب علیہ السلام کے حال پر اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی احتیاط پر کہ بیٹوں سے فرمایا ''اَخَافُ اَنْ یَّأْکُلَہُ الذِّئْبُ'' (مجھے ڈر ہے کہیں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے) پھر بیٹے یہی بہانہ لے کر آئے ''اَکَلَہُ الذِّئْبُ'' (اسے بھیڑیا کھا گیا)

اور جب کشادگی کا وقت آیا اور ''یہودا'' یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر چلے تو آپ کو اس کی بو پہلے ہی پہنچ گئی (سبب کی محتاج نہ ہوئی) ''اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ'' (مجھے

یوسف کی بو محسوس ہو رہی ہے) اسی طرح یوسف علیہ السلام کا ساقی سے کہنا "اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ" (اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا) اس پر آپ سے عتاب ہو گیا اور سات سال مزید قید رہنا پڑا۔ حالانکہ یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ چھٹکارا اللہ کی مرضی سے ہی ہو سکتا ہے اور اسباب کا اختیار کرنا بھی مشروع ہے مگر غیرتِ خداوندی نے عتاب فرمالیا۔

اسی قبیل سے حضرت مریم کا قصہ ہے: "وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا" (اور مریم کی کفالت کی زکریا نے) اللہ تعالیٰ کو اس سبب سے تعلق پر غیرت آئی۔ "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا" (جب بھی مریم کے پاس محراب میں زکریا جاتے ان کے پاس خدا کی نعمتیں پاتے)

اور اسی قبل سے وہ حدیث ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَبَى اللّٰهُ اَنْ يَّرْزُقَ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ اِلَّا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

"اللہ اپنے مومن بندے کو ایسے ہی مقام سے رزق عطا فرماتا ہے جس کا اسے گمان نہ ہو۔"

لیکن اسباب کی مثال ایسے راستہ کی ہے جس پر چلے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ عارف اسباب کو دل میں جگہ نہیں دیتا جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اسباب کی ایسی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جو دوسروں پر نہیں ہو پاتی اور وہ یہ ہے کہ اسباب دل لگانے کی چیز نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ان کی طرف میلان پر بھی عارف سے مواخذہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ میلان کو بھی دل سے قبول نہیں کرتا۔ مگر

مقرباں را بیش بود حیرانی

غور کرو حضرت سلیمان علیہ السلام سے عتاب پر جب آپ نے کہہ دیا تھا:

لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى مِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا.

"آج رات سو بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر عورت ایک لڑکا جنے گی۔"

اور ان شاء اللہ نہیں کہا تھا کہ کسی عورت کو بھی حمل نہ ہوا۔ البتہ صرف ایک بیوی سے ناتمام بچہ ہوا۔ دراصل مجھ کو ایک ایسی حالت پیش آئی جس میں سبب اختیار کرنے کی ضرورت تھی لیکن اس میں یہ قباحت بھی تھی کہ اس کے لیے بعض ظالم حاکموں سے ملنا اور ان کی خاطر کچھ کہنا پڑتا۔ میں ابھی اسی فکر میں تھا کہ ایک قاری میرے پاس آئے اور انہوں

نے قرآن کی تلاوت کی جس سے میں نے فال نکالی وہ پڑھ رہے تھے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ.

"اور ظالموں کی طرف نہ مائل ہو کہ آگ تم کو پکڑ لے اور اللہ کے سوا تمہارے لیے مددگار نہ رہیں گے۔ پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی۔"

میں اپنے خیال کا یہ جواب پا کر مبہوت ہو گیا اور اپنے نفس سے کہا کہ اسے سن لے۔ میں نے اس مدارات کے ذریعہ نصرت چاہی تھی تو مجھ کو قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اگر میں کسی ظالم کی طرف مائل ہوا تو مجھ سے وہ نصرت ہٹالی جائے گی جس کے لیے میں ان کی طرف مائل ہو رہا تھا۔

کس قدر خوبی ہے اس کے حق میں جس نے مسبب کو پہچانا اور اس سے تعلق جوڑا کیونکہ وہی غایت قصویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایمان اور گناہ

مجلس.... مؤمن گناہوں پر اصرار نہیں کرسکتا۔ ہاں کبھی خواہش غالب ہو جاتی ہے اور شہوت کی آگ بھڑک جاتی ہے تو ذرا اپنے مرتبہ سے نیچے اُتر آتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایسا ایمان ہے جو گناہوں سے بغض پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا نہ اس سے گناہوں کا پختہ ارادہ ہوسکتا ہے اور نہ فراغت کے بعد دوبارہ کرنے کا عزم ہوسکتا ہے۔ وہ اگر کسی سے ناراض ہوتا ہے تو زیادہ انتقام نہیں لیتا اور لغزشوں سے پہلے ہی توبہ کی نیت رکھتا ہے۔

غور کرو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حال پر کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دور کرنے سے پہلے ہی توبہ کا بھی عزم کرلیا۔ چنانچہ پہلے کہا "اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ" (یوسف کو مار ڈالو) پھر اس کو بڑا گناہ تصور کر کے کہا "اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا" (اس کو کہیں دور دراز علاقہ میں چھوڑ آؤ) پھر انابت ہوئی تو کہا "وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِيْنَ" (اس کے بعد تم لوگ نیکوکار ہو جانا)

اسی طرح جب آپ کو صحرا میں لے گئے اور حسد کے تقاضے سے قتل کرنا چاہا تو بڑے بھائی نے کہا "لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ" (یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو) اور اس میں بھی یہ خواہش نہیں کی کہ مر جائیں بلکہ "يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ" (اسے کوئی قافلہ لیتا جائے) پھر یہی کیا بھی۔

ان احوال کا سبب یہ ہے کہ ایمان اپنی قوت کے بقدر لوگوں کو گناہوں سے روکتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو خیال ہی کے وقت روک دیتا ہے اور کبھی کمزور ہونے کے سبب عزم مصمم کے وقت روکتا ہے اور اگر غفلت غالب ہی ہو جائے اور گناہ صادر ہو جائے تو طبیعت سست پڑ جاتی ہے اس وقت عمل کے لیے اُٹھاتا ہے اور کیے پر ندامت کے سبب اس گناہ سے حاصل ہونے والی لذت بہت کم ہو جاتی ہے۔

اپنے علم پر اکتفاء اور خود رائی گمراہی ہے

مجلس.... سب سے افضل مشغلہ علم میں اضافہ کرنا ہے کیونکہ جو شخص اپنے علم پر اکتفاء کر لیتا ہے اور اس کو کافی سمجھ لیتا ہے وہ خود رائے ہو جاتا اور اپنی تعظیم اس کے لیے استفادہ سے مانع ہو جاتی ہے۔ پھر مذاکرہ و بیان کے وقت اس کی خطائیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اب اگر وہ لوگوں کے نزدیک معزز بھی ہوا تو دوسروں کو اس کی غلطی پر ٹوکنے کی جرأت نہیں ہو پاتی۔ (لہٰذا وہ جاہل ہی رہ جاتا ہے)

حالانکہ اگر وہ استفادہ کا اظہار کرتا تو اس کی غلطیوں پر تنبیہ کر دی جاتی ہے اور وہ ان سے رجوع کر لیتا۔

ابن عقیل نے ابوالمعالی جوینیؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات کا صرف اجمالی علم ہے تفصیل نہیں جانتے۔

پتہ نہیں اس مسکین کو کیا شبہ پیش آ گیا کہ اس نے ایسا کہہ دیا۔

اسی طرح ابوحامد نے کہا کہ "نزول کے معنی منتقل ہونا اور استواء کے معنی مماسہ ہے۔ میں کیسے ان کو فقیہ مان لوں اور ان کو زاہد سمجھ لوں؟ جبکہ انہیں یہی پتہ نہیں کہ اللہ پر کن باتوں کا اطلاق درست

ہے (اور کن کا نہیں) اگر یہ لوگ اپنی تعظیم کا خیال ترک کردیتے (اور کسی سے استفادہ کر لیتے) تو مکتب کے بچے بھی ان کی رائے رد کردیتے اور ان کے سامنے اپنی غلطی واضح بھی ہو جاتی۔

اسی طرح ابوبکر بن مقسم بھی ہیں کہ انہوں نے فن قرأت میں ''کتاب الاحتجاج'' لکھی ہے اس میں اگرچہ بہت سے فوائد بھی ہیں لیکن نقص علم کے سبب خرابیاں بھی ہیں۔ مثلاً جو قرأت ناجائز تھی اس کو بھی جائز لکھ دیا اور مزید خرابی کرتے ہوئے ایسی باتیں بھی لکھ دیں جن سے معنی فاسد ہو جاتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا'' (پھر یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یامین سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر سرگوشی کرنے لگے) اس پر لکھا کہ ''اس موقع پر ''نَجِيًّا'' کہنا بالکل مناسب ہے جس کا مطلب یہ ہوگا ''خَلَصُوا كِرَامًا بُرَآءَ مِنَ السَّرِقَةِ'' (سب کے سب عزت کے ساتھ چوری سے بری ہو کر چھوٹ گئے)

حالانکہ یہ تفسیر قصہ کے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ جس کو سرقہ کی طرف منسوب کیا گیا (بن یامین) اس کے پاس سے چوری کا سامان برآمد ہو گیا پھر بقیہ بھائیوں کا چھٹکارا کیا سود مند ہوگا؟ جبکہ قصہ کا سیاق یہ ہے کہ وہ سب سے الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے اور باپ کے پاس کیسے لوٹ کر جائیں جبکہ بھائی قید ہو گیا ہے لہٰذا یہاں نجات کے کیا معنی ہوئے؟

اور جس نے ان کی کتاب میں اس طرح کی لغزشوں پر غور کیا بے شمار غلطیاں پاوے گا۔ اگر وہ اپنے وقت کے علماء سے رجوع کر لیتے اور اپنی تعظیم کا خیال چھوڑ دیتے تو ان کو راہِ صواب معلوم ہو جاتی مگر آدمی کا اپنے علم پر اکتفاء کرنا جبکہ اس میں خودرائی بھی شامل ہو اپنے کو راہِ صواب سے محروم کرنا ہے۔ ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ''

اے صاحبِ تقویٰ

مجلس.... میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیا:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَاتَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ.

''یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ اسلام لائے کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان

مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی۔"

تو اس کے اندر ایک عجیب نکتہ نظر آیا۔ وہ یہ کہ چونکہ ان لوگوں کو اس عقل سے نوازا گیا تھا جس سے انہوں نے بتوں کی خرابی سمجھی تھی اور اس کا یقین کیا تھا کہ بت عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اپنی عبادتوں کا رُخ اس ذات کی طرف پھیر لیا تھا جو تمام مخلوقات کی خالق ہے اس لیے یہ معرفت اس عقل موہوب کا نتیجہ ہوئی جس سے وہ جانوروں سے ممتاز ہوئے ہیں۔ پھر جب اپنی عقل موہوب کی رہبری سے ایمان لا چکے تو اسی موہوب عقل کا مرتبہ بھلا بیٹھے اور اس کے عطاء خداوندی ہونے سے غافل ہو گئے۔

بھلا سوچو! کہ پھل (ایمان) کیسے ان کی مِلک ہو سکتا ہے جبکہ درخت (عقل) ان کی مِلک میں نہ ہو؟

پس اسی طرح ہر عبادت گزار اور عالم جس نے بیداری اور تیقظ کے نور سے فہم کی قوت سے اور عقل کی رہنمائی سے راہِ صواب دیکھی ہو اور مطلوب تک پہنچا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس ذات کا شکر ادا کرے جس نے طبعی تقاضوں کی تاریکی میں اس کے لیے روشنی پیدا فرمائی۔ چنانچہ اسی قبیل سے ان تین آدمیوں کا قصہ بھی تھا جو غار میں داخل ہوئے تو غار کے منہ پر ایسی چٹان گر پڑی جس نے ان کے نکلنے کی راہ مسدود کر دی پھر انہوں نے کہا تھا کہ آؤ ہم اپنے اچھے اعمال سے توسل کریں پھر ہر ایک نے اپنا اپنا عمل بیان کیا (اور دعاء کی لہٰذا چٹان ہٹ گئی اور یہ لوگ بخیریت واپس آ گئے) یہ لوگ اس وقت اگر غلطیوں سے بچا لینے والی ذات کے انعام پر نظر ڈالتے اور (اپنے اعمال کے بجائے) اس کے اس انعام سے توسل کرتے جو دوسروں کے بجائے خاص انہی پر ہوا تھا تو اس سے بھی ان کی بات خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتی لیکن چونکہ انہوں نے اپنے افعال پر نظر کی اور یہ گمان کر کے کہ ہم نے ہی وہ فعل کیا تھا اس کے بدلے کے منتظر ہوئے اس لیے وہ اہل غیبت ہوئے اہل حضور نہیں اور ان کی دعائیں اس لیے قبول کر لی گئیں تا کہ خدا تعالیٰ پر ان کی ہمیشہ کی منت (احسان جتلانا) ختم ہو جائے۔

اسی طرح وہ صاحب تقویٰ بھی ہے جو اپنے تقویٰ پر نظر کر کے یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت سے

لوگوں سے افضل ہے پھر وہ دوسرے گنہگاروں کو حقیر سمجھتا ہے اور ان پر اپنی بڑائی جتلاتا ہے حالانکہ یہ اس کی طریق سلوک سے ایسی غفلت ہے، جو اسے صراط مستقیم سے بھٹکا دیتی ہے۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اپنے نفس کی تذلیل کے لیے فاسقوں سے میل جول کرلو، نہیں بلکہ باطن میں ان کے افعال سے بغض رکھو اور ظاہر میں ان سے اعراض کرو لیکن اسی کے ساتھ ان کے سلسلے میں تقدیری فیصلوں کو بھی دیکھو کہ اکثر گنہگار اس ذات کی معرفت نہیں رکھتے جس کی وہ نافرمانی کرتے ہیں اور بہت سے قصداً نافرمانی نہیں کرتے بلکہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی موافقت کا خیال کرتے ہیں اور ان پر قصداً نافرمانی کرنا بڑا شاق ہوتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے حلم وعفو کا تصور زیادہ غالب ہے۔ لہٰذا وہ عفو کے شدید یقین کے سامنے اپنے گناہوں کو معمولی خیال کر لیتے ہیں۔

یہ سب چیزیں اگرچہ ان کی طرف سے عذر نہیں ہیں (کہ ان کی بنیاد پر ان کو معاف کر دیا جائے گا) لیکن: "اے صاحب تقویٰ! تم ان چیزوں پر غور کرو تاکہ تمہیں اس کا یقین ہو جائے کہ تمہارے خلاف حجت ان کے خلاف حجت سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ تم اس ذات کی معرفت رکھتے ہو جس کی نافرمانی کرتے ہو اور اس گناہ کو جانتے ہو جس کو کرنے جا رہے ہو۔

بلکہ تم اس پر نظر رکھو کہ قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ ممکن ہے دائرہ گھوم جائے تو تم منقطع ہو جاؤ اور منقطع واصل ہو جائے۔"

بڑا تعجب ہے اس شخص پر جو کسی بھلی بات کو معلوم کر کے ناز کرتا ہے اور اس ذات کو بھولا رہتا ہے جس نے انعام فرمایا اور اس کے جاننے کی توفیق عطا کی۔

اہل کلام، اہل ظاہر اور جاہل اہل تصوف کا فتنہ

مجلس.... اس کا یقین رکھو کہ ہماری شریعت کے سارے اصول مضبوط اور سارے قواعد واحکام محفوظ ہیں۔ اس میں نہ کچھ خلل ہے نہ کسی کا کچھ دخل اور یہی حال پچھلی شریعتوں کا بھی تھا لیکن اہل بدعت اور جاہلوں سے دین میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو نصاریٰ کو پیش آیا کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک

پر مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے (فاعل کے بجائے) اس خارق عادت فعل پر نظر ڈالی جو کسی انسان کے بس میں نہ تھا۔ لہٰذا ایسے خوارق کے مظہر کو الٰہیت کی طرف منسوب کر دیا۔ اگر وہ آپ کی ذات پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آپ کا جسم بھی بشری اور فطری تقاضوں کا محتاج تھا اور اتنی ہی بات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ آپ الٰہ بننے کے اہل نہ تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ آپ کے دست مبارک پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ کسی اور کا فعل تھا۔

اسی طرح یہ (بدعت یا جہالت) احکام میں بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ نصاریٰ پر ایک ماہ کا روزہ فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنی رائے سے بیس دن کا اضافہ کر لیا اور اس کو سال کے ایک خاص موسم کے ساتھ مخصوص کر لیا۔

اور یہود نے بھی اصول و عقائد اور احکام و مسائل میں کمی زیادتی کی۔ ہماری اس اُمت کی گمراہیاں بھی انہی قوموں کی ضلالت اور گمراہی کی طرح ہوتی جا رہی ہیں۔ اگرچہ اس میں سے اکثر افراد شرک، شک و شبہ اور شریعت کی کھلی مخالفت سے محفوظ ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس اُمت کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں زیادہ عقل و فہم عطا ہوئی ہے۔

شیطان نے ان کو یہودیوں اور نصرانیوں کے قریب پہنچا دیا ہے پھر بھی اب تک مجموعی طور پر سب کے غرق کر دینے کی اُمید پوری نہ کر سکا صرف چند فرقوں کو گمراہی کے سمندر میں غرق کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

چنانچہ ان کی گمراہیوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب لے کر آئے جس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے "مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" (ہم نے کتاب میں کسی بات کے بیان کرنے میں کچھ کمی اور کوتاہی نہیں کی) اور قرآن کریم کی جن باتوں کا سمجھنا مشکل تھا یعنی جن کے بیان کی ضرورت تھی ان کو اپنے اقوال و افعال سے واضح فرما دیا۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کریں وہ آیتیں جو ان کی طرف اتاری جا رہی ہیں) پھر آپ نے بیان و تشریح کے بعد فرمایا "تَرَكْتُكُمْ عَلٰى بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ" (میں نے تمہیں صاف اور روشن شریعت پر چھوڑا ہے) لیکن ایک قوم آئی

(یعنی اہل کلام) اور اس نے آپ کے بیان وتشریح پر قناعت نہ کی اور آپ کے اصحاب کے طریقہ پر راضی نہ ہوئی بلکہ بحث وتحقیق شروع کی اور کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان عقائد کو چھیڑا جن کو لوگوں کے دلوں میں جمانے اور راسخ کردینے کے لیے صاحب شریعت نے بہت محنت کی تھی لیکن ان لوگوں نے دلوں سے ان کو محو کرنے کی کوشش کی کیونکہ قرآن وحدیث میں اللہ عزوجل کو ایسے اوصاف کے ساتھ ثابت کیا گیا جو اس کے وجود کو دلوں میں راسخ کردیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" (پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا) اور آپ کا ارشاد "بَلْ یَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ" (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) اور یہ ارشاد "وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ" (اور میری آنکھوں کے سامنے بناؤ) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے" اپنا ہاتھ گنہگاروں کی طرف بڑھاتا ہے" اور "غضبناک ہوتا ہے" وغیرہ یہ ساری نصوص اگرچہ بظاہر تشبیہ کا تصور پیدا کرتی ہیں لیکن ان سے مقصود ایک موجود ذات کو دلوں میں جمانا اور راسخ کرنا تھا پھر جب شریعت نے ان توہمات کو محسوس کیا جو ان نصوص کے سننے سے لوگوں کے دلوں میں راہ بنانے لگے تو اسے یہ کہہ کر ختم کردیا "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" (اس کے مثل کوئی چیز نہیں)

پھر اس جماعت نے قرآن کریم کے متعلق جو سب سے بڑا معجزہ ہے حدود سے تجاوز کیا حالانکہ شریعت نے اس کے وجود کو بھی دلوں میں راسخ کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ" (یقیناً ہم نے اسے اتارا ہے) "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ" (اسے روح الامین لے کر اترے) "فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ" (پس چھوڑ دیجئے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں) "وَهٰذَا کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ" (اور یہ ایسی کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے) اور اس کا دلوں میں ہونا یہ ارشاد فرما کر ثابت کیا "فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ" (ان لوگوں کے سینوں میں ہے جنہیں علم سے نوازا گیا) اور مصاحف میں ہونا یہ فرما کر ثابت کیا "فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ" (ہر اعتبار سے محفوظ تختی میں لکھا ہے) اور اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "لَاتُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ اِلٰی اَرْضِ

الْعَدُوِّ" (قرآن شریف ساتھ لے کر حربیوں کے ملک کی طرف سفر نہ کرو)

لیکن انہوں نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے دلوں سے قرآن کا احترام نکال دیا اور انہوں نے کہا کہ قرآن نازل نہیں ہوا۔ بھلا قرآن کا نزول کیسے متصور ہوسکتا ہے؟ کیا صفت اپنے موصوف سے جدا ہوسکتی ہے۔ مصحف میں تو روشنائی اور ورق ہے۔ گویا شریعت نے جس کو ثابت کرنے کی محنت کی انہوں نے اس کو مٹانے کی کوشش کی۔

اور انہی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہے اور اس کے حق میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عرش پر مستوی ہوا اور نہ یہ کہ وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے بلکہ اس سے مراد اس کی رحمت کا نزول ہے یہ سب کہہ کر دلوں سے اس چیز کو مٹا دیا جس کو دلوں میں جمانے کا ارادہ کیا گیا تھا یعنی شریعت کے مقصود کے خلاف کیا۔

کچھ اور لوگ پیدا ہوئے (یعنی اہل ظاہر) انہوں نے بھی شریعت کی تحدیدات پر توقف نہ کیا بلکہ اس میں اپنی رائے کو دخل دیا۔ چنانچہ کہا "اللہ عرش پر رہتا ہے" ان سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر قناعت نہ ہوسکی "اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ"

ان کے لیے ان کے سابقین نے بہت سی تحقیقات چھوڑی ہیں اور ملاحدہ نے ان کے لیے بہت سی احادیث وضع کی ہیں اور وہ اس سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کن باتوں کا اطلاق وحمل درست ہے اور کن کا نہیں۔ لہٰذا ان احادیث سے خدا تعالیٰ کی صفات ثابت کیں۔ درانحالیکہ ان حدیثوں میں صحیح احادیث لغت عرب کے توسع کے اعتبار سے وارد ہوئی ہیں لیکن انہوں نے ان کو ظاہر پر محمول کرلیا۔

ان کی مثال ضرب المثل میں جح نامی ایک شخص جیسی ہوگئی جس کی ماں نے اس سے کہا تھا "اِحْفَظِ الْبَابَ" دروازہ کی حفاظت کرنا اس نے دروازہ اکھاڑا اور لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ماں کے گھر میں جو کچھ تھا سب چوری ہوگیا۔ جب ماں کو معلوم ہوا تو اس نے لعنت ملامت کی تو آپ فرماتے ہیں کہ تم نے دروازہ کی حفاظت کا حکم دیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ گھر کی حفاظت کرنا۔

چونکہ انہوں نے عرش پر کسی عظیم صورت کا تصور باندھ لیا ہے اس لیے ان نصوص میں تاویل

کرنے لگے جو اس کے عرش پر وجود کے منافی ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً.

''جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر بڑھتا ہوں۔''

اس پر انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں مراد قربت حقیقی نہیں ہے بلکہ مرتبہ کا قرب مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کہتے ہیں:

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ. ''مگر یہ کہ اللہ ان کے پاس آ جائے بدلیوں میں''

کہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس سے مراد ذات کا آنا ہے۔

بس ان کی مثال ''هُمْ یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا'' کہ ایک سال اس کو حلال کرتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرام قرار دیتے ہیں۔

اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر لی ان کو یہ لوگ صفات کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے روح اور نفخ کی نسبت اپنی طرف سے کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ ثابت کیا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس میں اگر وہ کہتے ہیں کہ ان کو اپنی قدرت سے پیدا کیا تو اس کا انکار مشکل تھا لیکن انہوں نے یہ کہا کہ خلق بالید ایسی صفت ہے جو دوسری مخلوقات کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے ورنہ پھر آدم کی فضیلت کیا ہوگی؟ مگر آدم کی فضیلت پر نظر کرنے میں انہیں اس بات کی طرف سے ذہول ہو گیا کہ اللہ کے لیے کون سے افعال مناسب ہیں اور کون سے نہیں کیونکہ اس پر مس یعنی چھونے اور آلات کے ذریعے کام کرنے کا اطلاق درست نہیں ہے۔

اور چونکہ حضرت آدم کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر لفظ صورت کا اطلاق کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ. ''آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔''

ان لوگوں نے اتنے سے جز کو کل حدیث سمجھ لیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ارشاد یہ ہے:

اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْهَ وَلَا یَقُلْ قَبَّحَ اللّٰهُ وَجْهَکَ وَلَا وَجْهًا اَشْبَهَ وَجْهَکَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ.

اب اگر اس سے مراد اللہ عزوجل ہیں تو پھر اللہ کا چہرہ اس بحث کرنے والے کے چہرے کے مشابہ ہونا چاہیے اس لیے کہ حدیث ایسی ہی وارد ہوئی ہے۔ "وَلَا وَجْهًا اَشْبَهَ وَجْهَكَ" اور ان لوگوں نے خولہ بنت حکیم کی روایت نقل کی "وَاِنَّ اٰخِرَ وَطْئَةٍ وَطِئَهَا اللّٰهُ بِوَجٍّ" (سب سے آخری روندنا جسے اللہ نے روندا مقام وج میں ہوا) انہیں نہ تاریخ کی خبر نہ غزوات وغیرہ کی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ" (اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈالئے) اور نہ وہ یہ جانتے کہ اس سے مراد آخری جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے مقام وج میں قتال کیا اور وہ غزوہ حنین ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم خبر کو ظاہر پر محمول کریں گے اور مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو روندا ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے زمین پر تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا اور ایسے ہی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے متعلق کہا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا. "اللہ نہیں اکتائے گا تم ہی اکتا جاؤ گے۔"

کہ اللہ کو اکتاہٹ کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے۔ یہاں انہوں نے لغت سے بھی جہالت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ اگر "حتّٰی" یہاں غایت کے لیے ہوگا تو مدح نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ جب کسی بھی وقت اکتا سکتا ہے ملول ہو سکتا ہے تو پھر مدح کیا ہوئی؟ بلکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

جَلَبَتْ مِنِّىْ هُذَيْلٌ بِخَرْقٍ لَا يَمِلُّ الشَّرُّ حَتّٰى يُمِلُّوْا.

"قبیلہ ہذیل نے مجھ سے چند ٹکڑے چھین لیے شر نہیں اکتاتا خواہ لوگ اکتا جائیں۔"

یعنی شر نہیں اُکتا سکتا چاہے لوگ اُکتا جائیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے متعلق کہا:

اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ تَتَعَلَّقُ بِحَقْوَىِ الرَّحْمٰنِ

"رحم رحمٰن کی ایک شاخ ہے جو اس کی کوکھ سے لگی ہوئی ہے۔"

کہ کوکھ خدا کی ذات کی صفت ہے۔

اور وہ ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کو اگر نقض وضو کے لیے بیان کیا جائے تو

مقبول نہ ہوں گی بلکہ اکثر کو تو ملاحدہ نے وضع کرلیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی جاتی ہے کہ ''اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ملائکہ کو اپنے دونوں ہاتھ اور سینے کے نور سے'' اس کو بیان کرکے کہا کہ اسے ہم ظاہر پر محمول کریں گے۔

ان سب کے ساتھ عوام کو خوش کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء و جوارح کو نہیں ثابت کرتے گویا ان کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں کہ فلانا کھڑا ہے اور نہیں کھڑا ہے۔

اسی طرح ان میں ایک اختلاف یہ ہے کہ اللہ پر اس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کہ وہ بیٹھا ہے یا کھڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قَائِمًا بِالْقِسْطِ'' (ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا) واقعی یہ لوگ فہم میں ''جحا'' نامی شخص سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ''قَائِمًا بِالْقِسْطِ'' میں قائم سے مراد کھڑا ہونے والا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ''اَلْاَمِیْرُ قَائِمٌ بِالْعَدْلِ'' (امیر ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا ہے)

میں نے ان کے بعض اقوال ذکر کردیئے تاکہ کوئی شخص ان کی طرف مائل نہ ہوجائے۔ ان سے بہت بچ کر رہو نہ ان کے پاس تفقہ ہے اور نہ ہی عبادت کا ذوق ہے۔

بیشک راستہ حضرات سلف ہی کا درست ہے (جس پر بے خطر چلا جاسکتا ہے) اس کے باوجود میں تم سے کہتا ہوں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''آدمی کے علم میں کمی کی علامت یہ ہے کہ وہ باب دین میں رجال کو حجت بنائے'' اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ لوگوں کے نزدیک کسی صاحب عظمت شخصیت سے تم عقائد کے سلسلے میں کچھ سن لو اور فوراً تقلید کرنے لگ جاؤ۔

البتہ اگر تم کسی بڑی شخصیت کے بارے میں ایسی بات سنو جو اصول صحیحہ کے موافق نہ ہو تو (فوراً ان سے بدگمان نہ ہوجاؤ بلکہ یہ) سوچ لو کہ راوی سے غلط فہمی ہوگئی ہے اس لیے کہ اس امام کے بارے میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتا اور اگر ہم فرض کرلیں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح بھی ہو تو عقائد میں کسی کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ حتیٰ کہ حضرات شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی نہیں۔ یہی وہ اصل ہے جس پر اپنے دین کی بناء رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا کسی بڑی شخصیت کا نام تمہیں دہشت میں نہ ڈال دے۔

اس تشریح سے مقصود یہ ہے کہ ہمارا دین ہر طرح سے محفوظ دین ہے لیکن کچھ لوگوں

نے اس میں ایسی باتیں داخل کرنے کی کوشش کی ہے جن سے ہمیں نقصان پہنچا۔

چنانچہ جاہل زاہدوں نے بھی دین میں ایسی چیزیں داخل کر رکھی ہیں جو لوگوں کو دین سے دور کر دیں۔ حتیٰ کہ لوگ ان کے افعال کو دیکھ کر (صحیح) طریق وسلوک کو دشوار سمجھنے لگتے ہیں اور اس غلط طریق کی سب سے زیادہ رہنمائی کرنے والے قصہ گو واعظ ہیں کیونکہ عام آدمی جب ان کی مجلس میں پہنچتا ہے جس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں جانتا یہ لوگ اس سے جنید کے دقائق اور شبلی کے اشارات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھتا ہے کہ عمل کا طریقہ یہ ہے کہ گوشہ اختیار کرو بال بچوں کے لیے کھانا کمانا ترک کرو اور خلوت میں بیٹھ کر حق تعالیٰ سے مناجات کرتے رہو جبکہ اس کا حال یہ ہوتا ہے نماز کے ارکان تک سے ناواقف ہے علم نے ابھی اس کی تادیب نہیں کی ہے اور علماء کی صحبت نے اس کے اخلاق کو سنوارا نہیں ہے اور ایسے شخص کو اپنی خلوت سے کیا ملتا ہے؟ بس وہی جو گدھے اور گھوڑے کو اصطبل سے مل جاتا ہے۔

اور اگر کھانے پینے اور سونے میں کمی کرتے ہوئے اس پر کچھ مدت گزر گئی تو اس کی خشکی اور یبوست بڑھ جاتی ہے پھر مالیخولیا اس کے لیے کچھ صورتیں مخیّل کر دیتا ہے جنہیں وہ ملائکہ سمجھ بیٹھتا ہے پھر اپنا سر جھکا لیتا ہے اور دست بوسی کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے۔

ہم نے کتنے کسانوں کو دیکھا کہ کھیتی وغیرہ چھوڑی اور گوشہ میں بیٹھ رہے پھر اسی کے ہو کر رہ گئے اور تعب ومشقت سے راحت پا گئے۔ اب اگر ان سے کہا جائے کہ مریض کی عیادت کر لیجئے تو کہتے ہیں مجھے اس کی عادت نہیں ہے' اللہ کی لعنت ہو ایسی عادت پر جو شریعت کے خلاف ہو۔

اور عوام ان واقعات وحکایات کو دیکھ کر جنہیں یہ قصہ گو بیان کرتے ہیں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شریعت کا راستہ یہی ہے وہ نہیں ہے جس پر فقہاء کرام ہیں پھر وہ گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔

ان جاہل زاہدوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اس کی پرواہ نہیں رہتی کہ شریعت پر عمل ہوا یا نہیں پھر یہ جہلاء مختلف مسلک کے ہیں۔

بعض تو اباحت کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ کا معارضہ نہیں کیا

جا سکتا (خواہ خلاف شریعت حکم کرے) اور معاصی میں منہمک رہتے ہیں۔

اور بعض اپنی ناموس کی حفاظت کی فکر میں رہتے ہیں۔ لہٰذا بغیر علم کے فتویٰ دیدیتے ہیں تاکہ یہ نہ کہا جائے "اَلشَّیْخُ لَا یَدْرِیْ" (شیخ کو یہ مسئلہ نہیں معلوم)

خود مجھ سے شیخ ابو حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ شریف دحالی جو بڑے بزرگ مشہور ہیں اور لوگ ان کی زیارت کرتے اور ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں میں ان کے پاس موجود تھا مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ مطلقہ ثلاثہ کے اگر لڑکا ہو جائے تو کیا وہ حلال ہو جاتی ہے؟ میں نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں تو مجھ سے شریف دحالی نے کہا۔ خاموش رہو کیونکہ میں نے لوگوں کو یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ یہاں سے لے کر بصرہ تک حلال ہو جائے گی (یعنی بالکل حلال ہو جاتی ہے)۔

اور شیخ ابو حکیم ہی نے مجھ سے بیان کیا کہ آزاد حداد کے دادا جن پر علم کا نام لگا ہوا تھا ان کے پاس ایک عورت آئی انہوں نے اس کا ایک مرد سے نکاح کر دیا اور عدت گزرنے کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، شہر کے قاضی نے اس عورت پر اعتراض کیا اور دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور نکاح کرنے والے پر نکیر کی۔ ابو حکیم کہتے ہیں کہ وہ عورت ان شیخ سے ملی اور عرض کیا اے میرے آقا! میں جاہل عورت ہوں پھر آپ نے میرا نکاح (اس طرح) کیسے کر دیا؟ تو آپ فرماتے ہیں ان لوگوں کی بات چھوڑو تم تو بالکل پاک صاف ہو۔

اور مجھ سے ایک فقیہ نے بیان کیا کہ ایک عبادت گزار سالہا سال سے نماز میں سجدہ سہو کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ سے نماز میں سہو نہیں ہوتا بس میں احتیاطاً سجدہ کر لیتا ہوں۔ ان فقیہ نے ان سے کہا کہ تمہاری تمام نمازیں فاسد ہو گئیں کیونکہ تم نے ایک غیر مشروع سجدہ کا اضافہ کر دیا۔

اسی طرح اس دین متین میں داخل ہو جانے والی چیزوں میں سے جاہل صوفیاء کا طریق ہے کیونکہ انہوں نے بہت سے ایسے راستے اختیار کر رکھے ہیں جو شریعت کے منافی ہیں۔

چنانچہ ان میں جو ذرا دیندار ہیں وہ بھی ضروریات میں تقلیل کرتے ہیں (حالانکہ تقلیل زوائد میں کرنی چاہیے) اور پاگل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ شریعت نہیں ہے۔ میرے

زمانے کے قریب ہی ایک صاحب گزرے ہیں جن کو کثیر کہا جاتا ہے وہ منصور کی جامع مسجد میں داخل ہوئے اور بیان کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کیا تھا جسے توڑ دیا۔ لہٰذا میں نے اپنے نفس پر یہ بات لازم کردی ہے کہ چالیس دن تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جس شخص نے انہیں دیکھا ہے اس نے مجھ سے بیان کیا کہ "دس دن تو ٹھیک رہے پھر جب وہ چوتھے عشرہ میں تھے مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ آخر کار چالیس دن پورے ہوگئے پھر جب ان کے حلق میں پانی ڈالا گیا تو ہم لوگوں نے سنا ایسی آواز نکل رہی تھی جیسی کڑاہی میں پانی کے اُبلنے کی آواز ہوتی ہے پھر چند دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا۔"

دیکھو اس مسکین کو اور اس کی حرکت کو جو اس کے جہل نے کرائی۔

اور کچھ ان میں ایسے ہیں جنہوں نے اپنے لیے ہر طرح کے تنعم اور ہر طرح کی لذات میں وسعت کر رکھی ہے اور تصوف میں صرف لمبا کرتا اونچی لنگی اور باریک کپڑے کے عمامہ پر قناعت کرلی ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کہاں سے کھا رہے ہیں کہاں سے پی رہے ہیں۔ دنیادار شراب پینے والے ریشم پہننے والے امراء سے میل جول رکھتے ہیں تا کہ اپنا مال اور اپنی جاہ محفوظ رہے۔

اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے طریق عمل کو ایسے ایسے کلمات سے نکالا ہے جن میں سے اکثر ثابت ہی نہیں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو گانا سننے، ناچ دیکھنے اور دوسری تفریحات پر ٹوٹ پڑے ہیں لیکن کچھ تو ان میں سے عشق کے مدعی ہیں، کچھ حلول کے قائل ہیں اور کچھ لہو ولعب کے طور پر سنتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں عوام میں عمومی بگاڑ کا سبب بن جاتی ہیں۔

یہ تشریح لمبی ہوتی جارہی ہے اور میں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان شاءاللہ بہت عمدہ تفصیلی گفتگو پاؤ گے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام "تلبیس ابلیس"[1] ہے۔

ہمارا مقصود یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ شریعت کامل اور مکمل ہے۔ لہٰذا اگر تمہیں کچھ فہم حاصل ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتباع کروگے اور طریق کے معمولی لوگوں کو چھوڑ دو گے اور دین کے سلسلے میں ہر طرح کے

---

[1] اس کا ترجمہ دیوبند سے شائع ہو چکا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُمت کے مختلف طبقوں مثلاً صوفیاء، ظاہریہ، محدثین، فقہاء، علماء، طلبہ، عوام اور خواص پر شیطان کن کن راستوں سے حملہ کرتا ہے۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ ۱۲ حمزہ

رجال کی تقلید نہ کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو اب تمہیں کسی اور وصیت کی ضرورت نہیں۔

اور بہت بچو! ناقلین کے جمود سے' متکلمین کے حدود سے تجاوز کرنے سے جاہل زاہدوں کی جماعتوں سے' اہل ہوئ کی حرص و طمع سے' بے عمل علماء کے اپنے علم کے ظاہر پر پڑے رہنے سے اور جاہل عبادت گزاروں کے عمل سے اور جس شخص کی اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف سے تائید فرماویں' فہم عطا فرمائیں' بیجا تقلید کے بندھن سے نکال لیں اور زمانے میں امام الکل اور سب کا مرجع بنا دیں وہ یاوہ گوئی کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتا' ملامت کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اپنی لگام دلیل واضح السبیل کے حوالہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہر بڑے کی بیجا تقلید کرنے سے محفوظ رکھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع عطا فرمائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام موجودات کا خلاصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کائنات کا مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین پر رحمتیں نازل فرماویں اور آپ صلی اللہ علیہ سلم کے متبعین کے ساتھ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائیں۔ (آمین)

تقویٰ

مجلس.... زمانہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ.

''اور یہ زمانے ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔''

چنانچہ کبھی فقر ہوتا ہے اور کبھی غنیٰ' کبھی عزت ہوتی ہے کبھی ذلت' کبھی دوست خوش ہوتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ ملتا ہے۔

سو بڑا وہی ہے جس نے ہر حال میں ایک بنیاد تھامے رکھی اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ کیونکہ اگر ایسا شخص مستغنی ہوگا تو یہ تقویٰ اس کے لیے باعث زینت ہوگا اور اگر محتاج ہوگا تو یہ اس پر صبر کے دروازے کھول دے گا اور اگر اسے عافیت ملے گی تو اس پر نعمت کی تکمیل کا سبب ہوگا اور اگر مبتلا آزمائش ہوگا تو یہ اسے سنوارے گا۔ تقویٰ کی وجہ سے زمانے کا اتار چڑھاؤ اسے کچھ مضر نہ ہوگا خواہ

زمانہ اسے کپڑوں سے ننگا کردے یا آسودہ یا سیراب کرے یا اسے بھوک میں مبتلا کردے کیونکہ یہ ساری چیزیں زائل ہوتی اور متغیر ہوتی رہتی ہیں اور تقویٰ جو سلامتی کی اصل ہے ایسا پہریدار ہے جو سوتا نہیں ہے لغزش کے وقت ہاتھ تھام لیتا ہے اور حدود میں رہنے پر ساتھ دیتا ہے۔

اور سخت ناپسندیدہ ہے وہ شخص جسے وہ لذت دھوکہ دیدے جو عدم تقویٰ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے کیونکہ ایسی لذت بدل جاتی ہے اور اسے محروم چھوڑ کر چل دیتی ہے۔

ہر حال میں تقویٰ کو لازم پکڑو تو پھر تنگیوں میں وسعت دیکھو گے اور مرض میں عافیت کا مشاہدہ کرو گے۔ یہ اس کا نقد فائدہ ہوگا اور اخروی فوائد تو معلوم ہی ہیں۔

گناہوں پر قدرت کے باوجود اس سے بچنا چاہیے

مجلس....میں نے ایک عجیب اور دلچسپ اصل پر غور کیا۔ وہ یہ کہ مؤمن پر آزمائشیں اس طرح آپڑتی ہیں یعنی ظاہری لذات اس کے سامنے ایسی حالت میں آتی ہیں کہ اسے ان کے حاصل کرنے پر قدرت بھی ہوتی ہے خاص کر ایسی صورت میں کہ ان کے حاصل کرنے میں کوئی کلفت بھی نہ ہو۔ مثلاً ہر طرح سے محفوظ خلوت میں ایسے محبوب کامل جانا جو راضی بھی ہو۔

میں نے سوچا سبحان اللہ! یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان کا اثر ظاہر ہوگا۔ بھلا دو رکعت نفل پڑھ لینے میں کیا کمال ہے؟ واللہ! حضرت یوسف علیہ السلام کو جو بلندی اور سعادت حاصل ہوئی ایسے ہی مقام پر آزمائے جانے کے بعد۔

میرے بھائیو! تمہیں خدا کا واسطہ! آپ کی حالت پر غور کرو کہ اگر آپ اپنی خواہش کی موافقت کر لیتے تو آپ کیا ہوتے؟ اور اس حالت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی حالت کے درمیان اندازہ لگاؤ پھر عقل کی میزان پر اس بھول کا نتیجہ اور اس صبر کا ثمرہ دیکھو۔

لہٰذا ہر خواہش نفس کے موقع پر انجام کو سمجھنے کے لیے اپنے فہم کو تیار رکھو۔ بیشک شہوات ولذات کو مؤمن کے سامنے لایا جاتا ہے لیکن اگر وہ جنگ کی صف میں ان سے اس حال میں ملے گا کہ نتائج میں غور کرنے والا لشکر (فہم وفکر) پیچھے ہٹ چکا ہوگا تو مؤمن کی شکست یقینی ہے۔ گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو لذتوں کے جال میں پڑے جبکہ زبان حال ان

سے کہہ رہی تھی کہ باز آ جاؤ اور جو کچھ تم نے اپنے لیے پسند کیا ہے اسے بھی رو کے رہو لیکن وہ باز نہ آئے انجام کار ندامت اور گریہ کے سوا کچھ نہ ہوا۔

اور اگر کوئی شخص اپنے کو اس پستی سے نکال کر مامون ہو بھی جائے تو وہ ایسے ہی نکلے گا کہ اس کے پورے جسم پر خراشوں کی وجہ سے مرہم پٹی ہوئی ہوگی مگر کتنے لوگ ہیں کہ ان کے قدم پھسلے تو وہ کبھی اُٹھ نہ سکے۔

اور جو شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی اس ذلت پر غور کرے گا جس دن انہوں نے کہا تھا "وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا" (ہم پر صدقہ فرمادیجئے) اسے لغزشوں کی نحوست کا پتہ چل جائے گا اور جو ان کے احوال کو سوچے گا اسے ان کے اور ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان بون بعید کا اندازہ ہوگا۔ اگر چہ ان بھائیوں کی توبہ قبول ہوگئی ہے لیکن جس کا کپڑا پھٹ گیا ہو اور اس نے پیوند لگوایا ہو وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا کپڑا پہلے ہی سے ٹھیک ہو۔

بہت سی ٹوٹ جانے والی ہڈی جڑتی نہیں ہے اور اگر جڑ جاتی ہے تو کمزور رہتی ہے۔

لہٰذا اے میرے بھائیو! پسندیدہ چیزوں کے سامنے آنے کے وقت ہوشیار رہو اور اپنے گھوڑوں کو لگاموں سے باندھے رکھو اور جب بادل تیزی سے اُٹھنے لگیں تو ٹیلے پر چڑھ کر پہلے ہی سے تیار رہو کیونکہ جب سیلاب آتا ہے تو سوار کو بھی بہالے جاتا ہے۔

قبولیت دعاء میں تاخیر کے وقت وساوس کا علاج

مجلس..... میں نے ایک عجیب حالت پر غور کیا وہ یہ کہ مؤمن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ دعاء کرتا ہے پھر مزید الحاح کے ساتھ دعا کرتا ہے لیکن قبولیت کا کچھ اثر نہیں دیکھتا۔ پھر جب مایوسی کے قریب ہونے لگتا ہے تو اس کے دل کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ اگر وہ تقدیر کے فیصلوں پر راضی ہوا اور اللہ عزوجل کے فضل سے نا اُمید نہیں ہوا ہوتا ہے تو اس کی دعاء قبول ہو جاتی ہے اس لیے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان شیطان کو دباوے اور ایسے ہی موقع پر لوگوں کے مرتبے ظاہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے:

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ.

''حتیٰ کہ کہنے لگے رسول اوران کے اصحاب کہ مدد اب کب آوے گی۔''

اوراسی طرح کا معاملہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا کیونکہ جب آپ کا ایک بیٹا گم ہوگیا اوراس پر ایک مدت بھی گزر گئی تو آپ مایوس نہ ہوئے۔اس کے بعد آپ کا دوسرا بیٹا بھی چھن گیا لیکن آپ اپنے رب کے فضل سے ناامید نہ ہوئے اور فرمایا:

اَنْ یَّأْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا. ''(امید کہ) بھیج دے گا میرے پاس ان سب کو۔''

ایسے ہی حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا.

''اوراے میرے رب! آپ کو پکار کر میں کبھی محروم نہیں رہا ہوں۔''

پس قبولیت کی مدت کو گراں سمجھنے سے بچو اوراس پر نظر رکھو کہ وہ مالک ہے تدبیریں کرنے میں حکمت سے کام لیتا ہے مصلحتوں کا زیادہ جاننے والا ہے اوراس پر بھی نظر رکھو کہ وہ تمہارا امتحان لیتا ہے تاکہ تمہارے باطن کو آزمائے اوراس کا بھی خیال رکھو کہ وہ تمہارا تضرع وگریہ وزاری دیکھنا چاہتا ہے اوراس پر بھی غور کرو کہ وہ تمہارے صبر پر تمہیں اجر دے گا (وغیر ذالک) اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ وہ قبولیت دعاء کی تاخیر میں تمہیں اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ تم ابلیس کے وساوس سے جنگ کرسکو۔

ان میں سے ہرایک تصوراس کے فضل کے گمان کو تقویت پہنچائے گا اوراس کے شکر کی تحریک پیدا کرے گا۔

قوائے جسمانی کی حکمتیں

مجلس.... چونکہ آدمی کا بدن مصالح کو حاصل کرکے اور موذی ومضر چیزوں کو دفع کرکے ہی درست رہ سکتا تھا اس لیے اس کے اندر ''شہوت'' رکھ دی تاکہ نافع کو حاصل کرسکے اور ''غضب'' رکھ دیا تاکہ مضر اور موذی کو دفع کرسکے۔

اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو انسان کھانا نہ کھاتا اوراس کا جسم درست نہ رہ پاتا اس لیے کھانے کا میلان اوراس کی خواہش پیدا کردی۔پھر جب اتنی مقدار حاصل ہوجاتی ہے جواس کے بدن کو قائم رکھ سکے تو خواہش کی شدت ختم ہوجاتی ہے۔اسی طرح پینے کی چیزوں میں پہننے کے لباسوں میں اور نکاح کے لیے عورتوں میں رغبت ہوتی ہے۔

اور نکاح کے دو فائدے ہیں ایک تو نسل انسانی کا بقاء ہے اور یہی اہم مقصود ہے۔ دوسرا اس جمع شدہ فضلہ (منی) کا نکالنا جس کو روکے رکھنا مضر ہوتا ہے۔

اگر وہ خواہش انسان کے اندر نہ رکھ دی گئی ہوتی جو اسے نکاح کی طرف مائل کرتی ہے تو کوئی شخص بھی نکاح کی طلب نہ رکھتا پھر نسل کا سلسلہ نہ چل پاتا اور جمع شدہ مادہ (منی) ضرر پہنچاتا۔

اہل معرفت نے مقصود کو سمجھا ہے جبکہ اہل غفلت ان چیزوں کی طرف شہوت اور خواہش نفس کے ساتھ مائل ہوتے ہیں اور ان کی حکمت نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اوقات ایسے کاموں میں ضائع ہو گئے جن میں کچھ فائدہ نہیں اور جس مقصود کے لیے یہ پیدا کیے گئے تھے وہ ان سے فوت ہو گیا۔ گویا ان کی خواہش نفسانی نے ان کا مال و دولت بھی برباد کیا اور دین و آبرو کو بھی زائل کر دیا۔ یعنی انہیں ضائع کر ڈالا۔

ہم نے کتنے خوش عیشوں کو دیکھا ہے کہ وہ کثرت سے باندیاں خریدتے ہیں تاکہ اپنی طبیعت کو نئی نئی باندیوں کے ذریعے متحرک رکھیں جس کی وجہ سے جلد ہی ان کے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے غصہ کرنے والوں کو دیکھا کہ زیادہ غصہ کر کے حدود سے نکل گئے جس کی وجہ سے اپنے کو اور اپنے محبوب دونوں کو فنا کر ڈالا۔

پس جس نے یہ سمجھا کہ یہ ساری چیزیں دنیا کی منازل طے کرنے میں بدن کی اعانت کے لیے پیدا کی گئی ہیں محض لذت کے لیے نہیں اور لذت کے ان میں رکھنے کی بس اتنی ہی حیثیت ہے جو اس تدبیر کی ہوتی ہے جس سے نفع اُٹھانے میں مدد لی جائے وہ ٹھیک راستہ پر رہا۔ اس لیے کہ اگر ان چیزوں سے مقصود تنعم ہوتا تو جانوروں کو انسان سے زیادہ سہل الحصول نعمتیں نہ ملتیں۔

مبارکباد ہے اس کے لیے جس نے اجسام میں ان قوتوں کے رکھے جانے کی حکمت کو سمجھا اور خواہشات کی وجہ سے مخلوقات کی حکمتوں کے سمجھنے سے محروم نہیں رہا۔

خواہش نفس اور اس پر قابو کے ثمرات

جو شخص بھی گناہوں کے نتائج کو سوچتا ہے وہ ان گناہوں کو قبیح پاتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں غور کیا جنہیں میں جانتا ہوں کہ زنا وغیرہ کا اقرار کرتے ہیں کہ باوجود

اپنی جسمانی قوت کے دنیا ہی میں ان کے اندر ایسی مرعوبیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی حد نہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے ظلمت اور تاریکی کا لباس پہن رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے دل ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر کچھ وسعت و فراخی حاصل ہوتی ہے تو زیادہ تر دوسروں کے مال سے اور تنگی ہوتی ہے تو تقدیر کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ ان سب خرابیوں کے ساتھ آخرت سے اعراض بھی کیے ہوئے ہیں۔

پھر میں نے رُخ بدلا اور ان لوگوں کے بارے میں سوچا جو خواہشات پر قابو رکھنے والے ہیں اور حرام کاموں کو چھوڑنے والے ہیں تو ان میں کچھ ایسے ہیں جن کو دنیا میں بھی صلہ ملا یعنی پُر لطف روزی' آرام دہ قیام گاہ' خوش عیش زندگی اور لوگوں کے نزدیک وجاہت اور اگر ایسے لوگوں کو تنگی ہوئی تو صبر نے وسعت پیدا کردی اور رضا بالقضاء (تقدیر کے فیصلوں پر دل سے راضی رہنا) نے ان کی زندگی خوشگوار بنادی۔ چنانچہ میں نے ان کی حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب سمجھا:

اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ.

''بیشک جس نے تقویٰ اختیار کیا اور صبر کو شعار بنایا تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔''

دعاء کا دامن کبھی نہ چھوڑو

سمجھ دار شخص کو ہر حال میں اپنے مولیٰ کا دامن تھامے رہنا چاہیے اور اس کے فضل کے دامن سے لپٹا رہنا چاہیے خواہ کسی نافرمانی کا صدور ہو جائے خواہ کوئی طاعت ہو' خلوت میں اس سے انس حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اگر وحشت معلوم ہو تو اس کے سبب کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اَمُسۡتَوۡحِشٌ اَنۡتَ مِمَّا جَنَيۡتَ   فَاَحۡسِنۡ اِذَا شِئۡتَ وَاسۡتَأۡنِسِ

''اگر تمہیں اپنی خطاؤں کی وجہ سے وحشت ہو رہی ہو تو اگر چاہو تو اچھے اعمال کر کے اس کی انسیت حاصل کرلو۔''

اگر اپنے نفس کو دنیا کی طرف مائل پاتا ہو تو خدا ہی سے دنیا بھی طلب کرے اور اگر آخرت کی طرف مائل دیکھتا ہو تو اسی سے اعمال آخرت کی توفیق کا سوال کرے اور اگر اس دنیا سے جس کی خواہش ہے کسی ضرر کا اندیشہ محسوس کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کی اصلاح اور اپنے مرض کے علاج کی دعاء کرے کیونکہ جب دل ٹھیک ہو جائے گا تو کوئی ایسی چیز نہ طلب کرے گا جو مضر ہو۔

اور جس کی یہ حالت ہو جائے گی وہ ہمیشہ آرام کی زندگی میں رہے گا مگر اس کے حصول کے لیے ہمیشہ تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر خدا تعالیٰ سے صحیح انس نہیں حاصل ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ارباب تقویٰ ہر چیز سے بے رُخی کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے گریہ و زاری نہیں ترک کرتے۔ تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے جب ترک کے خلاف صف بندی کی اور ترکوں سے جنگ کرتے ہوئے کچھ دہشت محسوس کی تو پوچھا کہ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟ بتلایا گیا کہ میمنہ کے آخر میں اپنی کمان کے سرے پر بازو ٹیکے ہوئے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ (یعنی دعاء کر رہے ہیں) قتیبہ نے کہا:

''تنہا وہ ایک انگلی مجھے ایک لاکھ مشہور تلواروں اور تیز نیزوں سے زیادہ محبوب ہے''

پھر جب ترکوں پر فتح پالی تو محمد بن واسع سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہے تھے؟

فرمایا: ''تمہاری کامیابی کیلئے سب سے بہتر ذریعہ اختیار کر رہا تھا۔''

اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنا زیادہ مناسب ہے

مجلس.... جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ ہوں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ ان میں سے اتنی ہی نعمتوں کا اظہار ہونے دے جتنی خود سے ظاہر ہو جائیں ساری نعمتیں نہ کھول کر رکھ دے۔ اگرچہ نعمت و دولت کے اظہار میں بڑی لذت ہے لیکن حزم و احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ظاہر نہ کیا جائے کیوں کہ نظر بد کا لگنا حق ہے۔

میں نے نعمتوں کے متعلق سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس کا اظہار نفس کو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے مگر دشواری یہ ہے کہ اگر دوستوں کے سامنے ان کا اظہار کیا جائے تو اس کے اندرونی انتشار کا اندیشہ ہے اور اگر دشمن سے ظاہر کیا جائے تو ظاہر سی بات ہے کہ نظر لگ جائے گی کیونکہ

اسے حسد ہوتا ہے بلکہ میرے خیال میں حاسد کا شر تو ہر حال میں ضروری ہے کیونکہ مصیبت کی حالت میں اس کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے اور خوش عیشی میں نظر لگا دیتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ خوش عیش حضرات اپنے حاسدوں کی ناگواری دیکھنا چاہتے ہیں لیکن پھر انہیں اپنی نعمتوں پر اطمینان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عموماً ان نعمتوں پر حاسدوں کی نظر لگ ہی جاتی ہے۔

اور اپنی ان نعمتوں کو جن سے حاسد کی ناگواری بڑھتی ہے ظاہر کر کے جو لذت حاصل ہو اسے اس خرابی کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا جو اس کی نظر لگ جانے سے ہوتی ہے۔

اسی لیے ہر طرح کے معاملات کو چھپا کر رکھنا محتاط لوگوں کا شیوہ ہے کیونکہ اگر کسی نے اپنی عمر لوگوں کے سامنے ظاہر کی اور وہ زیادہ عمر کا ہوا تو لوگ اسے جلبجل بڈھا قرار دیں گے اور اگر کم عمر ہوا تو اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کریں گے اور اگر اپنے معتقدات لوگوں کے سامنے بیان کر دیئے تو مخالفین عداوت کی وجہ سے بددین قرار دے بیٹھیں گے اور اگر اپنے مال کی مقدار ظاہر کی تو کم ہونے کی صورت میں حقیر سمجھیں گے اور زیادہ ہونے کی صورت میں حسد کرنے لگیں گے۔ انہی تینوں کے سلسلے میں شاعر کہتا ہے:

اِحْفَظْ لِسَانَکَ لَا تَبُحْ بِثَلَاثَةٍ　　سِنٍّ وَّمَالٍ مَااسْتَطَعْتَ وَمَذْهَبٖ

"زبان پر قابو رکھو! اور تین باتیں (خصوصاً) حتی الامکان ظاہر نہ ہونے دو، عمر، مال اور مسلک و مشرب)

فَعَلَی الثَّلَاثَةِ تُبْتَلٰی بِثَلَاثَةٍ　　بِمُمَوِّهٖ وَّمُمَخْرِقٍ وَّمُکَذِّبٖ

"کیونکہ ان تینوں کے ظاہر کرنے پر تین الزاموں میں مبتلا ہو گے۔ ایک یہ کہ باتیں بناتے ہو دوسرے گھڑ لیتے ہو تیسرے یہ کہ جھوٹے ہو۔"

(میں نے تین چیزیں مثالاً ذکر کر دی ہیں) انہی پر بقیہ باتوں کو قیاس کر لو اور ان بھولے بھالے ہلکے پیٹ والوں جیسے نہ بنو جو اپنے راز سنبھال نہیں پاتے اور ایسے لوگوں کے سامنے اسے افشاء کر دیتے ہیں جن کے سامنے اس کا اظہار مناسب نہیں ہوتا۔

"زبان سے بہت سے ایسے کلمے نکل جاتے ہیں جن سے انسان ہلاک ہو جاتے ہیں۔"

اے مسلسل لغزشیں کھانیوالے

میں نے ہر اس شخص کو دیکھا جو کسی چیز سے لغزش کھاتا ہے یا بارش میں پھسل جاتا ہے

کہ جس چیز سے پھسلا ہے اسے مڑ کر دیکھتا ہے اور یہ فطری اور طبعی جذبہ ہے تا کہ اگر دوبارہ اس پر سے گزر ہو تو اس سے بچ کر چلے اور اگر احتیاط کے ساتھ چلا ہو تو یہ دیکھتا ہے کہ اس سے احتیاط اور حزم کیونکر فوت ہوا۔

(اس پر غور کر کے) میں نے اس سے ایک اشارہ نکالا اور کہا: ''اے وہ شخص! جو بار بار لغزشیں کر رہا ہے کیوں نہیں دیکھتا کہ وہ کیا بات ہے جو تیرے پھسلنے کا سبب بن رہی ہے کہ اس سے بچنے کی کوشش کرے یا اگر احتیاط کے باوجود پھسل گیا ہو تو نفس کے سامنے اس واقعہ کی قباحت کیوں نہیں بیان کرتا؟

کیونکہ عام طور پر مڑ کر دیکھنے والے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ جیسا شخص باوجود اتنی احتیاط کے کیسے پھسل گیا۔ پس تعجب ہے تجھ پر کہ کیسے تو فلاں فلاں گناہ کے سلسلے میں لغزش کھا گیا؟ اس چمکدار سنگریزے نے تجھے کیسے دھوکہ دے دیا جس کا باطن تو اپنی عقل سے سمجھ چکا ہے اور جس کا مال تو فکر کی نگاہ سے دیکھ چکا ہے؟ فانی کو باقی پر کیسے ترجیح دے دی؟ کم قیمت کے بدلے تو نے کیسے بیع کر لی؟ اور عبادت کی بیداری کے مقابلے میں نیند کی لذت کو کیونکر اختیار کر لیا؟

افسوس! تو نے جو کچھ بیچا اس کے عوض ندامت کے ایسے بوجھ خرید لیے جسے کوئی مددگار کم نہ کر سکے گا۔ شام کے وقت (ندامت سے) سر جھکنے کا ایسا سامان کر لیا جس کا ختم ہونا بعید ہے، اپنے فعل کی برائی پر غم کے ایسے آنسو خریدے جو کبھی تھم نہیں سکتے۔ اس وقت کیا حال ہوگا جب تجھ سے بطور سرزنش کہا جائے گا کہ ایسا کیوں کیا؟ کس وجہ سے کیا؟ کس بھروسہ پہ کیا؟''

افسوس اس شخص پر ہے جس کے صحیفہ کو غرور اور دھوکہ نے پلٹ دیا اور جس کے اعمال تولے جا رہے ہیں اور ترازو چڑھی ہوئی ہے۔

تقویٰ کا ثمرہ

مجلس.... میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی.

''سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بد بخت ہوگا۔''

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ "هُدَایَ" سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ میں نے اس تفسیر کو حقیقت پر مبنی پایا کہ جس شخص نے بھی قرآن و سنت کا اتباع کیا اور جو کچھ ان میں ہے اس پر عمل کیا تو بلاشبہ وہ گمراہی سے محفوظ ہو رہا اور یقیناً اس کے حق میں آخرت کی محرومیاں ختم ہو گئیں جبکہ وہ اسی حالت پر دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

اسی طرح ایسا شخص دنیا کی محرومیوں سے بھی محفوظ رہتا ہے جسے یہ آیت بیان کرتی ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا.

"اور جو اللہ سے ڈرا اللہ تعالیٰ اس کے لیے (ہر تنگی سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیں گے۔"

لہٰذا اگر اس کو مصیبت اور شدت میں دیکھو بھی تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اس کو جزا کا ایسا یقین حاصل ہے جو شراب تلخ کو شیریں بنا دیتا ہے جبکہ ایسا شخص عموماً خوش عیش ہی ہوتا ہے اور عادت یہی ہے کہ اس پر اس وقت تک کوئی مصیبت نہیں اترتی جب تک کہ وہ جادۂ تقویٰ سے منحرف نہ ہو جائے۔

رہا وہ شخص جو ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے والا ہو تو اس پر کوئی آفت نہیں آتی اور اس تک کوئی مصیبت نہیں پہنچ پاتی (اکثر ایسا ہی ہوتا ہے)۔

لہٰذا اگر تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس کے پاس تقویٰ کے باوجود بلائیں راہ یاب ہوں تو عموماً اس کا سبب پہلے کی کوئی غلطی ہوتی ہے جس کی سزا اب دی جا رہی ہے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہوگا تو پھر یہ بلاء و مصیبت اس کے صبر کے سونے کو آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر تپانے کے لیے ہے تاکہ سرخ اور روشن پتر ابر آمد ہو۔ چنانچہ اس وقت وہ شخص عذاب میں مٹھاس محسوس کرتا ہے کیونکہ اسے بلاؤں میں مبتلا کرنے والے کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تکلیف پر نظر نہیں جاتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَحَبَّکَ النَّاسُ لِنَعْمَائِکَ   وَاَنَا اُحِبُّکَ لِبَلَائِکَ

"لوگ آپ سے آپ کی نعمتوں کے سبب محبت کرتے ہیں اور میں آپ سے آپ کی بلاؤں اور آزمائشوں کی وجہ سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔"

گناہ بقدر غفلت

مجلس.... "گناہوں کی سچی لذت تو غفلت میں مدہوش شخص ہی پا سکتا ہے۔"

مؤمن کو سچی لذت نہیں مل پاتی کیونکہ معصیت سے لطف اندوزی کے وقت ساتھ ساتھ اس کی حرمت کا علم اور سزا سے بچنے کا خیال بھی تصور میں آ جاتا ہے اور اگر اسے خدا کی معرفت حاصل ہو تو اپنے علم کی نگاہ سے خود روکنے والی ذات کو قریب دیکھتا ہے جس کی وجہ سے عین لطف اندوزی کے وقت اس کی خوش عیشی بے مزہ ہو جاتی ہے اور اگر خواہش نفسانی کا نشہ غالب رہا تو بھی ان مذکورہ مراقبات کی وجہ سے قلب مکدر ہو جاتا ہے۔ اگر چہ طبیعت اپنی شہوت میں مشغول رہے۔

اور یہ لذت بھی تھوڑی ہی دیر کی ہوتی ہے پھر اس کو ایسا نقصان اُٹھانے والا سمجھو جس کو ہمیشہ کی ندامت، مسلسل گریہ و بکاء اور طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی اپنی غلطی پر افسوس و ندامت لازم حال ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اسے اپنی معافی کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عتاب کا خوف لگا رہتا ہے۔ تف ہے اس گناہ پر! جس کے آثار اتنے برے ہوں اور جس کی خبریں اس قدر خراب ہوں۔ ''ناجائز شہوت کا حصول غفلت کے بقدر ہی ہو سکتا ہے۔''

جاہلوں کا زہد

مجلس.... میں ایک دن صبح کے وقت جامع رصافہ میں خلوت کی تلاش میں گیا اور تنہا ہی اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا۔ ابھی میں اس جگہ کے متعلق اور وہاں کے علماء و صلحاء کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسی دوران وہاں کچھ ایسے لوگ دکھائی دیئے جو اس مسجد کے مجاور اور ہمیشہ وہیں رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنے دنوں سے مقیم ہیں؟ انہوں نے اشارے سے بتلایا کہ تقریباً چالیس سال سے! پھر جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ ایسی کوٹھڑی میں رہتے ہیں جو بے انتہا گندی اور کوڑے کرکٹ سے آلودہ ہے اور یہ اندازہ ہوا کہ وہ اس مدت میں اپنے کو نکاح سے روکے رہے تو میرے نفس کو یہ حالت پسند آنے لگی اور وہ دنیا کی اور اس میں لگنے کی مذمت کرنے لگا لیکن علم نے آگے بڑھ کر نفس پر نکیر کی اور قوت فہم نے ان چیزوں کے حقائق معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی اور شریعت کے مقاصد اور مزاج نے بھی اسی کی تائید کی جو علم نے کہا لہٰذا مسئلہ حل ہو گیا۔ پھر میں نے نفس سے کہا:

خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ دو قسم کے ہیں: کچھ تو ایسے ہیں جو اپنے نفس سے مجاہدہ کر کے ان

احوال پر صبر کرتے ہیں لیکن ان سے اہل علم اور اہل عمل کی صحبتیں، اولاد کا حصول، مخلوق کی نفع رسانی اور اہل فہم کے ساتھ ہمنشینی کا نفع فوت ہو جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد ان کے نفس کی طرف سے ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں وحشی جانوروں کے مشابہ کر دیتی ہے کیونکہ پھر وہ خلوت کو خلوت ہی کے لیے اختیار کرتے ہیں (اور کوئی مقصود نہیں رہتا) اور کبھی طبیعت میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے تو اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور کبھی مادہ منویہ کے روکے رہنے سے ایسی "سَمِیَّتْ" (زہریلا پن) پیدا ہو جاتی ہے جو بدن اور عقل دونوں کو خراب کر دیتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خلوت کے نتیجہ میں ان کے اندر وسوسے اور اوہام پیدا ہو جاتے ہیں جس سے یہ خیال ہونے لگتا ہے ہم اولیاء میں سے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ ان چیزوں سے بے نیازی کرنے لگتے ہیں جن سے انہیں معرفت حاصل ہوتی ہے اور کبھی شیطان ان کے سامنے خیالات کی قبیل سے چند چیزیں متخیل کر دیتا ہے جنہیں وہ کرامات شمار کرنے لگتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ جن احوال و کیفیات میں ہوتے ہیں انہی کو غایت اور مقصود سمجھ بیٹھتے ہیں اور انہیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ خدا تعالیٰ کی ناپسندیدگی کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات تنہا (بیوی سے علیحدہ) گزارنے سے منع فرمایا ہے اور ان میں ہر ایک تنہا ہی رات گزارتا ہے۔ اسی طرح آپ نے تبتل (یعنی نکاح نہ کرنا) سے منع فرمایا ہے اور یہ حضرات تبتل ہی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے اور ان حضرات کا فعل رہبانیت ہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ ابلیس کے ان مخفی دھوکوں میں پڑے ہیں جن کے ذریعے وہ لوگوں کو لطیف تدبیروں سے گمراہی کے گہرے گڑھوں میں گرا دیتا ہے۔

اور دوسری قسم ان بوڑھے مشائخ کی ہے جن کے سارے جذبات فنا ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر چیز سے لزوماً کنارہ کش ہو گئے ہیں ان میں سے کسی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ گویا یہ اپاہجوں کی طرح ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنا تعلق علم و عمل اور کسب معاش وغیرہ سے توڑ رکھا ہے اور ان کی توجہ ان ہدیوں اور تحفوں کی طرف لگی ہوئی ہے جو ان کا دروازہ کھٹکھٹا دیں۔ یہ لوگ بینائی

کے بعد اندھے پن پر راضی ہوئے ہیں اور انہوں نے آزادی کے بعد قید کو پسند کیا ہے۔

یہ سب سن کر نفس نے مجھ سے کہا: میں تمہاری بات نہ سنوں گا کیونکہ تم خوبصورت عورتوں سے نکاح اور پسندیدہ کھانوں کی طرف میلان رکھتے ہو۔ جب تم عبادت گزاروں میں سے نہیں ہو تو ان حضرات پر طعن نہ کرو۔

میں نے کہا اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو تو تم سے بیان کروں اور اگر تم احوال کی ظاہری صورتوں کی تقلید کرتے ہو تو پھر تمہارے اندر فہم نہیں ہے۔ خوبصورت عورتیں تو اس لیے مطلوب ہوتی ہیں کہ نکاح سے چند چیزیں مقصود ہوا کرتی ہیں جن میں سے ایک اولاد کا حصول ہے اور ایک مادہ منویہ کا نکالنا تاکہ نفس کو آرام پہنچے کیونکہ اس کا روکے رکھنا موذی اور مضر ہوتا ہے اور یہ مادہ بغیر خوبصورت عورت کے اچھی طرح نکل ہی نہیں سکتا۔ اس کا اندازہ عین شرمگاہ کے علاوہ دوسرے مقام میں وطی کر کے ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں مادہ منویہ اس مقدار میں نہیں خارج ہو پاتا جتنا عین شرمگاہ میں وطی سے ہوتا ہے اور جب وہ مادہ اچھی طرح نکل جاتا ہے اور طبیعت اس کے تقاضا سے فارغ ہو لیتی ہے تب طبیعت حاضر ہوتی ہے۔ جیسا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے فیصلہ کرنے والے کو کھانے سے فراغت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح غصہ کی حالت میں یا پیشاب پاخانہ کے تقاضا کے وقت میں فیصلہ کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور جب مادہ منویہ اچھی طرح نکل جاتا ہے تو اولاد بھی مکمل پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس نطفہ سے پیدائش ہوتی ہے وہ پورا پورا رحم میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جب نفس کو اس کی لذت مل جاتی ہے تو وہ اپنا کام اچھی طرح کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسی اونٹنی کہ وہ سفر میں اچھی طرح چارہ لے لیتی ہے اور یہ چیز اس کی چال میں معین و مددگار ہوتی ہے۔

رہے لذیذ اور پسندیدہ کھانے تو وہ شخص بڑا نادان ہے جو لذیذ کھانوں کو محض لذت کے لیے حاصل کرے کیونکہ ان سے مقصود سواری کو درست اور ٹھیک رکھنا ہے تاکہ اس کی فکر مجتمع رہے اور مراد حاصل کر سکے اور لذات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سواری کو خواہشات کی طرف میلان سے روک لیتی ہے۔

اگر تم دور اول (یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور) کے حالات پر نگاہ ڈالو گے تو اس سے زیادہ عجیب چیزیں دیکھو گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منتخب فرمایا اور آپ بہت خوبصورت تھیں۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار آزاد بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں جنہیں چھوڑ کر آپ کی وفات ہوئی اور اس اُمت سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔

اب اگر کوئی شخص ان روایات کی سند میں خلل کا دعویٰ کرنے لگے یا یہ کہے کہ ان حضرات نے (نعوذ باللہ) اپنی خواہشات کو ترجیح دی اور اپنی عمر کی پونجی کو اپنی اغراض میں خرچ کیا حالانکہ ان کے لیے ان کے علاوہ دوسرے مشاغل افضل تھے تو اس نے کاملین پر نقص اور عیب کا الزام لگایا حالانکہ وہ خود اپنے فہم میں ناقص ہے نہ کہ وہ حضرات۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب سفر فرماتے تھے تو اپنے ساتھ بھنا ہوا گوشت اور فالودہ رکھتے تھے اور ہمیشہ اچھی غذائیں استعمال فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''جب تم سواری کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرو گے تو وہ قاعدے سے کام نہ کرے گی۔''

یہ ساری باتیں جن کو میں نے اشارۃً ذکر کیا ہے اگر تم ان کو ضرورت کے تحت اپناؤ یا نفس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے یا دنیوی یا دینی کسی فائدے کے حاصل کرنے کے لیے اختیار کرو تو یہ سب مقاصد صحیح ہیں لیکن ان کی طرف وہ لوگ نہیں مائل ہو سکتے جو چند رکعت پڑھنے کے لیے اٹھک بیٹھک کر لیتے ہیں اور انہیں نماز کی حقیقت کی خبر نہیں ہوتی اور جو ایسے اشغال واذکار میں لگے رہتے ہیں جن کے اکثر الفاظ بیکار و بے معنی ہیں۔

یاد رکھو! علم سب سے بہترین صفت ہے اور اشرف العبادات ہے، وہی مناسب باتوں کا حکم دینے والا اور خیر خواہی کی بات بتلانے والا ہے۔ علم کا نافع ہونا تو سب کو معلوم ہے جبکہ زاہد کا زہد (جو محض دکھاوے کا ہو) اس کے دروازے کی چوکھٹ سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَاَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً خَيْرٌلَّکَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ.

''اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے سے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرمادیں وہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

اور ذرا اندازہ لگاؤ کہ رسول کو نبی پر کیا فضیلت حاصل ہوتی ہے اور شکاری پرندوں کو غیر شکاری پرندوں پر اور گارے والی اس مٹی کو جس سے نفع اُٹھایا جاتا ہے اس گرد پر جو جھروکوں میں نظر آتی ہے۔

علماء زیادہ سے زیادہ علم کی وجہ سے مباحات ہی میں رہتے ہیں لیکن اکثر زاہد جاہل ہوتے ہیں جنہیں ترک مباحات کے سبب حاصل ہونے والی دست بوسی اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔

خلوتوں نے نجانے کتنے ایسے علوم کو فوت کرا دیا جن سے دین کی بنیاد درست ہو سکتی تھی اور کیسی کیسی آفتوں میں مبتلا کر دیا جن سے لوگوں کے دین برباد ہو گئے۔

البتہ علماء کا شر و فتنہ سے کنارہ کش رہنا اور خلوت اختیار کرنا بہتر (بلکہ واجب) ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔

گناہوں کے نتائج

مجلس.... ہر سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں کے انجام سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کوئی قرابت اور رشتہ داری نہیں ہے وہ تو انصاف کی ترازو لگانے والا اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگر چہ اس کا حلم گناہوں سے بڑھ کر ہے مگر وہ (قادر مطلق ہے) جب چاہے گا بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دے گا اور اگر گرفت کرنا چاہے گا تو معمولی گناہ پر گرفت فرمالے گا۔ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو۔

میں نے بہت سے مالداروں کو دیکھا کہ وہ ظلم اور ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں پھر ایسے طریقوں سے برباد کر دیئے جاتے ہیں جن کا انہیں تصور بھی نہیں ہوتا' ان کی جڑیں تک اُکھڑ گئیں اور وہ تعمیریں ٹوٹ پھوٹ گئیں جن کو انہوں نے اپنی آل اولاد کے لیے بنایا اور مضبوط کیا تھا۔ یہ سب صرف اسی وجہ سے ہوا کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے حقوق کو ضائع کر دیا تھا اور گمان یہ باندھا تھا کہ جو کچھ وہ خیر خیرات کر دیتے ہیں وہ ان کے گناہوں کو مٹانے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ان کے ان خیالات کی کشتی ایک طرف کو جھک گئی جس میں عذاب کا اتنا پانی داخل ہو گیا کہ وہ ڈوب گئے۔

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو عالم کہلاتے ہیں کہ انہوں نے خلوتوں میں

حق تعالیٰ کی اپنی طرف نظر وتوجہ کو اہمیت نہ دی تو حق تعالیٰ نے جلوتوں میں ان کے تذکرے کی خوبیوں کو مٹا دیا پھر ان کا وجود عدم کے برابر ہو گیا نہ ان کے دیدار اور زیارت میں کوئی لذت رہ گئی اور نہ کسی کے دل میں ان کی ملاقات کا شوق باقی رہا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ ہر وقت نگراں ہے اور اس کے عدل کی ترازو میں ایک ایک ذرہ ظاہر ہو جائے گا اور اس کی سزا گنہگار پر تاک لگائے ہوئے ہے۔ اگرچہ تاخیر سے آوے۔

غافل شخص خدا تعالیٰ کی چشم پوشی سے (جو درحقیقت مہلت دینا ہے) گناہوں کے مہمل اور غیر مضر ہونے کا گمان کر لیتا ہے حالانکہ گناہوں کا برا انجام یقینی ہے۔

پس خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنا باطن سنبھالو اور نیت کی طرف توجہ دو کیونکہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دیکھنے والی نگاہ نگراں ہے۔

خبردار! اس کے حلم وکرم سے دھوکہ میں نہ پڑنا' کتنوں کو ڈھیل دی گئی تھی (پھر گرفت ہوگئی) اپنی خطاؤں کا مراقبہ کرتے رہو اور ان کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔

گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے گریہ وزاری کرنے کے برابر کوئی چیز نافع نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے (معاف کر دیئے جاؤ)

یہ ایسی فصل ہے جس میں اگر عبادت گزار غور کرے گا تو اسے نفع ہوگا۔

ایک ایسے بزرگ نے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مراقبہ رکھتے تھے فرمایا کہ ''ایک مرتبہ مجھے ایک ایسے فعل پر قدرت ملی جس میں لذت تھی اور لذت ہی مقصود بھی تھی اور وہ فعل گناہ کبیرہ بھی نہ تھا اس لیے میرا نفس اس کو صغیرہ خیال کر کے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وسعت پر اعتماد کر کے اس کے کر لینے کا تقاضا کرنے لگا' میں نے اپنے آپ سے کہا اگر تم اس موقع پر غالب رہو تو ظاہر ہے تم اپنے مقام پر رہو گے اور اگر تم نے وہ فعل کر لیا تو غور کر لو تمہارا کیا مقام رہ جائے گا؟ پھر میں نے اپنے نفس کو ایسے لوگوں کے احوال یاد دلائے جو سہل گیری میں بڑی وسعت کرتے تھے کہ کس طرح ان کے تذکرے ختم کر دیئے گئے اور ان کی طرف سے بے توجہی برتی گئی تو ان کا تذکرہ سن کر میرا نفس رک گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی۔''

کسی گناہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے

مجلس..... بہت سے لوگ ایسے معاملات میں سہل انگاری اور تسامح سے کام لیتے ہیں جنہیں وہ معمولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اصولی غلطیاں ہیں۔ مثلاً طلبہ وعلماء کتاب مانگ کر لیتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے یا بعض لوگ کسی کھانے والے کے پاس اس نیت سے جاتے ہیں کہ کھانے کو ملے گا یا ایسی دعوتوں میں شرکت کر لیتے ہیں جن میں ان کو بلایا نہ گیا ہو یا کسی مخالف کی آبروریزی ہوتے دیکھ کر محض اپنی لذت کے لیے اور اس جیسے گناہ کو معمولی خیال کر کے نظر بچا جانا یا مثلاً حرام موقع پر گناہ کو معمولی خیال کر کے نظر کو آزاد چھوڑ دینا وغیرہ۔

ایسے لوگوں کے ساتھ سب سے کمتر سزا کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو ان لوگوں کے مرتبہ سے جو صحیح وغلط میں تمیز رکھنے والے ہیں نیچے اتار لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مرتبہ کی بلندی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

کبھی ایسے لوگوں سے زبان حال سے کہا جاتا ہے کہ ''اے وہ شخص! جس پر ایک معمولی سی چیز میں بھروسہ کیا گیا تھا لیکن اس نے خیانت کر دی وہ اپنے مرتبہ سے اتر جانے کے باوجود اللہ کی رضاء کی امید کیونکر رکھتا ہے؟''

بعض سلف کا قول ہے کہ ''میں نے ایک لقمہ تسامح سے کام لیتے ہوئے کھالیا تو چالیس سال سے آج تک میں پیچھے ہٹتا جا رہا ہوں۔''

لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرو! اور ایسے شخص سے سنو جسے خوب تجربہ ہو چکا ہے کہ اپنے ایک ایک فعل کی نگرانی کرو نتائج کو سوچ لیا کرو اور گناہوں سے روکنے والی ذات کی عظمت کو پہچانو اور صور کی اس پھونک سے ڈرو جسے معمولی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا اس چنگاری سے بھی بچنے کی کوشش کرو جسے معمولی خیال کیا جاتا ہے کیونکہ کبھی وہ پورا پورا شہر جلا ڈالتی ہے۔

یہ مضمون جسے میں نے اشارۃً بیان کیا ہے گو دیکھنے میں مختصر ہے لیکن اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ گویا یہ ایک نمونہ ہے جس کو دیکھ کر دوسرے وہ تمام گناہ بھی سمجھ میں آ جائیں گے جن کو حقیر اور معمولی خیال کیا جاتا ہے۔

علم اور مراقبہ تمہیں ان چیزوں کی معرفت کرادیں گے جنہیں تم بھول چکے ہو اور تمہیں گناہوں کی نحوست کا اثر بتلادیں گے۔ بشرطیکہ تم نگاہِ بصیرت سے کام لو' گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی قدرت اللہ کی توفیق سے ہوسکتی ہے۔

دعا کیسے کریں اور کیا مانگیں؟

مجلس....اپنے نفس کی میں نے ایک عجیب حالت دیکھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتوں کا سوال کرتا ہے اور اپنی نافرمانیاں بھولا رہتا ہے تو میں نے کہا! اے گندے نفس! کہیں تیرے جیسے لوگ بھی سوال کرنے کے لائق ہیں؟ اور اگر کچھ سوال کرنا بھی ہو تو صرف عفوودرگزر کا سوال کرنا چاہیے۔

اس نے پوچھا! پھر میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کا سوال کس سے کروں؟ میں نے کہا میں تجھے اپنی حاجتوں کے مانگنے سے نہیں منع کرتا بلکہ میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ پہلے اچھی طرح توبہ کرلے پھر کچھ مانگ۔ جیسے ہم (شوافع وحنابلہ) سفر معصیت کرنے والے مسافر کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر مردار کھانے پر مجبور ہوجائے تو بھی اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم سے پوچھا جائے گا کہ کیا پھر وہ مرجائے؟ ہم کہیں گے نہیں بلکہ توبہ کرے اور کھائے۔

پس اپنے ان گزشتہ گناہوں کو بھلا کر جن کا نتیجہ ندامت وشرمندگی ہے' اپنی حاجتوں کو مانگنے کی جرأت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کچھ لحاظ کرو۔

اور اگر تم سچی ندامت کے ساتھ اپنے گزشتہ گناہوں کی اصلاح میں لگ گئے تو تمہاری حاجات وضروریات خودبخود پوری ہونے لگیں گی کیونکہ حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِىْ عَنْ مَسْأَلَتِىْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَااُعْطِى السَّائِلِيْنَ.

''جسے میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے روک دیا اسے میں اس سے بہتر نعمتیں عطا کروں گا جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔''

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ دعا کے لیے اپنے ہاتھ پھیلاتے پھر سمیٹ لیتے اور فرماتے کہ مجھ جیسے شخص کو کچھ مانگنے کا حق نہیں ہے لیکن یہ حال حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ساتھ ان کے قوی المعرفت ہونے کی وجہ سے۔ خاص ہے وہ دعاء کے وقت اس حال میں ہوتے تھے جیسے

آمنے سامنے مخاطب ہوں اسی لیے اپنی غلطیوں اور لغزشوں کے خیال سے شرم کرتے تھے جبکہ اہل غفلت کا سوال اور ان کی دعائیں خدا تعالیٰ سے بُعد اور دوری کے ساتھ ہوتی ہیں۔

لہٰذا جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اسے سمجھو اور لغزشوں سے توبہ کرنے میں لگو اور اے نفس! مجھے تیری دعاؤں پر بھی تعجب ہوتا ہے کیونکہ تو دنیا کی بھی کسی اہم چیز کا سوال نہیں کرتا بلکہ ضرورت سے زائد فضول چیزیں مانگتا ہے اور کبھی دل اور دین کی درستگی کے لیے ویسی دعا نہیں کرتا جیسی دنیا کی درستگی اور اصلاح کے لیے کرتا ہے۔

اپنے حال کو سمجھو! کیونکہ تم غفلت اور خوش عیشی کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی غلطیوں اور لغزشوں کی ندامت تمہیں اپنی ضرورتوں کے سوال سے روک لیتی۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت ڈرنے والے تھے۔ جب ان سے اس خوف کی شدت کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے "مجھے یہ خیال اطمینان نہیں ہونے دیتا کہ کہیں میرے بعض گناہوں کی بناء پر مجھ سے یہ کہہ دیا جائے کہ جاؤ میں نے تمہاری مغفرت نہیں کی۔"

عجب اور کبر کا علاج

مجلس.... معرفت سے محرومی کے باوجود معرفت کا دعویٰ بڑا عجیب ہے۔

واللہ خدا تعالیٰ کی معرفت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرے اور جو شخص مطمئن ہو رہا وہ عارف نہیں ہوسکتا۔

زاہدوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو غفلت میں مبتلا ہیں لیکن دل میں یہ خیال جمار کھا ہے کہ ہم ولی، محبوب خدا اور مقبول بارگاہ ہیں جس پر لطف یہ کہ کبھی ان پر خدا کے ایسے الطاف و عنایات ہو جاتے ہیں جنہیں وہ اپنی کرامات سمجھ لیتے ہیں اور اس استدراج کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے جو سارے لطف و کرم کو سمیٹنے والا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے مرتبہ کو محفوظ گمان کرتے ہیں۔ دو چار معمولی رکعتیں جنہیں وہ ادا کر لیتے ہیں یا وہ عبادت جن میں وہ لگے رہتے ہیں انہیں اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہیں اور کبھی یہ گمان باندھتے ہیں کہ ہم روئے زمین کے قطب ہیں اور ہمارے بعد کوئی شخص ہمارا مقام

نہیں پا سکتا۔ لگتا ہے انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی میں مشغول تھے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت دیدی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام مستجاب الدعوات تھے اس کے باوصف انہیں آری سے چیر دیا گیا۔

ایک طرف حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سید کہا جا رہا تھا اور دوسری طرف ان پر ایک کافر غالب ہو گیا اور اس نے آپ کا سر جدا کر دیا۔

بلعم باعور کے پاس اسم اعظم موجود ہے اس کے باوجود اس کی حالت کتے جیسی ہو جاتی ہے۔

ابھی ایک شریعت پر عمل کیا جا رہا تھا کہ وہ منسوخ کر دی گئی اور اس کا حکم باطل ہو گیا۔

ابھی دیکھو کہ بدن خوب تندرست و توانا تھا کہ اس پر ویرانی آ گئی اور اس پر بلائیں مسلط ہو گئیں۔

اور دیکھو ایک عالم سخت مشقتیں برداشت کر کے اس مرتبہ تک پہنچا تھا جس کا وہ خواہش مند تھا کہ اسی کے زمانے میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور ترقی کر کے اس کے عیوب اور اس کی غلطیوں پر تنقید شروع کر دیتا ہے۔

کتنے خطیب کہا کرتے تھے کہ میرے جیسا کوئی نہیں حالانکہ اگر وہ زندہ رہتے اور جو فصاحت و بلاغت ان کے بعد ظاہر ہوئی اس کو دیکھ لیتے تو اپنے کو گونگا شمار کرتے۔ یہ دیکھو ابن سماک، ابن عمار اور ابن سمعون کے مواعظ جو ہمارے بعض تلامذہ کے بھی شایان شان نہیں ہیں اور وہ انہیں خاطر میں نہیں لاتے۔

پھر کیونکر ہم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر عجب اور ناز کرے۔ ممکن ہے کہ ہمارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہمیں کسی گنتی میں نہ لاویں۔

پس کسی بھی مرتبہ پر قرار پانے سے اور کسی بھی مقام کی مخالفت کرنے سے اللہ کا لحاظ کرو اور بیدار مغز بیدار طبیعت شخص کو اپنی طاعت کو معمولی خیال کر کے اور اپنے اوپر زمانہ کی گردشوں اور تقدیر کے فیصلوں کے نافذ ہونے کے خوف سے ہمیشہ لرزتے رہنا چاہیے۔

خوب سمجھ لو! ایسے مضامین کا مراقبہ جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے عجب کی گردن توڑ دیتا ہے اور تکبر کی اکڑ ختم کر دیتا ہے۔

ہر حال میں خدا پر یقین ہو

مجلس.....جوانمرد وہ نہیں ہے جس نے امن وسلامتی کے زمانے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حسن معاملہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ ہاں اگر اس پر مصیبتوں کے ایام میں زمانہ کی گردشیں سہل ہو جائیں تو یہ ہے کسوٹی۔

بادشاہ مطلق ایک چیز بناتا ہے اور اسے توڑ دیتا ہے کچھ دیتا ہے اور اسے چھین لیتا ہے ایسے وقت میں اس کے ساتھ حسن معاملہ اور اس کے فیصلہ پر رضامندی سے انسان کا مرتبہ ظاہر ہوگا کیونکہ جس پر مسلسل نعمتیں ہی برستی رہتی ہوں وہ نعمتوں کے تسلسل کی وجہ سے راضی اور خوش عیش ہے اور اگر بلاؤ آزمائش کا اسے ایک جھونکا بھی پہنچ جائے تو وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "لوگ نعمتوں کی حالت میں ایک دوسرے کے بالکل برابر رہتے ہیں لیکن جب کوئی مصیبت اترتی ہے تب ایک دوسرے میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔"

لہٰذا سمجھدار وہ شخص ہے جو اپنے لیے ذخیرہ تیار رکھے اور توشہ حاصل کر لے اور بلاؤ مصیبت کی جنگ میں مقابلے کے لیے ہتھیار تیار رکھے کیونکہ بلاؤ آزمائش کا سامنا ہونا ضروری ہے اگر زندگی میں نہیں تو موت کے جھٹکے کے وقت تو ضرور ہی سامنا ہوگا اور ایسے وقت میں جبکہ بلاؤ آزمائش اللہ کی پناہ' اتر آوے اور وہ اس معرفت کو نہ پاوے جو رضا یا صبر کا سبب بنتی ہے تو کفر کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

خود میں نے ایک ایسے شخص سے جس کو میں صالح اور نیک سمجھتا تھا سنا کہ وہ اپنے مرض الوفات کی راتوں میں کہہ رہا تھا کہ "میرا رب مجھ پر ظلم کر رہا ہے" بس اسی وقت سے میں ہمیشہ لرزتا کانپتا اور زادِ سفر کے حصول کے لیے اہتمام کرتا رہتا ہوں۔

ایسی حالت کیوں نہ ہو؟ جب کہ مروی ہے کہ شیطان اس وقت اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اسی وقت پکڑلو اگر چھوٹ گیا پھر کبھی اس پر قابو نہ پاسکو گے۔

اور کون سا قلب ہے جو سانس رکنے' گھٹن پیش آنے' جان کے نکلنے اور محبوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی طرف جانے کے وقت جنہیں نہیں جانتا کہ وہ کیا

ہیں، ثابت قدم رہ سکتا ہے؟ جبکہ بظاہر قہر اور آزمائشوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس لیے ہم اللہ عزوجل سے ایسے یقین کا سوال کرتے ہیں جو ہمیں اس دن کے شر سے بچائے تاکہ قضاوقدر کے فیصلوں پر ہم صبر کر سکیں یا (ترقی کر کے) رضا کا مرتبہ حاصل کر سکیں اور ہم سارے معاملات کے مالک کی جانب متوجہ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اپنے بڑے بڑے وہ انعامات عطا فرمائے جو اپنے دوستوں کو عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ اس کی ملاقات ہم کو اپنی زندگی سے زیادہ محبوب ہو جائے اور تمام معاملات میں اس کی تقدیر پر حوالہ ڈال دینا ہمارے لیے اپنے اختیار سے زیادہ پسندیدہ بن جائے۔

اپنی تدبیروں کے کمال کے اعتقاد سے اللہ کی پناہ کہ جب کوئی معاملہ اُلٹ جائے تو تقدیر کے فیصلوں پر ناراض ہونے لگیں کیونکہ یہ تو خالص جہالت اور صریح محرومی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھیں۔

عرفان خداوندی ایک عطیہ ہے

مجلس.... دنیا و آخرت میں عارفین سے بہتر زندگی گزارنے والا کوئی نہیں کیونکہ عارف اپنی خلوتوں میں اللہ سے انسیت حاصل کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔

اگر اسے نعمتیں ملتی ہیں تو وہ جانتا ہے کہ کہاں سے آئی ہیں اور اگر تلخیاں پیش آتی ہیں تو اس کے پاس پہنچ کر شیریں بن جاتی ہیں کیونکہ اسے مبتلا کرنے والی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اگر وہ کچھ مانگتا ہے اور مقصود کے ملنے میں تاخیر ہوتی ہے تو اس کا بھی مقصود وہی بن جاتا ہے جو تقدیر کا فیصلہ ہو کیونکہ اسے اللہ کی حکمت اور اس کی مصلحت بینی کا علم ہوتا ہے اور اس کی حسن تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے۔

اور عارف کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مراقبہ کرتا رہتا ہے اور اس کی نظروں میں ہونے کا تصور رکھتا ہے اور اس کی طرف یقین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر اس کی معرفت کی برکت اس کے ایک ایک عضو میں سرایت کر جاتی ہے اور اسے سنوار دیتی ہے۔

فَاِنْ نَطَقْتُ فَلَمْ اَنْطِقْ بِغَیْرِکُمْ وَاِنْ سَکَتُّ فَاَنْتُمْ عَقْدَ اِضْمَارِیْ

''اگر بولتا ہوں تو آپ کے سوا کسی اور کی گفتگو نہیں کرتا اور اگر چپ رہتا ہوں تو آپ

ہی میرے دل کے راز ہوتے ہیں۔''

جب اس پر کوئی تکلیف آتی ہے تو اس کی نظر سب سے ہٹ کر مسبب تک پہنچ جاتی ہے۔لہٰذا وہ اس کی معیت میں خوشگوار زندگی گزارتا ہے اگر چپ رہتا ہے تو اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں غور وفکر کرتا رہتا ہے اور اگر بولتا ہے تو وہی باتیں بولتا ہے جن سے وہ راضی ہو۔اس کا دل بیوی بچوں میں نہیں لگا رہتا اور کسی کی محبت کا دامن نہیں پکڑتا۔اپنے جسم سے تو وہ مخلوق کے ساتھ رہتا ہے لیکن اس کی روح روح کے مالک کے پاس رہتی ہے۔

یہی وہ شخص ہے جس پر دنیا کا کوئی فکر نہیں اور اسے دنیا سے کوچ کے وقت کوئی غم نہ ہوگا قبر میں اسے ذرا بھی وحشت نہ ہوگی اور حشر میں اس پر کچھ خوف نہ ہوگا۔

رہا غیر عارف! تو وہ لغزشیں کرتا رہتا ہے اور مصیبتوں میں چیخ وپکار کرتا رہتا ہے کیونکہ اسے مبتلا کرنے والے کی معرفت نہیں ہوتی اور اپنی ضرورت پوری نہ ہونے پر وحشت زدہ ہوتا ہے کیونکہ اسے مصلحت کی معرفت نہیں ہوتی۔اپنے ہم جنسوں سے مانوس ہو جاتا ہے کیونکہ اسے رب کی معرفت نصیب نہیں ہوتی۔دنیا کے کوچ سے اس لیے ڈرتا ہے کہ اس کے پاس توشہ نہیں ہوتا اور راستہ کی پہچان نہیں ہوتی۔

کتنے علماء اور زہاد ایسے ہیں جنہیں معرفت کا اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا عام افراد کو ملتا ہے بلکہ کبھی کبھی ناکارہ عامی معرفت میں ان لوگوں سے بڑھ جاتا ہے۔

عوام میں سے کتنے افراد ہیں جن کو وہ معرفت مل گئی جو باوجود عالم وزاہد کی کوششوں کے ان کو نہ مل سکی۔معرفت خداوندی عطیہ اور تقسیم ہے اور اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

تقویٰ اور استحضار

مجلس.....اے تقویٰ کے ذریعہ بلند رُتبہ حاصل کرنے والے شخص! تجھے خدا کا واسطہ تقویٰ کی عزت کو گناہوں کی ذلت کے عوض بیچ نہ دینا اور شہوت کی دوپہر میں خواہشات کی پیاس پر صبر کرنا اگرچہ تپش سخت ہو اور جلا ڈالے۔پھر جب صبر کے مراتب حاصل کر لینا تب جو چاہنا خدا سے مانگ لینا کیونکہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو اگر اللہ پر قسم کھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں۔

واللہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر نہ کیا ہوتا تو زمین کو کوڑے سے مارنے کے

لیے ہاتھ اُٹھانے کی جرأت نہ کر پاتے اور اگر انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خواہشات کو ترک کرنے کی مشقت نہ برداشت کی ہوتی (جبکہ ان کے عزم وارادہ کا واقعہ میں نے سنا کہ اگر اللہ نے مجھے کسی جنگ میں حاضر ہونے کا موقعہ عطا فرمایا تو دیکھ لے گا میں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ اُحد کے موقع پر جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ قتل کر دیئے گئے۔ پھر صرف اپنی انگلیوں کی پوروں سے پہچانے جا سکے اگر ان کا ایسا عزم نہ ہوتا تو جس وقت یہ قسم کھائی:

واللہ لاتکثر سن الربیع. (خدا کی قسم! ربیع کا دانت نہیں ٹوٹے گا)

اس وقت چہرے پر اس قدر اطمینان نہ ہوتا۔

تمہیں خدا کا واسطہ! ذرا ممنوعات سے باز رہنے کی حلاوت چکھ کر دیکھو۔ یہ ایسا درخت ہے جس پر دنیا کی عزت اور آخرت کے شرف کا پھل آتا ہے اور جب بھی خواہشات کی طرف تمہاری پیاس بڑھے تو رجاء و امید کے ہاتھ ایسی ذات کے سامنے پھیلاؤ جس کے پاس مکمل آسودگی کا سامان ہے اور اس سے عرض کرو کہ ''بارالٰہا! طبیعت اپنی خشک سالیوں کے سبب صبر سے عاجز ہو گئی ہے اس لیے وہ سال جلدی بھیج دیجئے جس میں لوگوں کی فریاد رسی کر سکوں اور خوب عرق نچوڑوں۔''

تمہیں خدا کی قسم! ان لوگوں کے بارے میں سوچو جنہوں نے اپنی اکثر عمر تقویٰ اور طاعت میں گزاری پھر اخیر وقت میں انہیں کوئی فتنہ پیش آگیا کیسا ان کی سواری نے دریا کے کگر پر ٹکر ماری اور وہ چڑھنے کے وقت میں ڈوب گئے۔

''واللہ دنیا پر تف ہے نہیں بلکہ جنت پر بھی تف ہے اگر اس کا حاصل ہونا محبوب سے بے رُخی کا سبب بننے لگے۔''

عام آدمی اپنے نام اور اپنے باپ کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور اہل تقویٰ حضرات نسبت سے پہلے اپنے لقب سے ہی پہچان لیے جاتے ہیں۔

اے وہ شخص! جو ایک لمحہ کے لیے اپنی خواہشات سے صبر نہیں کر پاتا مجھے بتا کہ تو ہے کون؟ تیرا عمل کیا ہے؟ اور تیرا مرتبہ کس مقام تک بلند ہے؟

تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ ''مرد'' کون ہے؟

واللہ مردود ہے جسے کسی حرام شئے پر دسترس حاصل ہو اور تنہائی بھی ہو اور اس کے حصول کی شدید خواہش بھی ہو لیکن اسی حالت میں اس کی نظر اس طرف چلی جائے کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں اس لیے حق تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز کو سوچنے سے بھی شرما جائے اور اس حیاء کی وجہ سے اس کی خواہش ٹھنڈی ہو جائے۔

تیری حالت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ تو ہمارے لیے وہی چیزیں چھوڑتا ہے جن کی تجھے خواہش نہیں ہوتی یا جن میں تیری شہوت سچی نہیں ہوتی یا جن پر تجھے قدرت نہیں ہو پاتی۔ اسی طرح تیری عادت یہ ہے کہ جب تو صدقہ کرتا ہے تو روٹی کا وہی ٹکڑا دیتا ہے جو تیرے کام کا نہیں ہوتا یا ایسے شخص کو دیتا ہے جو تیری مدح سرائی کرے۔

جاؤ دور ہو! تم ہماری ولایت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ تمہارے معاملات ہمارے لیے خالص نہ ہو جائیں، اچھی چیزیں خرچ نہ کرنے لگو، اپنی خواہشات کو چھوڑ نہ دو اور تکلیف دہ چیزوں پر صبر نہ کرنے لگو۔

اگر تم اپنے کو اجیر (مزدور) سمجھ کر عمل کرتے ہو تو اس کا یقین رکھو کہ تم اپنا ثواب ہمارے پاس ذخیرہ کر رہے ہو اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے (جب غروب ہوگا تب مل جائے گا) اور اگر تم محبت کی بناء پر عمل کرتے ہو تو اس اجر کو اپنے محبوب کی رضاء و خوشنودی کے مقابلے میں قلیل سمجھو گے اور ہماری گفتگو کسی تیسرے سے نہیں ہے۔

حکمت کے اسرار

مجلس.....ایک مرتبہ میں نے اللہ عزوجل کے احکام کی تمام حکمتوں پر مطلع ہونے کے لیے اپنی عقل میں ایک طرح کی منازعت محسوس کی کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احکام کی حکمتوں میں سے کوئی حکمت اس پر ظاہر نہیں ہو پاتی تو وہ حیران ہو جاتی ہے اور اس موقع پر یہ بھی ہوتا ہے کہ شیطان موقع کو غنیمت جان کر وسوسہ پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے کہ بھلا بتاؤ اس میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

تو میں نے عقل سے کہا اے مسکین! دھوکہ کھانے سے بچو کیونکہ مصنوعات کی مضبوطی دیکھ کر صانع کا حکیم ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی حکمت تم سے مخفی رہ گئی

تو وہ تمہارے ادراک کے قصور کی وجہ سے ہے۔

پھر یہ کہ دنیاوی بادشاہوں کے بہت سے اسرار ہوتے ہیں (جن پر سب کو اطلاع نہیں ہو پاتی) تو تمہاری کیا حیثیت ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر باوجود اپنے ضعف کے مطلع ہوسکو۔ تمہارے لیے تو اجمالی حکمتیں کافی ہیں لہٰذا جو چیزیں تم سے مخفی ہیں ان کے پیچھے پڑنے سے بچو کیونکہ تم بھی اس کے ایک مصنوع ہو بلکہ اس کی مصنوعات کا ایک ذرہ ہو پھر کیونکر تم اس ذات پر حکم چلانے کی جرأت کرتے ہو جس سے تمہارا وجود ہوا ہے اور تمہارے نزدیک جس کا صاحب حکمت اور صاحب سلطنت ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

پس اپنے آلہ عقل کو اس کی قوت کے بقدر حکمتوں کے معلوم کرنے کے لیے استعمال کرو کیونکہ اس معرفت سے تم کو خدا کا خوف نصیب ہوگا اور جو چیزیں تم سے مخفی ہیں ان سے آنکھیں بند رکھو کیونکہ کمزور نظر والے کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ سورج کی روشنی کا مقابلہ نہ کرے۔

اصلاح نفس

مجلس.... سب سے دلچسپ اور عجیب چیز نفس کا مجاہدہ ہے کیونکہ اس میں کچھ فنکاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہت سے لوگوں نے تو علی الاطلاق نفس کی ہر خواہش پوری کرنا شروع کر دی تو اس نے اس کو ایسی حالتوں میں مبتلا کر دیا جو انہیں ناپسند تھیں اور کچھ لوگوں نے اس کے خلاف مبالغہ کیا حتیٰ کہ اسے اس کے حقوق سے بھی محروم کر دیا اور اس پر ظلم کرنے لگے تو ان کے اس ظلم کا اثر ان کی عبادتوں پر پڑا۔

چنانچہ بعض لوگوں نے اسے خراب غذائیں دیں جس کے نتیجہ میں ان کا بدن ضروری امور کی ادائیگی سے بھی عاجز ہو گیا اور بعضوں نے اس کو ہمیشہ خلوت میں رکھا جس کی وجہ سے اس کے اندر وحشت پیدا ہوگئی اور فرض یا نفل ترک کرنے لگا۔ مثلاً مریض کی عیادت یا ماں کی خدمت وغیرہ۔

محتاط وہی شخص ہے جس نے اپنے نفس کو جدوجہد اور اصول کی پابندی سکھلائی۔ اس طرح کہ اگر کسی مباح میں اس کو گنجائش ملے تو اس سے آگے بڑھنے کی جسارت نہ کرے اور وہ اپنے نفس کے ساتھ بادشاہ کی طرح رہے کہ وہ جب اپنے کسی غلام کے ساتھ مزاح کرتا

ہے تو وہ غلام اس سے بے تکلف نہیں ہونے پاتا اور اگر بے تکلفی پیدا ہونے لگے تو اسے بادشاہ کی حکومت وسلطنت کی ہیبت یاد آ جاتی ہے۔

چنانچہ محقق بھی اسی طرح رہتا ہے کہ اپنے نفس کو اس کا حصہ دیتا ہے اور نفس پر جو ذمہ داریاں ہیں انہیں پوری پوری وصول کرتا ہے۔

حفظ اوقات

مجلس.... میں نے عامۃ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے اوقات کو مختلف طریقوں سے برباد کر دیتے ہیں۔ اگر رات لمبی ہوئی تو بے فائدہ باتیں کر کے یا ناول اور فضول تاریخ وغیرہ کے مطالعہ میں اور اگر دن لمبا ہوا تو سو کر پورا کرتے ہیں اور دن کے دونوں کناروں (صبح وشام) کے وقت دریا دجلہ کے کنارے یا بازاروں میں گزارتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو ان لوگوں سے تشبیہ دیتا ہوں جو کشتی میں سوار باتوں میں اس طرح مشغول ہوں کہ کشتی چل رہی ہو اور ان کو کچھ احساس نہ ہو۔

ایسے لوگ بہت کم ملے جنہوں نے وجود کا معنی سمجھا ہو اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو توشہ کی تیاری اور کوچ کی فکر میں ہیں لیکن ان میں بھی آپس میں تفاوت ہے جس کا سبب آخرت میں چلنے والے سکے کے متعلق معلومات کی کمی اور زیادتی ہے۔

کیونکہ جو لوگ بیدار مغز ہیں وہ وہاں چلنے والے سکوں کے متعلق پوری معلومات رکھتے ہیں اس لیے انہیں زیادہ مقدار میں حاصل کرتے ہیں اور جو غافل ہیں انہیں جو ملتا ہے سب لے لیتے ہیں اور بغیر رہبر کے سفر میں نکل پڑتے ہیں۔ پھر کتنے ایسے ہیں جن پر لوٹ پڑ گئی اور وہ مفلس رہ گئے۔ زندگی کے موسم میں اللہ کا لحاظ کرو اور موقع کے فوت ہونے سے پہلے تیاری کر لو، علم کو گواہ بناؤ، حکمت سے استدلال کرو، زمانہ سے مقابلہ کرو، لوگوں کے مناقشہ کرو اور توشہ کا سہارا حاصل کرو، قافلہ کا حُدی خواں آواز لگا رہا ہے، اب جس نے اس کی صداء نہیں سمجھی وہ ندامت اُٹھائے گا۔

علماء اور زاہدوں کا مرض

مجلس.... مریض کے حق میں سب سے زیادہ مضر چیز بد پرہیزی ہے اور ہم میں سے ہر ایک خواہش نفس کا مریض ہے۔

پرہیزی اصل دوا ہے کیونکہ بدپرہیزی مرض کو بڑھاتی رہتی ہے۔

اور ارباب آخرت کی بدپرہیزی دو طرح کی ہے۔ایک تو علماء کی بدپرہیزی ہے یعنی امراء وسلاطین سے ملنا جلنا کیونکہ امراء ان کے یقین کی قوت کو کمزور کرتے ہیں اور جب اختلاط یعنی میل جول زیادہ ہوگا تو یہ اپنے مریدین کے حق میں اپنا اعتماد کھو بیٹھیں گے، خود میرا یہ معاملہ ہے کہ جب کسی طبیب کو دیکھتا ہوں کہ وہ بدپرہیزی کرتا ہے اور مجھے احتیاط کا مشورہ دیتا ہے تو یا تو اس کے اس مشورہ میں شک رہتا ہے یا مانتا ہی نہیں ہوں۔

دوسری قسم زاہدوں کی بدپرہیزی ہے جو کبھی تو دنیا داروں سے اختلاط کی شکل میں ہوتی ہے اور کبھی خشوع کا مظاہرہ کر کے اپنی ناموس کی حفاظت کی صورت میں ہوتی ہے تاکہ عوام کا اعتقاد حاصل کر سکیں۔لہٰذا اللہ سے ڈرو! جزا کو پرکھنے والا دیکھ رہا ہے، اخلاص باطن میں ہوتا ہے، صدق دل میں ہوتا ہے اور سلامتی کا راستہ اپنے احوال کو چھپا کر رکھنا ہے۔

قول کے بجائے عمل زیادہ مؤثر ہوتا ہے

مجلس.... میں نے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی جن کے مختلف احوال تھے یعنی وہ اپنے علمی رتبوں میں ایک دوسرے سے کم زیادہ تھے لیکن میرے حق میں نفع بخش صحبت والے وہی عالم ثابت ہوئے جو اپنے علم پر عمل کرنے والے تھے۔اگرچہ دوسرے علماء علم میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔

میں نے علماء حدیث کی ایک جماعت سے ملاقات کی جو احادیث یاد کرتے تھے اس کی معرفت حاصل کرتے تھے لیکن غیبت کے سلسلے میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے یعنی جرح وتعدیل کے بہانے سے غیبت کر لیتے تھے۔حدیث شریف پڑھانے پر اجرت لیتے تھے اور جواب فوراً دینے کی کوشش کرتے تھے تاکہ اپنی جاہ مجروح نہ ہو خواہ جواب میں غلطی کیوں نہ ہو جائے۔

البتہ حضرت عبدالوہاب انماطی کی زیارت کا موقعہ ملا آپ سلف کے طرز پر تھے نہ تو آپ کی مجلس میں کبھی غیبت سنی گئی اور نہ آپ حدیث شریف سنانے پر اجرت لیتے تھے۔ میں جب آپ کے سامنے دل کو نرم کرنے والی احادیث کی قرأت کرتا تھا تو آپ رونے

لگتے اور مسلسل روتے رہتے تھے۔اس وقت باوجود میری صغرسنی کے آپ کا گریہ میرے دل کو متاثر کرتا تھا اور میرے دل میں ادب کی بنیاد قائم کرتا تھا۔آپ بالکل ان مشائخ کے طرز پر تھے جن کے اوصاف وکمالات کتابوں میں ہی ملتے ہیں اسی طرح شیخ ابومنصور جوالیقی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ اکثر چپ رہنے والے' غور وفکر کے بعد گفتگو کرنے والے' بہت پختہ اور محقق تھے۔اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی معمولی سوال پوچھا جاتا جس کا جواب بچے بھی فوراً دیدیتے لیکن آپ اس میں توقف کرتے اور جب شرح صدر ہوجاتا تب بتلاتے بہت روزہ رکھنے والے اور بہت خاموش رہنے والے تھے۔

یہ دو حضرات ایسے ہیں ان کی زیارت سے مجھے جتنا نفع ہوا دوسروں سے اتنا نہیں ہوسکا۔اس سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ عمل اور فعل سے رہنمائی کرنا قول اور تقریر کی رہنمائی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

اس کے برعکس میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو خلوتوں میں تفریح ومزاح کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے دلوں سے نکل گئے اور ان کی اس کوتاہی نے ان کے جمع کردہ علوم کو برباد کردیا جس کی وجہ سے زندگی میں ان سے انتفاع کم ہوگیا اور وفات کے بعد وہ بھلادیئے گئے۔چنانچہ ان کی تصنیفات کی طرف کوئی رُخ بھی نہیں کرنا چاہتا۔

"پس عمل پر علم کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو کہ یہی اصل کبر ہے۔"

وہ شخص تو بہت مسکین ہے جس نے اپنی ساری زندگی ایسے علم میں گزاری جس پر عمل نہیں کیا کیونکہ اس سے دنیا کی لذتیں بھی فوت ہوئیں اور آخرت کی بھلائیاں بھی اور وہ اس حال میں پہنچا کہ مفلس تھا اور اس کے خلاف حجت قوی تھی۔"نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اِفْلَاسِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

اللہ کے مہلت دینے سے دھوکہ نہ کھاؤ

مجلس.... پاکیزہ ہے وہ عظمت اور سلطنت والی ذات جس کی معرفت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرا اور جو اس کی خفیہ تدبیروں سے مطمئن ہو رہا وہ عارف نہیں ہوسکتا۔

میں نے ایک بڑا نکتہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس قدر ڈھیل دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا ہے چنانچہ تم نافرمانوں کے ہاتھ آزاد دیکھو گے گویا انہیں کوئی روکنے

والانہیں ہے لیکن جب توسع زیادہ ہو جاتا ہے اور لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تب وہ ذات جبار جیسی گرفت فرمالیتی ہے۔

اور یہ مہلت اس لیے دیتے ہیں تاکہ صابر کا صبر آزمائیں اور ظالم کو ڈھیل دیں۔ چنانچہ صابر اپنے صبر پر جمار ہتا ہے اور ظالم کو اس کے برے افعال کا بدلہ مل جاتا ہے اور اس مہلت میں بے انتہا حلم بھی پوشیدہ ہوتا ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہو پاتا لیکن جب سزا دینے پر آتا ہے تو تم ہر غلطی پر سرزنش دیکھو گے اور کبھی بہت سی غلطیاں جمع ہو جاتی ہیں تو سب کی طرف سے دماغ پھاڑ دینے والا پتھر مارا جاتا ہے۔

بعض اوقات اس طرح کی سزا کا سبب عام لوگوں سے مخفی رہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب تو بڑے نیک ہیں پھر ان پر اس مصیبت کی کیا وجہ؟ اس وقت تقدیر جواب دیتی ہے کہ یہ مخفی گناہوں کی سزا ہے جو سب کے سامنے دی جارہی ہے۔

کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو اتنی ظاہر ہے کہ اس میں ذرا بھی خفا نہیں اور اتنی پوشیدہ ہے کہ گویا اسے جاننا اور پہچاننا ناممکن ہے۔ اس قدر مہلت دیتا ہے کہ چشم پوشی کی امید بندھ جاتی ہے اور مناقشہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کے مواخذہ میں عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ)

اصلاح نفس کے متعلق ایک تنبیہ

مجلس.... علم اور اس کی طرف رغبت اور اس کے شغل کے متعلق سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس سے قلب کو ایسی تقویت ملتی ہے جو اسے قساوت کی طرف لے جاتی ہے اور واقعی اگر دل کے اندر وہ وقت اور لمبی آرزوئیں نہ ہوتیں تو علم کا شغل نہایت دشوار ہوتا کیونکہ میں حدیث اس امید پر لکھتا ہوں کہ اس کی روایت کروں گا اور تصنیف اس توقع پر شروع کرتا ہوں کہ اس کو مکمل کرلوں گا۔

اس کے برخلاف جب عبادت و ریاضت کے باب میں غور کرتا ہوں تو آرزوئیں کم ہونے لگتی ہیں، دل نرم ہو جاتا ہے، آنسو جاری ہو جاتے ہیں، مناجات بھلی معلوم ہونے لگتی

ہیں، سکینہ چھا جاتا ہے۔ گویا میں خدا کے مراقبہ کے مقام میں پہنچ جاتا ہوں۔

لیکن علم افضل ہے اس کی حجت قوی ہے اس کا رتبہ بڑا ہے۔ اگر چہ اس سے وہ حالت پیدا ہو جس کا میں نے شکوہ کیا ہے اور عبادات نافلہ و اشغال تصوف۔ اگر چہ اس کے فوائد بہت ہیں جن کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ ان ضعفاء کے احوال کے مناسب ہیں جنہوں نے دوسروں کی ہدایت کے بجائے اپنی اصلاح پر قناعت کر لی ہے اور مخلوق کو رب کی طرف لے جانے کے بجائے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ (لیکن خود اپنی اصلاح تو واجب ہے اگر اپنی اصلاح کے بعد آدمی علم کا مشغلہ اختیار کرے تو وہ افضل الاحوال ہے ورنہ صرف شغل علم و تہذیب نفس سے خالی ہو حجت اور اسوء الاحوال ہے۔۱۲)

پس درست اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ علم کا مشغلہ اختیار کرے اور اسی کے ساتھ دل کو نرم کرنے والے اسباب سے نفس کو صرف اتنا دباتا رہے جتنا مشغلہ علمی میں حارج نہ بنے۔

چنانچہ میں اپنے قلب کے ضعف اور رقت کی وجہ سے اسے ناپسند کرتا ہوں کہ قبروں کی زیادہ زیارت کروں یا قریب المرگ کے پاس موجود رہوں کیونکہ یہ چیزیں میری فکر کو متاثر کرتی ہیں اور مجھے علم کے مشغلہ سے نکال کر موت کے متعلق سوچنے کے مقام میں پہنچا دیتی ہیں، پھر میں ایک زمانہ تک اپنے آپ سے نفع اُٹھانے کے قابل نہیں رہ جاتا۔

اور اس میں قول فیصل یہ ہے کہ مرض کا مقابلہ اس کی ضد سے کیا جائے لہٰذا جس کا قلب بہت سخت ہو اور اسے وہ مراقبہ نہ حاصل ہو جو گناہوں سے روک سکے تو اس کا مقابلہ موت کی یاد سے اور قریب الموت لوگوں کے پاس جا کر کرے اور جو رقیق القلب ہو تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول ہو جو اسے بہلائے رکھے تا کہ وہ اپنی زندگی سے نفع اُٹھا سکے اور جو فتویٰ دے رہا ہے اسے سمجھ سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ فرماتے تھے اور اپنے نفس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔

اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مضمون سے وہی سمجھے گا یعنی بقدر ضرورت نفس کے ساتھ نرمی کرنا جیسا کہ میں نے عرض کیا۔

موت کا استحضار

مجلس.... موت کے قریب پہنچ کر افاقہ پا جانا بڑا تعجب خیز اور دلچسپ امر ہے کیونکہ اس وقت وہ اتنا بیدار ہوتا ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا اور اسے اتنا قلق ہوتا ہے جس کی تحدید دشوار ہے اس لیے کہ وہ اپنے گزشتہ دنوں پر بے حد مغموم ہوتا ہے اور موت کے یقین کے بقدر اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاش! اسے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ مافات کی تلافی کر سکے اور صدق دل سے تائب ہو سکے بلکہ شدت غم کی بناء پر ایسا لگتا ہے کہ مرنے سے پہلے ہی مر جائے گا۔

حالانکہ اگر ان احوال میں سے جو قریب الموت کہ پیش آتے ہیں ایک ذرہ بھی عافیت اور صحت کے زمانے میں پا لیا جائے تو مقصود یعنی تقویٰ پر عمل حاصل ہو جائے گا۔

پس سمجھدار وہی ہے جس نے اس وقت کا تصور کیا پھر اس کے مطابق عمل کیا اور جسے اس وقت کا سچا تصور نہ ہو سکے وہ اپنی بیداری کے بقدر ہی تصور کرے کیونکہ اتنا مراقبہ بھی اسے خواہشات سے روکنے کے لیے اور عمل کی کوشش پر ابھارنے کے لیے کافی ہے اور اگر کوئی ایسا ہو جس کی نگاہوں میں ہر وقت وہ گھڑی پھرتی رہتی ہو تو وہ اس حالت کا قیدی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب صبح کرتے تو اپنی بیوی سے فرماتے کہ اگر آج میں مر جاؤں تو فلاں مجھے غسل دے اور فلاں اُٹھا کر لے جائے۔

اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ ہمیں ظہر کی نماز پڑھاؤ۔ اس نے کہا! اگر ظہر کی پڑھاؤں گا تو عصر کی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں امید ہے کہ تم عصر تک زندہ بھی رہو گے طولِ اَمل سے اللہ کی پناہ۔"

اور ایک آدمی نے آپ کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر غیبت کے طور پر کیا تو اس سے فرمایا" اس وقت کو یاد کرو جب لوگ تمہاری آنکھوں پر روئی کا ٹکڑا رکھیں گے۔" (جب تم مر جاؤ گے)

اہل سماع[1] اہل سماع

مجلس.... کبھی بیدار طبیعت اور بیدار مغز شخص کسی خراب شعر کا کوئی مصرعہ سن کر اس

---

[1] ایک اہلیت سے ہے اور ایک بمعنی ذو ۱۲ احمزہ

سے اشارہ نکالتا ہے اور اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک رقعہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے مکہ شریف کے راستہ میں ایک حُدی خواں کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

اَبۡکِیۡ وَمَا یُدۡرِیۡکِ مَایُبۡکِیۡنِیۡ اَبۡکِیۡ حِذَارًا اَنۡ تُفَارِقِیۡنِیۡ وَتُقَطِّعِیۡ حَبۡلِیۡ وَتَهۡجُرِیۡنِیۡ.

''میں رو رہا ہوں اور اے محبوبہ! تجھے کیا خبر کہ کیوں روتا ہوں؟ میرا رونا اس اندیشہ ہے کہ کہیں تو مجھے چھوڑ نہ دے اور میرے تعلق کا بندھن توڑ نہ دے اور مجھ سے جدا نہ ہو جاوے۔''

دیکھو! حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ پر ان شعروں کا کیا اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کریں اور سمجھنے کی توفیق دیں کہ ان کی یہ آرزو ہوئی کہ حضرت جنید کو بھی اسی کی اطلاع ہو جائے جو انہیں معلوم ہوا اور یہ بھی سمجھ لو کہ ایسے اشعار کی اطلاع حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے مفید ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ بہت سے لوگوں میں طبعی کثافت ہوتی ہے اور موٹی سمجھ کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے جب اس طرح کا واقعہ سنا تو کہنے لگے کہ بھلا اس بکواس سے کس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ اگر حق تعالیٰ کی طرف ہے تو اس کی طرف مؤنث کے صیغہ سے اشارہ درست نہیں اور اگر کسی عورت کی طرف ہے تو پھر یہ (عورتوں سے اس طرح کا خطاب) زاہدوں کا کام تو نہیں ہے؟

واللہ! ایسے اشعار اگر اہل غفلت سنیں تو یہ اہل غفلت کی حدی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ قصیدوں اور گویوں کے اشعار سننے سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے اشعار کو نفسانی تقاضوں پر محمول کیا جاتا ہے اور ہمیں جنید بغدادی اور سری سقطی کہاں میسر ہیں؟ (لہٰذا یہ سماع علی الاطلاق ناجائز ہوا جبکہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سماع سے توبہ کر لیا تھا ''کما فی الاحیاء'' اور اگر بالفرض ہمیں ان کا کوئی مثل مل جائے تو وہ جو کچھ سنے گا اس کی حیثیت اور اشارات (یعنی حدود و شرائط) سے واقف ہوگا۔

اور اس کثیف الطبع یعنی بھدی طبیعت والے کا جواب یہ ہے کہ حضرت سری نے لفظ

سے اشارہ نہیں لیا ہے اور لفظ پر اپنے مطلوب کو منطبق نہیں کیا ہے کہ اس کو مذکر یا مؤنث بنانے کی فکر کرتے بلکہ انہوں نے معنی سے اشارہ نکالا ہے۔ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کو ان اشعار کے مضمون سے خطاب کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں آپ کے اعراض اور بے رُخی کے اندیشہ سے رو رہا ہوں۔ بس اتنا ہی ان کا مقصود ہے۔ لفظ کی تذکیر و تانیث کی طرف انہوں نے ذرا بھی التفات نہیں کیا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

اور بیدار طبیعت حضرات ایسے کلمات سے اشارہ نکالتے رہتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے ایسے جملہ سے اشارہ نکالا ہے جسے بازاری لوگ بولتے ہیں اور لوگ اسے ''واہی تباہی بات'' کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت ابن عقیل کا لکھا ان کے ایک شیخ کا واقعہ پڑھا کہ انہوں نے ایک عورت کو پڑھتے ہوئے سنا:

غسلت لهٗ طول الليلِ ...... فركت لهٗ طول النهارِ ...... خرج يعاين غيرى ...... زلق وقع فى الطين

''میں نے رات بھر اس کی وجہ سے غسل کیا اور دن بھر کپڑوں سے نجات کُھرچی پھر وہ میرے سوا دوسری کو دیکھنے نکلا، پھسلا اور کیچڑ میں جا گرا۔''

تو اس سے اشارہ نکالا جس کا حاصل یہ ہے کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے اچھی صورت عنایت کی، تیرے حالات درست کیے، تیرا جسم سیدھا بنایا، اس کے باوجود تو دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ پس مجھے چھوڑنے کے نتائج کا انتظار کر۔

اور ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک عورت کو اسی واہی بات کی قبیل سے کہتے سنا اور وہ ایسا جملہ تھا جس کا قلق میں کافی مدت تک محسوس کرتا رہا۔

كم كنت باللّٰه اقول لک ...... لذاالتوانى غائله ...... وللقبيح خميرة ...... تبين بعد قليل

''خدا کی قسم میں نے تم سے کتنی بار کہا کہ اس سستی کا انجام برا ہے اور برے کام کا ایک نتیجہ ہے جو کچھ ہی مدت میں ظاہر ہو جائے گا۔''

ابن عقیل نے فرمایا کہ ''کیسا اس نے ہماری دینی کاموں میں سستی اور مہمل چھوڑ دینے

پر ندامت دلائی ہے جس کے نتائج کل قیامت میں خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے۔''

اہل تقویٰ کا احتساب نفس

مجلس.... بعض مرتبہ کسی دنیاوی چیز کے حصول پر مجھے عزیمت کے بجائے رخصت کی کسی صورت پر عمل کر کے قدرت حاصل ہو سکی۔ لیکن جب بھی کوئی چیز حاصل ہوئی تو کوئی چیز میرے دل سے رخصت ہو گئی اور جب بھی حصول کا کوئی طریقہ مجھ پر روشن ہوا تو اس نے میرے دل میں ایک نئی ظلمت پیدا کر دی۔

یہ محسوس کر کے میں نے اپنے نفس سے کہا اے برے نفس! گناہ وہی ہے جسے قلب دھتکارے اور ناپسند کرے جبکہ فرمایا گیا ہے ''اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ'' اپنے دل سے فتویٰ مانگو۔ لہٰذا اگر ساری دنیا کے حصول سے بھی دل میں کچھ کدورت اور میل پیدا ہو تو اس میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے بلکہ اگر جنت بھی ایسے راستہ سے حاصل ہو جو دین میں یا اللہ سے تعلق میں مضر ہو جائے تو اس کی لذتیں بھی بیکار ہیں جبکہ کدورت کے بغیر گھورے پر سو رہنا بادشاہوں کے تکیے اور مسندوں سے زیادہ سکون بخش ہو گا۔

اس بحث میں کبھی میں اپنے نفس پر غالب ہوتا تھا اور کبھی وہ مجھ پر وہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کی ضرورت بیان کرتا کہ یہ ضروری ہے اور کہتا کہ میں بظاہر مباح سے آگے تو نہیں بڑھتا ہوں؟

میں نے پوچھا کیا ''ورع و تقویٰ اس سے نہیں روکتا''؟

کہا ''ہاں! ورع روکتا تو ہے۔''

میں نے کہا ''کیا دل میں اس سے قساوت نہیں پیدا ہو گی؟''

اس نے کہا ''ہو جاتی ہے''

میں نے کہا ''بس تمہارے لیے ایسے کام میں کوئی بھلائی نہیں جس کا ثمرہ یہ ہو''

پھر ایک دن میں اپنے نفس کے ساتھ خلوت میں تھا تو میں نے اس سے کہا ''تیرا برا ہو سن! میں تجھ کو سمجھاتا ہوں اگر تو نے دنیا کا کچھ مال و متاع ایسے طریقہ سے جمع کر لیا جس میں شبہ ہو تو کیا تجھے یقین ہے کہ اسے تو خود خرچ کر سکے گا؟'' اس نے کہا نہیں!

میں نے کہا پھر ساری محنت کا حاصل یہ ہوا کہ دوسرے فائدہ اُٹھائیں اور تجھے یہاں

کدورت ملے اور وہاں ایسا گناہ جس سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا۔ تیرا ناس ہو!" وہ چیز اللہ کے لیے چھوڑ دے جس سے ورع و تقویٰ منع کر رہا ہے اور اس کو چھوڑ کر اللہ کی فرمانبرداری کر۔ لگتا ہے تو یا تو چاہتا ہے کہ صرف وہی چیزیں چھوڑے جو حرام خالص ہوں یا جن کے حصول کا سبب غلط ہو' کیا تو نے نہیں سنا کہ جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اس کا عوض اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔ کیا تجھے ان لوگوں میں کچھ عبرت نہ ملی جنہوں نے جمع کیا لیکن اسے دوسروں نے سمیٹ لیا اور جنہوں نے آرزوئیں تو باندھیں لیکن اپنی آرزوؤں تک نہیں پہنچ سکے۔

کتنے علماء نے بیشمار کتابیں جمع کیں لیکن خود نفع نہیں اُٹھا سکے اور کتنے نفع اُٹھانے والوں کے پاس دس رسالے بھی نہ تھے' کتنے خوش عیش ایسے ہوئے جو دو دینار کے بھی مالک نہیں تھے اور کتنے دولت مند ہوئے جن کی زندگیاں کدورتوں سے پُر تھیں۔

کیا تجھ میں کچھ فہم نہیں کہ ان لوگوں کے احوال پر نظر کرتا جنہوں نے ایک طرف سے رخصت پر عمل کر کے حاصل کیا اور دوسری طرف کئی راستوں سے چھن گئے۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ گھر کے ذمہ دار کو یا کسی اور فرد کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں رخصت پر عمل کر کے جو کچھ کمایا تھا اس کا کئی گنا خرچ ہو جاتا ہے جبکہ متقی شخص اس مرض سے محفوظ رہتا ہے۔"

یہ تقریر سن کر نفس چیخ پڑا اور کہا کہ "جب میں شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو آپ اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا "میں تجھے بڑے گھاٹے سے روکنا چاہتا ہوں اور تو اپنے حال سے خوب واقف ہے۔"

اس نے کہا "پھر مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟"

میں نے کہا "جو ذات تجھے دیکھ رہی ہے اس کا مراقبہ کر اور اپنے آپ کو تمام مخلوق سے بڑی اور عظیم ذات کے سامنے حاضر تصور کر کہ تو ایسے عظیم بادشاہ کی نگاہوں میں ہے جو تیرے باطن سے جتنا واقف ہے بڑے بڑے لوگ اتنا تیرے ظاہر کو نہیں دیکھ پاتے۔ لہٰذا احتیاط کا راستہ اختیار کر اور یقین کو فروخت کر کے رخصت پر عمل کرنے سے پرہیز کر اور دنیاوی خواہشات کے عوض اپنا تقویٰ نہ بیچ۔"

اور اگر اس احتیاط سے تیری طبیعت میں کچھ تنگی ہونے لگے تو اس سے کہہ دے کہ ذرا

ٹھہر! ابھی اشارہ کی مدت ختم نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس پر عمل کی طرف لے جانے والے ہیں اور وہی توفیق دے کر اعانت فرمانے والے ہیں۔

پاداشِ عمل ضروری ہے

مجلس.... ارباب مناصب اور امراء کے متعلق برابر سنتا رہتا ہوں کہ وہ شراب پیتے ہیں، کھلے عام گناہ کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں اور ایسے افعال کرتے ہیں جو حد یعنی شرعی سزاؤں کا سبب ہیں۔ تو میں سوچتا تھا کہ ایسے مرتبے کے لوگوں پر کیسے وہ جرم ثابت کیا جا سکے گا جو حد کا سبب ہے؟ اور اگر ثابت ہو گیا تو حد کون لگائے گا میں اسے عادۃً ناممکن سمجھتا تھا کیونکہ وہ اپنے عہدوں اور منصب کی وجہ سے احترام کے مقام پر تھے۔

بہت دنوں تک میں یہ سوچتا رہا کہ ان پر جو حد واجب ہے وہ ضائع اور رائیگاں ہو رہی ہے لیکن پھر میں نے دیکھا کہ وہ سزاؤں میں گرفتار کر لیے گئے اور پھر ان پر عجیب عجیب حالات آئے، ان کے ظلم کا بدلہ یہ ملا کہ ان کے اموال چھین لیے گئے، طرح طرح کی ذلتوں، بھاری بیڑیوں اور لمبی قید کے بعد بھی ان پر کئی گنا زیادہ حدود قائم کی گئیں، بہت سے تو سخت مصیبتیں دیئے جانے کے بعد قتل کر دیئے گئے۔ تب میں نے یقین کر لیا کہ کسی کو بھی یونہی نہیں چھوڑ دیا جاتا۔

پس بہت بچ کر رہو کیونکہ سزا گھات میں ہے۔

بقدر ضرورت مال جمع رکھنا ضروری ہے

مجلس.... سمجھ دار آدمی کے لیے شریعت اور عقل کے تقاضا کی وجہ سے اپنے ضروری مصالح کے اسباب حاصل کرتے رہنا ضروری ہے۔

مثلاً مال کی حفاظت، اس کی زیادتی کی کوشش اور اس کی رغبت ہے کیونکہ مال انسان کی بقاء کا سبب اور اس کی عزت کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ.

"اپنا مال ناعاقبت اندیشوں کے حوالے مت کرو۔"

اور بتلایا گیا ہے کہ وہ بقاء کا سبب ہے: اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا.

''وہ مال جسے اللہ نے تمہاری معاش کا قوام بنایا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا: وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ. ''بہت زیادہ ہاتھ کھول کر خرچ نہ کرو۔''

اور فرمایا: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا. ''ذرا بھی فضول خرچی نہ کرو۔''

اور فرمایا: ''لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذَالِکَ قِوَامًا. ''نہ انہوں نے اسراف کیا اور نہ ہی تنگی کی بلکہ انہوں نے درمیان کا معتدل راستہ اختیار کیا۔''

اور مال کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا. ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔''

اور فرمایا: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ''اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔''

اور ارشاد فرمایا: یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ. ''وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

اور ارشاد ہے: لَایَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ. ''تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا ان کے برابر وہ نہیں ہو سکتے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے مال کو نعمت اور اس کی زکوٰۃ کو تطہیر قرار دیا ہے۔ فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ.

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر ان کو پاک بنایئے اور اس کے ذریعے ان کا تزکیہ فرمایئے۔''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ.

''عمدہ اور حلال مال نیک شخص کے لیے بہت خوب ہے۔''

اور فرمایا: مَانَفَعَنِیْ مَالٌ کَمَالِ اَبِیْ بَکْرٍ. ''مجھے ابوبکر کے مال جتنا نفع دوسرے سے نہیں پہنچا۔''

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سفر میں چلے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''بقدرِ کفایت روزی حاصل کرتے ہوئے کسی پہاڑ کی

دوگھاٹیوں کے درمیان مرنا مجھے فی سبیل اللہ غزوہ کرتے ہوئے شہید ہونے سے زیادہ پسند ہے۔"

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت تجارت کیا کرتی تھی۔

سید التابعین حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات کے بعد بہت سا مال چھوڑا۔ آپ زیتون کا تیل جمع کر کے رکھے رہتے جب بھاؤ چڑھتا تب فروخت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے حضرات سلف کی بھی مال کے متعلق ایسی روش رہی۔

پھر یہ بھی ہے کہ حادثات پیش آجاتے ہیں۔ مثلاً بیماریاں ہیں کہ ان میں مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے وقت میں انسان کو اس کی طلب میں اضطراب و پریشانی لاحق ہو جاتی ہے پھر یا تو وہ آبرو برباد کرتا ہے یا دین اور یہ بھی ہے کہ مال کے پاس رہنے سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اطباء نے اسے بھی قوت کی ایک دوا شمار کیا ہے اور یہ ایک حکمت ہے جو اللہ نے مال میں رکھی ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود کچھ لوگوں نے راحت کی راہ اختیار کی اور توکل کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کوئی چیز روک کر نہیں رکھتے، سفر میں زادِ سفر لے کر نہیں چلتے اور جسم کے لیے رزق تو خود ہی سے آتا ہے حالانکہ یہ شریعت کے خلاف دعویٰ ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے ہیں تو آپ نے زادِ سفر لیا تھا اور خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو زادِ سفر ساتھ میں رکھا۔ پھر ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى.

"توشہ لے کر سفر کیا کرو اور سب سے عمدہ توشہ وہ ہے جو آبرو کی حفاظت کا ذریعہ ہو۔"

اور یہ متصوفین دنیا سے بغض اور نفرت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھ پاتے کہ کس چیز سے بغض رکھنا چاہیے، وہ مال کی زیادتی کی کوشش کو حرص اور لالچ قرار دیتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے ایسا طریقہ گڑھ لیا ہے، جس میں اگر وہ مخلص بھی ہوں تب بھی رہبانیت کی بُو آتی ہے۔[1]

---

[1] مشائخ محققین کو ان صوفیاء پر قیاس نہ کر لیجیے گا جن پر علامہ ابن الجوزی نکیر فرما رہے ہیں۔ راہب صوفیاء پر ہمیشہ محققین نے نکیر کی ہے۔ موجودہ زمانے کے اکثر مشائخ رہبانیت سے کوسوں دور ہیں۔ ۱۲ حمزہ

ان کا ایک کھوٹ یہ ہے کہ جب انہوں نے زہد اختیار کر کے شکار کا جال لگایا تو جو کچھ ان کے پاس ہدایہ تحائف آتے ہیں انہیں فتوحات کا نام دیتے ہیں۔

ابن قتیبہ نے غریب الحدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اَلْیَدُ الْعُلْیَا" کی شرح میں فرمایا ہے "ھِیَ الْمُعْطِیَۃُ" (دینے والا ہاتھ) اور آگے فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو "اَلْیَدُ الْعُلْیَا" سے مراد "اٰخِذَۃٌ" (لینے والا ہاتھ) بتلاتے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مانگنا بھلا معلوم ہوتا ہے اسی لیے یہ اپنی دناءت اور پستی کے لیے اس حدیث کو حجت بنانا چاہتے ہیں لیکن شریعت ان کی تاویلوں سے بری ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے مویشیوں سے شہر تنگ پڑنے لگا تھا تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس بہت مال تھا اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام سے اجرت کی زیادتی کی خواہش کی اور فرمایا: فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ. "اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا۔"

اور حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ "جو شخص یہ کہے کہ میں دنیا سے محبت نہیں کرتا وہ کذاب ہے" کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹے یامین کو مانگا گیا تو آپ نے فرمایا: ھَلْ اٰمَنُکُمْ عَلَیْہِ. "کیا اس کے متعلق میں تم پر اطمینان کر لوں گا؟ (یعنی انکار کر دیا)"

لیکن جب بھائیوں نے عرض کیا: وَنَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ. "ہم ایک اونٹ غلہ زیادہ حاصل کر لیں گے۔" تو فرمایا لیجاؤ۔ بعض سلف کا قول ہے کہ "جس نے دنیا سے بغض و نفرت کا دعویٰ کیا جب تک اس کو ثابت نہ کر دے کذاب (جھوٹا) ہے اور اگر ثابت کر دیا تو مجنون ہے۔"

ان جعلی صوفیوں کی جماعت نے بہت سے لوگوں میں کسب معاش سے نفرت اور وحشت پیدا کر دی حالانکہ وہ انبیاء اور صلحاء کا طریقہ ہے۔

اور ان کے سارے ڈھونگ کا مقصد راحت کے راستہ کی طلب ہے اس لیے یہ "فتوحات" پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے۔ جب آسودہ ہو جاتے ہیں تو رقص کرتے اور جھومتے ہیں اور جب کھانا

ہضم ہو جاتا ہے تو پھر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور جہاں کہیں انہیں کسی مالدار کے متعلق کچھ موقعہ ملا اس کی تعریف کر کے یا استغفار کی کثرت کا مظاہرہ کر کے اس پر اپنی دعوت مڑھ دیتے ہیں۔

پھر اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ اس رقص وسرود کے عبادت اور قربت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے رقص کے متعلق اللہ کی قربت ہونے کا دعویٰ کیا وہ کافر ہو گیا۔ اگر وہ اسے مباح کہتے تو زیادہ بڑی بات نہ تھی کیونکہ طاعت اور قربت وہ افعال ہوتے ہیں جو شریعت نے بتلائے ہوں اور شریعت میں نہ رقص کا امر کیا گیا اور نہ اسے مستحب کہا گیا۔

مجھے تحقیق کے ساتھ ایک جماعت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ امردوں کے چہرے کے سامنے شمع جلا کر اسے گھورتے تھے اور جب ان سے اس کے متعلق کوئی سوال کر لیتا تو پوچھنے والے کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ ہم اللہ کی مخلوق سے عبرت حاصل کر رہے ہیں۔

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" اس جماعت پر شیطان چھا چکا ہے اور جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

"اس پر تعجب ہے جو دنیا کی مذمت کرتا ہے حالانکہ آسودہ ہو کر کھاتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا؟"

جبکہ سلف صالحین ہمیشہ کھانے کے متعلق تحقیق کر لیتے تھے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اور آپ کے اصحاب بھی رات بھر جاگتے رہتے اور کہتے تھے کہ ہم کل کس کے ساتھ کام کریں گے؟

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی غذا کی پاکیزگی میں مشہور تھے اور ورع وتقویٰ میں ان کو بہت اونچا مقام حاصل تھا۔

مگر ایک قوم پیدا ہوئی جو اپنے کو صوفیاء کہلاتی ہے اور ان حضرات سلف (یعنی سچے صوفیاء) کی اتباع کا دعویٰ کرتی ہے اس کے باوجود فلاں اور فلاں (یعنی مشتبہ آمدنی والوں) کا مال کھا لیتی ہے حالانکہ اسے ان اموال کی اصل معلوم رہتی ہے کہ حرام ہے یا حلال اور کہتی ہے "رُزِقْنَا" (ہمیں خدا کی طرف سے روزی دی گئی)۔

ایسی حالت پر سخت افسوس ہے کہ کھانے والے کو اس کی پرواہ نہ رہے کہ کہاں سے کھا

رہا ہے' وہ اپنی خواہشات سے نہ تو باز آتا ہے اور نہ اس میں کمی کرتا ہے اس کی قیام گاہ مطبخ سے خالی نہ رہتی ہو اور کسی رات اس کا مطبخ بند نہ ہوتا ہو۔ مزید برآں وہ ایسے مال سے جاری ہو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے اس کا حمام ہر وقت کھلا رہتا ہو' اس کے پاس گویے ایسا دف بجاتے ہوں جس میں جھنجنے اور گھنگھروہوں اور بانسری ہو' اور شعر خوانی میں سعدیٰ و لیلیٰ کے تذکرے ہوتے ہوں' امردلڑکوں کو شمع کے سامنے بٹھا کر انہیں گھورا جاتا ہو اور ان سب کے بعد دنیا کی مذمت کی جاتی ہو۔ بھلا بتاؤ! ان کے سوا کون ہے جو لوگوں کو لہو ولعب میں مبتلا کرتا ہو اور جس شخص پر ان کا مکر چل جائے وہ ان سے بھی بدتر ہے۔

کس قدر عظیم ہے وہ ذات

مجلس.... سفر حج کے راستے میں مجھے عرب کے بدوؤں سے خوف محسوس ہوا اس لیے ہم لوگ خیبر کے راستے سے چلے' راستے میں دہلا دینے والے ایسے پہاڑ اور ایسے عجیب عجیب راستے نظر آئے جنہوں نے مجھے غرق حیرت کر دیا اور میرے دل میں خالق تعالیٰ کی عظمت بڑھ گئی۔ اس کے بعد جب بھی ان راستوں کی یاد آ جاتی ہے تو میرے اندر تعظیم خدا وندی کا ایسا جذبہ ابھرتا ہے جو دوسری چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ احساس کر کے میں نے نفس کو پکارا کہ ذرا سمندر کی طرف چل اور اس کو اور اس کے عجائب کو فکر کی نگاہ سے دیکھ تو اس وقت تو ایسی بڑی بڑی چیزوں کا مشاہدہ کرے گا جو اس سے بھی عظیم ہیں۔

پھر اس کائنات سے نکل کر اس کی طرف دیکھ تو تجھے یہ کائنات آسمانوں اور افلاک کے مقابلے میں ایسی نظر آوے گی جیسے کسی وسیع میدان میں چھوٹا سا ذرہ ہو۔

مزید آگے بڑھ کر آسمانوں کا چکر لگا اور عرش کے اردگرد گھوم اور جنت و جہنم میں جو کچھ ہے اسے جھانک کر دیکھ۔

پھر ساری کائنات سے نکل جا اور اس کی طرف دیکھ تب تجھے اندازہ ہو گا کہ یہ سارا عالم اس قادر مطلق کے قبضہ میں ہے جس کی قدرت لامحدود ہے۔

پھر اپنی طرف توجہ کر! اپنی ابتداء اور انتہاء کو سوچ' ابتداء سے پہلے تو کیا تھا تجھے اندازہ

ہوگا کہ معدوم محض تھا اور گلنے سڑنے کے بعد کو سوچ کر مٹی ہو جائے گا۔

اب بھلا وہ شخص جس نے فکر کی نگاہ سے اپنی ابتداء اور انتہاء کو سوچ لیا وہ اپنے وجود سے کیسے مانوس ہوسکتا ہے؟ اور لوگوں کے دل اس عظیم معبود کی یاد سے کیونکر غافل ہوسکتے ہیں۔ واللہ! اگر لوگ خواہشات کے نشہ سے افاقہ میں ہوں (مدہوش نہ ہوں بیدار ہوں) تو اس کے خوف سے پگھل جائیں یا اس کی محبت میں ڈوب جائیں۔

لیکن چونکہ طبعی تقاضوں کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے خالق اکبر کی قدرت پہاڑوں کے دیکھنے کے وقت ہی بڑی معلوم ہوئی حالانکہ کہ اگر فہم کے ذریعے حقائق میں غور کیا جاتا تو پہاڑوں کی دلیل سے زیادہ معانی اور حقیقتیں ہی اس کی قدرت پر دلالت کردیتیں۔

پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر مخلوق کو ان مشاغل میں لگا کر جن میں وہ مشغول ہیں اس مقصد سے غافل کردیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے تھے۔

ہر مصیبت کی ایک حد ہے

مجلس.... مصیبت اور آلام کے ختم ہونے کی مدت اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے۔ لہٰذا ابتلاء مصیبت و آلام کو مصیبت کا وقت ختم ہونے تک صبر کرنا چاہیے اگر وقت سے پہلے چیخنا چلانا شروع کرے گا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

جیسے کسی مرض کا مادہ جب کسی عضو پر اتر آتا ہے تو لوٹ نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کے اثر کے ختم ہونے تک صبر ضروری ہوگا۔

''مصیبتوں کے جلد زائل ہوجانے کا مطالبہ جب کہ اس کی ایک متعین مدت ہے کچھ نافع نہیں ہے اس لیے صبر سے چارہ نہیں۔''

اگرچہ دعاء بھی مشروع ہے اور نفع اسی سے ہوسکتا ہے مگر دعا کرنے والے کو جلدی نہیں مچانی چاہیے بلکہ صبر اور دُعاء کے ذریعہ بندگی اختیار کرے اور اپنے کو حکیم مطلق کے حوالہ کردے اور ان گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش کرے جو مصیبت کا سبب بن سکتے ہوں کیونکہ عامۃً بلاء و مصیبت کسی گناہ کی سزا ہوا کرتی ہے۔

اور جلدی مچانے والا تو مدبر حقیقی سے مزاحمت کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ عبودیت اور بندگی کا مقام نہیں ہے۔ ''بلند مقام تو رضاء ہے اور صبر واجب ہے۔''

اور دعاء کی کثرت جو گریہ و زاری کے ساتھ ہو سب سے زیادہ اعتماد کی چیز ہے' اعتراض کرنا حرام ہے اور جلد بازی کا مظاہرہ تدبیر خداوندی سے مزاحمت ہے۔

ان باتوں کو خوب سمجھ لو! مصیبتیں اور بلائیں آسان ہو جائیں گی۔

صبر کے معین تصورات

مجلس....تمام موجودات میں سب سے مشکل چیز صبر ہے جو کبھی محبوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوٹنے پر کرنا پڑتا ہے اور کبھی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ حالات کے پیش آنے پر خصوصاً جبکہ تکلیف دہ حالات کا زمانہ طویل ہو جائے اور کشادگی و فراخی سے نا اُمیدی ہونے لگے۔

ایسے وقت میں مصیبت زدہ کو ایسے توشہ کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کا سفر قطع ہو سکے اور اس توشہ کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مصیبت کی مقدار کے متعلق سوچے کہ اس کا اور زیادہ ہونا بھی ممکن تھا۔

ایک یہ کہ اپنی حالت کو دیکھے کہ اس کے پاس اس مصیبت سے بڑی بڑی نعمتیں موجود ہیں مثلاً کسی کا ایک بیٹا مر گیا لیکن دوسرا اس سے عزیز بیٹا موجود ہے۔

ایک یہ ہے کہ دنیا میں اس مصیبت کا بدلہ ملنے کی امید رکھے۔

ایک یہ کہ آخرت میں اس پر اجر ملنے کو سوچے۔

ایک یہ ہے کہ ایسے حالات پر جن پر عوام مدح و تعریف کرتے ہیں۔ ان کی مدح و توصیف کا تصور کر کے لذت حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اجر ملنے کے تصور سے لطف اندوز ہو۔

ایک یہ بھی ہے کہ سوچے کہ ہائے واویلا کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے آدمی مزید رسوا ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو عقل و فہم غلط بتلاتے ہیں۔

صبر کے راستہ میں ان تصورات کے علاوہ کوئی اور توشہ کام نہیں آ سکتا۔ لہٰذا صابر کو چاہیے کہ اپنے کو ان میں مشغول کرے ان کے ذریعے اپنی آزمائش کی گھڑیاں پوری کرے اور صحیح صحیح منزل پر پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں حکیم بھی

مجلس.....اس شخص کے لیے جس نے کسی تنگی میں مبتلا ہو کر دعاء کی ہو مناسب یہ ہے کہ قبولیت اور عدم قبولیت کے متعلق زیادہ خلجان نہ کرے۔ اس لیے کہ اس کے ذمہ صرف دعاء کرنا تھا اب جس سے دعاء کی گئی ہے وہ مالک ہے اور حکیم ہے۔ اگر اس نے دعاء قبول نہیں کی تو اپنی ملکیت میں جو چاہا کیا اور اگر تاخیر سے قبول کی تو اپنی حکمت کے تقاضا پر عمل کیا۔ لہٰذا اس کے اسرار کے متعلق اس پر اعتراض کرنے والا بندگی کی صفت سے خارج ہے اور حق دار کے مرتبہ سے ٹکرانے والا ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا انتخاب و اختیار خود اس کے انتخاب سے بہتر ہے کیونکہ کبھی وہ ایسے "سیلاب" کا سوال کر لیتا ہے جو اُسی کو بہالے جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اس کو جہاد کی توفیق مل جائے تو اس کو ایک غیبی آواز نے پکارا اور کہا کہ اگر تم نے غزوہ میں شرکت کی تو قید ہو جاؤ گے اور اگر قید ہو گئے تو نصرانی ہو جاؤ گے۔ بندے نے جب اس کے حکیم ہونے کو تسلیم کر لیا اور یہ یقین کر لیا کہ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جائے گا خواہ اس کی ضرورت پوری ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

مامن مسلم دعا اللّٰہ تعالیٰ الا اجابه فاما ان یعجلها واما ان یؤخرها واما ان یدخرها لهٗ فی الآخرۃ فاذا رأی یوم القیٰمة ان ما اجیب فیه قد ذهب ومالم یجب فیه قدبقی ثوابه قال لیتک لم تجب لی دعوۃ قط.

"مؤمن کی ساری دعائیں قبول ہو جاتی ہیں البتہ بعض کا اثر فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض کا ذرا تاخیر سے اور بعض کو ذخیرہ بنالیا جاتا ہے پھر جب وہ مؤمن قیامت کے دن دیکھے گا کہ جن دعاؤں کا اثر دنیا میں ظاہر ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو گئیں اور جن کا نہیں ظاہر ہوا تھا ان کا بدلہ باقی ہے (آج ملے گا) تو سوچے گا کاش! میری کسی دعاء کا اثر دنیا میں نہ ظاہر ہوا ہوتا۔"

ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور اپنے دل کی اس سے حفاظت کرو کہ اس میں شک کھٹکے یا جلد بازی پیدا ہو۔

علم کی فضیلت اور عمل کی ضرورت

مجلس.... جو شخص زاہدوں کے مقابلے میں علماء کی فضیلت معلوم کرنا چاہے وہ جبرئیل و میکائیل اور ان فرشتوں کے مرتبے کو دیکھے جو مخلوق سے متعلق کاموں میں مشغول ہیں ان فرشتوں کے مقابلے میں جو عبادت و بندگی کے لیے کھڑے کہ وہ گرجا گھروں میں رہنے والے راہبوں کی طرح ہیں۔

(یعنی اپنے کام کے ساتھ دوسروں کی بھی خدمت کرنا وجہ شرف ہے۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ملائکہ میں کون مقرب ترین ہیں وہ جو صرف عبادت میں لگے ہیں یا وہ جو خدمت پر مامور ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بھی وہی زیادہ اہل شرف ہوگا جو اپنی رعایت کے ساتھ دوسروں کے بھی کام آوے اور مخلوق کی خدمت کرے۔۱۲ مترجم)

''سارے فرشتوں کو اللہ کی معرفت کے بقدر خدا کا قرب حاصل ہے۔''

(جیسا کہ انسانوں میں ہوتا ہے) جب ان میں کوئی فرشتہ وحی لے کر گزرتا ہے تو اہل آسمان اس وقت تک کانپتے رہتے ہیں جب تک وہ انہیں خبر پہنچا نہ دے۔

فَاِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡ قَالُوا الۡحَقَّ.

''پھر جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہے تمہارے رب کا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا حق ہے۔''

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی زاہد کسی حدیث کو سن کر کانپنے لگتا ہے پھر علماء سے اس کی صحت اور اس کا صحیح مطلب معلوم کرنے کی فکر کرتا ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے ایک جماعت کو ایسی خصوصیت سے نوازا جس کے ذریعے اس کو اس کے ہم جنسوں پر شرف بخشا۔ بلاشبہ علم سے زیادہ شرف والی کوئی صفت نہیں ہے اسی کی زیادتی سے حضرت آدم علیہ السلام مسجود ہوئے اور اسی کی کمی کی وجہ سے ملائکہ کو جھکنا پڑا۔ لہٰذا ساری مخلوق میں اللہ رب العزت کا سب سے زیادہ قرب علماء کو حاصل ہے۔

لیکن محض علم کی ظاہری صورت نافع نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت نافع ہے اور حقیقت

تک اسی شخص کی رسائی ممکن ہے جس نے اس پر عمل کرنے کے لیے اُسے سیکھا۔ یعنی جب بھی اس کا علم کسی فضیلت کے کام کی طرف رہبری کرے وہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جب کسی نقص سے روکے اس سے بچنے کا اہتمام کرے۔ ایسے وقت میں علم اس پر اپنے راز منکشف کردے گا' اس پر اپنا راستہ آسان کردے گا اور وہ اس لوہے کی طرح ہوجائے گا جسے کوئی مقناطیس کھینچ رہا ہو کہ جب مقناطیس میں حرکت ہوگی فوراً یہ بھی حرکت کرے گا (یعنی جب علم کوئی تقاضا کرے گا فوراً یہ شخص اس پر آمادہ ہوجائے گا)

اور جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا علم اُسے اپنی گہرائی میں جھانکنے نہیں دیتا' اپنے راز اس پر نہیں کھولتا اور وہ اس خشک شوریلی زمین کی طرح ہوجاتا ہے جس پر خواہ کتنا ہی پانی ڈالا جائے سب جذب کرجاتی ہے اور برگ و بار نہیں لاتی۔

اسی مثل کو خوب سمجھ لو اور اپنی نیت درست کرو ورنہ پھر فضول اپنے کو نہ تھکاؤ۔

نفس کو بہلا کر رکھنا چاہیے

مجلس.... یاد رکھو! ہر چیز میں اعتدال سب سے عمدہ چیز ہے۔ جب ہم دنیاداروں کو دیکھتے ہیں کہ ان پر لمبی لمبی آرزوؤں کا غلبہ ہے بھلائی کے سلسلے میں ان کے اعمال خراب ہوچکے ہیں تو ہم انہیں موت کو' قبروں کو' اور آخرت کو یاد کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اور اگر ایسا عالم ہو جو ہر وقت موت کا تصور رکھتا ہے آخرت کی باتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں اور اس کی زبان پر جاری رہتی ہیں تو اب اس کو مزید موت کی یاد دلانے سے اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ بالکل بیکار ہوجائے۔

لہٰذا ایسے عالم کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو' آخرت کو یاد کرنے والا ہو' مناسب یہی ہے کہ اپنے کو موت کے تذکرے سے الگ رکھے تاکہ اس کی آرزوئیں کچھ دراز ہوں پھر وہ تصنیف کرسکے اور دوسرے اعمال خیر انجام دے سکے اور طلب اولاد وغیرہ پر قدرت حاصل کرے کیونکہ اگر وہ موت کی یاد میں لگے گا تو بھلائی سے زیادہ خرابی پیدا ہوگی۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ کا مقابلہ کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ گئیں اور اگلی مرتبہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سبقت لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے تھے اور اپنے کو مشغول رکھتے تھے۔

دراصل حقائق کا زیادہ مطالعہ بدن کے فساد کا اور نفس کی گھبراہٹ کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے اوپر خوف کا دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ کھول دیا گیا لیکن پھر آپ کو اپنی عقل کے متعلق خطرہ ہوا تو دعا کی کہ یہ حالت واپس لے لی جائے۔

اس اصل میں غور کرو کیونکہ نفس کو بہلا کر رکھنا ضروری ہے۔ اسی میں اس کی درستگی ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ والسلام

بلند حوصلگی کی ترغیب

مجلس.....جو اپنی صاف ستھری فکر کو استعمال کرے گا اس کی فکر اسے اعلیٰ مرتبوں کے حاصل کرنے پر ابھارے گی اور کسی بھی حالت میں نقص یعنی کمی پر راضی ہونے سے باز رکھے گی۔ ابوالطیب متنبّی اس کے متعلق کہتا ہے:

وَلَمْ اَرَ فِیْ عُیُوْبِ النَّاسِ عَیْبًا کَنَقْصِ الْقَادِرِیْنَ عَلَی التَّمَامِ

''لوگوں کے عیوب میں ان لوگوں کے عیب سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا جو کمال کے حاصل کرنے پر قدرت کے باوجود کوتاہی کریں۔''

اس لیے سمجھدار شخص کو جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہو پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر آدمی کے لیے آسمانوں پر چڑھنا متصور ہوتا تو میں زمین پر رہ جانے کو بدترین نقص قرار دیتا اور اگر نبوت کا حصول اپنی کوششوں سے ممکن ہوتا تو میں اس کے حصول میں کوتاہی کرنے والوں کو پست حوصلہ تصور کرتا۔

مگر چونکہ وہ ممکن نہیں ہے اس لیے کم از کم جو ممکن ہو اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور حکماء وعقلاء کے نزدیک حسن سیرت کی تعریف یہ ہے کہ ''انسان کے لیے علم وعمل کے جتنے کمالات ممکن ہوں ان کا انتہائی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔''

میں اسی تعریف کی کچھ ایسی اجمالی تشریح کرنا چاہتا ہوں کہ جتنی بات میں ذکر کروں اسی سے غیر مذکور تک رہنمائی ہو جائے۔

(۱) جسم میں (مرتبہ کمال کے حصول کے لیے عرض ہے کہ) ظاہری صورت آدمی کے اختیار وکسب سے خارج ہے۔ البتہ اس کی تحسین وتزئین اس کی قدرت میں ہے۔ لہٰذا سمجھدار آدمی کے لیے اپنے جسم کو یونہی چھوڑے رکھنا نہایت بری بات ہے۔ شریعت نے بعض مخصوص اعضاء کی صفائی کا حکم دے کر سارے جسم کی صفائی ستھرائی پر تنبیہ کی ہے۔ چنانچہ ناخن ترشوانے، بغل کے بال لینے اور موئے زیر ناف صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح بدبو کے خیال سے کچی پیاز اور لہسن وغیرہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ان پر قیاس کر کے اس کو نظافت اور زینت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا پتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ خوشبو سے لگ جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظافت وطہارت کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔

لیکن میں اس انتہاء پسندی کا مشورہ نہیں دیتا ہوں جس پر وسوسہ کے مریض عمل کرتے ہیں بس میانہ روی اور اعتدال محمود ہے۔

(۲) پھر اس کو چاہیے کہ اپنے بدن کے ساتھ جو اس کی سواری ہے رفق ونرمی کا سلوک کرے اس کی غذا میں ایسی کمی نہ کرے کہ اس کا زور ٹوٹنے لگے اور اتنا زیادہ آسودہ بھی نہ کردے کہ ڈکاریں لینے لگے۔ اس میں بھی میانہ روی کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ طاقتور آدمی کی مثال بہتے ہوئے چشمے جیسی ہے جس میں اس کے مالک کے لیے بھی بیشمار منفعتیں ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

اور وسوسہ زدہ جعلی زاہدوں کے قول کی طرف توجہ نہ کرے جنہوں نے مباحات بلکہ ضروریات میں اتنی کمی کر دی جس کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہونے لگے حالانکہ یہ شریعت کا مطلوب نہیں تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا حال یہ تھا کہ جب کھانے کو نہ ملتا تب بھوکے رہتے اور کبھی اپنے پر دوسروں کو ترجیح دے دیتے (یعنی

ایثار کرتے) تب صبر کر لیتے (جس کا حاصل ہوا کہ بلا وجہ قصداً اپنے کو بھوکا رکھنا کوئی کمال نہیں ہے اگر ہوتا تو ثابت ہوتا)۔

اسی طرح اس شخص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی سواری (جسم) کے لیے چارہ دیکھ بھال کر حاصل کرے۔ ''بعض لقمے ایسے مضر ہوتے ہیں جو بہت سے لقموں سے روک دیتے ہیں۔''

لہٰذا مضر غذائیں نہ استعمال کرے بلکہ جو مناسب ہوں بدن کو لگنے والی ہوں ان کا استعمال کرے اور اس جعلی زاہد کے قول کی طرف ذرا التفات نہ کرے جو کہتا ہے ''میں اپنے جسم تک کوئی پسندیدہ اور مرغوب غذا نہیں پہنچنے دوں گا۔'' کیونکہ دیکھنے کی چیز بس یہ ہے کہ کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اور کتنی مقدار کا استعمال مناسب ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے وہ چیزیں منقول نہیں ہیں جسے وسوسہ زدوں نے ایجاد کر رکھا ہے کہ نفس کو علی الاطلاق مرغوب چیزوں سے محروم کر دیا ہے کیونکہ ان حضرات سے جہاں کہیں نہ دینا اور محروم کرنا منقول ہے وہ کسی خاص سبب کی وجہ سے ہے۔ مثلاً اس غذا کے حلال ہونے میں شبہ یا نفس کی عادت خراب ہونے کا اندیشہ (کہ پھر ہر وقت مانگے گا) اور ایسی صورت میں نہ دینا جائز ہے۔

(۳) پھر اس کو تجارت اور کسب معاش میں محنت کرنا چاہیے تاکہ دوسروں پر احسان کر سکے نہ کہ دوسروں کے احسان کا محتاج ہو کر رہے لیکن مال و دولت کا اتنا ہی مرتبہ حاصل کرے جو اس کے مشغلہ علم میں رکاوٹ نہ ہو (بہت زیادہ کی طلب میں نہ رہے)۔

(۴) پھر اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ سب سے بڑا نقص تقلید ہے۔ اب اگر اس کی ہمت بلند ہے تو قوت اجتہاد اس کو ایسے مرتبہ تک پہنچا دے گی کہ وہ اپنے لیے بصیرت کے ساتھ ایک مسلک منتخب کر سکے یونہی کسی کی تقلید نہ کرنے لگے۔

''اندھے مقلد کی مثال اس اندھے جیسی ہوتی ہے جسے اس کا قائد جدھر چاہے لے جائے۔''

(اسی لیے جو بالکل اندھے ہیں یعنی عوام کو ایسا رہبر منتخب کرنا چاہیے جس کا سیدھے راستہ پر ہونا یقینی ہو۔ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے خیر القرون پایا ہے اور جو ایک آنکھ والے ہیں یعنی علماء ان کو بھی ایسا رہبر ساتھ رکھنا احوط ہے جو ہر طرف گہری نظر رکھتا

ہے ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے جو اندھے اور کانے ہیں اور بلا راہبر کے ٹھوکریں کھاتے ہوئے چل رہے ہیں ممکن ہے کوئی غار آوے اور کمزور نظر اسے نہ دیکھ سکے پھر خود بھی گریں اور اپنے ساتھ بہت سے اندھوں کو بھی لیجائیں۔"ضلوا فاضلوا ۱۲ امترجم")

(۵) پھر اللہ کی معرفت اور اس کا تعلق پیدا کرنے میں انتہائی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

حاصل یہ کہ کوئی بھی ایسی فضیلت جس کا حاصل کرنا اس کے بس میں ہو اُسے حاصل کرکے ہی چھوڑے۔

"کسی بھی حالت پر قناعت کرکے بیٹھ رہنا پست حوصلہ لوگوں کی صفت ہے۔"

فَكُنْ رَجُلاً رِجْلُهُ فِي الثَّرٰى وَهَامَةُ هِمَّتِهِ فِي الثُّرَيَّا.

"تم ایسے مرد بنو جس کا پاؤں زمین کی نچلی تہہ میں ہو اور جس کی ہمت کی بلندی ثریا تک ہو۔"

اور اگر تمہارے لیے علماء زہاد میں سے ہر ایک کے مرتبہ سے ترقی کر جانا ممکن ہو تو ترقی کر جاؤ اور ممکن کیوں نہ ہو گا وہ بھی انسان تھے اور تم بھی انسان ہو۔

"جو بھی مراتب کے حصول میں نہیں لگا وہ پست ہمتی کی وجہ سے نہیں لگ سکا۔"

یاد رکھو! تم مقابلے کے میدان میں ہو زمانہ پر لوٹ پڑ رہی ہے اور وہ تمہارے کسل کے دور ہونے کا انتظار نہیں کرتا ہے۔اب تک جو کچھ فوت ہوا کسل اور سستی کی وجہ سے اور جو کچھ بھی حاصل ہوا کوشش اور عزم پختہ سے، ہمت بلند دلوں کے اندر ویسی ہی جوش مارتی ہے جیسے ہانڈیوں میں جوش ہوتا ہے۔اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے:

لیس لی مال سوی کری ...... فبه احیا من العدم ...... قنعت

نفسی بما رزقت ...... ونمطت فی العلاھممی.

"سوائے جدوجہد کے میرے پاس کوئی مال نہیں۔صرف اسی کے سہارے میری زندگی ہے، میرے نفس کو جتنا مل گیا اتنے پر قناعت کرلیا اور میری ہمت بلندیوں پر سوار ہے۔"

طلبہ علم کو نصیحت

مجلس....علماء کے حق میں لوگوں سے استغناء کے لیے کچھ مال جمع رکھنے سے زیادہ

نفع بخش کوئی تدبیر نہیں کیونکہ جب علم کے ساتھ مال اکٹھا ہوتا ہے تو کمال کا سبب بنتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عامۃً علماء کرام کے لیے تحصیل علم کی مشغولی کسب معاش سے رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں ضروریات زندگی کی حاجت ہوتی ہے اور زیادہ صبر نہیں ہو پاتا' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے راستوں پر چل پڑتے ہیں جو ان کے لیے باعث عیب ہیں۔ اگر چہ وہ اس کا کوئی معقول عذر پیش کریں لیکن ایسا نہ کرنا ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا۔

دیکھو! امام زہری رحمۃ اللہ علیہ عبدالملک کے ساتھ اور ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ طاہر بن الحسین کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ معتضد باللہ کے مؤدب بن گئے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو مدح وزیر سے شروع فرمایا اور بعد کے بعض علماء وزہاد نے بھی ایسے حکمرانوں کے سائے میں زندگی گزاری جو ظلم و جور میں مشہور تھے۔ یہ حضرات اگر چہ تاویل کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے دلوں سے اور کمال ایمان سے اس سے زیادہ کھو دیا جتنا انہوں نے دنیا حاصل کی۔

ہم نے جعلی صوفیاء وعلماء کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا کہ وہ حکام کو گھیرے رہتے تھے تا کہ ان سے کچھ حاصل کر سکیں۔ پھر ان میں سے بعض اظہار حق میں نرمی برتتے اور ریاکاری کرتے تھے اور بعض ان کی حدود سے متجاوز مدح کرنے لگے اور بعض منکرات وغیرہ پر سکوت کرتے تھے اس کے علاوہ کچھ اور حرکتیں تھیں اور ان سب کی اصل وجہ فقر تھی تو ہمیں یقین ہو گیا کہ عزت کا کمال اور ریاء سے اجتناب ظالم حکمرانوں سے جدا رہ کر ہی ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ اجتناب و پرہیز دو ہی طرح کے لوگ کر سکتے ہیں یا تو اس کے پاس مال ہو۔ جیسے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہ زیتون کے تیل وغیرہ کی تجارت کرتے تھے اور جیسے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہ ان کے پاس بہت سارا سرمایہ تھا اور جیسے عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ۔

اور یا ایسا شخص ہو جو سخت سے سخت حالات میں صبر کر سکتا ہو جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کر سکتا ہو۔ اگر چہ وہ اس کے لیے کافی نہ ہو جیسے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جب عام افراد کو ان حضرات جیسی صبر کی قوت یا ان حضرات جیسا مال و دولت نہ میسر ہو گا تو ظاہر ہے کہ آزمائشوں اور آفتوں میں اِدھر سے اُدھر لڑھکے گا

بلکہ کبھی دین بھی برباد کرسکتا ہے۔

لہٰذا اے طلبہ علم! اتنا مال ضرور جمع رکھو کہ لوگوں کے ہدایہ وتحائف سے استغناء رہے اس سے تمہارا دین محفوظ رہے گا۔

میں نے عامۂ علماء کے اندر دینداری، زہد اور خشوع کے مظاہرہ میں جو نفاق دیکھا یا ان پر کوئی آفت طاری ہوتے دیکھی وہ صرف حب دنیا کی وجہ سے اور حب دنیا کا اکثر سبب فقر ہوتا ہے۔

ہاں اگر کسی کے پاس بقدر کفایت مال ہو پھر وہ امراء سے میل جول پیدا کر کے مزید مال حاصل کرنا چاہے تو وہ اہل حرص میں شمار ہوگا۔ علماء کے زمرہ سے خارج ہوگا۔

اللہ تعالیٰ برے احوال سے پناہ میں رکھیں۔

فقہ کی فضیلت

مجلس.... کسی چیز کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے اور جو شخص بھی فقہ کا ثمرہ دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ افضل العلوم ہے۔

کیونکہ آئمہ مذاہب ساری مخلوق پر فقہ ہی کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں حالانکہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑے قرآن شریف یا حدیث شریف یا لغت عرب کے عالم موجود رہے ہوں گے اور اس کا اندازہ اپنے زمانہ میں اس طرح کرلو کہ تم ایک نوجوان عالم کو دیکھتے ہو کہ وہ آئمہ کے اختلافی مسائل کی معرفت حاصل کرتا ہے پھر اس کے بعد نئے پیش آمدہ مسائل میں اللہ کا حکم معلوم کر لیتا ہے جبکہ دوسرے فن کے علماء اسے نہیں معلوم کر پاتے۔

کتنے ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو قرآن کریم یا حدیث شریف کے مباحث میں یا تفسیری معلومات میں یا فن لغت میں بہت ماہر ہوتے ہیں لیکن اپنی اس مہارت کے باوجود دقیق احکام شریعت نہیں معلوم کر پاتے بلکہ کبھی تو ان باتوں سے ناواقف رہ جاتے ہیں جن کی نماز میں نیت کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے علوم سے اجنبی نہ رہے کیونکہ ایسا شخص فقیہ نہیں ہوسکتا بلکہ ہر علم وفن سے کچھ نہ کچھ حاصل کرلے پھر علم فقہ میں اچھی طرح لگ جائے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی عزت کا سبب ہے۔

خواہشات کی پیروی

مجلس.... میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ نجاست کی چھینٹوں سے بچتے ہیں اور غیبت سے نہیں بچتے، صدقہ کثرت سے کرتے ہیں لیکن سودی لین دین کی پرواہ نہیں کرتے، رات میں تہجد کا اہتمام کرتے ہیں لیکن فرض نمازیں قضا کر دیتے ہیں۔

ایسی ہی اور بہت سی چیزیں جن کی فہرست کافی طویل ہے اور جن کا حاصل یہ کہ فروع کی حفاظت کرتے ہیں اور اصول ضائع کر دیتے ہیں۔

میں نے اس کا سبب تلاش کیا تو اندازہ ہوا کہ ایسا دو وجہوں سے ہوتا ہے ایک تو عادت ہے دوسرے مطلوب کو حاصل کرنے میں خواہش نفسانی کا غلبہ کیونکہ جب خواہش کا غلبہ ہوتا ہے تو نہ نصیحت کے لیے کان رہ جاتا ہے اور نہ مصالح ونقصانات دیکھنے کے لیے نگاہ۔

اور اسی طرح کا وہ واقعہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے منادی کی آواز "اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ" (یقیناً تم ہی لوگ چور ہو) سنی تو کہنے لگے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاجِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِیْنَ.

"تمہیں تو معلوم ہے کہ ہم اس لیے نہیں آئے کہ شہر میں فساد کریں اور ہم چور بھی نہیں ہیں۔"

تفسیر میں ہے کہ وہ لوگ جب مصر میں داخل ہوئے تو اپنے اونٹوں کے منہ باندھ دیئے تاکہ دوسروں کی چیز نہ کھالیں تو گویا ان کے اس کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ تم تو دیکھ ہی چکے ہو کہ ہم نے اپنے اونٹوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے پھر بھلا ہم چوری کیسے کر سکتے ہیں؟

اور یہ بھول گئے کہ اس ورع وتقویٰ یعنی اس لقمہ کے جس کے وہ مالک نہ ہوں اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے اور پھر معمولی قیمت پر فروخت کر دینے کے درمیان کتنا فرق ہے؟

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چھوٹے موٹے معاملات میں تو فرمانبرداری کر لیتے ہیں لیکن بڑے معاملات میں نہیں کرتے اور ان امور میں کر لیتے ہیں جو ہلکے ہوں یا عادت کے مطابق ہوں اسی طرح کھانے پہننے کے معاملہ میں صرف ان احکام میں اتباع کرتے ہیں

جن کی وجہ سے اپنی عادت میں کچھ کمی نہ آوے۔

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو سود لیتے ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ جب میں اپنا گھر بیچ چکا ہوں یا میرا لباس اور میری سواری بدل چکی ہے تو اب میرے مخالفین مجھے کس نگاہ سے دیکھیں گے۔

ہم کو ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو طہارت حاصل کرنے میں تو وسوسہ کے مریض ہیں کہ بہت پانی خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن غیبت سے نہیں بچتے۔

بہت سے لوگ اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی تاویلات سے کام لیتے ہیں حالانکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کی اغراض ناجائز ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے ایک نیک عبادت گزار شخص کو دیکھا کہ "اسے ایک آدمی نے کچھ رقم دی کہ اس سے مسجد بنوادے اس نے وہ رقم خود استعمال کر لی اور اس کے اصلی سکوں کے عوض چاندی کے چور خرچ کر دیئے۔ جب مرنے کا وقت قریب ہوا تو اس کے مالک سے کہنے لگا کہ وہ رقم مجھے معاف کر دو میں نے ایسا ایسا کر لیا تھا۔"

بعضے ایسے بھی ہیں جو گناہوں سے اس لیے دور ہیں کہ گناہ ان سے دور ہیں، یہی ان کو اپنی عادت معلوم ہوتی ہے حالانکہ جب قریب پہنچتے ہیں تو اپنے پر قابو نہیں رکھ پاتے۔

ان کے علاوہ لوگوں میں اس طرح کے اور بہت سے تعجب خیز پہلو ہیں جن کا ذکر طول کا سبب ہوگا۔

اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ علماء یہود کی بڑی جماعت جو اپنے دین میں بندگی اور فرمانبرداری کا بوجھ برداشت کرتی تھی جب اسلام آیا اور انہوں نے اس کی صحت بھی معلوم کر لی لیکن اپنی ریاست و سرداری کے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنی خواہش نفس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اور قیصر کا بھی یہی معاملہ ہوا کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل سے پہچان لیا پھر بھی اپنی خواہش نفس کی وجہ سے اپنی سلطنت نہیں چھوڑ سکا۔

پس اصول کو ضائع کرنے سے پرہیز کرو اور خواہشات کی سواری کو یوں ہی مت چھوڑ دو کیونکہ اگر خواہشات کے مویشی آزاد چھوڑ دیئے گئے تو تقویٰ کی کھیتیوں پر منہ ماریں گے۔

خواہش نفس کی مثال اس درندے جیسی ہے جس کے گلے میں زنجیر ہو اگر وہ بندھا رہا تو اپنا ہاتھ روکے رہتا ہے لیکن جب اس کے سامنے ایسی خواہشات آجاتی ہیں جن سے وہ مغلوب

ہو جائے تو زنجیر بھی اسے نہیں روک پاتی اُسے توڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔

اب کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو اپنی خواہشات کو زنجیر میں باندھے ہوئے ہیں (جلدی ٹوٹتی نہیں) اور کچھ لوگ دھاگے سے باندھے ہوئے ہیں (ذرا سی تحریک سے ٹوٹتا ہے) اور اس لیے سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ خواہشات کے شیطانوں سے بچے اور ایسی چیزوں پر نگاہ رکھے جن سے وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا سکے اور ایسی ذات پر نظر رکھے جو قدرت عطا کر سکے۔

دوستی کے متعلق اہم تنبیہ

مجلس.... ہر طرح کے لوگوں پر اعتماد اور ہر طرح کے دوستوں سے بے تکلفی سب سے بڑی حماقت ہے کیونکہ سب سے سخت اور سب سے تکلیف دہ وہ دوست ہوتا ہے جو دشمن ہو گیا ہو اس لیے کہ وہ پوشیدہ رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

احذر عدوک مرةِ واحذر صدیقک الف مرةِ

فلر باانقلب الصد یق فکان اعلم بالمضرة

''اپنے دشمن سے احتیاط کی ضرورت ہے لیکن دوست سے ہزار درجہ احتیاط کرو کیونکہ کبھی وہ بدل جاتا ہے تو تم کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔''

خوب سمجھ لو! کہ لوگوں کے اندر دوسروں کی نعمتوں پر حسد کا جذبہ رکھا گیا ہے یا کم از کم رشک اور اپنی رفعت کی خواہش۔ لہٰذا جب وہ شخص جو تمہیں اپنے برابر سمجھتا ہے دیکھے گا کہ تم اس سے اوپر پہنچ گئے ہو تو لامحالہ متاثر ہوگا اور ممکن ہے کہ حسد شروع کردے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جو واقعہ ہوا ہے وہ اسی قبیل کا ہے۔

اگر تم پوچھو کہ پھر انسان بغیر دوست کے کیسے رہ سکتا ہے؟

میں کہوں گا کہ تم ہی بتاؤ! کیا تم نہیں جانتے کے برابر کا شخص حسد کرتا ہے؟ اور کیا تم نہیں جانتے کہ عوام کسی عالم کے متعلق یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ وہ مسکراتا بھی نہیں ہے اور دنیاوی خواہشات ولذات سے دور رہتا ہے۔ پھر جب مباحات میں اس کا کچھ توسع دیکھتے ہیں تو وہ ان کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔

پس جب عوام کا یہ معاملہ ہے اور خواص کا وہ حال ہے پھر بھلا کس کے ساتھ تمہارا رہن سہن اچھی طرح ہو سکتا ہے؟ واللہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اپنے نفس کے ساتھ بھی نہیں کیونکہ وہ بھی بدلتا رہتا ہے۔

لہٰذا مخلوق کی خاطر داری بھی ہو اور ان سے احتراز بھی ہو اور بغیر سچی دوستی کی خواہش اور اُمید کے تھوڑا بہت تعارف بھی ہو۔

اور اگر دوست بنانا ہی ہے تو ایسے شخص کو بناؤ جو تمہارا ہم رُتبہ نہ ہو کیونکہ برابر کے آدمی کو حسد ہونے لگتا ہے اور اس دوست کو عوام کے رُتبہ سے بلند ہونا چاہیے جو تمہارے مرتبہ کو حاصل کرنے کی طمع نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ ایسے شخص کے ساتھ رہن سہن تشفی بخش نہیں ہے کیونکہ رہن سہن تو علماء کے ساتھ ہونا چاہیے اس لیے کہ ان کے ساتھ اختلاط سے ایسے اشارات اور مفید باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن سے ان کی ہم نشینی بڑی خوشگوار ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ ہے کہ ان کے ساتھ مستقل رہنے کی کوئی سبیل نہیں۔

اور اس کو اس طرح سمجھو! کہ اگر تم ذہین و سمجھدار لوگوں کو خادم بناؤ گے تو وہ تمہارے پوشیدہ راز معلوم کر لیں گے اور اگر بیوقوف کو خادم بناؤ گے تو وہ تمہارے کام بگاڑ دے گا۔ لہٰذا صحیح صورت یہ ہے کہ خارجی ضروریات کے لیے سمجھدار و ذہین خادم منتخب کرو اور گھریلو ضرورتوں کے لیے بیوقوف کو تاکہ وہ تمہارا راز نہ معلوم کر سکے۔

اور ایسے ہی دوستوں پر اکتفا کرو جن کے اوصاف ابھی میں نے ذکر کیے۔ پھر بھی (بالکل مطمئن نہ ہو جاؤ) جب ان سے ملو تو احتیاط کی ذرہ پہن کر ملو اور جن رازوں کو چھپانا ممکن ہو انہیں ان کے سامنے مت ظاہر کرو اور ویسے ہی ہو جاؤ جیسا کہ بھیڑیئے کے متعلق کہا جاتا ہے:

يَنَامُ بِإِحْدٰى مُقْلَتَيْهِ وَيَتَّقِي بِأُخْرَى الْاَعَادِيْ فَهُوَ يَقْظَانُ هَاجِعٌ.

"اپنی ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسری سے دشمنوں سے بچتا ہے۔ لہٰذا وہ جاگتا بھی ہے اور سوتا بھی۔"

علماء و طلبہ کیلئے حرزِ جان

مجلس.... میں نے چند ایسے علماء دیکھے جنہوں نے اپنی نوعمری اور اپنے شباب کی بہار طلب علم کے مشغلہ میں گزاری، جہالت اور اس کی پستی سے نفرت اور علم اور اس کی

فضیلت کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفوں پر صبر کیا اور ہر طرح کی راحتوں کو ترک کر دیا تھا۔ پھر جب انہیں علم کا اتنا حصہ مل گیا جس نے انہیں دنیا داروں کی سطح سے بلند کر دیا اور صرف دنیاوی معلومات رکھنے والوں سے اونچا کر دیا اور اسی کے ساتھ ان کی معاشی حالت بھی تنگ ہوگئی یا وہ لذتیں کم ہوگئیں جن کو وہ اپنے لیے اختیار کرتے تو انہوں نے پست رُتبہ اور کم درجہ لوگوں (امراء) سے یہ سب چیزیں حاصل کرنے کے لیے شہروں کا سفر کرنا شروع کر دیا اور پست رُتبہ اور پست طبیعت رشوت خور حکام وغیرہ کے سامنے جھکنے لگے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی ایک صاحب کو میں نے مخاطب کیا اور کہا کہ:

''تمہارا برا ہو! جہالت سے تمہاری وہ نفرت کہاں ہے جس کی وجہ سے تم رات رات بھر جاگے ہو دن بھر پیاسے رہے رہو؟ اب جبکہ تمہیں بلندی حاصل ہوگئی ہے اور اپنے علم سے نفع اُٹھانے کا وقت آ گیا ہے تو اب ''اسفل السافلین'' سب سے نچلے طبقہ میں چلے گئے؟ کیا تمہارے پاس اس نفرت کا کوئی ذرہ نہیں رہ گیا جس کے ذریعے تم کمینوں کے مقام سے اونچے ہوئے ہو؟ کیا تمہارے پاس اتنا علم بھی نہیں رہ گیا جو تمہیں خواہشات کے مقام سے ہٹالے جائے؟ کیا تمہیں علم سے ایسی قوت نہیں حاصل ہوسکی جو نفس کی لگام پکڑ کر اسے برائیوں کی چراگاہ سے کھینچ لے؟

ویسے یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ تمہارا جاگنا اور مشقتیں برداشت کرنا سب دنیا کے حصول کے لیے تھا۔''

''پھر میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے عمل سے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ جو کچھ بھی دنیا تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس سے تمہاری نیت طلب علم میں استعانت اور مدد ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم (امراء کا کھلونا بننے کے بجائے) کسی قسم کا کسب معاش اختیار کرتے جس کے ذریعے دنیا داروں سے استغناء ہو جاتا تو یہ صورت علم میں اضافہ کی کوشش سے بہتر اور افضل ہوتی کیونکہ اگر تمہیں اس چیز کی معرفت ہو جائے جس سے تمہارے دین میں نقص آ رہا ہے تو پھر جس چیز کا تم نے ارادہ کیا ہے (یعنی علم میں اضافہ) اس میں تم علم کا اضافہ نہیں محسوس کرو گے بلکہ یہ خیال کرو گے کہ اس طرح کا سارا علم نفس کے لیے خطرہ ہے اور اس میں اس آبرو کی بربادی ہے جو بہت زمانہ تک محفوظ رہی ہے۔ ایک ایسے شخص کے

سامنے جس کی طرف تم جیسے کا التفات بھی مناسب نہ تھا۔"

"اور یہ بھی بعید ہے کہ جب تم یہ سب شروع کرو گے (یعنی امراء سے لین دین) تو بقدر کفایت پر قناعت کرلو گے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ بقدر کفایت مل جانے کے بعد مانگنے میں کس قدر گناہ ہے اور یہ تو بعید تر ہے کہ حاصل کیے ہوئے مال میں ورع وتقویٰ پر قادر ہوسکو۔"

"(جب تم نے سوال کا سفر شروع کردیا) تو کون ضامن ہے کہ سلامتی کے ساتھ وطن واپس لوٹ آؤ گے؟ جبکہ چٹیل میدان کتنے ہلاک ہونے والوں کو اپنے جنگلات میں پھینک چکا ہے۔"

اور یہ بھی سوچو کہ جو کچھ تم ان لوگوں سے حاصل کرو گے (یعنی مال) وہ فنا ہوجائے گا اور جو انہوں نے تم کو دے دیا وہ باقی رہ جائے گا۔ یعنی اہل تقویٰ تم پر عیب گیری کریں گے اور تمہارے سر پر جہلاء کی اقتداء و پیروی کا الزام ہوگا بلکہ صرف یہ ایک الزام کافی ہوگا کہ خود تم نے دنیا کی جو مذمت جانی تھی اس کے باوجود دنیا کی طرف اقدام کیا اور تمہارا عمل علم کے خلاف ہوا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ تمہاری عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے۔"

"جس نے گزشتہ زندگی اچھی گزاری امید کہ اگلی زندگی بھی اچھی ہی گزارے گا۔"

بلند حوصلہ حضرات کیلئے

مجلس.... میں نے حریص آدمی کو دیکھا کہ اس کی حرص اس کے اصل مقصود کو فوت کرادیتی ہے۔ چنانچہ جو شخص مال اکٹھا کرنے کا حریص ہوتا ہے وہ بہت سا مال حاصل کرنے کے بعد بھی زیادتی کا حریص رہتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ فہم سے کام لیتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ مال سے مقصود اس کو اپنی زندگی میں خرچ کرنا ہے لیکن جب اس نے زندگی مال کے حصول میں خرچ کردی تو دونوں کا مقصود فوت ہوگیا۔

کتنے ایسے لوگ نظر آئے جنہوں نے مال اکٹھا کرلیا لیکن اس سے نفع نہیں اُٹھا سکے بلکہ دوسروں کے لیے چھوڑ گئے اور اپنے کو فنا کرلیا۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

كدودة القز ماتبنيه يهدمها　　　وغيرها بالذى تبنيه ينتفع

"ایسا شخص ریشم کے کیڑے کی طرح ہے کہ جو کچھ بناتا ہے وہی اس کو ختم کردیتا ہے

اور دوسرے لوگ اس کے بنائے ریشم سے منتفع ہوتے ہیں۔''

اسی طرح ہم نے ایک بڑی جماعت کو دیکھا کہ کتابیں جمع کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور اپنی اکثر زندگی ان کی کتابت کرانے میں خرچ کر ڈالتے ہیں۔

یہی حال محدثین کا ہے کہ ساری زندگی حدیثیں لکھنے اور سننے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر ان میں مختلف قسم کے ہیں۔ بعض تو حدیث کے سیکھنے کا اور اس کی تصحیح کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں لیکن شاید وہ کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا جواب نہیں سمجھ سکتے جبکہ غالباً ان کے پاس صرف ایک حدیث ''اَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰہُ'' کے سو (۱۰۰) طرق موجود ہوں گے۔ چنانچہ مجھ سے بعض محدثین کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے ابن عرفہ کا رسالہ حدیث سو (۱۰۰) اساتذہ سے سنا اور ان کے پاس اس کے ستر نسخے تھے۔

بعض ایسے ہیں جو کتابیں اکٹھی کرتے ہیں، انہیں سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان کتابوں میں کیا ہے نہ ان کی صحت کی خبر رکھتے ہیں اور نہ ان کے معانی سمجھتے ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ کہتے ہیں ''فلاں کتاب میری سنی ہوئی ہے اور میرے پاس اس کا نسخہ موجود ہے اور فلاں فلاں کتاب میرے پاس ہے۔'' لیکن جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا ہے ان میں صحیح و سقیم کے امتیاز کے اعتبار سے ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی مشغولی انہیں اہم علوم کی طرف توجہ سے روکے رہتی ہے۔ ان کی وہ مثال ہے جو شاعر حطیہ نے بیان کی ہے:

زوامل للاخبار لاعلم عندها　　　بمثقلها الا کعلم الا باعرِ

لعمرک ما یدری البعیر اذا غدا　　　باوساقه اوراح مافی الغرائرِ

''احادیث و تاریخ کا بوجھ ڈھونے والے ایسے جانور ہیں جنہیں اپنے بوجھ کے متعلق ویسا ہی علم ہوتا ہے جیسا اونٹوں کو ہوتا ہے، تمہاری قسم اونٹ صبح و شام سفر کرتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ بوریوں میں کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟''

اور انہیں میں تم دیکھو گے کہ کچھ لوگ صرف روایات کی صحت حفظ کی وجہ سے ''صَدْرُ الْاَفَاضِلُ'' بن جاتے ہیں پھر ایسے مسائل کا جواب دینے کی کوشش کرنے لگتے ہیں جو ان کا مشغلہ نہیں ہے۔ پس جو فتویٰ دیتے ہیں اس میں غلطی کرتے ہیں اور عقیدہ کی باتوں میں خلط کر دیتے ہیں۔

اگر میں لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرنا مکروہ نہ سمجھتا تو بڑے بڑے علماء کے خلط وخطاء کے ایسے واقعات ذکر کرتا جن سے لوگ عبرت حاصل کرتے۔ ویسے محقق پر ان کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ کیا حدیث میں نہیں وارد ہے:

مَنُهُوُ مَانِ لَایَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنُیَا.

''دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے، علم کا حریص اور دنیا کا حریص۔''

میں عرض کروں گا کہ میں عالم سے یہ نہیں کہتا کہ علم سے آسودہ ہوجاؤ اور تھوڑے پر اکتفاء کرلو بلکہ میں اس سے یہ کہتا ہوں کہ اہم علوم کو مقدم کرو۔

کیونکہ عقلمند وہی ہے جس نے اپنی عمر کا ایک اندازہ لگا کر اس کے مطابق عمل کیا۔ اگرچہ عمر کی مقدار معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن بناء غالب گمان پر رکھی جاتی ہے تاکہ اگر وہ اپنے مقصد تک پہنچ جائے تو گویا اس نے ہر مرحلہ کے لیے زادِ سفر تیار کرلیا ہے اور اگر وصول سے پہلے موت آ گئی تو اس کی نیت اسے وہاں تک پہنچا دے گی۔

پس جب سمجھدار شخص کو یہ معلوم ہے کہ عمر تھوڑی ہے اور علم بہت ہے تو پھر فضیلتوں کے طالب کے لیے یہ بری بات ہے کہ مثلاً صرف حدیث کے سماع اور اس کی کتابت وغیرہ ہی کا شغل کرے تاکہ سند کا ہر طریق حاصل کرلے، سب روایتیں جمع کرلے اور غریب روایتیں بھی اکٹھی کرلے کیونکہ پچاس سال گنوا کر بھی یہ شخص اپنے مقصود سے فارغ نہیں ہوسکے گا۔ خصوصاً اگر کتابت حدیث کے مشغلہ میں لگ کر قرآن شریف نہ یاد کرسکے یا صرف علوم قرآنیہ کا مشغلہ رکھے اور حدیث کی معرفت نہ حاصل کرسکے یا فقہ کے اختلافی مسائل میں اُلجھے اور ان آیات و روایات کو نہ جانے جن پر مسائل کا مدار ہے۔ (تو بہت ہی بری بات ہے)

اب اگر وہ پوچھے کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے لیے کیا اختیار کرتے ہو؟ تو (جواب سے پہلے) یہ عرض کروں گا کہ اصحاب ہمت کے احوال بچپن سے ہی مخفی نہیں رہتے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں پندرہ سال کا ہوا تو میرے والد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اب تمہارے بچپن کا زمانہ ختم ہوگیا۔ لہٰذا نیکی کا اتباع کرکے اہل خیر میں

شامل ہونے کی کوشش کرو۔ میں نے والد صاحب کی اس وصیت کو اپنا قبلہ بنالیا (یعنی ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھا) اور اسی کی طرف متوجہ رہا کبھی اس سے رُخ نہیں موڑا۔ پھر جواب دینے سے پہلے اتنا اور بتادوں کہ جس کے پاس نفرت کا کچھ جذبہ موجود ہو اس کو چاہیے کہ جس کمی اور کوتاہی کو دفع کرنا بس میں ہو اس سے نفرت کرے۔ مثلاً اگر نبوت کا حصول کسب سے ممکن ہوتا تو وہ ولایت پر قناعت کو جائز نہ سمجھے یا مثلاً اگر خلیفۃ المسلمین بننا قدرت میں ہو تو امارت اور گورنری پر راضی نہ ہو اور اگر فرشتہ بن سکتا ہو تو بشر رہنے پر مطمئن نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو علم و عمل کے ممکنہ کمالات تک پہنچانے کی سعی اور جدوجہد کرتا رہے۔ (اب جواب عرض کرتا ہوں کہ) چونکہ زندگی کی محدودیت اور علم کی کثرت معلوم ہے۔ لہٰذا حفظ قرآن شریف سے ابتداء کرے اس طرح کہ ساتھ میں تفسیر پر بھی متوسط درجہ کی ایسی نظر رہے جس سے اس باب کی کوئی چیز مخفی نہ رہ جائے اور اگر قرأت سبعہ اور نحو ولغت بھی پڑھتا رہے تو کیا پوچھنا!

پھر حدیث میں لگے۔ اول نقل کی حیثیت سے کہ مثلاً صحاح، مسانید اور سنن وغیرہ (کو نقل کرے، پھر حدیث کی معرفت کی حیثیت سے جیسے ضعفاء اور اسماء رجال وغیرہ کی معرفت، پھر اس کے اصول پر نظر ڈالے (اور اس کا مشغلہ کرے)

اس باب میں علماء حدیث نے ایسی کتابیں مرتب کردی ہیں جو طالب کو تعب و مشقت سے بچاتی ہیں۔

پھر تاریخ کا مطالعہ کرے اور اس فن کی ضروری معلومات حاصل کرلے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اقرباء کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا نسب وغیرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و سوانح معلوم کرے۔

ان سب کے بعد فقہ پر توجہ کرے اور اس میں اولاً مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات پر نظر ڈالے لیکن اختلافی مسائل میں اعتماد کی یہ صورت ہونی چاہیے کہ سب سے پہلے مسئلہ اور جس دلیل پر وہ مشتمل ہو اس کو دیکھے پھر جہاں سے اس دلیل کو ملنے کا گمان ہو مثلاً آیت کی تفسیر یا حدیث یا لغت وغیرہ اس کو وہاں سے حاصل کرے۔ اسی کے ساتھ اصول فقہ اور علم فرائض کا مشغلہ بھی رکھے اور اس کا یقین رکھے کہ فقہ ہی سارے علوم کا مدار ہے۔

عقائد اور اصول دین میں اتنی دلیل پر نظر کافی ہے جس سے صانع کے وجود پر استدلال ہو سکے پھر جب صانع کا وجود دلیل سے ثابت کر لے اور یہ معلوم کر لے کہ اللہ تعالیٰ پر کن چیزوں کا اطلاق درست ہے اور کن چیزوں کا نہیں اور یہ بھی ثابت کر لے کہ ارسال ممکن ہے اور رسولوں کی بات قبول کرنا واجب ہے تو گویا اس نے ضروری عقائد حاصل کر لیے۔

اب اگر علم میں اضافہ کے لیے مزید وقت ہو تو فقہ کا ہی شغل اپنا وے کیونکہ یہی سب سے زیادہ نافع ہے اور اگر مزید پیش قدمی کا موقع ہو تو کسی فن میں کتاب تصنیف کرے۔ اس کے ذریعے وہ اپنے پیچھے ایک خلف صالح چھوڑ جائے گا اور اسی کے ساتھ حصول اولاد کا سبب (نکاح) اختیار کرنے کی بھی کوشش کرے۔

(جب ان سارے امور میں ایک گونہ رُسوخ ہو جائے تب اللہ تعالیٰ سے حسن معاملہ کی فکر کرے) پھر اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا ایک گزرگاہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے تعلق کی طرف توجہ کرے کیونکہ سارے علم کا حاصل اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور جب اس کی کامل معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کی طاعت کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سچے جذبہ اور اخلاص کے ساتھ کھڑا ہو اور اسے مقام ولایت تک نہ پہنچا دیا جائے۔

"اور جس کے متعلق ارادہ کر لیا جاتا ہے اسے توفیق بھی دی جاتی ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو لوگوں کی تربیت کرتی ہیں۔ ایام طفولیت ہی میں وہ ایک مؤدب بھیج دیتا ہے جسے عقل کہا جاتا ہے اور ایک مقوم بھیج دیتا ہے جسے فہم کہا جاتا ہے اور خود ان دونوں کی تہذیب و تادیب کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے لیے اپنے قرب کے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس تعلق کے لیے مانع بن کر اُٹھتا ہے تو ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر انہیں فتنہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے دفع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے بنا دیں اور اپنے ترک تعلق سے پناہ میں رکھیں کیونکہ ترک کے بعد کوئی سعی نافع نہیں ہو سکتی۔

خلوت کی حفاظت

مجلس.... خلوتوں کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں جو جلوت میں ظاہر ہو کر رہتی ہیں۔

کتنے مؤمن بندے خلوتوں میں اللہ کا احترام کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈر کر یا اس کے ثواب کی امید میں اس کی عظمت کے خیال سے خواہشات نفسانی کو چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ اپنے اس فعل سے ایسے ہو جاتے جیسے عودِ ہندی کو انگیٹھی میں ڈال دیا گیا ہو اور اس کی خوشبو پھوٹ رہی ہو جسے سارے لوگ سونگھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے۔

خواہشات کو چھوڑنے میں جس قدر مجاہدہ کرے گا اتنی ہی اس کی محبت قوی ہو گی اور جس قدر اپنی مرغوب چیزیں چھوڑے گا اسی قدر اس کی خوشبو بڑھے گی اور جیسے عود مختلف مرتبہ کا ہوتا ہے ویسے ہی اس شخص کے بھی مختلف احوال ہوتے ہیں۔

چنانچہ تم دیکھو گے کہ مخلوق ایسے شخص کی تعظیم کرتی ہے' لوگوں کی زبانیں اس کی مدح کرتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ آخر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کا وصف نہیں بیان کر سکتے۔ پھر اس مدح و توصیف کا نفع ایک اندازے کے مطابق مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ لہٰذا کچھ لوگوں کا تو ایک طویل مدت تک ذکر خیر کیا جاتا ہے پھر وہ بھلا دیئے جاتے ہیں اور کچھ لوگ تقریباً ایک صدی یاد کیے جاتے ہیں پھر ان کا تذکرہ اور مقبرہ پوشیدہ ہو جاتا ہے البتہ کچھ ایسے نامور بھی ہیں جن کا ذکر ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص مخلوق سے ڈرا اور اپنی خلوتوں میں حق تعالیٰ کا احترام نہیں ملحوظ رکھا تو اس سے اس کے گناہوں کے بقدر بدبو پھوٹتی ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر غلطیاں کم ہوتی ہیں تو زبانوں پر ذکر خیر کم ہوتا ہے البتہ تعظیم باقی رہتی ہے اور اگر زیادہ ہوتی ہیں تو کم از کم یہ معاملہ ہوتا ہے کہ لوگ سکوت کرتے ہیں یعنی نہ مدح کرتے ہیں نہ مذمت۔

بہت سے خلوت کے گنہگار ایسے ہیں جن کی پستی کا سبب دنیا و آخرت کی شقاوت اور محرومی ہے۔ گویا ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جس چیز کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اسی میں پڑے رہو۔ لہٰذا وہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتے ہیں۔

پس اے میرے بھائیو! ان گناہوں پر نظر ڈالو جن کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اور جن کی وجہ سے پھسلے ہوئے ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''یقیناً بندہ خلوت میں اللہ کی نافرمانی کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں میں اس کا اس طرح بغض ڈال دیتے ہیں کہ اسے احساس بھی نہیں ہو پاتا۔''

جو کچھ میں نے عرض کیا اسے غور سے دیکھو اور جو کچھ ذکر کیا ہے اسے خوب سمجھو! اپنی خلوتوں اور بھیدوں کو ضائع نہ کرو، اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور اچھا بدلہ حسن اخلاص کے بقدر ملے گا۔''

تقدیر کا مقصود

مجلس.... جس نے تقدیر کے فیصلوں کی معرفت حاصل کر لی وہ ان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اور وہ شخص بڑا نادان ہے جس نے ان فیصلوں کے مقابلے کی ٹھان لی کیونکہ فیصلہ کرنے والی ذات کا اس سے مقصود اس کو جھکانا ہوتا ہے لیکن اس نے مقابلہ کی کوشش کی اور بظاہر کامیاب ہو گیا تو اسے جھکنا کہاں پڑا؟

اس کی مثال اس طرح سمجھو! کہ ایک فقیر بھوکا ہوتا ہے اور بقدر ہمت صبر کرتا ہے لیکن جب صبر سے عاجز ہو جاتا ہے تو مخلوق سے سوال کے لیے نکلتا ہے حالانکہ اسے اللہ سے حیاء آتی ہے کہ (اس کے سامنے) مخلوق سے سوال کرے۔ اس وقت اگرچہ وہ اپنی اس ضرورت کی وجہ سے معذور ہوتا ہے جس نے اس کو سوال کے لیے مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے کو مغلوب الصبر تصور کرتے ہوئے معذرت کرتا اور حیاء کرتا رہتا ہے اور یہی اس سے مقصود بھی ہوتا ہے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکلنا نہیں پڑا؟ پھر دیکھو کہ بغیر مطعم بن عدی کی امان لیے ہوئے...... جو کافر تھے...... آپ مکہ واپس نہیں آ سکے۔

پس پاکیزہ ہے وہ ذات! جس نے سارے امور کو اسباب سے متعلق کیا ہے تاکہ عارف کو ضرورت کے وقت سبب اختیار کرنے کے لیے جھکنا پڑے۔

حادثات کسوٹی ہیں

مجلس.... کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کو ان کے وطن سے دور

کر کے اور اسباب کے سامنے جھکا کر ان کا صبر آزماتی ہے اور آزمائش کے زمانہ میں ان کے جوہر کو ظاہر کرتی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام کو کہ ابھی ملائکہ انہیں سجدہ کر رہے تھے اور کچھ ہی مدت کے بعد جنت سے نکالے جا رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مار کھاتے ہوئے بیہوش ہو ہو جاتے ہیں پھر کچھ ہی دنوں بعد کشتی میں بیٹھ کر نجات پا رہے ہیں اور ان کے دشمن ہلاک ہو رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے جا رہے ہیں اور چند لمحے بعد سلامتی کے ساتھ نکالے جا رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت ذبیح اللہ (اسماعیل علیہ السلام) کو کہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک کر (ذبح کے لیے) لٹائے جا رہے ہیں پھر بچا لیے جا رہے ہیں اور مدح باقی رہ جاتی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام کی نگاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں ختم ہوگئی ہے پھر وصال کے ذریعے واپس بھی آ گئی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت موسیٰ کلیم اللہ بکریاں چرا رہے ہیں پھر ترقی کر کے خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پا رہے ہیں۔

اور وہ دیکھو! ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل تک یتیم کہا جا رہا تھا، عجیب عجیب حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الٹ پلٹ رہے تھے جو کبھی دشمنوں سے پہنچتے تھے اور کبھی فقر کے مکاید سے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو جبل حراء سے بھی زیادہ ثابت قدم ہیں۔

پھر دیکھو! فتح مکہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حاصل ہو رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں تک اپنا لایا ہوا دین پہنچا رہے ہیں۔

پھر دیکھو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے والا مہمان آ جاتا ہے اور شدت کرب سے پکار رہے ہیں "واکرباہ!" ہائے تکلیف کی شدت۔

پس جس نے دنیا کے سمندر میں غور کیا اور یہ معلوم کر لیا کہ موجیں آپس میں کس طرح ملتی ہیں اور زمانہ کے دھکوں پر کیسے صبر کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بلاء و مصیبت کے نزول سے

گھبرائے گا نہیں اور کسی دنیوی راحت پر زیادہ مسرور نہیں ہوگا۔

اظہارِ باطن میں اعتدال

مجلس..... سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ جب اپنے متعلق طاقت و ہمت کا اندازہ لگا لے تب عزیمتوں پر عمل کے لیے قدم بڑھائے۔ بعض عزیمتوں پر مخلوق سے چھپا کر پہلے تجربہ کر لے کیونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ ایسے مقام پر دیکھ لیا جائے جس پر وہ جما نہیں رہ سکا اور لوٹ آیا۔ لہٰذا رُسوا ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے زاہدوں کا ذکر سن کر اپنے عمدہ کپڑے پھینک دیئے، معمولی لباس پہن لیے اور ساری مخلوق سے الگ ہو کر گوشہ میں بیٹھ رہا اور اس کے دل پر موت اور آخرت کی یاد کا غلبہ بھی ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد طبیعت نے ان چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا جن کا وہ عادی تھا۔

ایسے وقت میں کچھ لوگ تو ایک دم میں بے حد آزادی کی طرف لوٹ جاتے ہیں جیسے بیماری سے اُٹھنے والا مریض جو کمزور و نحیف ہو غذائیں استعمال کرنا چاہتا ہے اور کچھ لوگوں کا حال متوسط رہتا ہے تو وہ کبھی اِدھر ہوتے ہیں اور کبھی اُدھر۔

لہٰذا سمجھدار وہی ہے جو متوسط درجہ کا لباس اختیار کر کے لوگوں سے اپنا حال چھپائے رکھتا ہے نہ اپنے کو نیکوں کی جماعت سے نکالتا ہے اور نہ ہی اہل فاقہ کی جماعت میں داخل کرتا ہے اور اگر عزیمت پختہ ہوتی ہے تو اپنی کوٹھری ہی میں بقدر قوت عمل کر لیتا ہے اور اپنا حال چھپائے رکھنے کے لیے جمال و زینت کا لباس بھی چھوڑ دیتا ہے۔ مخلوق کے سامنے کچھ ظاہر نہیں کرتا اس طرح وہ ریاء سے دور رہتا ہے اور رسوائی سے محفوظ۔

ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر قصر امل اور یاد آخرت کا ایسا غلبہ ہو گیا کہ انہوں نے علمی کتابیں دفن کرا دیں حالانکہ یہ فعل میرے نزدیک بڑی غلطی ہے۔ اگرچہ یہ اکابر کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک استاذ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ''سب نے غلطی کی''!

لیکن میں نے تاویل کی ہے کہ ان کی کتابوں میں ضعیف روایتیں بھی تھیں جن میں وہ تمیز نہ

کر سکے۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اسی نیت سے کتابیں دفن کرانے کا قصہ منقول ہے یا انہوں نے ان کے اندر اپنی رائے سے کچھ باتیں لکھ لی تھیں پھر ان کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ ان کی کوئی بات لی جائے۔ اس طرح یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس نیت سے مصاحف جلوا دینے کی قبیل سے ہو گیا تا کہ غیر مجمع علیہ مصاحف سے کوئی چیز نہ حاصل کی جائے۔

مگر یہ تاویل علماء کے حق میں صحیح ہے۔ رہا احمد بن ابی الحواری اور ابن سبا وغیرہما کا اپنے لکھے ہوئے نسخوں کو دھو کر مٹا دینا تو یہ سخت کوتاہی ہے۔

پس ایسے کام سے بہت بچو جس سے شریعت روکتی ہے اور ایسے کام سے بھی جسے عزیمت سمجھا جا رہا ہو لیکن وہ درحقیقت خطا ہو اور ان احوال کے اظہار سے بھی احتراز کرو جن پر تم پوری طرح قادر نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ الٹے پاؤں واپس ہو جاؤ۔

اور اپنے اوپر ان اعمال کو لازم کرو جن کی طاقت رکھتے ہو۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عذاب برزخ سے متعلق ایک حکایت

مجلس.... سب سے بڑا نادان وہ شخص ہے جس نے ایسی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیدی جس کے برے انجام سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا۔

ہم نے کتنے بادشاہوں اور دولت مندوں کے متعلق سنا کہ انہوں نے خواہشات نفسانی کے سلسلے میں آزادروی اختیار کی' حلال وحرام پر نظر نہیں کی پھر موت کے وقت ان لذتوں سے کہیں زیادہ نادم ہونا پڑا اور حسرتوں کی ایسی تلخیاں برداشت کرنا پڑیں جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکے درانحالیکہ کسی قسم کی کوئی لذت ان کے پاس نہ تھی۔ اگر اتنے ہی پر معاملہ ختم ہو جاتا تو بھی غم کے لیے کافی تھا جبکہ اس کے بعد دائمی سزا بھی ہو گی۔

دنیا طبیعت کو محبوب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے طلب کرنے والے اور اس کی مرغوب چیزوں کو ترجیح دینے والے پر نکیر نہیں کرتا البتہ یہ کہوں گا کہ اس کو اپنے طریقہ کسب پر نظر رکھنی چاہیے اور یہ دیکھتا رہے کہ اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ تا کہ اس

لذت کا انجام ٹھیک رہے ورنہ ایسی لذت میں کوئی خیر نہیں جس کے بعد آگ میں جلنا پڑے۔

کیا ایسا شخص عقل مند کہلائے جس سے کہا جائے کہ ایک سال یہ حکومت کر لو پھر تمہیں قتل کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی عقل مند وہ ہے جو ایک سال نہیں کئی سال مشقت کی تلخیاں برداشت کر لے تاکہ انجام کار ہمیشہ راحت میں رہے۔

"ایسی لذت سے کیا فائدہ؟ جس کے بعد سزائیں جھیلنی پڑیں۔"

ہم کو بسند متصل دلف ابن ابی دلف کا واقعہ پہنچا انہوں نے بیان کیا کہ اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا چلو حاکم شہر نے بلایا ہے میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے ایک ایسے گھر میں لے گیا جس میں ہر طرف وحشت ہی وحشت تھی، خوف ہی خوف تھا، دیواریں سیاہ تھیں اور دروازے اکھڑے ہوئے تھے پھر اس نے مجھے ایک درجہ اوپر چڑھایا اور ایک بالا خانہ میں لے گیا میں نے دیکھا کہ اس کی دیواروں پر آگ کے اثرات ہیں اور زمین پر راکھ کے اثرات ہیں اور دیکھا کہ میرے والد ننگے بدن اپنا سر گھٹنوں کے درمیان کیے بیٹھے ہیں انہوں نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ارے دلف تم؟ میں نے کہا جی ہاں! پھر میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا؟

تو انہوں نے یہ پڑھا: **ابلغن اهلنا ولا تُخُفِ عنهم مالقينا في البرزخ الخفاق قدسئلنا عن كل ماقد فعلنا فارحموا وحشتي وما قدالاتي.**

"ہمارے خاندان والوں تک پہنچا دو ان سے کچھ چھپانا نہیں جو کچھ حالات ہمیں برزخ میں پیش آئے ہیں ہم سے پوچھا گیا جو کچھ ہم نے کیا تھا، لہٰذا تم لوگ میری وحشت اور میرے احوال پر ترس کھاؤ۔"

پوچھا سمجھ گئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر یہ شعر پڑھا:

فلوانا اذا متنا تركنا لكان الموت راحة كل حيي. ولكنا اذا متنا بعثنا ونسأل بعده عن كل شيء.

''اگر مرنے کے بعد ہم چھوڑ دیئے جاتے تو موت زندہ کے لیے راحت کی چیز ہوتی لیکن مرنے کے بعد ہمیں پھر زندہ کیا گیا ہے اور اب ہر چیز کے متعلق پوچھ ہوگی۔''

بلند ہمت طالب علم سے خطاب

لذتیں دو قسم کی ہیں: حسی اور عقلی

حسی لذتوں کا انتہائی مرتبہ اور اعلیٰ درجہ نکاح ہے اور عقلی لذتوں کی غایت و انتہاء علم ہے۔ پس دنیا میں جسے یہ دونوں مرتبے حاصل ہو گئے اسے ساری لذتیں حاصل ہو گئیں۔

میں طالب لذات کو ان دونوں میں سے اعلیٰ افضل کا راستہ دکھلانا چاہتا ہوں مگر یہ خوب سمجھ لو! کہ ایسے طالب کو جسے اعلیٰ مطلوب سے نوازا جاتا ہے اس کی ایک علامت ہے وہ یہ کہ اسے علو ہمت یعنی بلند ہمتی سے نوازا جاتا ہے اور یہ ہمت بچپن ہی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسے بچپن ہی سے دیکھو گے کہ وہ بڑے بڑے کام پسند کرتا ہے۔ حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا ایک بستر مقام حجر میں بچھا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن میں جب تشریف لاتے تو اسی بستر پر بیٹھتے (جبکہ دوسروں کی ہمت نہ ہوتی تھی) یہ دیکھ کر حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ آگے چل کر میرے اس بیٹے کی ایک بڑی حیثیت ہوگی۔

اگر کوئی پوچھے کہ اگر میرے پاس ہمت موجود ہو لیکن میں جس چیز کا طالب ہوں وہ مجھے نہ دی جائے تو کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم ایک راستے سے محروم کر دیئے گئے تو دوسری قسم کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ (اس کو حاصل کرو) پھر یہ تو بہت بعید ہے کہ وہ ذات تمہیں ہمت سے نوازے اور تمہاری اعانت نہ کرے۔ اپنے حال پر نظر ڈالو ممکن ہے اس نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہو اور تم نے اس کا شکر ادا نہ کیا ہو یا تم کو کسی خواہش نفسانی میں آزمایا ہو اور تم صبر نہ کر سکے ہو۔

یاد رکھو! کہ تم سے بہت سی دنیوی لذتیں اس لیے چھڑا دی جاتی ہیں تاکہ تم علمی لذتوں کو ترجیح دو کیونکہ تم ضعیف و کمزور ہو اس لیے ممکن ہے جمع کی طاقت و قوت نہ رکھتے ہو۔ (بس یہ سمجھ لو کہ) وہ ذات تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ جاننے والی ہے۔

بہرکیف! میں تمہارے لیے جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ وہ نوجوان جو

طلب علم کی ابتداء کرنے جارہا ہے اس کو چاہیے کہ ہر طرح کے علم کا ایک ایک حصہ حاصل کرلے پھر علم فقہ اہتمام کے ساتھ حاصل کرے۔ تاریخ (اسماء الرجال) کی معرفت میں بھی کوتاہی نہ کرے کیونکہ اسی کے ذریعے کاملین کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور اگر فطری فصاحت و بلاغت سے نوازا گیا ہو اور اس کے ساتھ لغت و نحو کی مہارت بھی حاصل کرلے تو گویا اس کی زبان کی تلوار عمدہ سان پر تیز کی گئی ہے۔

ان سب کے بعد اگر علم اسے اللہ کی معرفت اور اس کی اطاعت تک پہنچا دے تو اس کے لیے ایسے دروازے کھول دیئے جائیں گے جو دوسروں پر نہیں کھل سکے۔

پھر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سہولت کے ساتھ اپنے اوقات کا ایک حصہ تجارت اور حصول معاش میں بھی لگائے لیکن خود اس میں نہ لگے بلکہ دوسرے کو نائب اور وکیل بنالے اور اپنے طرز زندگی میں اسراف اور فضول خرچی سے بچتا رہے کیونکہ علمی مشاغل اور اس پر اس طرح عمل کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجہ تک پہنچا دے۔ یہ چیزیں خود حواس کو قید کرلیتی ہیں اور بعض اوقات اپنے مرتبہ کی لذت بھی اس کو ہر چیز سے مشغول کرلیتی ہے۔

''ہائے وہ حالت! جو فتنہ سے محفوظ رہ جاتی ہو۔''

اور ایسا شخص اگر نکاح کی طرف رغبت رکھتا ہو تو باندیوں سے کرے کیونکہ آزاد عورتیں عموماً طوق بن جاتی ہیں اور باندیوں سے بھی اس وقت تک عزل کرتا رہے جب تک ان کے اخلاق و عادات اور ان کی دینی حالت کا تجربہ نہ کرلے۔ پھر اگر طبیعت آمادہ ہو تو ان ہی سے اولاد حاصل کرے ورنہ ان کا بدلنا آسان ہے۔ (بدل کر دوسری لے آوے)

اور اگر حرہ یعنی آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے یہ معلوم کرلے کہ وہ اپنے ساتھ دوسری سوکن کو یا باندی سے ہمبستری کو برداشت کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے صرف یہ نیت رکھے کہ لذت حاصل ہو انزال کی زیادہ کوشش نہ کرے کیونکہ اس سے قوت پر اثر پڑے گا اور وہ اپنے اصل مقصد سے عاجز ہو جائے گا۔

یہ حالت حسی اور عقلی لذتوں کی جامع ہے اسے میں نے اشارہ کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن ذہین شخص کی فہم اسی سے وہ باتیں بھی سمجھ جائے گی جن کو میں نے ذکر نہیں کیا ہے۔

طلبہ علم کو کچھ نصیحتیں

مجلس...یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ متعلم کے لیے ہر وقت درس حاصل کرنا ضروری رہتا ہے۔

(۱) لیکن یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ دن ورات ہر وقت اپنا سبق دہراتا رہے اور تکرار و مذاکرہ ہی کرتا رہے کیونکہ اس سے چند دنوں میں سست پڑ جاوے گا یا بیمار ہو جاوے گا۔

ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ابو بکر ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے مرض الموت میں ایک طبیب آیا جب اس کی نظر آپ کی سینکڑوں کتابوں پر پڑی تو اس نے کہا کہ آپ ایسا کام کرتے رہے ہیں جو نہیں کرنا چاہیے تھا یہ کہہ کر باہر نکلا اور لوگوں سے کہا کہ اب ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا میں ہر ہفتہ دس ہزار ورق کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

(۲) اور یہ بھی بڑی غلطی ہے کہ اپنے دل و دماغ پر بہت سی چیزوں یا مختلف علوم وفنون کے مضامین یاد رکھنے کا بوجھ ڈالا جائے کیونکہ دل و دماغ بھی ایک عضو ہے اور جیسے بعض لوگ سو رطل اٹھا لیتے ہیں اور بعض بیس رطل بھی نہیں اُٹھا پاتے ایسے ہی دل بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص اپنی قوت کے بقدر بلکہ (احتیاطاً) اس سے کم ہی اٹھاوے کیونکہ اگر ایک وقت میں طاقت ختم کر دی تو پھر بہت سے اوقات ضائع کرنے پڑیں گے۔ اس حریص آدمی کی طرح جو چند لقمے زائد کھا لیتا ہے تو پھر بہت سے لقموں سے محروم ہو جاتا ہے۔

بس فیصلہ کی بات یہ ہے کہ طاقت اور قوت کے بقدر علم حاصل کرے اور چوبیس گھنٹوں میں دو وقت تکرار کرلے پھر بقیہ اوقات میں اپنے قوی کو راحت پہنچاوے۔

(۳) اور مداومت تو سب سے بنیادی چیز ہے کتنے ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے یاد کرنے کے بعد اس کا تکرار چھوڑ دیا پھر بھولے ہوئے کو دوبارہ یاد کرنے میں انہیں بہت وقت ضائع کرنا پڑا۔

(۴) حفظ کے لیے زندگی کے بہت سے اوقات ہیں لیکن سب سے بہتر وقت بچپن اور اس کے قریب کا زمانہ ہے۔

مطالعہ وتکرار کے لیے سب سے بہتر وقت صبح فجر سے پہلے اور دن کے شروع کا حصہ ہے یعنی صبح کے اوقات شام کے اوقات سے بہتر ہیں اور بھوک کے اوقات آسودگی کے اوقات سے بہتر ہیں۔

سبزہ زار کے قریب یا نہر کے کنارے یاد کرنا بہتر نہیں ہے کیونکہ وہ دل کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

حفظ کے لیے اوپر کے کمرے نیچے کے کمروں سے بہتر ہیں اور تنہائی اصل ہے اور فکر کو انتشار سے محفوظ رکھنا اصل الاصول ہے۔

(۵) ہفتہ میں ایک دن تکرار کے بجائے آرام کرنا چاہیے تا کہ جو کچھ (ہفتہ بھر میں) یاد ہوا ہے خوب راسخ ہو جائے اور نفس کو قوت حاصل ہو جائے جیسے عمارت کی بنیاد چند دنوں چھوڑ دی جاتی ہے تا کہ مضبوط ہو جائے پھر اس پر عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

(۶) تھوڑا علم ہمیشہ یاد رکھنا اصل عظیم ہے۔

(۷) جب تک ایک فن اچھی طرح مضبوط نہ ہو جائے دوسرا فن شروع نہیں کرنا چاہیے۔

(۸) یاد کرنے کے وقت اگر نشاط نہ رہے تو اس وقت چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ نفس کے ساتھ زبردستی کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۹) طبیعت اور مزاج کا ٹھیک رکھنا بھی بنیادی چیز ہے کیونکہ حفظ میں غذا کا بھی اثر ہوتا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جب سے میں نے حفظ (قرآن وحدیث وغیرہ کا یاد کرنا) شروع کیا ہے سرکہ نہیں کھایا۔''

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مسائل فقہ کے یاد رکھنے میں کس چیز سے مدد لی جائے؟

آپ نے فرمایا ''فکر کو یکسو کر کے''

اور حضرت حماد بن سلمہ نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا ''غم کو کم کر کے''

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جس نے کپڑے صاف ستھرے رکھے اس کا فکری انتشار کم ہوگا اور جس نے خوشبو استعمال کی اس کی عقل بڑھے گی اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا اس کی مروت (یعنی آداب جمیلہ واخلاق حسنہ پر ابھارنے والی قوت) میں اضافہ ہوگا۔

(۱۰) مبتدی طلبہ کے لیے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان نکاح نہ کریں کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک نکاح نہ کیا اور اس سے آپ کا مقصد فکری یکسوئی تھی۔ ہاں اگر تقاضا غالب ہو تو نکاح کر لیں پھر بھی اس میں زیادہ انہماک سے پرہیز کریں تاکہ علمی مطالعہ و تکرار میں پوری قوت حاصل رہے۔

اتنے ہی علوم کو یاد کرنے کی کوشش کرے جتنا محفوظ رکھ سکے کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور علم بے پایاں۔ بہت سے لوگ اپنے اوقات ان علوم کے یاد کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں جن کے مقابلے میں دوسرے علوم زیادہ اہم تھے۔ علوم اگرچہ سب ہی بہتر ہیں لیکن اہم اور افضل کو مقدم کرنا زیادہ بہتر ہے اور ان میں سب سے افضل مشغلہ حفظ قرآن کا ہے پھر فقہ کا۔ ان دو کے بعد بقیہ بمنزلہ تابع کے ہیں۔

اور جس شخص کو صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی کرنے والی بیدار مغزی عطا فرمادی گئی وہ کسی دوسرے رہبر کا محتاج نہیں ہے۔

اور جس نے علم سے اللہ کی رضا کا تصور اور قصد رکھا اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر طریقہ سے مقصود تک پہنچا دیں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ. ”اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وہی تمہیں علم سے نوازے گا۔“

تقویٰ کے متعلق حکایات اور نصیحت

مجلس.....جسے ہمیشہ کی عافیت اور دائمی سلامتی کی تمنا ہو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے تقویٰ کے خلاف کسی کام میں اپنے کو آزاد چھوڑ دیا ہو خواہ معمولی ہی آزادی کیوں نہ ہو اور اسے دیر سویر اس کی سزا نہ ملی ہو۔

یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ تم گناہ کرو پھر خدا تعالیٰ سے حسن سلوک دیکھ کر یہ گمان قائم کر لو کہ تم سے چشم پوشی کر لی گئی اور یہ بھول جاؤ۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ.

”جو کوئی گناہ کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔“

کسی وقت تمہارا نفس تم کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے ہیں۔ لہٰذا

گناہ کرلو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مغفرت کرنے والا ہے لیکن جس کی چاہتا ہے اسی کی مغفرت کرتا ہے۔ میں تمہارے سامنے اس کی وضاحت کرتا ہوں اگر اپنی فکر استعمال کرو گے تو مغفرت کے معنی سمجھ جاؤ گے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کوئی ایسا گناہ کیا جس کا قصد نہیں تھا نہ کرنے سے پہلے کوئی ارادہ تھا اور نہ کرنے کے بعد دوبارہ کرنے کا خیال ایسے شخص کو اپنے کیے پر تنبہ ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو اس کا وہ فعل اگرچہ وہ اس میں اپنے ارادہ و قصد سے داخل ہوا تھا خطا کے حکم میں ہے۔ (یعنی اس کا استغفار کرنا درست ہے) مثلاً اس کے سامنے کوئی خوبرو آ گیا اور طبیعت کا غلبہ ہوا اس لیے اس نے نگاہ نہیں ہٹائی' دیکھتا رہا اور اس وقت لطف اندوزی کی وجہ سے شریعت کی ممانعت کی طرف نظر نہیں کرسکا۔ اس درجہ غافل ہوگیا کہ گویا وہ غائب ہے یا نشہ میں ہے۔ پھر جب تنبہ ہوا تو اپنے فعل پر نادم ہوا اور اس گناہ سے جو میل لگا اس کے دھونے کی تیاری شروع کردی یعنی اس غلطی کی تلافی کرنا چاہا جس کے بارے میں اس کا گمان یہ ہے کہ وہ بلا قصد ہوگئی ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

اِذَا مَسَّتْهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ.

"جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو جاتا ہے تو فوراً چونکتے ہیں پھر اچانک ہی وہ بصیرت والے ہوجاتے ہیں۔"

اس کے برخلاف ایک وہ شخص ہے جو مسلسل لغزش کا ارتکاب کرتا ہے۔ بار بار وہی حرکت کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو ایسا شخص جانتے بوجھتے ممانعت پر عمل کرنے والا اور مخالفت کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ پس ایسے شخص سے عفو و درگزر اس کے اصرار کے بقدر دور ہوجاتا ہے اور یہ بھی بعد ہی کی علامت ہے کہ اپنے اس اصرار پر سزا کا اندیشہ نہ کرے۔

حضرت ابن الجلاء کا بیان ہے کہ مجھے میرے شیخ نے دیکھا کہ میں کھڑا ایک نصرانی نوخیز لڑکے کو گھور رہا ہوں تو فرمایا یہ کیا کررہے ہو؟ اس کا انجام ضرور دیکھو گے۔ خواہ کچھ مدت سہی! چنانچہ چالیس سال کے بعد میں قرآن شریف بھول گیا۔

''سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ گناہ کے بعد محفوظ رہنے پر دھوکہ ہو جائے کیونکہ سزا میں تاخیر بھی ہوتی ہے۔''

اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ انسان کو اس سزا کا احساس نہ ہو یا وہ سزا ایمان سلب کر لینے یا دل کو مسخ کر دینے یا نفس کے لیے بری چیزیں اختیار کرنے کی صورت میں ہو اور اس کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بدن صحیح سلامت رہے اور سارے مقاصد حاصل ہوتے رہے۔

ایک معتبر بزرگ نے بیان کیا کہ میں نے ایک ناجائز موقع سے اپنی نگاہ نہیں ہٹائی' بعد میں احساس ہوا تو سزا کا انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ مجھ کو ایک لمبے سفر پر مجبور کیا گیا جس کا کوئی ارادہ نہ تھا اور اس میں بہت سی مشقتیں پیش آئیں۔ پھر ایک عزیز ترین شخص کی موت سے مجھے سزا دی گئی اور ان سب کے ساتھ بہت سی ایسی چیزیں ضائع ہو گئیں جن کی میرے نزدیک بڑی وقعت تھی حتیٰ کہ جب میں نے توبہ کر کے اپنے معاملہ کی تلافی کی تب میری حالت درست ہوئی۔

لیکن پھر دوبارہ خواہش ہوئی اور میں نے حرام جگہ سے نظر نہیں ہٹائی تو میرا دل بجھ گیا' رقت قلبی فنا ہو گئی اور پہلے کے مقابلے میں اس مرتبہ بہت زیادہ احوال سلب ہو گئے بلکہ ان مسلوب احوال کے عوض ایسے حالات مسلط کر دیئے گئے جن کا نہ ہونا زیادہ بہتر تھا۔

آخر کار جب میں نے ان احوال میں جو ملے تھے اور ان احوال میں جو سلب ہوئے تھے غور کیا تو اس (غیر محسوس) کوڑے کی تکلیف سے میں چیخ پڑا اور اب میں اپنے ان بھائیوں کو جو ابھی ساحل پر ہیں پکارتا ہوں اور کہتا ہوں کہ:

''اے میرے بھائیو! اس سمندر کی گہرائی سے بچنا' اس کے ظاہری سکون سے دھوکہ مت کھاؤ ساحل ہی پر رہو اور اپنے کو تقویٰ کے قلعہ میں بند کر لو کیونکہ سزا اچانک ہی آ جاتی ہے۔

یہ یاد رکھو! کہ تقویٰ کا اہتمام کرنے میں بہت تلخیاں ہیں اور بہت سے مقاصد اور پسندیدہ امور ترک کرنے پڑتے ہیں مگر ضرب المثل میں تقویٰ کی مثال پرہیز کی سی ہے جس کا نتیجہ صحت ہے جبکہ بد پرہیزی بسا اوقات ناگہانی موت کا سبب ہو جاتی ہے۔

خدا کی قسم! اگر آزمائش میں مبتلا کرنے والی ذات کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے

تمہیں کتوں کے ساتھ گھورے پر سونا پڑے تو بھی یہ اس کی رضاء کے مقابلے میں بہت کم ہے اور اگر اس کی بے رُخی واعراض کے ساتھ اپنے سارے مقاصد حاصل کرلو تو بھی تمہاری سلامتی ہلاکت ہوگی، تمہاری عافیت دشواری ہوگی اور تمہاری صحت بیماری ہوگی۔ اس لیے کہ فیصلہ انجام سے ہوتا ہے اور عقلمند وہی ہے جس نے انجام کو سوچا۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! آزمائش کی دوپہر میں ثابت قدم رہو، بہت جلد اس کا زوال ہوجائے گا۔''

مگر ان سب باتوں کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں اور گناہوں سے حفاظت انہی کی مدد پر اور نیکیوں کی قوت انہی کے فضل پر موقوف ہے۔

کلامی بحثیں عوام کے سامنے مضر ہیں

مجلس..... عجمی اہل بدعت کی ایک جماعت بغداد آئی اور عوام کے سامنے تقریر کے لیے منبروں پر چڑھی لیکن ان کی تقریروں میں زیادہ تر بحث اس کی ہوتی تھی کہ ''زمین میں اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام نہیں ہے یہ مصحف تو کاغذ پھٹکڑی اور بلوط کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہیں اور وہ باندی جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ گونگی تھی اس لیے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان معبودوں میں سے نہیں ہے جن کی زمین میں عبادت کی جاتی ہے اور وہ لوگ کہتے تھے کہاں ہیں وہ ''حُروفِیَّہ'' جو کہتے ہیں کہ حرف بھی قرآن ہے اور صوت بھی قرآن ہے؟ تو حضرت جبرئیل کی عبارت ہے۔''

یہ لوگ اس طرح کی تقریریں کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عوام کے سینوں میں قرآن کریم کی عظمت کم ہوگئی اور بعض عوام بھی یہ کہنے لگے کہ ہاں یہ باتیں بالکل درست ہیں ورنہ بھلا کیا قرآن بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھیلے میں رکھ کر لاتے؟

(یہ سب دیکھ کر) اہلسنّت کی ایک جماعت نے مجھ سے شکایت کی میں نے ان حضرات سے کہا کہ صبر کیجئے کیونکہ اعتراض وشبہات ہمیشہ ہی سر اُبھارتے رہتے ہیں اگرچہ آخر کار ان کا بھیجا پاش پاش ہوجائے (اور یہ سمجھ لیجئے کہ) باطل میں جولانی ہوتی ہے اور حق میں شوکت اور مضبوطی ہوتی ہے، دجال کثرت سے ہوتے ہیں اور ہر شہر میں ایسے لوگ ہوتے

ہیں جو بادشاہ کے سکہ کی طرح کا جعلی سکہ ڈھالتے ہیں۔

ان میں سے ایک صاحب نے کہا: آخر ہم ان کی باتوں کا کیا جواب دیا کریں؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حق وصواب تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے مجمل ایمان پر قناعت فرمائی ہے ان کو تفصیل جاننے کا مکلّف نہیں بنایا' خواہ اس وجہ سے کہ تفصیل کا جاننا ان کے عقائد میں خلل پیدا کردے گا یا اس وجہ سے کہ قوت بشریہ اس کے جاننے سے عاجز اور درماندہ ہے۔

چنانچہ دیکھئے سب سے پہلی چیز جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے خالق کا اثبات ہے اور قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خالق کے وجود کی یہ دلیل لے کر اترا کہ اس کی مصنوعات پر نظر ڈالی جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا.

"کیا وہ ذات جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے درمیان نہریں نکالیں۔ الخ"

اور فرمایا: وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ.

"خود اپنی ذات میں (دلائل قدرت) کیوں نہیں دیکھتے؟"

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے وجود پر اپنی مخلوقات سے اور اپنی قدرت پر اپنی مصنوعات سے ہی استدلال فرمایا ہے۔

اس کے بعد اپنے نبی کی نبوت اس کے معجزات سے ثابت فرمائی جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جسے آپ نے پیش فرمایا اور ساری مخلوق اس کا مثل لانے سے عاجز رہ گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتنے ہی دلائل پر اکتفاء کیا بلکہ پہلی صدی اسی پر گزری کہ گھاٹ صاف ستھرا رہا گدلا نہ ہوا تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو آئندہ ہونے والی بدعتوں اور اختراعات کا علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل کو خوب واضح کردیا اور سارا قرآن دلائل سے بھر دیا۔

اور چونکہ قرآن کریم ہی سارے علوم کا سرچشمہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس لیے اس کو مؤکد طور پر بیان فرمایا۔ ارشاد ہے:

وَھٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ مُبَارَكٌ . وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَاھُوَ شِفَآءٌ.
''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے اتارا اور ہم ایسا قرآن نازل کررہے ہیں جو شفاء ہے۔''
پھر اس کی خبر دی کہ قرآن کریم اللہ ہی کا کلام ہے۔
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ. ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔''
اور اپنے اس ارشاد سے یہ بتایا کہ وہ ایسا کلام ہے جسے سنا جاسکتا ہے:
حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ''یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔''
اور اس کی خبر دی کہ وہ محفوظ ہے۔
فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ. ''وہ محفوظ تختی میں لکھا ہوا ہے۔''
اور فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ.
''بلکہ وہ قرآن واضح آیتیں ہے جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔''
اور یہ بھی بتلایا کہ وہ لکھا ہوا ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ فرمایا:
وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ
''اس سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب تلاوت کرسکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔''
ان کے علاوہ اور بہت سی آیات جن کے شمار کرانے سے شرح طویل ہوجائے گی اس مضمون کے متعلق ہیں جو قرآن کریم کے ثابت ہونے کو بتلاتی ہیں۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس الزام سے برأت ثابت فرمائی کہ یہ قرآن آپ نے اپنی طرف سے پیش کیا ہے۔ فرمایا:
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَالْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ. ''یا یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اسے گھڑ لیا ہے نہیں بلکہ یہ آپ کے رب کی جانب سے واقعی کتاب ہے۔''
اور اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا ہوتا تو اس پر وعید سنائی۔
لہٰذا فرمایا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (الآية)
''اور اگر وہ ہمارے اوپر کچھ بات بنا کر کہہ دیتے (تو ہم آپ کو پکڑ کر آپ کی شہ رگ کاٹ دیتے)''
اور اس شخص کے متعلق جس نے قرآن کریم کو مخلوق کا کلام بتاتے ہوئے کہا:

اِنْ ھٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ. ''یہ تو محض بشر کا کلام ہے۔''

فرمایا: سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ. (جلد ہی میں اسے جہنم میں جھونک دونگا)

اور جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو کسی طرح کا عذاب دیا تو فرشتوں کے ذریعہ دیا۔ مثلاً قوم ثمود پر حضرت جبرئیل کی چیخ' قوم عاد پر ارسال ریح' قارون کو دھنسانا' قوم لوط کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا الٹنا' کعبہ کی تخریب کا ارادہ کرنے والوں پر ابابیل پرندوں کا بھیجنا وغیرہ لیکن قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کی سزا اپنے ذمہ کرلی۔ چنانچہ فرمایا:

ذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اور ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا.

''چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو جو جھٹلاتا ہے اس قرآن کو۔ چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو تنہا جسے میں نے پیدا کیا۔''

اور ایسا محض اس لیے کہ قرآن کریم ہی ساری شریعت کی بنیاد ہے اور یہ گزشتہ تمام شریعتوں کے لیے مثبت ہے کیونکہ تمام اہل مذاہب کے پاس سوائے اس قرآن کے اور کوئی چیز نہیں ہے جو ان کے اس مسلک پر دلیل کا درجہ رکھتی ہو جس پر وہ تھے اس لیے کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوگئی۔ (اس تمہید کے بعد اب اصل جواب عرض ہے کہ) ہر عقل مند خوب جانتا ہے کہ اس کہنے والے کا جس نے کہا''اِنْ ھٰذا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ''(یہ تو بشر کا کلام ہے) لفظ''ھذا'' سے اشارہ اسی کلام کی طرف تھا جو اس نے سنا تھا۔ نیز اہل عقل اور طرز کلام کو سمجھنے والے اہل فہم حضرات سب اس پر متفق ہیں کہ ''وَاِنَّهٗ''میں ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے اور''تنزل بہ''کی ضمیر بھی قرآن کریم ہی سے کنایہ ہے اور ''ھٰذا کِتَابٌ''میں ایک حاضر اور موجود کی طرف ہی اشارہ ہے۔ یہ ثابت ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

لیکن ان کے بعد شیطان نے بدعت کی فریب کاریاں پھیلائیں تو ایک گروہ کہنے لگا کہ یہ مصحف جس کی طرف اشارہ کیا جانا ممکن ہے مخلوق ہے۔ اسی لیے اس کی مدافعت میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ثابت قدمی دکھلائی جو دوسروں سے نہ ہوسکی اور یہ محض اس لیے تاکہ قرآن کریم کے متعلق کوئی ایسا عقیدہ راہ نہ پکڑے جو اس کی ان عظمتوں

میں جو لوگوں کے دلوں میں ٹھیس کی پیدا کر دے اور قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ سے نسبت ختم کر دے اور آپ نے یہ بھی خیال فرمایا کہ ایسی بات ایجاد کرنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بیان فرمائی ہو جائز نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ ”میں کیسے اس بات کا قائل ہو جاؤں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی؟“

اس ایک بات کے علاوہ اور کسی چیز میں اب بھی اختلاف نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ علی ابن اسماعیل اشعری پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں تک انہوں نے معتزلہ جیسی بات کہی پھر ان کے سامنے اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو یہ دعویٰ کیا کہ کلام ایسی صفت ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہو۔ لہٰذا ان کے اس دعویٰ سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے (یعنی مصحف) وہ مخلوق ہے پھر اختلافات ہوتے رہے اور عقائد خبط ہوتے رہے چنانچہ آج تک اہل بدعت انہی اختلافات کے سمندر میں راستہ طے کر رہے ہیں۔

اس (قرآن کے مخلوق ہونے نہ ہونے کے) مسئلہ میں تفصیلی بحث دلائل وشبہات کے ذکر کے ساتھ اصول یعنی عقائد کی کتابوں میں موجود ہے میں ان کا ذکر کہ تطویل نہ کروں گا۔ البتہ حاصل کلام تمہارے سامنے ذکر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے جس کی ہدایت کا فیصلہ فرمالیا ہے اس کے لیے کافی ہوگا۔

اور وہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم سے اجمالی ایمان پر قناعت کی ہے۔ ظاہر شریعت کی تعظیم پر اکتفاء کیا ہے اور ایسی چیزں میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے جو شبہات پیدا کریں یا جن کا راستہ فہم انسانی کے قدم طے نہ کر سکیں۔ پس جب شریعت نے تقدیر اور اس کے فیصلوں میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے تو ”مُقَدِّرْ“ یعنی تقدیر بنانے والی ذات کے اندر غور و خوض کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور یہ ممانعت انہی وجھوں سے ہے جو ابھی میں نے ذکر کیں کہ اس سے یا تو ایسے شبہات پیدا ہوں گے جو عقائد کو متزلزل کر دیں گے یا بشری طاقت ان کے حقائق کو پانے سے عاجز ہے۔

(اور یہ دیکھو!) کہ جب قرآن کریم کے ظاہر معانی اس کے وجود کو ثابت کرتے ہیں پھر کوئی کہنے لگے کہ قرآن یہاں موجود نہیں ہے تو گویا اس نے ان ظواہر کی تردید کردی جن

کے اثبات کے لیے اور دلوں میں راسخ کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت محنت اور مشقت برداشت فرمائی تھی۔

(بھلا بتاؤ) آخر کس بنیاد پر وہ کسی چیز کو حرام اور کسی چیز کو حلال قرار دیتا ہے اور کسی فیصلہ پر قطعی حکم لگاتا ہے جبکہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کے پاس اس کے سوا اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا" یعنی اللہ کے فرمانے سے ہی دلیل پکڑے گویا لوٹ کر اسی کو ثابت مانے جس کی نفی کر چکا ہے۔

لہٰذا صاحب توفیق کے حق میں صحیح فیصلہ ظاہر شرع پر رہنا ہے۔

اور اگر کوئی معترض اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ (جو ہم پڑھتے ہیں وہ) تمہاری آواز ہے اور (جو مصحف میں نقش ہے) وہ تمہاری تحریر ہے پھر قرآن کہاں ہے؟ تو اس سے کہنا چاہیے کہ ہم اور تم سب ایک ایسی چیز کے وجود پر متفق ہیں جس سے ہم دونوں استدلال کرتے ہیں اور جیسے میں اگر کوئی ایسی چیز ثابت کروں جو حقیقتاً ثابت نہ ہو اس پر تم انکار کر سکتے ہو اسی طرح میں تمہاری اس بات پر انکار کرتا ہوں کہ کس دلیل سے اس چیز کی نفی کرتے ہو جو شرعاً ثابت ہے؟

رہا اُن حضرات کا یہ کہنا کہ مصحف میں محض ورق بلوط اور پھٹکری ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ "آدمی" بس گوشت اور خون کا نام ہے۔ تمہارا برا ہو! آدمی کی حقیقت تو روح ہے۔ پس جس نے خون اور گوشت ہی پر نظر کی وہ ظاہر تک محدود رہا۔

اور اگر وہ معترض مخالف کہے کہ مکتوب کتابت کا غیر ہے؟ ہم اس سے کہیں گے کہ اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس کی تحقیق نہ تمہارے نزدیک ثابت ہے نہ تمہارے فریق کے نزدیک۔ اگر کتابت سے مراد تم نے روشنائی اور خط کے نقوش لیے ہیں تو واقعی یہ قرآن نہیں ہے اور اگر تمہاری مراد وہ معنی ہے جو اس خط کے ساتھ قائم ہے تو یہ کتابت نہیں ہے۔

درحقیقت ان مباحث میں غور و خوض مناسب نہیں ہے کیونکہ جب اس سے کمتر چیزوں کی تفصیلی تحقیق ممکن نہیں ہے مثلاً روح وغیرہ جبکہ اس کا وجود کسی حد تک ہمیں معلوم بھی ہے۔ البتہ حقیقت نہیں معلوم ہے تو جب ہم ان کی حقیقتوں سے ناواقف ہیں تو حق تعالیٰ کی صفات کے متعلق تو زیادہ جاہل ہیں اس لیے ضروری ٹھہرا کہ جو چیزیں حق تعالیٰ کے

شایان شان نہ ہوں ان کی نفی کرتے ہوئے شریعت کی بتائی ہوئی باتوں پر توقف کیا جائے کیونکہ اس میں غور وخوض خبط میں اضافہ کرے گا اور کچھ فائدہ نہیں دے گا بلکہ تحقیق تو ہاتھ آوے گی نہیں البتہ اس چیز کی نفی ہو جاوے گی جو شریعت سے ثابت ہے۔

پس سلف کے طریقہ ہی میں سلامتی ہے۔ والسلام

اسی طرح میں یہ بھی کہتا ہوں کہ عوام کے لیے آیات وسنن کے ظواہر سے معبود کا وجود ثابت کرنا اس کی تنزیہ[1] بیان کرنے کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ اگرچہ تنزیہ بھی ضروری ہے۔

حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "عوام کے اعتقاد کے لیے سب سے بہتر قرآن وحدیث کے ظواہر ہیں کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اثبات سے مانوس ہوتے ہیں اور اگر اسے ہم ان کے دلوں سے ختم کر دیں تو اس کی سزاؤں کا ڈر اور اس کی عظمت زائل ہو جائے گی۔"

عوام کا مسلک تشبیہ اختیار کر لینا میرے نزدیک تنزیہ باری کے مسائل میں لگنے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ عقیدہ تشبیہ ان کو اثبات باری میں غوطہ دے گا پھر وہ ان چیزوں کی طمع رکھیں گے جن کی طمع دلائی جاتی ہے اور ان چیزوں سے ڈریں گے جن سے خوف دلایا جاتا ہے جبکہ تنزیہ باری میں غور وخوض انہیں نفی باری کی طرف لے جائے گا پھر نہ انہیں اللہ سے طمع ہوگی اور نہ خوف ہوگا۔

اور جو شخص شریعت کے اندر غور کرے گا اسے تشبیہ کے ایسے الفاظ ملیں گے جن کا ظاہر تشبیہ کے سوا اور کوئی معنی نہیں دیتا۔ جیسے دیکھو! ایک اعرابی نے سوال کیا کہ کیا ہمارا رب ہنستا ہے؟ جواب میں فرمایا ہاں! آپ اس کے سوال سے چیں بجبیں نہ ہوئے۔

بلند ہمت اور پست حوصلہ میں فرق

مجلس.... سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ تمہیں عالی ہمتی سے نوازا جائے پھر اس کے مقتضی پر عمل سے رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں کیونکہ تمہاری ہمت کی تاثیر یہ ہوگی کہ مخلوق کے احسانات کو گراں سمجھتے ہوئے ان کے عطیوں کے قبول کرنے سے نفرت ہو لیکن

[1] یعنی اللہ کو جسم سے ہاتھ سے پیر سے اور ایسی چیزوں سے جو اس کے شایان شان نہ ہوں پاک بتلانا۔۱۲ احمزہ

وہ تمہیں فقر میں مبتلا کر دے تا کہ تم ان سے قبول کرو، تمہارا مزاج لطیف بناتا ہے اس طرح کہ تم وہی غذائیں استعمال کر سکو جن کا حصول سہل ہو اور ان کے لیے زائد خرچ کی ضرورت ہو لیکن وہ تمہاری روزی کم کر دیتا ہے، تمہاری ہمت خوبرو و خوبصورت عورتوں سے متعلق کر دیتا ہے اور فقر میں مبتلا کر کے ان کے حاصل کرنے کا راستہ بند کر دیتا ہے، علوم کو تمہارا محبوب بنا دیتا ہے اور تمہارے جسم کو اس کے مطالعہ و تکرار کے لیے اور اس کو یاد رکھنے کے لیے قوی نہیں کرتا بلکہ تمہیں اتنے مال سے محروم بھی رکھتا ہے جس سے تم کتابیں خرید سکو، تمہارے شوق کو عارفین و زہاد کے درجات حاصل کرنے کے لیے ترقی دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ارباب دنیا سے اختلاط کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے اور یہ سب کھلی آزمائشیں ہیں۔

ہاں! پست حوصلہ شخص جسے مخلوق سے مانگنے سے نفرت نہیں ہوتی، بیوی بدلنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا، تھوڑے علم پر قناعت کیے رہتا ہے، عارفین کے احوال حاصل کرنے کا شوق نہیں رکھتا، ایسے شخص کے لیے کسی حالت کا نہ ہونا تکلیف دہ نہیں ہوتا کیونکہ جو کچھ وہ پا چکا ہے اسی کو انتہاء سمجھتا ہے اور وہ اس حالت میں ویسے ہی خوش رہتا ہے جیسے بچے سنگریزوں پر خوش ہوتے ہیں ایسے شخص پر دنیا میں قیام کا معاملہ کس قدر آسان ہے۔

آزمائش اور مصیبت تو بلند حوصلہ عارف پر ہوتی ہے جس کی ہمت بلند اس کو تمام اضداد کے جمع کرنے کی دعوت دیتی ہے تا کہ کمال کے مراتب بڑھتے رہیں لیکن اس کے قدم کو مقصود تک پہنچنے سے روک دیا جاتا ہے۔

"ہائے وہ مقام! جس کے راستہ ہی میں صبر کرنے والوں کا توشہ ختم ہو جائے۔" (اور وہ پہنچ نہ سکیں) اگر اس مبتلاء آزمائش کو کبھی کبھی غفلت کے حالات نہ پیش آتے جن کی وجہ سے وہ زندہ رہتا ہے تو اس کا ہمیشہ بلند مقامات کو دیکھتے رہنا (اور نہ پہنچ پانا) اس کی بصارت ختم کر دینا اور اس کا مسلسل چلتے رہنا اس کے پاؤں گھس ڈالتا لیکن کبھی بعض مرادوں تک پہنچا کر نصرت و مدد کی جھلک اور کبھی غفلت میں مبتلا کر دینا اس کے لیے زندگی کو آسان کیے ہوئے ہے۔

یہ نہایت نادر مضمون ہے جسے کم ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں بلکہ اس حقیقت تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن کے اندر ندرت ہو۔

احتیاط بہتر ہے

مجلس....ایک دنیوی غرض کے حاصل کرنے کے لیے غلط تاویل سے کام لیتے ہوئے میرے نفس نے سرکشی کرنا چاہا تو میں نے اس سے کہا کہ:

تجھے خدا کی ذات کا واسطہ! اپنے کو روک کیونکہ سمندر کو عبور کرنے والا ایک ہی مشغلہ میں رہتا ہے یعنی عجائبات کے سمندر میں تنزہ کی امواج کی کثرت کی وجہ سے ڈوبنے سے بچاؤ کی فکر میں رہتا ہے۔

جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو اس کے حاصل ہونے کے ذریعے کا اندازہ کرو اس کے نتائج پر غور کرو اور اس کے ان ثمرات پر جو حاصل ہوں گے نظر ڈالو۔ تب کئے پر پچھتاوا کم ہوگا مگر اس وقت بھی اس سے مطمئن نہ ہونا کہ حق تعالیٰ کا غضب اور اعراض نتیجہ میں ملے۔

تف ہے اس چیز پر! جو حق تعالیٰ سے تعلق کو توڑ دے۔ اگر چہ جنت ہی کیوں نہ ہو اور اے نفس! یہ جان لے کہ کوئی چیز بھی اٹکل سے نہیں گزر جاتی میزان عدل میں ایک ایک ذرہ ظاہر ہو جائے گا۔ لہٰذا مُردوں اور زندوں کے حالات پر نظر ڈال اور دیکھ کہ کن لوگوں کا تذکرہ خیر کے ساتھ ہوتا ہے اور کن کا شر کے ساتھ اور کن حضرات کا ذکر زیادہ ہوتا ہے اور کن کا کم۔

کتنی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اہل خلوت کے سامنے خلوت کا راستہ واضح کر دیا۔ حتیٰ کہ اعمال وغیرہ دیکھے بغیر ان کے دل نیک لوگوں سے متعلق ہونے لگے اور اہل شر سے نفرت کرنے لگے۔

یہ تقریر سن کر ابلیس نے کہا! کیا مخلوق کی وجہ سے تم اپنی مراد چھوڑ دو گے؟ میں نے کہا نہیں۔ اور یہ تو وہ ثمرات ہیں جو بلا نیت حاصل ہو جاتے ہیں جبکہ ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ تیس میل محض اس لیے دوڑتا ہے تاکہ اسے ''ساعی'' کا خطاب دیدیا جائے پھر متقی کا کیا حال ہوگا جس نے اپنے بعد ہمیشہ رہنے والے ذکر کا شرف حاصل کیا ہے۔ اگر چہ اس کی نیت نہیں کی تھی اور جو جزا کے ترازو میں اپنا پلڑا جھکانا چاہتا ہے:

سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا. ''یقیناً رحمٰن ان کے لیے محبت رکھ دے گا۔''

نفس نے کہا! تم نے تو مجھے عذاب پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اغراض کو چھوڑ دینا عذاب ہی ہے۔ میں نے کہا! تمہیں غرض کا عوض ملے گا اور جو چیزیں ترک کر دو گے ان کا بدل ملے گا۔

پھر یہ بھی سوچو کہ تم سے عبادت کا کام لیا جا رہا ہے اور اجیر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کام کرنے کے دوران راحت کے کپڑے پہنے اور متقی کا پورا زمانہ روزہ کا دن ہوتا ہے۔

جو شخص سزا سے ڈرا اس نے خواہشات کو چھوڑا اور جس نے قرب (نیکی) کا قصد کیا اس نے ورع پر عمل کیا۔ صبر میں ایسی حلاوت ہے جو انجام کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔

شہوت سے شکست نہ کھاؤ

مجلس..... جس کے نفس نے اس کو حرام لذت کی طرف کھینچا اور اس کی طرف رغبت نے اسے نتائج میں غور کرنے سے روک لیا جبکہ اس نے عقل کی یہ پکار بھی سنی کہ وہ کہہ رہی ہے کہ ''تیرا برا ہو! ایسا نہ کر کیونکہ پھر تو بلندی سے محروم کر دیا جائے گا' پستی میں گر جائے گا اور تجھ سے کہہ دیا جائے گا کہ جسے تو نے اختیار کر لیا ہے اسی میں پڑا رہ!

لیکن اس کی خواہش نفسانی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیے رکھا اور جو کچھ اس سے کہا جا رہا تھا اس کی طرف اس نے توجہ نہیں کی تو وہ ہمیشہ پستی ہی میں گرتا رہے گا۔

اور اس کی مثال اس کتے جیسے ہوگی جس کی مثل مشہور ہے کہ ایک کتے نے شیر سے درخواست کی کہ اے درندوں کے بادشاہ! میرا نام اچھا نہیں ہے اس کو بدل کر دوسرا نام رکھ دیجئے۔ شیر نے کہا تمہارے اندر خیانت کا مرض ہے اس لیے اس کے سوا کوئی اور نام بہتر نہ ہوگا۔ کتے نے کہا میرا تجربہ کر لیجئے؟ شیر نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا اور کہا کہ کل تک اس کو حفاظت سے رکھو جب تک میں تمہارے لیے دوسرا نام سوچ رہا ہوں۔

(دوسرے وقت) جب کتے کو بھوک لگی تو گوشت کی طرف دیکھا اور صبر کر گیا لیکن پھر جب خواہش نفس کا غلبہ ہوا تو اس نے سوچا کہ بھلا میرے نام میں کیا خرابی ہے؟ ''کلب'' تو بہت اچھا نام ہے۔ یہ سوچا اور گوشت کھا گیا۔

یہی مثال پست حوصلہ شخص کی ہے کہ تھوڑے مرتبہ پر قناعت کر لیتا ہے اور بعد میں

حاصل ہونے والے فضائل پر فوری خواہشات کو ترجیح دے دیتا ہے۔لہٰذا جب خواہشات کی آتش بھڑکے تو اللہ سے ڈرو اور اس کی فکر کرو کہ کیسے اس کو بجھایا جائے کیونکہ بعض لغزشیں ہلاکت کے کنویں میں گرادیتی ہیں۔بعض نشانات مٹتے نہیں ہیں اور کسی مرتبہ کو چھوڑ دینے والا اس کی تلافی نہیں کر پاتا۔پس فتنہ کے اسباب سے بہت دور رہو کیونکہ اس کے قریب ہونا آزمائش ہے اور ایسے شخص کے محفوظ رہنے کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔والسلام

جہاد اعظم

مجلس.....میں نے تصور کیا کہ سارے لوگ جنگ کے میدان میں ہیں اور سارے شیطان ان کے اوپر خواہشات کے تیر چلا رہے ہیں اور لذت کی تلواریں مار رہے ہیں' بد پرہیز لوگ تو پہلے ہی دن سے چت پڑے ہوئے ہیں اور بچاؤ کی کوشش کرنے والے مجاہدہ کی وجہ سے سخت مشقتوں میں ہیں اور چونکہ طویل مدت تک میدان جنگ میں رہنے سے زخم لگنا ضروری ہے۔لہٰذا وہ زخمی بھی ہوتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔البتہ قتل سے محفوظ رہتے ہیں' ہاں چہرے کا زخم ہمیشہ کے لیے عیب ہو جاتا ہے اس لیے مجاہدوں کو اس سے بچنا چاہیے۔(یعنی ظاہری گناہوں کا اثر دیرپا ہوتا ہے)

دنیا جال ہے

مجلس.....دنیا جال ہے اور جاہل پہلی ہی مرتبہ پھنس جاتا ہے۔رہا سمجھ دار متقی! تو وہ بھوک پر صبر کر لیتا ہے اور دانہ سے دور رہتا ہے کیونکہ سلامتی دور ہی رہنے میں ہے۔

کتنے صبر کرنے والے سالہا سال جدوجہد کرتے رہے لیکن آخر کار شکار ہو گئے۔

لہٰذا (اس جال سے) بہت دور رہو اور بچنے کی کوشش کرو۔ہم نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو زندگی بھر ٹھیک راستہ پر رہے پھر قبر کے کنارے پھسل گئے۔

اے غافل! ذرا غور کر!

مجلس.....میرے بھائیو اور میری نصیحت پر کان لگانے والو! اس کا یقین رکھو کہ گناہوں کے اثرات ونتائج نہایت برے ہوتے ہیں اور ان کی تلخی ان کی شیرینیوں سے کئی

گنا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بدلہ دینے والا گھات میں ہے کہ کوئی چیز اس سے چھوٹ نہیں سکتی اور نہ کوئی بھاگ سکتا ہے۔

کیا تفسیر میں یہ روایت ذکر نہیں کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ہر ایک کے بارہ بیٹے ہوئے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ ہی بیٹے ہوئے اس لیے کہ انہیں زلیخا کی طرف ایک لمحہ کے میلان[1] کا بدلہ دیا گیا۔ لہٰذا ایک لڑکا کم پیدا ہوا۔

کس قدر افسوس ہے اس کوڑے سے مار کھانے والے شخص پر جسے درد کا احساس نہ ہو رہا ہو، اس لاغر زخمی پر جسے اپنی کچھ خبر نہیں ہے اور اس سزاؤں میں گرفتار شخص پر جسے ان سزاؤں کا احساس نہ ہو، میری زندگی کی قسم! سب سے بڑی سزا یہی ہے کہ اس کے سزا ہونے کا پتہ نہ چلے۔

اور کس قدر تعجب ہے اپنے نفس کو مغالطہ دینے والے پر جو اپنے نفس کو اس کی شہوت پوری کر کے خوش کرتا ہے اور اسی کے ساتھ طاعت کر کے اپنے رب کو بھی خوش رکھنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ "نیکی بھی کرو اور بدی بھی کرو"

تمہارا برا ہو! اپنی تھیلی سے خرچ بھی کر رہے ہو، اپنی پونجی برباد بھی کر رہے ہو اور اپنے مرتبہ کو عیب بھی لگا رہے ہو۔

"بعض زخم جان لیوا ثابت ہوتے ہیں، بعض لغزشیں ہلاک کر دیتی ہیں اور بعض کوتاہیوں کی تلافی نہیں ہو پاتی۔"

تمہارا برا ہو! سوچو تو سہی کس چیز کے منتظر ہو اور کس چیز کے امیدوار ہو اپنی ملاوٹی توبہ اور مخلوط انابت کے ساتھ؟ دیکھو وہی چیز ہے جس نے ہڈیوں کو کمزور کر ڈالا ہے (یعنی آخرت کی سزائیں) ورنہ تو بیوی بچوں اور اہل خاندان کے دنیا سے جانے کے بعد ان ہی سے ملاقات ہونی ہے۔ (پھر خوف کیسا؟)

ذرا اندازہ کرو کہ جتنی دنیا کی تم امید رکھتے تھے تمہیں حاصل ہوگئی پھر اس کا حاصل کیا نکلا؟ بس وہی جو یہاں مل گیا اور اس نے بھی تمہیں دنیا ہی میں مشغول کر لیا۔

اور یاد رکھو! کہ لذت کا آخری گھونٹ مہلک ہوتا ہے لہٰذا یا تم اسے چھوڑ دو گے یا وہ

---

[1] یہ ایک تفسیر کے مطابق ہے ورنہ ایک تفسیر اس کے خلاف بھی ہے۔ ۱۲ حمزہ

تمہیں چھوڑ دے گی۔

''ہائے وہ تلخ گھونٹ (موت) جس کے پانے کے بعد تم چاہو گے کہ کاش نہ پایا ہوتا۔''

''افسوس! فکر سے محروم پر اور گھاٹ پر اترنے سے روک دیئے جانے والے پر جو گھاٹ کو دیکھ بھی رہا تھا۔''

کیا یہ قبریں تیرے ڈرانے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا زمانے کی گردشوں میں تیرے لیے کوئی تنبیہ نہیں ہے؟

کہاں ہے کوئی بادشاہ! جس نے اپنی ساری آرزوئیں پوری کرلی ہوں؟ ان کو ان کی قبروں میں پکار! افسوس وہ اپنے پکارنے والے کی آواز سننے سے بہرے ہیں۔

''اے کل کو کھو دینے والے! اور آئندہ کل میں باقی ماندہ کے متلاشی! عمل میں لگ جا' کس چہرے سے اپنے رب سے ملے گا؟ کیا لفظ ''عتاب'' تیرے گناہوں کے مساوی ہوسکتا ہے؟ (نہیں! بلکہ عقاب کے مستحق ہو)

واللہ! عتاب کے بعد جو رحمت ہوتی ہے بسا اوقات اس سے بھی دل کے اندر کا بغض نہیں نکلتا۔ پھر کیا حال ہوگا اگر عتاب کے بعد عقاب (سزا) شروع ہوگیا۔

سند متصل سے ہمیں روایت پہنچی کہ محمد ابن عبدالرحمٰن صیرفی نے فرمایا کہ میرے ایک پڑوسی نے حضرت یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا گیا اس نے مجھ سے فرمایا اے بڈھے! تیرا ٹھکانا برا ہے' میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ اسی سال کے بوڑھوں کو عذاب دینے سے حیاء کرتے ہیں اور میں زمین پر رہنے کے وقت اسی سال کا تھا۔ ارشاد ہوا میرے رسول نے سچ کہا' جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

اور ایک دوسری روایت میں حضرت محمد مسلم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ رب العزت نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا

اور فرمایا اے گناہ گار بڈھے! اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو تجھے آگ میں ڈال دیتا۔

مقصود اس روایت سے نگاہِ عبرت سے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اللہ کی اس رحمت کی برابری دنیا کی لذت کا کیا ذکر جنت بھی کر سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں غافلوں کی غفلت سے بیدار فرمادے اور ہم پر ہر چیز کی حقیقت کو ظاہر فرمادیں تاکہ ہم گناہوں کی خرابیاں دیکھ سکیں اور توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تقویٰ! کلیدی کامیابی

مجلس.....میں ایک معاملہ میں ایسی تنگی میں پڑ گیا جو میرے لیے مسلسل غم کا سبب بن گیا۔ میں نے ان غموں سے چھٹکارے کے لیے ہر طرح کی تدبیر کی اور حیلے اختیار کیے لیکن کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ پھر یہ آیت سامنے آئی: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. ”جو اللہ سے ڈرا اللہ تعالیٰ اس کے لیے (ہر طرح کے ہموم وغموم سے) نکلنے کی سبیل پیدا فرمادیں گے۔“

تو مجھے یقین ہو گیا کہ تقویٰ ہی ہر غم سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔ لہٰذا جونہی تقویٰ کے راستہ پر چلنے کا ارادہ کیا میرے لیے غم سے نکلنے کی سبیل پیدا ہو گئی۔

اسی لیے جس شخص کو بھی توکل کرنا ہو یا کوئی سبب اور ذریعہ اختیار کرنا ہو یا تفکر کرنا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کے حکم کے تحت رہ کر کرے اور اس کے امر کے مطابق کرے کیونکہ اسی صورت میں ہر بندش کھلے گی۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ سبیل ایسے راستہ سے پیدا ہوتی ہے جس کا اس حیلہ اختیار کرنے والے فکرمند شخص کو اندازہ بھی نہیں ہو پاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

”اور اس کو ایسے راستے سے عطا فرمادے گا جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔“

اور متقی کو اس کا بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہیں۔ لہٰذا اسباب سے اپنا دل معلق نہیں رکھنا چاہیے کہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.

''اور جس نے اللہ پر اعتماد کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں کافی ہوگا۔''

قبولیت دعاء میں تاخیر کیوں ہوتی ہے؟

مجلس.... اپنی غرض اور مقصد برآری میں تیرا الحاح کرنا نہایت قابل تعجب ہے اور جوں جوں اس کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے تیرا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ حالانکہ تو یہ بھولا رہتا ہے کہ دو میں سے ایک امر کی وجہ سے تو محروم کیا جارہا ہے۔ نمبر آیا تو تیری ہی مصلحت کی وجہ سے یہ محرومی ہے کہ بعض مرتبہ فوراً پوری ہوجانے والی چیز مضر ہوجاتی ہے۔ نمبر۲ اور یہ تیرے گناہوں کی وجہ سے کیونکہ گناہ گار کی دعاء قبولیت سے دور ہوتی ہے۔

لہٰذا قبولیت کے راستے کو گناہوں کے میل سے صاف رکھ! اور اپنی اس غرض پر نظر ڈال جو مانگ رہا ہے کہ آیا وہ تیرے دین کی اصلاح کے لیے ہے یا محض خواہش نفس پوری کرنے کے لیے۔

اگر محض خواہش نفس کے لیے ہو تو اس کا یقین کر کہ قبولیت میں تاخیر تیرے ساتھ لطف اور تجھ پر رحمت ہے اور تیری مثال اس مطالبہ میں اس بچے کی سی ہے جو اپنے لیے کسی مضر چیز کا سوال کرے کیونکہ اس کی رعایت یہی ہے کہ اسے نہ دیا جائے اور اگر تیرے دین کی اصلاح کے لیے ہو تو پھر بھی تاخیر ہی میں بسا اوقات مصلحت ہوتی ہے یا تیرے دین کی صلاح قبول نہ کرنے ہی میں ہوتی ہے۔

''حاصل یہ کہ تیرے لیے اللہ کی تدبیر خود تیری تدبیر سے بہتر ہے۔''

اور کبھی وہ خواہشات سے اس لیے محروم کردیتا ہے تاکہ تیرا صبر آزمائے۔ پس تو اس کے سامنے صبر جمیل کا مظاہرہ کر، جلد ہی (ان شاء اللہ) سہولتیں دیکھے گا۔

اور جب تو نے قبولیت واجابت کے راستوں کو گناہوں کے میل سے صاف کرلیا اور قضاوقدر کے فیصلوں پر صبر کرلیا تو یہ سمجھ لے کہ تقدیر کا ہر فیصلہ خواہ عطا کا ہو یا منع کا تیرے لیے بہتر ہی ہوگا۔

موت کے لیے تیاری

مجلس.... جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ اسے کب موت آجائے گی اس کو موت کے لیے تیاری کیے رہنا ضروری ہے۔ جوانی اور صحت سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ بوڑھے ہوکر

مرنے والوں کی تعداد کم ہے اور جوانی میں مر جانے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسی لیے بوڑھے لوگ کم ہوتے ہیں اور کسی نے ایک شعر کہا:

یعمر واحدٌ فَیُغِرُّ قومًا وینسی من یموت من الشباب

''ایک شخص لمبی عمر پا کر پوری قوم کو دھوکہ میں ڈال دیتا ہے اور جتنے جوان مرے ہیں اس کو بھلا دیتا ہے۔''

اسی دھوکہ کا نتیجہ لمبی لمبی آرزوئیں ہیں جبکہ لمبی آرزوئیں (طولِ امل) بڑی آفت ہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہوتیں تو آدمی ذرا دیر بھی مہمل اور بیکار نہ رہتا اور گناہ کرتے رہنا اور توبہ میں تاخیر کرنا بھی انہی کا نتیجہ ہے۔ شہوات کی طرف لپکنا اور انابت الی اللہ کو بھولے رہنا بھی اسی طول امل کا اثر ہے۔

اگر تم قصر امل (آرزوؤں کو کم کرنے بلکہ ترک کرنے) پر قدرت نہ رکھتے ہو تو کم از کم قصیر الامل حضرات (آرزوؤں کو ترک کرنے والے لوگوں) جیسے اعمال ہی اختیار کرو۔ اس طرح کہ جب شام کرو تو دن بھر کے اعمال کا جائزہ لو۔ اگر اس میں کوئی لغزش نظر آوے تو اسے توبہ سے مٹاؤ، کوئی کمی نظر آوے تو استغفار سے اس کی تلافی کرو اور جب صبح کرو تو رات بھر کے اعمال کو سوچ لو۔

خبردار! تسویف اور ٹال مٹول سے بچو کیونکہ ابلیس کا سب سے بڑا لشکر یہی ہے:

وخذلک منک علی مهلة ومقبلِ عیشِک لم یدبرِ

''مہلت کے زمانے میں کچھ کرلو جو عمر گزر گئی واپس نہ آوے گی۔''

وخف هجمة لاتقیل العثا رو تطویٰ الورود علی المصدرِ

''اس چیز کے ہجوم سے ڈرو جو لغزش کو معاف نہیں کرتا اور گھاٹ پر اترنے سے روک دے گا۔''

وَمَثِّل لنفسک ایّ الرعیل یضمک فی حلبة المحشرِ

''اور اپنے نفس کے سامنے تصور باندھو کہ تم میدان حشر میں کس گروہ میں ہوگے۔''

نیز اپنے نفس کے سامنے اس کا بھی تصور پیش کرے کہ عمر کوتاہ ہے۔ مشاغل بہت ہیں اور موت کے وقت کوتاہیوں پر ندامت بہت ہوگی اور کوتاہیوں کی تلافی نہ کر سکنے پر حسرت بھی شدید ہوگی۔

کاملین کے ثواب کے ساتھ اس کا تصور کرو کہ تم ناقص ہو اور جدوجہد کرنے والوں کے ثواب کے ساتھ یہ سوچو کہ تم سست اور کاہل ہو۔

اپنے نفس کو ہر وقت پند و نصیحت سناتے رہو اور کسی فکر میں لگائے رکھو کیونکہ نفس کی مثال سرکش گھوڑے کی سی ہے کہ اگر اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تو پھر اس سے مطمئن نہیں ہوا جاسکتا کہ وہ تمہیں کہیں گرا دے گا۔

واللہ! تمہاری خواہشات نے تمہیں گندہ کر دیا ہے اور تمہاری عمر ضائع کر دی ہے۔ اس لیے ذرا سے بچے ہوئے پانی کے بھی ضائع ہونے سے پہلے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام کرلو۔

بہت سے محتاط لوگوں کے باز و بھی جال میں پھنس جاتے ہیں اور کتنے مخمور (نشہ میں مست) ہلاکت کے کنویں میں گر جاتے ہیں۔

(لاحول ولاقوّۃ اِلّا باللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمُ)

اے پریشان حال! سچی توبہ کر

مجلس.....بچو! گناہوں سے بچو! کیونکہ اس کے نتائج برے ہیں۔

کتنے گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے والے مسلسل پستی میں گرتے رہے۔ اسی طرح کہ ان کے قدم پھسلتے رہے' ان کا فقر بڑھتا رہا' جو کچھ دنیا فوت ہوئی اس پر حسرت بڑھتی رہی جنہوں نے دنیا پالی تھی ان پر رشک ہوتا رہا اور اگر اپنے کیے گناہ کا بدلہ ملنے لگا یعنی اغراض سے محرومی ہونے لگی تو تقدیر پر اس کا اعتراض نئے نئے عذاب لاتا رہا۔

''کس قدر افسوس ہے اس مبتلاء سزا پر! جسے سزا کا احساس نہ ہو اور ہائے وہ سزا! جو اتنی تاخیر سے ملے کہ اس کا سبب بھلا دیا جائے۔''

کیا حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک آدمی کو اس کے فقر پر عار دلایا تو چالیس سال کے بعد خود میں فقر میں مبتلا ہو گیا؟ اور کیا حضرت ابن الخلال نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک خوبصورت لڑکے کی طرف دیکھ لیا تو چالیس سال کے بعد قرآن شریف بھول گیا۔ پس اس گرفتار سزا پر سخت افسوس ہے جسے یہ خبر نہیں ہے کہ سب سے بڑی سزا' سزا کا احساس نہ ہونا ہے۔

سچی توبہ کرو! ممکن ہے سزا کا ہاتھ رُک جائے اور گناہوں سے خصوصاً خلوت کے گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کرنا بندے کو اس کی نگاہ سے گرادیتا ہے۔ اپنے اور اس کے راز کے تعلقات کو سنوارے رکھو جبکہ اس نے تمہارے ظاہری احوال کو سنوارا ہے۔

اے گنہگار! اس کی ستاری سے دھوکہ میں نہ پڑ کیونکہ کبھی وہ تیری ستر تک کھول کر رکھ دیتا ہے اور اس کے حلم و بردباری سے دھوکہ مت کھا کیونکہ کبھی سزا اچانک آپڑتی ہے۔

گناہوں پر قلق اور خدا سے التجا کا اہتمام کر کیونکہ تیرے حق میں یہی نافع ہوسکتا ہے

''حزن وغم کی غذا کھا اور آنسوؤں کا پیالہ پی''

''غم کی کدال سے خواہشات کے دل کا کنواں کھود تاکہ اس سے ایسا پانی نکلے جو تیرے جرم کی نجاست کو دھودے۔''

متقی اور غیر متقی عالم میں فرق

مجلس.... میرے بھائیو! اس شخص کی نصیحت سن لو جسے تجربہ اور واقفیت ہے کہ جس قدر تم اللہ کو بڑا مانو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تم کو بڑا بنادیں گے اور جتنی تم اس کے مرتبہ کی تعظیم کرو گے اتنی ہی وہ تمہاری عظمت میں اضافہ کرے گا۔

واللہ! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اپنی عمریں علم کے مشغلے میں ختم کردیں حتیٰ کہ بوڑھے ہوگئے لیکن حدود سے تجاوز کیا تو لوگوں کے نزدیک بے وقعت ہوکر رہ گئے' لوگ ان کے علمی تبحر اور سخت مجاہدہ کے باوجود ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتے تھے۔

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اپنے بچپن میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں ان کا مرتبہ بڑھادیا حتیٰ کہ لوگوں کے دل ان سے جڑ گئے اور وہ ان کی نیکیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگے۔

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے تھے جب تک ثابت قدم رہے تب تک معاملہ ٹھیک رہا اور جب پھسلے تو اللہ کی مہربانیاں بھی ان سے زائل ہوگئیں۔

اگر اللہ کی ستاری عام نہ ہوتی اور کریم کی رحمت سب کو شامل نہ ہوتی تو یہ سب کے سب مخلوق کے سامنے رسوا ہوجاتے مگر اللہ کی عام عادت تادیب' تنبیہ کی ہے اور سزا میں بھی

لطف کی رعایت رکھنے کی ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے:

مَنْ کان فی سخطہ محسنًا   فکیف یکون اذا ما رضٰی

''جو ذات اپنی ناراضگی میں بھی احسان کرتی رہتی ہو جب راضی ہوگی تب اس کے الطاف وعنایات کا عالم کیا ہوگا۔''

ہاں یہ بھی یاد رکھو! کہ عدل وانصاف میں کمی نہیں ہوا کرتی اور بدلہ دینے والا حاکم ظالم نہیں ہے اور ''امین'' کے پاس کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔

سزا کبھی دیر تک ملتی ہے

مجلس....اے گنہگار! جب تجھے تیری سزا کا احساس ہو تو زیادہ چیخ وپکار مت کر اور یہ مت کہہ میں نے تو توبہ کی تھی نادم ہوا تھا پھر یہ مکروہ سزا زائل کیوں نہیں ہوئی، ممکن ہے تیری توبہ اچھی طرح نہ ہوئی ہو۔

اور کبھی سزا کا زمانہ مرض کی طرح طویل بھی ہو جاتا ہے۔لہٰذا اس کے ختم کرنے کے حیلے مت تلاش کر حتیٰ کہ خود ہی اس کا وقت پورا ہو جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ''عَصٰی اور فَتَلَقّٰی'' کے درمیان ایک طویل مدت گزری تھی۔لہٰذا اے گنہگار! اتنی مدت صبر کر کہ تیرے آنسو تیرے دل کے نجس کپڑوں کے اندر پہنچ جائیں اور جب غم کا ہاتھ اسے نچوڑ لے اور کئی مرتبہ دھلائی ہو جائے تب طہارت اور پاکی کا حکم لگایا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر تین سو سال تک روتے رہے۔حضرت ایوب علیہ السلام اپنی آزمائش میں اٹھارہ سال تک رہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں اسی سال تک روتے رہے۔

آزمائشوں اور مصیبتوں کی مدتیں متعین ہیں پھر ختم ہو جاتی ہیں۔البتہ بعض سزائیں موت تک ساتھ لگی رہتی ہیں۔پس تیرے لیے ضروری ہے کہ تو ہر وقت انابت کی محراب میں رہے، عطاؤں کے طالب کی طرح بیٹھے، قلق کو اپنی غذا بناوے اور گریہ وبکا کا پانی پئے۔بسا

اوقات قبولیت کی خوشخبری سنانے والا آتا ہے تو غم کے یعقوب کی بصارت واپس آجاتی ہے۔

اور اگر تم غم و حزن کی جیل میں ہی مر گئے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کا غم آخرت کے غم کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں بے حد نفع ہے۔

تائب کے آنسو

مجلس.....سمجھ دار آدمی کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں کے نتائج و آثار سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ اس کی آگ راکھ کے نیچے ہوتی ہے اور سزا میں کبھی تاخیر ہوتی ہے۔ پھر اچانک ہی آجاتی ہے اور کبھی (تاخیر نہیں ہوتی) فوراً مل جاتی ہے اس لیے گناہوں کی جو آگ اس نے روشن کر لی ہے اس کو جلد بجھانے کی فکر کرے "اور آنکھ سے جاری ہونے والے چشمہ کے سوا اور کوئی چیز اس کو نہیں بجھا سکتی۔"

امید کہ حاکم (اللہ تعالیٰ) کے فیصلہ سے پہلے بدلہ لینے والا فریق (اللہ تعالیٰ) معاف کر دینے پر راضی ہو جائے۔

مراقبہ اور محاسبہ

مجلس....اس شخص پر سخت حیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے کے باوجود اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے جبکہ اس میں خود اس کی بربادی بھی ہے۔

کیا زندگی اسی کے ساتھ نہیں گزرنا ہے؟ اور کیا دنیا و آخرت سب اسی کی نہیں ہے؟ تف ہے اس ناپسندیدہ کاموں میں رخصت پر عمل کرنے والے پر! جو اسکے ذریعے اپنی محبوب و پسندیدہ چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اے لذتوں کے طالب! خدا کی قسم جتنا وہ حاصل کرے گا اس سے دو چند اس سے فوت ہو جائے گا۔

اے صاحب ذوق! جو کچھ میں کہنے جا رہا ہوں اس کو توجہ سے سن۔

"زندگی میں جب بھی تو نے لغزش کھائی اور جب بھی کسی حال میں تجھے خبط ہوا، اللہ کی مخالفت ہی کی حالت میں ہوا۔"

ولا انثنٰی عزمی عن بابکم الا تعثرت باذیالی.

''میں تیرے در سے اسی وقت ہٹا ہوں جبکہ میں لغزش کھا کر پھسل گیا۔''

کیا تو نے ایک بزرگ کی وہ حکایت نہیں سنی۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میں نے بیروت کے شہر پناہ کے پاس ایک نوجوان کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا' اس سے میں نے پوچھا تمہیں کچھ ضرورت ہے؟ اس نے کہا '' مجھے جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دل ہی دل میں اس کا سوال اللہ تعالیٰ سے کر لیتا ہوں اور وہ پوری فرما دیتا ہے۔''

اے اللہ سے تعلق رکھنے والو! تمہیں خدا کا واسطہ گھاٹ گدلا نہ کرو' پہریدار کی طرح مراقبہ کے دروازے پر کھڑے رہو اور اپنے دل میں ناپسندیدہ خیالات کے آنے کو روکو کہ کہیں دل کو فاسد نہ کر دیں۔ اپنے محبوب کی محبوب چیزیں حاصل کرنے کے لیے اپنی اغراض کو چھوڑ دو کیونکہ پھر تو تمہاری اغراض اور حاجتیں از خود حاصل ہو جائیں گی۔

حالانکہ میں کہا کرتا ہوں کہ تف ہے ایسے شخص پر جس نے بدلہ کے لیے اپنی اغراض کو چھوڑا' کیا بندگی کا یہی طریقہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب میں مملوک اور غلام ہوں تو میرے لیے مناسب یہ تھا کہ میں اس نیت سے چھوڑوں کہ میرا آقا راضی ہو جائے نہ اس لیے کہ وہ مجھ کو بدلہ دے۔ پس اگر تم محبّ اور عاشق ہو گے تو اس کی رضا کے لیے اپنی اغراض کو ترک کر دینے پر وصل کی لذت محسوس کرو گے۔

اے اغراض سے دھوکہ کھائے ہوئے شخص! میری نصیحت قبول کر' اگر تو اس کی آزمائشوں کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا تو اسی سے فریاد کر اور اگر اس کے فیصلے کی تکلیف تجھے ستائے تو یہ سمجھ کہ تو اس کے سامنے ہے (لہٰذا کوئی نازیبا جملہ منہ سے نہ نکال) اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اگرچہ آزمائش کی رسی سخت ہو۔ '' خدا کی قسم! عقل مندوں کے نزدیک خادم کا خدمت کی حالت میں مرنا بہت پسندیدہ ہے۔''

میرے بھائیو! میں خود اپنے آپ سے کہہ رہا ہوں اور جسے میرے ساتھ پینا ہو وہ گھاٹ پر چلے

کہ: ''اے نفس! اللہ تعالیٰ نے تجھے تیری امیدوں سے بڑھ کر عطا کیا اور تیرے

مطلوبہ مقام سے زیادہ مرتبہ تک پہنچایا۔ تیری ان برائیوں کی پردہ پوشی کی جن کی بُو اگر لوگوں پر ظاہر ہو جاتی تو ان کے مشام چیخ پڑتے۔ پھر آخر اپنی اغراض کے ہونے پر یہ چیخ و پکار کیسی ہے؟ تو غلام ہے یا آزاد؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو دارالتکلیف میں ہے؟ ایسا اندازِ دعا تو نادان لوگوں کے لیے مناسب تھا آخر وہ تیرا معرفت کا دعویٰ کہاں ہے؟''

اس ذات کے بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر اس کی طرف سے ایک جھونکا آوے اور تیری بصارت ختم کردے پھر کیا یہ دنیا تجھے بھلی معلوم ہوگی؟ تجھ پر افسوس ہے تیری وہ بصیرت کمزور ہوگئی جو سب سے عمدہ نعمت ہے اور تجھے یہ پتہ نہیں کہ تو کتنی مرتبہ کہتا ہے کہ ''امید کہ ایسا ہوگا'' اور ''شاید ایسا ہو'' جبکہ غلطیوں میں آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ زندگی کا سفینہ قبر کے ساحل کے قریب ہو چکا ہے اور کشتی میں تیرے نفع کا کچھ مال نہیں ہے۔

زندگی کے سمندر میں ضعف و کمزوری کی ہوائیں تجھ سے کھیلتی رہیں جس کی وجہ سے تیرے جوڑ جوڑ الگ ہوگئے اور ایسی حالت میں تو نے وہ کشتی بھی چھوڑ دی جو اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اور تیری خواہشات کی نگاہ لوٹ لوٹ کر بچپن کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔

تجھے خدا کا واسطہ! اپنے اوپر دشمنوں کو مت ہنسا کم از کم اتنی احتیاط تو کر! ورنہ بڑی بات تو وہ ہے جواب کہتا ہوں کہ تجھے خدا کا واسطہ! گھوڑ دوڑ کا میدان جیتنے پر اگر تجھے قدرت ہو تو کسی آگے نکل جانے والے کے قدم تجھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔ خلوت کا اہتمام کر، عقل جیسے دوست کو ساتھ رکھ، فکر کی حیرتوں میں دوڑ تارہ اور قبل اس کے کہ عشق تجھے ناکارہ کرے باقی ماندہ وقت کی تلافی کرلے۔

''وائے تعجب! جوں جوں عمر اوپر جا رہی ہے تو نیچے جا رہا ہے اور جیسے جیسے موت حقیقت بنتی جا رہی ہے تو اسے مذاق سمجھنے لگا ہے۔ کیا تو اپنے کو ان لوگوں میں دیکھنا چاہتا ہے جن پر فتنہ کی مہر لگادی گئی اور جن پر ان کی آخری عمر میں آزمائش کا فیصلہ کردیا گیا حالانکہ تیری شروع کی زندگی اس اخیر کی زندگی سے کافی بہتر تھی اور تیرے جوانی کے احوال اس بڑھاپے کے مقابلے میں بہت عمدہ تھے۔''

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ.

"یہ امثال ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن اسے اہل علم ہی اچھی طرح سمجھ پاتے ہیں۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا سوال کرتے ہیں جس کے بغیر ہمارا کوئی مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا اور وہ اس کی توفیق ہے۔ بیشک وہ دعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

تقویٰ کا صلہ

مجلس....علامہ کا ایک ذاتی تجربہ ایک دن مجھے نفس کی ایک ایسی خواہش پوری کرنے پر قدرت ہوئی جو اس کے لیے پیاسے کے حق میں شیریں پانی سے بڑھ کر شیریں تھی۔ تاویل نے کہا: یہاں ورع کے سوا نہ کوئی مانع ہے نہ رکاوٹ جبکہ معاملہ بظاہر عدم جواز کا تھا۔ میں تردد میں پڑ گیا۔ آخر کار میں نے نفس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا جس سے اس کو سخت حیرانی ہوئی کیونکہ ممانعت شرعیہ کے علاوہ اور کسی رکاوٹ کے بغیر وہ اپنی ایسی غرض سے محروم کر دیا گیا تھا جو اس کے نزدیک غایت تھی۔ تو میں نے اس سے کہا:

"اے نفس! جس طرف تو جانا چاہ رہا تھا واللہ اس کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی تھی۔"

یہ سن کر اسے غم ہوا تو میں نے پھر اسے پکارا:

"کہ میں تیری کتنی ایسی خواہشات پوری کر چکا ہوں جن کی لذت ختم ہوگئی اور ان کے کرنے پر حسرت وندامت باقی رہ گئی۔ لہٰذا اپنی اس خواہش اور غرض کے درمیان غور کر۔ کیا لذت کے میدان میں ندامت کے سوا کچھ باقی رہا؟"

نفس نے سوال کیا کہ پھر میں کیا کروں؟ میں نے کہا:

صبرت ولا واللہ مابی جلادۃٌ　　علی الحب لکنی صبرت علی الرغم

"میں محبت پر صبر کر رہا ہوں حالانکہ مجھ میں اس کی سکت نہیں ہے لیکن مجبوراً صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔"

اور اب میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس فعل پر بہترین بدلہ کا منتظر ہوں اور اس مسودہ کا یہ صفحہ اس توقع پر خالی چھوڑتا ہوں کہ اس صبر پر ان شاء اللہ جلد ہی بہتر صلہ ملے گا۔ پھر اسے اس خالی جگہ لکھوں گا چونکہ صبر کا بدلہ کبھی جلد مل جاتا ہے اور کبھی تاخیر سے۔ پس اگر

جلدی مل گیا تو لکھ دوں گا اور اگر تاخیر ہوئی تو یہ سمجھ لو کہ مجھے اس شخص کے لیے جزاء حسن کے متعلق ذرا بھی شبہ نہیں ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا کیے جانے سے ڈرا کیونکہ جب اس نے اللہ کے لیے ایک چیز چھوڑی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا عمدہ عوض ضرور عطا فرمائیں گے اور واللہ! میں نے اس خواہش کو اللہ ہی کے لیے چھوڑا ہے۔

اور اس کا آخرت کے لیے ذخیرہ بن جانا بھی میرے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ ایک دن تم نے اپنی خواہش پر اللہ کی رضا کو ترجیح دی تھی یاد ہے؟ تو میں کہوں گا ہاں مجھے یاد ہے' فلاں دن فلاں وقت میں نے ایسا کیا تھا۔

پس اے نفس! اس ذات کی توفیق پر شکر کر جس نے تجھے اس کی توفیق دی ورنہ تیرے علاوہ کتنے لوگ محروم کر دیئے گئے اور آئندہ بھی اس جیسے کام سے پرہیز کر (اور اس کا استحضار رکھ کہ) طاعت کی اور گناہوں سے بچنے کی قوت اللہ کی نصرت پر موقوف ہے جو نہایت برتر اور صاحب عظمت ہے۔

وہ واقعہ (جو ابھی اوپر مذکور ہوا اور جس کے لیے صفحہ خالی چھوڑا گیا تھا کہ جب بہتر بدلہ مل جائے گا تو اس پر لکھوں گا) ۵۶۱ھ کا تھا جب ۵۶۵ھ شروع ہوا تو مجھے اس کا ایسا عوض عطا فرمایا گیا جو ان موانع اور رکاوٹوں سے محفوظ تھا جن سے ورع وتقویٰ مانع بنتا۔

میں نے سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی خواہش چھوڑنے کا دنیا میں صلہ ملا ہے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بہتر ہوگا۔ والحمد للہ

عقل کا حق ادا کرو

مجلس.... مباح طریقہ سے دنیاوی لذتوں کے طلب کرنے والے پر میں نکیر نہیں کرتا کیونکہ ہر شخص ان کو ترک کر دینے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ البتہ یہ لذتیں اس شخص کے لیے آزمائش ہو جاتی ہیں جو ان کا طالب ہو پھر سب کو یا اکثر کو حرام طریقہ سے حاصل کرے۔ ان کے حصول کی کوشش کرے لیکن اس کی پروانہ کرے کہ کیسے حاصل ہوئیں۔ پس یہی وہ فتنہ ہے جس میں عقل اپنے حق سے محروم کر دی گئی ہے اور صاحب عقل اپنی عقل سے کچھ نفع نہیں اُٹھا سکا ہے کیونکہ جب بھی اس لذت اور اس کی سزا کو وزن کیا جائے گا تو سزا کا پہلا ذرہ رکھتے ہی فنا ہو جانے والی لذت کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔

ہم نے کتنے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات کو ترجیح دی تو ان کا دین سلب کرلیا گیا۔ ایسے وقت سمجھ دار شخص کو تعجب ہوتا ہے کہ کیسے انہوں نے اس چیز کو ترجیح دی جس کے ساتھ کچھ دن بھی نہ رہ سکے اور ایسی سزا میں مبتلا ہو گئے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ پس عقل کا حق نہ ادا کرنے کے متعلق اللہ سے ڈرو اور سالک کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنا قدم کہاں رکھ رہا ہے کیونکہ ''بعض جلد باز ہلاکت کے کنویں میں گر پڑے ہیں'' اور تیقظ و بیداری کی نگاہ کھلی رکھنی چاہیے کیونکہ تم لوگ جنگ کے ایسے میدان میں ہو جس میں یہ پتہ نہیں کہ تیر کہاں سے آ لگے گا۔

اپنی مدد کرو، اپنے خلاف (اپنے دشمن کی) مدد نہ کرنے لگو۔

بندگی کی حقیقت

مجلس.....حق تعالیٰ اپنے بندہ سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن اس کے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے ہیں جیسے اس سے دور اور غائب ہوں۔ چنانچہ اپنے لیے نیت کرنے اور اپنی طرف ہاتھ اُٹھانے اور اپنے سے مانگنے کا امر فرمایا۔

اس کی وجہ سے جاہلوں اور ناواقفوں کے دل اسے دور محسوس کرنے لگے۔ پھر ان سے گناہ ہونے لگے ورنہ اگر انہیں اس کے حاضر و ناظر ہونے کا مراقبہ ہو جاتا تو وہ اپنے آپ کو غلطیوں سے بچانے کی کوشش کرتے۔ اس کے برخلاف بیدار طبیعت حضرات چونکہ اس کے قریب ہونے کا تصور رکھتے ہیں اس لیے ان کو اس مراقبہ کا استحضار رہتا ہے اور وہ اپنے کو قابو میں رکھتے ہیں۔

اور اگر حقیقی مراقبہ (مقام شہود) کی نگاہ پر ایک قسم کا پردہ نہ رہتا تو ہاتھ کھانے سے رُک جاتے اور نگاہ کسی طرف دیکھنے پر قادر نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اسی قبیل سے ہے:

انه لیغان علی قلبی. (میرے دل پر ایک غبار سا چھا جاتا ہے)

اور جب مراقبہ سچا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اُنس حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ اُنس اسی کو حاصل ہوتا ہے جو فرمانبرداری کرتا ہو کیونکہ مخالفت اور نافرمانی سے وحشت پیدا ہوتی ہے جبکہ موافقت اور فرمانبرداری سے اصحاب اُنس کا اُنس بڑھتا ہے۔ ''کیا خوب ہے اصحاب اُنس حضرات کی زندگی کی لذت! اور ہائے وحشت زدہ حضرات کی محرومی!''

بندگی محض نماز اور روزہ کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر نادان سمجھتے ہیں بلکہ بندگی نام ہے تمام اوامر کے بجالانے اور تمام ممنوعات و نواہی سے اجتناب و پرہیز کرنے کا۔ یہی اصل اور قاعدہ کلیہ ہے۔

چنانچہ دیکھو! کتنے عبادت گزار محض اس وجہ سے خدا تعالیٰ سے دور ہیں کہ وہ اوامر کی مخالفت کر کے اور نواہی پر عمل کر کے اصول کو ضائع کرنے والے اور قاعدہ کو ڈھانے والے ہیں۔

خوب سمجھ لو! محقق وہ شخص ہے جس نے نفس کے محاسبہ کی ترازو کی ڈنڈی مضبوط پکڑ لی پھر جو واجب ہوا ادا کر دیا اور جو ممنوع تھا اس سے پرہیز کیا۔ ایسے شخص کو اگر زیادہ کی توفیق ہوئی تو اس نے اسے نفل بنالیا۔ ویسے ان نوافل کا نہ ہونا اس کے حق میں مضر نہ ہوگا (کیونکہ وہ حق واجب ادا کر چکا ہے) والسلام

خوشگوار ازدواجی زندگی کا دُستور العمل

مجلس.... دنیا ایک طرح کی گزرگاہ ہے اس لیے انسان کو چاہیے تھا کہ اس کی لذات کے حاصل کرنے میں مقابلے کے بجائے اس کو پار کرنے کی کوشش کرتا۔

ویسے اگر وہ ذبح کی کیفیت اور ذبح کرنے والوں کی گندی حالت' نیز چٹنی وغیرہ بنانے کے طریقہ کو سوچے تو اسے کوئی کھانے کی چیز اچھی نہ لگے اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ لقمہ کس طرح تھوک میں مل کر منہ میں چبایا جاتا ہے تو اسے حلق سے نیچے اتارنا گوارا نہ کرے۔

آدمی دو حال سے خالی نہیں یا تو مباح لذتوں کے حاصل کرنے سے اس کا مقصد عیش و تنعم ہوگا یا وقتی ضرورتوں کو پورا کرنا مقصود ہوگا۔ دونوں میں جس کا بھی وہ طالب ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مطلوب کی حقیقت اور باطن کے متعلق زیادہ نہ سوچے کیونکہ (مثلاً) اگر وہ بیوی کی ستر دیکھے گا تو اس سے نفرت کرنے لگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "نہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر دیکھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری"

اسی لیے سمجھدار شخص کو چاہیے کہ ایک وقت متعین کر کے اس میں بیوی کو پہلے بناؤ سنگار کرنے کا حکم دے پھر (جب اس کے پاس جائے تو) اس کی ستر سے نگاہ بند کیے رکھے تاکہ

لذت اور لطف تا دیر باقی رہ سکے (ورنہ کچھ دنوں میں طبیعت بھر جائے گی اور نفرت ہو جائے گی) اور بیوی کو بھی چاہیے کہ اپنی نگرانی کرے اور شوہر کے سامنے اچھی حالت ہی میں آوے' ایسا کرنے سے تا دیر راحت باقی رہے گی۔

اس کے برخلاف اگر معمولی اور عام کپڑوں میں آوے گی تو اس کے عیوب ظاہر ہوں گے پھر شوہر کا جی اس سے (بھر جائے گا اور) نفرت کرنے لگے گا اور دوسری بیوی کا مطالبہ کرنے لگے گا اور پھر دوسری بیوی میں بھی وہی صورت پیش آوے گی۔

اور جس طرح بیوی شوہر کے لیے بناؤ سنگار کرے شوہر کو بھی اپنی بیوی کی خاطر اپنے کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے تا کہ تعلقات درست رہیں اور محبت تا دیر باقی رہے۔

اور اگر ایسی کوئی صورت جس سے نفس نفرت کرتا ہے ایسے شخص کے ساتھ پیش آ گئی جس کے مزاج میں نفاست ہو تو پھر یا تو وہ بیوی سے بے رُخی کرنے لگے گا یا دوسری بیوی لانے کی فکر کرے گا جبکہ بے رُخی کی صورت میں اپنی ضرورتوں سے صبر کرنا پڑے گا اور بیوی بدلنے کی صورت میں زیادہ خرچ کی ضرورت پڑے گی اور دونوں صورت تکلیف دہ ہے۔

اور جب تک آدمی ان چیزوں کو نہ برتے جن کو ہم نے بیان کیا نکاح کے معاملہ میں اس کو خوشگوار زندگی نہیں حاصل ہو سکتی اور مناسب طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکے گا۔

منعم حقیقی کے حقوق

مجلس.....ایک بار میرے نفس نے ایک ناجائز کام کے سلسلے میں کشمکش شروع کی اور اس کے لیے طرح طرح کی تاویلات پیش کر کے اس کی کراہت کو ختم کرنا چاہا حالانکہ اس کی ساری تاویلات غلط تھیں اور وجہ کراہت ظاہر تھی میں نے اپنے دل سے اس وسوسے کے دفع کرنے کے لیے اللہ کی مدد چاہی۔ چنانچہ میں قرآن شریف پڑھنے میں لگ گیا۔ اس وقت میرا درس سورۂ یوسف تک پہنچا تھا' میں نے سورہ یوسف کھولی لیکن اس وسوسہ میں میرا دل کچھ اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ میں پڑھتا چلا گیا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے جب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر پہنچا "قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ" (حضرت یوسف علیہ

السلام نے کہا' اللہ کی پناہ! بھلا میں عزیز مصر سے خیانت کروں گا جبکہ) وہ میرا مالک ہے مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے) تو اچانک میں چونکا ایسا معلوم ہوا جیسے مجھ ہی سے یہ خطاب کیا گیا ہو۔ جب مجھے اس غفلت کی مدہوشی سے افاقہ ہوا تو میں نے اپنے نفس سے پوچھا تو نے کچھ سمجھا؟

وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) ایک آزاد تھے ظلماً فروخت کردیئے گئے تھے پھر بھی انہوں نے اس شخص کے حق کی رعایت کی جس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا اور اسے مالک کہا حالانکہ وہ کسی کی ملکیت میں نہ تھے چنانچہ فرمایا "اِنَّهٗ رَبِّیْ" (وہ میرا مالک ہے) پھر اس شخص کی ایذاء رسانی سے پرہیز کرنے کا سبب بتلاتے ہوئے مزید یہ فرمایا کہ "اَحْسَنَ مَثْوَایَ" (مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے) پھر تو اپنا حال بتا جب کہ تو واقعتہً ایسے مالک کا غلام بے دام ہے جس کی بخشش و جود کا فیضان تیرے ابتداء وجود سے مسلسل قائم ہے اور جس نے تیری لغزشوں کی بے حد و بے شمار ستاری فرمائی ہے۔

کیا تجھے یاد نہیں؟ کیسے اس نے تیری پرورش کی' تجھے علم کی دولت سے نوازا' تیری روزی کا انتظام کیا' تجھ سے تکلیفوں کو دور کیا' تجھے بھلائیوں سے سرفراز کیا' تجھے عمدہ طریق کی ہدایت کی اور ہر طرح کے مکاید سے نجات دی اور ظاہری حسن صورت کے ساتھ باطنی جودت ذہن عطا کی اور تیرے لیے علوم کے مدارج و مدارک کس طرح سہل فرمادیئے کہ ذرا سی مدت میں تو نے اتنے علوم حاصل کر لیے جو دوسرے لوگ مدت مدید میں بھی نہ حاصل کر سکے اور تیری مہارت زبان کی جولانگاہ نوعروسان علوم کو فصاحت و بلاغت کے لباس فاخرہ سے آراستہ کیا پھر مزید یہ کہ خلق خدا سے تیرے عیوب کو مخفی رکھا جس کے نتیجے میں انہوں نے تیرے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کیا' اس نے تجھے روزی بلا مشقت کے اور بغیر تنگی کے اور بغیر کدورت منت نہی کے عطا فرمائی۔

واللہ! میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ تجھ پر ہونے والی کن کن نعمتوں کا تذکرہ کروں' حسن صورت اور صحت اعضاء کا یا سلامت طبع اور اعتدال مزاج کا' طبیعت کی لطافت کا ذکر کروں جو ہر طرح کی خست سے پاک ہے یا رشد و خیر کے ان الہامات کا جن کا مورد میں بچپن سے ہوں' برائیوں اور لغزشوں سے حفاظت کی تشریح کروں یا اس وصف کی کہ تجھ کو قرآن وسنت

اور اتباع آثار کا طریقہ اس طرح محبوب کر دیا گیا کہ کسی بڑی شخصیت کی بیجا تقلید پر جمود نہیں ہوا اور کسی مبتدع کی جماعت میں تیرا شمول نہ ہوا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.

''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔''

کتنے فتنہ سامانوں نے تیرے لیے دام فریب بچھائے لیکن اس نے تیری حفاظت کی اور کتنے دشمنوں نے تیری عیب جوئی کر کے تجھے تیرے مرتبے سے گرانا چاہا لیکن اس نے تجھے ترقی بخشی' کتنے لوگوں کو آرزوؤں کی شراب نہ دے کر انہیں پیاسا رکھا لیکن تجھے سیراب کر دیا' کتنے ایسے لوگ ہوئے جو تیرے بعض مقاصد کو بھی حاصل نہیں کر سکے اور انہیں دنیا سے اُٹھا لیا اور تجھے زندہ باقی رکھا۔ چنانچہ تیری صبح و شام ہمیشہ اس حالت میں ہوتی ہے کہ تیرا جسم بھی سلامت ہوتا ہے' تیرا دین بھی محفوظ ہوتا ہے اور تیرا علم بڑھتا اور مقاصد پورے ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اگر تم کسی مراد سے محروم کر دیئے جاتے ہو تو تمہیں اس پر صبر کی توفیق دے دی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ محرومی کی حکمت بھی تجھ پر واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سرِ تسلیم خم کیے رہو حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس وقت محرومی ہی بہتر تھی۔

اور اگر میں ان نعمتوں کو شمار کرنے بیٹھوں جو مجھے اس وقت یاد آ رہی ہیں تو دفتر بھر جائیں اور تحریر مکمل نہ ہو اور اے نفس! تجھے خوب پتہ ہے کہ جن نعمتوں کا میں نے ذکر نہیں کیا ابھی وہ بہت ہیں اور جن کے ذکر کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ان کی تفصیل نہیں کی گئی۔

اب سوچو! بھلا وہ کام کرنا کیسے اچھا ہو گا جسے حق تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔

مَعَاذَ اللّٰهِ! اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ.

''اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے' بیشک ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوا کرتے۔''

حدود کے قریب نہ جانا

مجلس..... میں نے فتنہ کے قریب جانے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں دیکھا۔ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ فتنہ کے قریب جانے والا اس میں پڑ نہ جائے اور جو بھی کسی حد کے قریب پھٹکا

اندیشہ ہے کہ اس میں جا پڑے گا۔

ایک عقل مند کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھے ایک ایسی لذت کی چیز پر قدرت ہوئی جو بظاہر حرام معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے مباح ہونے کا بھی احتمال تھا۔ میں نے اس کے ترک کے لیے نفس سے مجاہدہ کیا تو اس نے کہا چونکہ تم قادر نہیں ہو اس لیے چھوڑ رہے ہو اس کے قریب تو چلو جب اس پر قابو پا جانا تب چھوڑ دینا اس وقت تم حقیقتاً تارک بنو گے میں نے ایسا ہی کیا اور اس پر قابو پا کر اُسے چھوڑ دیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھی ایک ایسی ہی تاویل کر لی جس سے جواز کا پہلو نکلتا تھا۔ اگر چہ دوسرے پہلو کا بھی احتمال تھا لیکن جب میں نے اس کی موافقت کر لی تو میرے دل میں اس اندیشے سے ظلمت پیدا ہوگئی کہ کہیں حرام نہ رہا ہو تب میں نے سمجھا کہ کبھی وہ مجھ پر رخصت اور تاویل کے بہانے سے غالب آتا ہے اور کبھی میں اس پر مجاہدہ سے غالب آ جاتا ہوں۔

اور جب میں رخصت کو اختیار کرتا ہوں تو اس سے مطمئن نہیں ہو پاتا۔ سوچتا ہوں کہیں وہ حرام نہ ہو پھر جلدی اس فعل کا اثر دل میں محسوس بھی ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ نفس کی تاویلات پر اطمینان نہیں ہوا اس لیے میں نے سوچا کہ اس کام کی طمع کا دل سے خاتمہ ہی کر دینا چاہیے۔ اس باب میں غور کرنے کے بعد اس کے سوا اور کوئی بات نہیں سمجھ میں آئی کہ نفس سے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ مان لیا کہ یہ کام قطعی طور پر مباح ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اب میں یہ کام بالکل نہ کروں گا۔ اس قسم اور اس عہد کے بعد اس کی طمع ختم ہوگئی اور نفس کو اس جیسے عمل سے باز رکھنے کی سب سے بہتر تدبیر ہے بھی یہی کیونکہ اس کی تاویل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ قسم کو توڑنے اور کفارہ کے ادا کرنے پر مجبور کر دے۔

لہٰذا سب سے عمدہ اور بہتر صورت یہی ہے کہ فتنہ کے اسباب ہی کو ختم کر دیا جائے اور جب جائز رخصتیں ناجائز امور تک پہنچانے لگ جائیں تو بہتر یہی ہے کہ رخصتوں کو ترک کر دیا جائے اور توفیق اللہ ہی دیتا ہے۔

نفس کی سرمستی حجاب ہوتی ہے

مجلس.... گنہگار کو اگر عین گناہ کی حالت میں اللہ سے غفلت نہ ہوتی تب تو وہ دشمن

کی مانند ہوتا مگر یہ کہ غفلت نفس اس حال کے سمجھنے سے حجاب بن جاتی ہے اور اسے صرف اپنی خواہش پوری کرنے کی دُھن ہوتی ہے ورنہ اگر اُسے مخالفت خداوندی کا تصور ہوتا تو اس نافرمانی کے نتیجے میں دین ہی سے نکل جاتا لیکن اسے تو صرف اپنی خواہش کی تکمیل پیش نظر ہے۔ خدا کی مخالفت محض ضمناً اور تبعاً ہوگئی ہے۔

اور عموماً یہ حالت اسی وقت پیش آتی ہے جبکہ آدمی کسی فتنہ (گناہ) کے قریب پہنچتا ہے اور ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی گناہ کے قریب پہنچے اور اس کا ارتکاب نہ کرے۔ اس لیے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آتش گیر مادہ کے قریب آگ لے جانا۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر عقلمند آدمی اتنا ہوش کر لیتا کہ خواہش ایک لمحہ کے لیے پوری کرے گا لیکن اس پر ساری عمر حسرت اور ندامت باقی رہے گی تو کبھی اس کے قریب نہ جاتا۔ اگرچہ اس کو ساری دنیا کی دولت دے دی جاتی مگر نفس کی سرمستی خیال و ہوش کے درمیان حجاب ہو جاتی ہے۔

آہ! کتنی معصیتیں ہیں جو ایک لمحہ میں ختم ہوگئیں لیکن ان کے نتائج و آثار باقی رہ گئے، کم سے کم ان پر ندامت کی تلخی تو ہمیشہ ہی باقی رہتی ہے۔

گناہوں سے بچنے کا سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ نہ اس کے اسباب کو چھیڑے اور نہ اس کے قریب جائے جس نے اسے سمجھ لیا اور ان سے بچنے کا خوب اہتمام کیا وہ سلامتی کے بہت قریب ہے۔

وہ جن کا امتحان سخت ہے

مجلس.... آزمائشیں لوگوں کے مرتبہ کے اعتبار سے ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ جو کچھ دین و دنیا انہیں مل چکی ہے اسی پر راضی اور مطمئن ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے یا تو صبر کے مقامات بلند کا ارادہ نہیں کیا یا یہ کہ انہیں امتحان اور آزمائشوں کی تاب ہی نہیں ہے اس لیے ان کے لیے سہولت کی راہ اختیار کی گئی۔

بڑا اور کڑا امتحان تو یہ ہے کہ تمہیں ایسی ہمت بلند سے نوازا جائے جو تمہارے حق میں ورع کامل، حسن اسلام اور کمالات علم کے حصول سے کم پر راضی نہ ہو۔ پھر تمہارے ساتھ ایسا نفس بھی لگا دیا جائے جو مباحات کی رغبت رکھتا ہو اور اس کا دعویٰ یہ ہو کہ مباحات کو اختیار کر کے ہی وہ اپنی فکر مجتمع رکھ سکتا ہے اور اپنے مرض سے شفا پا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں

تمہیں فضائل و کمالات کے حاصل کرنے میں اس علت نفس کی مزاحمت سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ دونوں حالتیں (یعنی ہمت بلند اور نفس کی یہ حالت) بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت آپس میں سوکن ہیں۔

اس لیے اس مقام پر واجبات کی رعایت ضروری ہے۔ نیز یہ نفس کو جائز امور میں اتنی گنجائش نہ دے دی جائے کہ کسی واجب تقویٰ سے تجاوز کر جانے کا اندیشہ ہو۔

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مباحات کے دروازے کا کھولنا کبھی کبھی دین میں بے حد نقصان کا سبب بن جاتا ہے اس لیے پانی کو کھولنے سے پہلے ہی بند خوب مضبوط کرلو اور جنگ سے پہلے ہی ذرہ پہن لو اور جو غلطی کرنے جا رہے ہو اس میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہی اس کے نتائج پر غور کرلو اور جس چیز سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ اگر چہ یقین نہ ہو اس سے سختی سے احتراز کرو۔

اپنا قیمتی وقت نفیس علوم میں لگاؤ

مجلس.... طالب علم کے لیے مناسب یہ ہے کہ حفظ و مذاکرہ کا پورا اہتمام رکھے اس لیے اگر سارا وقت اسی میں صرف ہو تو بہتر ہے لیکن بدن ایک سواری ہے اور سواری کو مسلسل چلاتے رہنے میں سفر کے رُک جانے کا اندیشہ ہے۔

اور چونکہ قویٰ تھک جایا کرتے ہیں اس لیے انہیں تجدید نشاط کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ لکھنا' مطالعہ کرنا اور تصنیف بھی ضروری ہے لیکن علوم کو حفظ کرنا زیادہ اہم ہے اس لیے اوقات کو دونوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ یاد کرنا تو صبح و شام کے اوقات میں ہو اور باقی اوقات کو لکھنے' مطالعہ کرنے اور بدن کی راحت اور اس کے حقوق حاصل کرنے کے درمیان تقسیم کرلیا جائے۔

پھر یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وقت کے ان شرکاء کے درمیان بے انصافی ہو کیونکہ جب ان میں سے کوئی ایک اپنے حق سے زیادہ وقت لے لے گا تو دوسرے کا حق مارا جائے گا اور اس کا غلط اثر ظاہر ہوگا (یہ تنبیہ اس وجہ سے کی گئی کہ) نفس مذاکرہ و تکرار سے گھبراتا اور لکھنے' مطالعہ کرنے اور تصنیف کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے کیونکہ یہ مشاغل اس پر آسان بھی ہوتے ہیں اور خواہش کے مطابق بھی۔

آدمی اپنی سواری کو بیکار بھی نہ چھوڑے اور اتنا بوجھ بھی نہ ڈالے جو اس کے بس سے باہر ہو۔

اور عدل وانصاف ہی سے مقاصد کا حصول ممکن ہے۔

اور جو شخص جادہ مستقیم سے ہٹا اس کی راہ طویل ہوئی۔

اور جس نے ایک منزل کی مدت میں کئی منزلیں طے کرڈالیں اندیشہ ہے کہ اس سے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے اس نے محنت کی ہے۔ باوجودیکہ انسان کو تحریص و ترغیب کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ محنت کے مقابلے میں کاہلی اس کو زیادہ دامن گیر ہوتی ہے۔

بہرکیف! طلب علم میں اہم علوم کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ مثلاً ایک حدیث کے طالب علم نے اس حدیث "مَنْ اَتَی الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ" (جو جمعہ کی نماز میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو اسے غسل کرلینا چاہیے) کو بیس سندوں کے ساتھ یاد کیا۔ حالانکہ حدیث تو ایک سند سے بھی ثابت ہو ہی چکی تھی تو اس مشغولیت نے اس آداب غسل کی معرفت سے غافل کردیا۔

زندگی تھوڑی ہے اور اس سے قیمتی ہے کہ اس کا ایک سانس بھی ضائع کیا جائے۔

اور صحیح فیصلوں کی طرف رہنمائی کے لیے عقل ہی کافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔

باطن کی درستگی ہی مقبولیت کی اصل ہے

مجلس.....جب عالم کی نیت درست ہوتی ہے تو وہ تکلفات کی مشقت سے بچ جاتا ہے۔

جب کہ بہت سے علماء "لا ادری" (مجھے یہ معلوم نہیں) کہنے سے گھبراتے ہیں اس لیے وہ فتویٰ دے کر اپنے مرتبہ کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ انہیں جواب معلوم نہ تھا۔ اگرچہ انہیں خود اپنے فتویٰ پر یقین واطمینان نہ ہو اور یہ انتہائی بے توفیقی ہے۔

چنانچہ امام مالک ابن انس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آدمی نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں' اس نے عرض کیا میں آپ کے پاس بہت لمبا سفر طے کر کے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا' اپنے وطن واپس جاؤ اور وہاں لوگوں سے کہہ دینا میں نے مالک سے یہ مسئلہ پوچھا تھا اور انہوں نے کہہ دیا تھا مجھے معلوم نہیں۔

ملاحظہ کیا تم نے اس امام کی دیانت وعقلمندی کو! انہوں نے کلفت سے کیسی راحت پائی

اور اللہ عزوجل کے نزدیک بھی محفوظ رہے۔

پھر اگر مقصود لوگوں کے نزدیک جاہ اور مرتبہ ہے تو خیال کرنا چاہیے کہ لوگوں کے دل تو دوسروں کے قبضہ میں ہیں۔ واللہ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نماز روزہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ بکثرت خاموش رہا کرتے تھے اور اپنی ذات اور لباس سے خشوع کا اظہار کرتے تھے لیکن لوگوں کے دل ان سے نفرت کرتے تھے اور دلوں میں ان کا مرتبہ کچھ بھی نہ تھا۔

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو لباس فاخرہ پہنا کرتے تھے زیادہ نفل وغیرہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔ اظہار خشوع بھی نہ کرتے تھے لیکن دل ان کی محبت پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے اس کے سبب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب باطن ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی نمازیں اور ان کے روزے زیادہ نہ تھے ہاں! باطن ان کا بہت اچھا تھا۔

لہٰذا جس نے اپنا باطن درست کرلیا اس کے فضل کی خوشبو پھوٹے گی اور لوگوں کے دل اس کی خوشبو سے معطر ہو جائیں گے۔ باطن کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو اور اس کا لحاظ رکھو کیونکہ فساد باطن کے ہوتے ہوئے اصلاح ظاہر کچھ مفید نہیں۔

محرومی میں حکمتیں

مجلس.....ایک مرتبہ میں سخت تنگی میں مبتلا ہوا، کشادگی اور راحت کے لیے بہت دعائیں کیں لیکن قبولیت میں تاخیر ہوئی جس کی وجہ سے دل میں بیقراری اور گھبراہٹ پیدا ہوئی، تو میں نے اپنے نفس سے خطاب کیا۔

تیرا ناس ہو! ذرا تو اپنی حالت پر غور کر، بتا تو سہی تو غلام ہے یا مالک؟ تیری تدبیر کسی اور کے ہاتھ میں ہے یا تو خود "مُدَبِّر" ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا امتحان کا گھر ہے، پھر جب تو نے اپنی اغراض تو طلب کیں لیکن اپنی منشاء کے خلاف پر تو نے صبر نہیں کیا تو ابتلاء کیا ہوا؟ ابتلاء تو نام ہی بے التفاتی اور مقاصد سے محرومی کا ہے، پس اپنے مکلّف ہونے کا معنی سمجھ جبکہ تجھ پر مشکل امور آسان اور دشوار چیزیں سہل بھی ہو چکی ہیں۔

جب نفس نے میری باتوں پر غور کیا تو اسے تھوڑا سا سکون ہوا۔

میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس ایک اور جواب ہے، وہ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ سے تو اپنی اغراض کو پورا کرنا چاہتا ہے لیکن تو خود اپنے سے اس کے فرائض و واجبات کو پورا کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا حالانکہ یہ سراسر نادانی ہے کیونکہ حق تو یہ تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا اس لیے کہ تو غلام و مملوک ہے اور سمجھ دار غلام اپنے آپ سے مالک کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ مالک کے لیے میری خواہشات کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس جواب سے اسے پہلے سے زیادہ سکون ہوا۔

میں نے پھر اس سے کہا کہ میرے پاس ایک تیسرا جواب بھی ہے وہ یہ کہ تو خود قبولیت دعاء میں تاخیر کا سبب بنا ہے کیونکہ تو نے ہی قبولیت کے راستوں کو گناہوں سے بند کر رکھا ہے۔ اگر وہ راستے کھل جائیں تو فوراً قبولیت کا اثر ظاہر ہو۔ گویا تجھے معلوم نہیں کہ راحت کا سبب تقویٰ ہے؟ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا.

"اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگیوں سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیں گے اور ایسی جگہوں سے عطا فرمائیں گے جن کا اسے گمان نہ ہوگا اور جو اللہ سے ڈرا اس کے معاملہ میں سہولت پیدا فرما دیں گے۔"

کیا تو نے سمجھا نہیں کہ طاعت کے اُلٹنے سے مقاصد اُلٹ جاتے ہیں؟

آہ غفلت کا بند! جو ہر بند سے قوی ہے اور مرادات کے پانی کو نخل آرزو تک پہنچنے سے مانع ہے۔

یہ جواب سن کر نفس نے سمجھا کہ بات ٹھیک ہے اور اسے اطمینان ہو گیا۔ میں نے پھر اس سے کہا کہ چوتھا جواب بھی ہے۔ وہ یہ کہ تم ایسی چیز مانگ رہے ہو جس کے انجام سے بے خبر ہو۔ ممکن ہے اس میں تمہارا ضرر ہو۔ اس وقت تمہاری مثال اس بخار میں مبتلا بچے کی سی ہے جو حلوہ مانگ رہا ہو حالانکہ تمہارا مدبر حقیقی تمہاری مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ دیکھا اسی نے فرمایا ہے۔

وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ...... الخ

''ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔الخ''

جب ان جوابوں سے نفس کے سامنے حق وصواب واضح ہو گیا تو اس کی طمانیت بڑھ گئی۔

میں نے پھر اس سے کہا کہ میرے پاس پانچواں جواب بھی ہے وہ یہ کہ تیرا یہ مطلوب تیرے اجر کو کم کر دے گا اور تیرا مرتبہ گھٹا دے گا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کا تجھے نہ دینا در حقیقت دینے ہی کی ایک صورت ہے۔

اور اگر تم اس کے بجائے ایسی چیز کی دعا کرتے جو آخرت سنوارنے والی ہوتی تو تمہارے حق میں بہتر تھا۔

اب تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

نفس نے جواب دیا میں تو تمہاری باتوں کے چمن زار میں آرام پا گیا اور خوب سمجھ گیا۔

غنیٰ علماء کیلئے وجہ عافیت ہے

مجلس.....بعض امراء کے دسترخوان پر ہم لوگوں کا جانا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ ان کے نزدیک علماء ہی سب سے ذلیل ہیں کیونکہ علماء تو ان سے طمع کی وجہ سے تواضع برتتے اور ان کے سامنے جھکتے ہیں لیکن وہ علماء کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہمارے محتاج ہیں۔

میں نے اندازہ کیا یہ بات دونوں جماعتوں کے لیے عیب ہے۔ دنیا داروں میں تو اس لیے عیب ہے کہ ان کو علم کی تعظیم کرنی چاہیے تھی لیکن چونکہ وہ اس قدر و منزلت سے جاہل تھے اس لیے اس کی تعظیم نہ کر سکے اور کسب مال کو ترجیح دے بیٹھے۔ پس یہ تو مناسب نہیں ہے کہ ان سے ایسی چیز کی تعظیم کا مطالبہ کیا جائے جس کی قدر و منزلت سے وہ ناواقف ہیں۔

البتہ علماء پر ملامت کرتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ تم جن کو علم کا شرف حاصل ہے تمہیں تو بے رتبوں کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے۔

اگر تم ان سے بے نیاز ہوتے تو ذلت ان کا حصہ ہوتی اور ان سے کچھ چاہنا تم اپنے اوپر حرام سمجھتے۔اور اگر بقدر ضرورت ہی روزی تمہیں حاصل ہے تو پھر ذلت سے حاصل ہونے والے فانی ٹھیکروں کو ٹھکرا کر ذلت سے احتراز کو ترجیح کیوں نہیں دیتے؟

ہاں مگر مجھے خیال ہوتا ہے کہ زائد مال سے پرہیز اور بقدر ضرورت پر صبر کی طاقت عام طور سے نفوس میں نہیں ہے۔ اگر کسی وقت صبر ہو بھی جائے تو اس کو دوام نہیں ہو پاتا۔ اس لیے عالم کے لیے مناسب یہ ہے کہ غنی حاصل کرنے کی کوشش کرے، کسب مال میں محنت کرے، اگر چہ اس کی وجہ سے طلب علم کا بہت سارا وقت ضائع ہو جائے کیونکہ مال کے ذریعے وہ اپنی آبرو (یعنی علم کی عزت) تو بچا سکے گا۔

چنانچہ حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ روغن زیتون کی تجارت فرماتے تھے اور اپنے بعد بہت سا مال چھوڑ گئے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سا مال چھوڑا اور انہوں نے مال کو مخاطب کر کے فرمایا ''اگر تو نہ ہوتا تو امراء مجھے ہاتھ کا رومال بنا لیتے۔''

اور میری اسی کتاب کی بعض فصلوں میں مال کے شرف پر گفتگو گزر چکی ہے نیز یہ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور علماء جو مال جمع کرتے تھے اس کی حکمت بیان کی جا چکی ہے۔

اور میں جو طلبہ علم کو اس پر ابھارتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ نفس ہمیشہ قناعت پر جما نہیں رہ پاتا اور ہمیشہ زہد پر صبر نہیں کر پاتا۔ ہم نے کتنے لوگوں کو دیکھا کہ طلب آخرت پر ان کی عزیمت پختہ ہوئی تو انہوں نے جو کچھ ہاتھ میں تھا خرچ کر ڈالا، پھر عزیمت میں ضعف آیا تو برے طریقوں سے اسے حاصل کرنے میں لگ گئے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مال جمع کر لیا جائے اور لوگوں سے مستغنی رہا جائے تاکہ دل سے طمع نکل جائے اور علم کی نشر و اشاعت ہر طرح کے کھوٹ کے شائبے سے صاف ہو جائے۔

اور جس نے جید علماء کے حالات پر غور کیا انہیں اسی طریقہ پر پاوے گا اور کسب مال سے کنارہ کشی کا راستہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے نزدیک دین اور عزت کی بربادی وجہ تاثر نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں نے کسب مال چھوڑ کر راحت چاہی اور یہ بھول گئے کہ یہ درحقیقت مشقت ہے جیسا کہ جاہل صوفیاء نے کیا کہ جو کچھ اپنے پاس تھا اسے ختم کر دیا اور توکل کا دعویٰ کرنے لگے اور اس سے بے خبر رہے کہ کسب مال توکل کے منافی نہیں ہے۔

انہوں نے راحت کی راہ تلاش کی اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کو

ذریعہ معاش بنالیا۔ لیکن یہ صورت دووجھوں سے ہوئی۔ ایک تو اپنی آبرو کے سلسلے میں بے غیرتی سے دوسرے علم کی قلت سے۔

شہوت کا غلبہ

مجلس.... گنہگاروں کے حالات میں میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نافرمانی کے ارادے سے گناہ نہیں کرتے وہ تو بس اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور تبعاً نافرمانی ہو جاتی ہے۔

میں نے پھر سوچا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی معلوم ہونے کے باوجود اس پر اقدام کیسے کر لیتے ہیں تو یہ سمجھ میں آیا کہ اس کے بے انتہا کرم اور بے پایاں فضل پر نگاہ رکھنے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی عظمت اور ہیبت پر نظر کرتے تو کبھی اس کی نافرمانی کی ہمت نہ کرتے کیونکہ ایسی ذات سے بہت ڈرنا چاہیے جس کے لیے مخلوق پر موت مسلط کر دینا اسی طرح جانوروں کو ذبح کے لیے گرا دینا' بچوں کو مبتلاء مرض کر دینا' عالم کو تنگدست اور جاہل کو مال دار بنا دینا ایک معمولی اور روزمرہ کا کام ہے۔

پھر جس کی یہ شان ہو تو گناہ کی طرف قدم بڑھانے والے کو اس سے بہت ڈرنا چاہیے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ. ''اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔''

گناہوں سے بچنے کے لیے اسباب رجاء پر نظر رکھنے کے مقابلے میں اسباب خوف پر نگاہ رکھنا زیادہ مفید ہوتا ہے کیونکہ ڈرنے والا احتیاط کا پہلو اختیار کرتا ہے اور امیدوار شخص طمع کی رسی تھامے رہتا ہے جبکہ معاملہ کبھی امید کے خلاف ہو جاتا ہے۔

استغناء عالم کیلئے تکمیل دین ہے

مجلس.... میں نے بہت سے امراء کو دیکھا ہے کہ علماء سے خدمت لیتے ہیں اور تھوڑی سی زکوٰۃ دے کر انہیں ذلیل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کے ہاں ختم قرآن وغیرہ کی کوئی تقریب ہوتی ہے تو اسے تلاش ہوتی ہے کہ فلاں صاحب نہیں آئے؟ اور اگر کوئی بیمار

ہوتا ہے تو پوچھتا ہے فلاں صاحب نہیں دکھائی دیئے؟

حالانکہ اس کا سارا احسان ایک شے حقیر ہے جسے اس جیسے کے منہ پر ماردینا چاہیے۔

افسوس کہ علماء بھی اپنی ضروریات کا بہانہ بنا کر اس ذلت پر راضی ہو گئے ہیں۔لیکن میرا خیال ہے کہ یہ علماء کی اپنے فرض منصبی یعنی علم کی حفاظت سے ناواقفیت ہے جس کا علاج دو تدبیروں سے ممکن ہے۔

(۱) ایک تو تھوڑے پر قناعت ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے:

من رضی بالخل و البقل لم یستعبده احدٌ.

''جس نے سرکہ اور ترکاری پر اکتفاء کر لیا اسے کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔''

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ جو اوقات علم کی خدمت میں لگ رہے ہیں ان میں سے تھوڑا وقت کسب مال میں خرچ ہو کیونکہ یہ عزت علم کا سبب بنے گا۔

اور یہ صورت طلب علم میں پورے وقت لگانے سے بہتر ہے جبکہ اس میں ذلت کا احتمال ہو۔

اور جو بھی اس پہلو پر غور کرے گا جسے میں نے ذکر کیا اور اس کو غیرت کا علم پاس بھی ہو گا وہ اپنی روزی میں کفایت شعاری اور اپنے اندوختہ کی حفاظت کرے گا یا بقدر کفایت کمانے کی کوشش کرے گا۔

اور جس کو ان چیزوں سے غیرت نہیں ہے اسے علم کی صرف صورت میسر ہے حقیقت نہیں۔

عقل وفہم دین کی اصل ہے

مجلس.... تمام معاملات کا مدار عقل پر ہے کیونکہ جس کی عقل کامل ہوتی ہے وہ قوی تر دلیل پر عمل کرتا ہے۔اور عقل کا فائدہ خطاب خداوندی کو سمجھنا اور حکم کے مقصود پر نگاہ رکھنا ہے۔

اور جس نے مقصود کو سمجھ لیا اور دلیل پر عمل کیا اس کی مثال مضبوط بنیاد تعمیر کرنے والے کی ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ بغیر کسی دلیل کے عمل کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی دلیل لوگوں کی رسوم و عادات ہوتی ہیں حالانکہ یہ بہت بری بات ہے۔

پھر میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کسی عمل کے ثبوت کے لیے دلیل صحیح کا اتباع نہیں

کرتے۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے کہ وہ آباء واجداد کی تقلید کرتے تھے اور جو احکام ان کے سامنے آتے ان میں یہ نہیں دیکھتے تھے کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ خدا کو مانتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے حق میں کس بات کی نسبت درست ہے اور کس کی نہیں۔ چنانچہ اس کی طرف بیٹا منسوب کر دیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ اپنے احکام میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قاعدے سے نہ تو صانع کے اثبات پر نظر ڈالی اور نہ یہ دیکھا کہ کن امور کی نسبت اس کی طرف درست ہے اور اسی طرح انہوں نے رسالت و نبوت کی صحت کی دلیل پر بھی غور نہ کیا۔

اور درحقیقت اسی قبیل کے وہ لوگ ہیں جو عبادت کرتے ہیں، زہد اختیار کرتے ہیں اور باطل احادیث کو لے کر اپنے بدن کو تھکاتے ہیں لیکن ان کی تحقیق ماہر فن علماء سے نہیں کر لیتے۔

اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دلیل تو مہیا کر لیتے ہیں لیکن اس کا مقصود نہیں سمجھتے۔ اس قبیل کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی مذمت سنی تو اس سے کنارہ کش ہو گئے اور مقصود کو نہیں سمجھے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ دنیا اپنی ذات میں مذموم ہے اور نفس سے بس عداوت ضروری ہے۔ چنانچہ اپنی طاقت سے زیادہ اپنے اوپر مشقتیں ڈالنے لگے اور اپنے نفس کو ہر طرح سے ستانے لگے اس کی لذت وشہوات سے اسے محروم کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ناواقف رہے۔

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا. ''تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔''

چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جن کا انجام یہ ہوا کہ ان سے فرائض ترک ہوئے، جسم لاغر ہو گیا اور قویٰ مضمحل ہو گئے اور یہ سب محض مقصود کو نہ سمجھنے اور مراد پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب ہوا۔

جیسا کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زمین کے اندر مٹکے میں پانی رکھ دیا کرتے تھے پھر جب وہ گرم ہو جاتا تو اسے پیتے اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جب تم عمدہ اور مزیدار کھانا کھاتے ہو اور خوب ٹھنڈا پانی پیتے ہو تو بھلا موت اور اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کو کب چاہو گے؟

حالانکہ یہ مقصود سے ناواقفی ہے کیونکہ گرم پانی بدن میں بہت سی بیماریاں پیدا کرتا ہے اور اس سے سیری بھی نہیں ہوتی ہمیں اس طرح اپنے آپ کو ستانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جن معاصی کی جانب نفس دعوت دیتا ہے انہیں چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ہجرت کے سفر میں جب ایک چرواہے نے دودھ دوہا تو آپ نے پیالہ پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چٹان کے سائے میں بستر لگایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شیریں پانی لایا جاتا تھا اور ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہارے پاس کسی مشکیزے میں رات کا رکھا ہوا (ٹھنڈا) پانی ہو تو لاؤ ورنہ (گرم پانی ہی مجبوراً) منہ لگا کر پی لیں گے۔ اگر داؤد رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھ لیتے کہ قطع مسافت کے لیے اونٹنی کو اچھا چارہ دینا ضروری ہے تو ایسا نہ کرتے۔

کیا تم حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دیکھتے کہ انہیں معرفت اور خوف اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا پھر بھی عمدہ غذا کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"سواری کے ساتھ جب اچھی طرح رعایت نہ کی جائے گی تو وہ کام نہ کرے گی۔"

شاید بعض لوگ جو میری بات کو تسلیم نہ کریں وہ کہیں کہ یہ تو زاہدوں پر عیب گیری ہے تو میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ علماء کے ساتھ رہئے اور حضرت حسن بصری، حضرت سفیان ثوری، امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات کا طریقہ دیکھئے جبکہ یہ حضرات اسلام کے اصول ہیں۔

اور اپنے دین میں ایسوں کی تقلید نہ کیجئے جن کا علم کم ہو۔ اگرچہ زہد بڑھا ہوا ہو اور ان کے حالات کو اس پر محمول کیجئے کہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ لہٰذا ایسی چیز میں ان کی اقتداء نہ کیجئے جس کی آپ کو طاقت نہیں کیونکہ ہمارا معاملہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے، نفس تو ہمارے پاس امانت ہے۔ اور اگر آپ میری اس تشریح کے منکر ہیں تو آپ بھی انہی لوگوں میں داخل ہیں جن پر میں نے نکیر کی ہے۔

یہ مقصود کا رمز ہے اور اس کی شرح طویل ہو جائے گی۔

روزی کی تقسیم

مجلس.....سمجھدار کے لیے ضروری ہے کہ دلیل کا اتباع کرے اور جن تکالیف سے اس کا تعلق نہیں ہے ان میں غور نہ کرے اس کی مثال یہ ہے کہ دلیل قطعی سے اللہ عزوجل کی حکمت' اس کی مالکیت اور تدبیر ثابت ہے۔ لہٰذا انسان جب کسی عالم کو رزق سے محروم اور جاہل کو مالا مال دیکھے تو جس دلیل سے خدا تعالیٰ کی حکمت ثابت ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور خود کو اس حکمت کی معرفت سے عاجز مان لیا جائے۔

بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا پھر ذرا غور کرو انہوں نے اللہ عزوجل پر کیا حکم لگا دیا؟ کیا اس کی تدبیر کے غلط ہونے کا؟ کیا حکمت خداوندی کو تسلیم کر لینا ان کی عقلوں کا مقتضی نہیں ہے؟ اور کیا ان کی عقلیں بھی اللہ ہی کی عطا کردہ نہیں ہیں؟

پھر خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر پر کوئی حکم اس کی مخلوق (عقل) ہی کے ذریعے کیسے لگ سکتا ہے' ایسی مخلوق سے جو اللہ کی نسبت سے ہر چیز کے مقابلے میں کمتر ہے۔

ہمیں ملعون ابن الراوندی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ایک پل پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی جسے وہ کھا رہا تھا' کچھ گھوڑے اور ساز و سامان اس پل سے گزرے تو اس نے پوچھا یہ سب کس کا ہے' جواب ملا فلاں غلام کا' پھر کچھ گھوڑے اور ساز و سامان گزرے' پوچھا یہ کس کے ہیں؟ جواب دیا گیا اسی غلام کے' پھر خود وہ غلام گزرا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا معمولی آدمی ہے یہ دیکھ کر روٹی ایک طرف پھینکی اور کہا ''اور یہ میری قسمت ہے؟ یہ کوئی تقسیم ہے۔''

اگر یہ معترض سوچتا تو اس کے سامنے کئی باتیں ظاہر ہوتیں۔ کم از کم اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کو اپنی جہالت اور اس کی شان میں اپنی گستاخی تو معلوم ہو ہی جاتی جس کی معرفت کا وہ مدعی تھا۔

اور سچ پوچھو تو اس جہالت اور گستاخی کے نتیجے میں اس کی معیشت مزید تنگ ہو جانی چاہیے تھی۔

یہ ابلیس کی وراثت ہے کیونکہ اس نے بھی آدم علیہ السلام کی افضلیت کے سلسلے میں سوءِ تدبیر کا اعتقاد کیا تھا۔ پس تعجب ہے اس شاگرد پر جو اپنے استاذ سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس غلام پر جو آقا کے سامنے تکبر کرتا ہے۔

ایسے موقعہ پر مناسب یہ تھا کہ دلیل صحیح کا اتباع کرتا اور زمانہ کی گردش کی طرف التفات نہ

کرتا۔ یقیناً حاصل کی جانے والی چیزوں میں علم سب سے اشرف ہے اور کچھ جاہلوں نے دیکھا کہ علماء کو دنیوی لذات کم میسر ہیں تو علم ہی کو عیب لگانے لگے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن یہ درحقیقت علم کے مرتبہ سے ان کی جہالت ہے۔ دلیل کی پیروی کرنے والا تو گردش زمانہ کی طرف التفات نہیں کرتا کیونکہ مقصد کے فوت ہونے سے ہی امتحان کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اعراض کیا، دنیوی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگ رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کوئی مال ومتاع نہیں چھوڑا اور نہ اپنے اہل بیت کو میراث عطا فرمائی تو یہی چیز کافی دلیل ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے مطلوب (یعنی طلب آخرت) میں سچے تھے۔

اور جاہل کبھی علماء کی کسی جماعت کو غلطی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو علم پر عیب لگاتا ہے اور علم کو ناقص گردانتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

لہٰذا سمجھدار کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور عقل کے مشوروں پر عمل کرے یعنی اللہ عزوجل کی فرمانبرداری کرے اور اپنے علم پر عمل کرے اور اسے خوب سمجھے رہنا چاہیے کہ آزمائش مطلوبات سے محرومی پر صبر کرنے میں ہوتی ہے۔

اور دلیل کی پیروی کو لازم سمجھے اگرچہ اللہ عزوجل کوئی معاملہ اس کی خواہش کے خلاف فرمائیں اور توفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہم السلام

مجلس.... میں نے جب سورہ یوسف پڑھی تو تعجب سے سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی مدح فرمائی۔ قرآن میں ان کا قصہ بیان فرمایا اور ایک خاص چیز سے اجتناب کی وجہ سے ان کا مرتبہ بلند کر دیا۔

جب میں نے معاملہ کی حقیقت پر غور کیا تو معلوم ہوا وہ چیز خواہش کی مخالفت ہے۔

میں نے کہا سبحان اللہ! اگر وہ اپنی خواہش کی موافقت کر لیتے تو کیا ہوتے؟ لیکن جب اس کی مخالفت کی تو وہ رتبہ بلند ملا کہ ان کے صبر کی مثال دی جانے لگی اور ان کا مجاہدہ سرمایہ افتخار بن گیا

اور یہ سب محض ایک لمحہ کے صبر کی وجہ سے ہوا۔ کس قدر فخر و عزت کی بات ہے۔ بس ایک ساعت اپنے آپ کو سنبھال لو کہ اپنی خواہش نفس سے۔ جس کا حصول بالکل قریب ہو صبر کر لیا جائے۔

اور اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السلام کی حالت اپنی خواہش کی موافقت میں ہے (اگرچہ بظاہر خواہش کی موافقت ہو) اگر (بالفرض) تدارک اور توبہ نہ ہوتی تو ہمیشہ کے لیے ان کے حق میں ایک نقص رہ جاتا۔

ذرا دیکھو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ صبر کا نتیجہ اور خواہش (اگرچہ بظاہر ہو) کا انجام کیونکہ سمجھدار وہی ہے جس نے تلخ و شیریں دونوں میں تمیز کی۔ چنانچہ اگر اس کی ترازو ٹھیک رہی اور خواہشات کا پلہ جھکا نہیں تو صبر میں نفع ہی نفع اور نفس کی موافقت میں خسارہ ہی خسارہ دیکھے گا۔ اہل عقل کے لیے مخالفت نفس کے سلسلے میں یہی نصیحت کافی ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

استدلالی علم کافی نہیں ہے

مجلس.... میں نے محسوس کیا کہ فقہ کی مشغولیت اور حدیث کی سماعت دل کی درستگی کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ دل میں نرمی پیدا کرنے والی احادیث اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے قرآن و حدیث کے مقصود کو پالیا ہے اور اعمال کی ظاہری صورتوں سے نکل کر ان کے معانی کے ذوق آشنا ہو گئے ہیں اور ان کی مراد تک ان کی رسائی ہو چکی ہے۔

میں یہ بات یونہی نہیں کہتا بلکہ اس کا تجربہ کرنے اور اعمال کا ذوق حاصل کرنے کے بعد کہتا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے عموماً محدثین اور طلبہ حدیث کو دیکھا کہ ان کی ساری فکر حدیث کی سند عالی کی طلب اور زیادہ سے زیادہ کتابیں اکٹھی کرنے کی رہتی ہے اور فقہاء عموماً بحث و مباحثہ اور مخالف پر غلبہ پانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے دل کیسے پگھلے گا؟ جبکہ سلف کی جماعت صالح آدمی کی خدمت میں صرف اس کے علم سے استفادہ کے لیے نہیں بلکہ اس کے اخلاق و عادات سیکھنے کے لیے کی جاتی تھی اور یہ اس واسطے کہ علم کا حقیقی ثمرہ اخلاق اور سیرت ہی تو ہے۔

پس اس کو سمجھو! اور فقہ و حدیث کی تعلیم کے ساتھ سلف صالح کے حالات اور زاہدوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کرتے رہو تا کہ اس سے تمہارا دل نرم ہو۔

چنانچہ ہم نے مشہور بزرگان دین میں سے ہر ایک کے حالات و آداب کے متعلق الگ الگ کتاب لکھ دی ہے۔ ایک کتاب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں' ایک حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم' حضرت بشر حافی' حضرت امام احمد بن حنبل' حضرت معروف رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء و زہاد کے حالات پر بھی مشتمل کتابیں میں نے تحریر کی ہیں اور مقصود کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں۔

مگر قلت علم کے ساتھ عمل درست نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ دونوں (علم وعمل) قائد اور سائق کے مثل ہیں اور نفس دونوں کے درمیان اڑیل ٹٹو ہے۔ لہٰذا قائد اور سائق دونوں ہی کی محنت اور کوشش سے راستہ طے ہوسکتا ہے۔

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں سستی سے۔

ورع وتقویٰ میں احتیاط ہے

مجلس..... میں نے سہولت کے خیال سے ایک مرتبہ ایک ایسا کام کیا جو بعض آئمہ کے نزدیک جائز ہے لیکن اس سے مجھے اپنے دل میں بڑی قساوت کا احساس ہوا اور ایسا لگا جیسے میں بارگاہ حق سے دھتکار دیا گیا ہوں۔ بُعد اور دوری کے ساتھ گہری تاریکی محسوس ہوتی تھی۔

میرے نفس نے پوچھا یہ کیوں ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم نے فقہاء کے اجماع سے خروج نہیں کیا ہے؟

میں نے کہا اے بدبخت نفس! تیرا جواب دو طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ تو نے ایسی تاویل کی ہے جس کا تو خود قائل نہیں ہے کیونکہ اگر تجھ سے کوئی دوسرا ایسی بات پوچھتا تو کبھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

نفس نے کہا اگر میں اس کے جواز کا منکر ہوتا تو کبھی یہ کام نہ کرتا۔ میں نے کہا لیکن دوسروں کے حق میں تو اپنے اس خیال پر راضی نہیں ہے (یعنی دوسروں کے لیے جواز کے قائل نہیں ہو)

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ تجھے اس ظلمت پر خوش ہونا چاہیے تھا کیونکہ اگر تیرے دل میں پہلے سے نور نہ ہوتا تو اس ظلمت کا اثر نہ محسوس ہوتا۔

نفس نے کہا مجھے دل کی اس تازہ ظلمت سے وحشت ہو رہی ہے میں نے کہا تو اب ایسے کام کے نہ کرنے کا عزم کر لے اور یہ سمجھ لے کہ جس کام کو تو نے ترک کیا ہے اس کے جواز پر اجماع نہیں ہے اس لیے اس کا ترک کرنا ورع و تقویٰ میں داخل ہے۔

جھگڑے سے دور رہنا

مجلس.....زمانے کے تجربات نے مجھے بتلایا کہ حتیٰ الامکان کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کبھی اس شخص سے ضرورت پیش آ سکتی ہے خواہ وہ کسی درجے کا آدمی ہو۔

کبھی انسان تو یہ گمان کرتا ہے کہ اسے ایسے شخص سے ضرورت نہیں پڑ سکتی جیسے زمین پر پڑے ہوئے ایسے تنکے سے جس کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا لیکن کتنی حقیر چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اگر حصول نفع کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی تو دفع ضرر کے لیے اس کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

خود مجھے ایسے لوگوں کے ساتھ لطف اور مہربانی کرنے کی ضرورت پیش آئی جن کے ساتھ اس طرح کے معاملے کا مجھے وہم بھی نہ ہوا تھا۔

اور یہ سمجھ لو کہ دشمنی کا اظہار کبھی ایسی ایذاء کا سبب ہو جاتا ہے جس کا پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جس سے دشمنی کا اظہار کیا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تلوار سونپے نشانہ کی تاک میں ہو، کسی وقت وہ شخص کوئی مخفی نشانہ دیکھ لیتا ہے، اب خواہ کوئی ذرہ پہن کر اپنے کو چھپائے ہو لیکن دشمن اس نشانہ کو غنیمت سمجھ کر (اس راہ سے حملہ) کر دیتا ہے۔

لہٰذا جسے دنیا میں رہنا ہے اس کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرے جس کی وجہ میں نے بیان کی کہ آپس میں لوگوں کو ایک دوسرے سے ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور ایک دوسرے پر ایذاء رسانی کی قدرت ہوتی رہتی ہے۔

یہ ایک کار آمد بات ہے جس کا فائدہ تجربات زمانہ سے ظاہر ہوگا۔

کدورتوں سے مخلوط لذتیں

مجلس.... میں نے غور کیا کہ نفس ارباب دنیا کی فانی لذتوں کو تو دیکھتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کیسے حاصل ہوئی ہیں اور اپنے اندر کس قدر آفتیں لیے ہوئے ہیں۔

اس کی شرح یہ ہے کہ اگر تم کسی سلطنت اور حکومت کے والی کو دیکھو اور اس کی نعمتوں پر غور کرو تو انہیں کدورتوں سے مخلوط پاؤ گے۔ اگر خود اس نے شر وفتنہ کا قصد نہیں کیا ہوگا تو اس کے کارندوں نے ضرور کیا ہوگا۔

پھر وہ برابر خوف زدہ اور گھبرایا ہوا رہتا ہے' دشمن سے ڈرتا ہے کہ اسے تکلیف نہ پہنچا دے' اپنے بڑے سے اندیشے میں رہتا ہے کہ اسے معزول نہ کردے اور اپنے برابر والے سے گھبراتا ہے کہ اس کیخلاف سازش نہ کرے۔ پھر اس کا زیادہ وقت ان سلاطین کی خدمت گزاری میں جن سے کسی قسم کا خوف ہوتا ہے اور ان کے اموال کے حساب میں اور ان کے ان احکام کے نافذ کرنے میں گزرتا ہے جو منکرات سے خالی نہیں ہوتے۔

اور اگر معزول کردیا گیا تو جو لذتیں حاصل کی تھیں ان سب پر پانی پھر گیا اور وہ لذتیں ڈر سے بھری ہوتی ہیں خود ان میں ڈر ہوتا ہے ان کے انجام سے ڈر ہوتا ہے' ان کے چھن جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ اور اگر تم کسی تاجر کو دیکھو تو اندازہ کرو گے کہ کتنے شہر مارا مارا پھرا پھر بھی جو کچھ اسے ملا عمر کے ڈھل جانے اور لذت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد ملا۔

جیسا کہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رئیس اپنی جوانی میں فقیر تھا۔ جب بوڑھا ہوا تو مال دار ہوگیا' بہت سی جائیداد کا مالک ہوگیا' بہت سے ترکی اور دوسرے غلام خرید لیے' رومی لونڈیاں خرید لیں' اس وقت اس نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

ماکنتُ ارجوہ اذ کنتُ ابن عشرینا ملکتُہٗ بعد ان جاوزتُ سبعینا

''جس چیز کی مجھے بیس سال کی عمر میں آرزو تھی مجھے اس وقت ملی جب میں ستر سے آگے جاچکا ہوں۔''

تطوف بی من الا تراک اغزلۃً مثل الغصون علی کثبان یبرینا

''اب میرے اردگرد غزالہ چشم ترکی لونڈیاں اس طرح پھرتی ہیں جیسے کمزور ریت کے ٹیلوں پر ٹہنیاں جھومتی ہیں۔''

وخرد من بنات الروم رائعةً یحکین بالحسن حور الجنة العینا

''اور رومی خوبصورت شرمیلی باندیاں بھی جو حسن میں جنت کی حورعین کی مانند ہیں۔''

یغمزننی باسا ریع منعمةٍ تکاد تعقد من اطرافھا لینًا

''وہ مجھے اپنی ایسی نرم اور نازک انگلیں سے چھیڑتی ہیں جن میں ان کی نرمی کی وجہ سے گرہ لگانا ممکن لگتا ہے۔''

یردن احیاءً میت لاحراک بہٖ وکیف یحیین میتا صار مدفونًا

''وہ ایک مردے کو زندہ کرنا چاہتی ہیں جس میں کوئی حرکت نہیں رہی۔ بھلا ایسے مردے کو کب جلا سکیں گی جو مدفون ہو چکا ہو۔''

قالوا انینک طول اللیل یحزننا فماالذی آتشتکی قلت الثمانینا

''لوگوں نے کہا تمہاری پوری رات کی آہ وفریاد ہمیں سکون سے سونے نہیں دیتی' آخر تمہیں کیا شکایت ہے؟ میں نے کہا بس اپنے اسی (۸۰) سالہ ہونے کی۔''

اور یہ حالت عام طور پر پیش آتی ہے کیونکہ انسان اپنی ساری پسندیدہ چیزیں ایسے ہی وقت جمع کر پاتا ہے جب اس کے کوچ کا وقت قریب ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کو عنفوان شباب ہی میں پسندیدہ چیزیں مل گئیں تو اس وقت بچپن' معاملات کے سمجھنے اور صحیح لذت کے حصول سے مانع ہوتا ہے کیونکہ بچپن میں اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ ہے کہاں؟ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے پھر جب بالغ ہوتا ہے تو سارا اہتمام نکاح اور شادی کا ہونے لگتا ہے خواہ جس صورت سے ہو۔

اور اگر نکاح کر لیا اور اولاد ہونے لگی تو پھر یہ اس کی لذتوں میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس وقت وہ بیچارہ اپنے جی میں ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور ان کے لیے کمانے کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے۔

پھر دیکھو کہ وہ ابھی تیس ہی کے قریب تھا کہ گھلنا شروع ہو گیا اور اس پر بڑھاپا طاری

ہونے لگا۔ اب وہ خود اپنی ذات سے وحشت محسوس کرنے لگا ہے کیونکہ اسے احساس ہے کہ اب عورتیں اس سے بے رغبت ہوگئی ہیں۔ جیسا کہ ابن المعتز باللہ نے کہا ہے:

لقد اتعبت نفسی فی مشیبی فکیف تحبنی الغید الکعاب

''میں نے اپنے آپ کو بڑھاپے میں تھکا ڈالا ہے' پھر نرم و نازک دوشیزائیں کیسے مجھے پسند کرسکتی ہیں۔''

اور اسی طرح تم حسین عورتوں سے لطف اندوز ہونے والوں کو نہ دیکھو گے کیونکہ اگر کسی کو یہ مل بھی گئیں تو اسے اتنا مال میسر نہیں کہ اپنے لطف کی تکمیل کرلے اور اگر مال جمع کرنے میں لگا تو حصول لذت کا زمانہ گزر گیا اور جب مال بھی ملا حسن و جمال بھی میسر آیا تو بڑھاپا ایک بڑی مصیبت اور ناگواری لے کر آموجود ہوا۔

پھر یہ بھی ہے کہ مالدار آدمی اپنے مال کے سلسلے میں خائف رہتا ہے' جن سے معاملہ ہے ان سے حساب کتاب میں لگا رہتا ہے اور ہمیشہ برا ہی کہلاتا ہے اگر فضول خرچی کی اور اگر بخل سے کام لیا۔ اس کا بیٹا اس کی موت کا انتظار کرتا رہتا ہے اس کی باندیاں اس کو پسند نہیں کرتی ہیں حالانکہ وہ بیچارہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں لگا ہے۔ گویا (دنیا میں) اس کا سارا وقت مشقتوں میں گزرا کیونکہ لذتیں آئیں تو بس لمحہ بھر کے لیے اس لیے کوئی خاص لذت حاصل نہ کرسکا اور آخرت میں مالدار اور تاجر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔ "اِلَّا ماشاء اللّٰہ"

پس خبردار ان کی نعمتوں کی ظاہری صورت پر مت جاؤ کیونکہ تم اسے دور سے اچھا سمجھ رہے ہو اگر ان کے قریب جاؤ تو ناپسند کرو گے۔ پھر یہ کہ ان میں دنیا و آخرت کی اتنی مشقتیں ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ بس بقدر امکان قناعت اختیار کرو اسی میں دین اور دنیا کی سلامتی ہے۔

ایک زاہد کے پاس خشک روٹی تھی اس سے پوچھا گیا کہ تم اسے کیونکر پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا میں اسے رکھے رہتا ہوں یہاں تک کہ میری طبیعت میں اس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک مناجات

مجلس.... ایک مرتبہ میرے مسلک کی وجہ سے مجھ سے اور حکام وقت سے ایک طرح

کی دشمنی ہوگئی کیونکہ میں وعظ کی مجلسوں میں یہ نظریہ پیش کرتا تھا کہ ''قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور قدیم ہے (ہمیشہ سے ہے) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔''

ان حکام میں کچھ تو حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مائل تھے اور کچھ روافض کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن اندر اندر میرے خلاف سب متفق ہو گئے۔

ایک دن میں نے باری تعالیٰ سے اپنی مناجات میں عرض کیا۔

میرے آقا! سب کی پیشانیاں آپ کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ الا یہ کہ آپ ہی اس کے ذریعے نقصان پہنچانا چاہیں کیونکہ آپ نے ہی فرمایا ہے:

وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.

''وہ اپنے سحر سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ کے فیصلہ کے بغیر۔''

اور آپ ہی نے مصیبت زدوں کا دل یہ فرما کر ٹھنڈا کیا ہے:

قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا.

''کہہ دیجئے ہمیں وہی مصائب پیش آ سکتے ہیں جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیئے ہیں۔''

اب اگر آپ ان حاکموں کے ذریعے ایسا فیصلہ فرمائیں گے جو میری رسوائی کا سبب ہو جائے تو مجھے اپنی ذات سے زیادہ اس مسلک کے متعلق اندیشہ ہے جس کی میں نے نصرت کی ہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ اگر ابن الجوزی حق پر ہوتا تو رسوا نہ کیا جاتا۔

اگر آپ میری کوتاہیوں اور گناہوں پر نظر فرمائیں تو میں رسوائی اور ذلت کا مستحق ہوں مگر میں نے مسلک حق کی نصرت میں زندگی گزاری ہے تو مجھے اس کی پناہ میں داخل فرما دیجئے۔

اور مجھے آپ کے نیک بندوں کی ایک جماعت نے آپ کے حوالے کیا ہے اگر آپ میری حفاظت میری وجہ سے نہ فرمائیں تو ان کی وجہ سے حفاظت فرمائیے۔

میرے آقا میرے دشمنوں کے خلاف میری مدد فرمائیے کیونکہ وہ آپ کی معرفت نہیں رکھتے اور ہر حال میں آپ سے رُخ پھیرے رہتے ہیں جبکہ میں اپنی کوتاہیوں کے باوجود آپ کی طرف منسوب ہوں۔

صوفیاء کی ایک غلطی

مجلس.... حلاج صوفی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سخت گرمی میں سورج کے سامنے بیٹھا کرتے تھے اوران کے بدن سے پسینہ بہتا رہتا تھا۔ایک عقلمند کا اُدھر سے گزرہوااس نے کہااے احمق! یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قوت کا مظاہرہ ہے۔

کتنی اچھی بات کہی اس عقلمند نے کیونکہ شریعت کے احکام اغراض کی طبیعت کے خلاف ہی تو ہیں' کبھی انہی پر عمل کرنے والا صبر سے عاجز ہو جاتا ہے پھر وہ بڑا نادان اوراحمق ہے جواپنی قوت کا مظاہرہ کرنے لگے یا اللہ تعالیٰ سے ابتلاء کا سوال کرنے لگے۔جیسا کہ اسی بیوقوف نے کہا کہ ''آپ جیسے چاہیں مجھے آزمالیں۔''

عافیت کی دعاء

مجلس.... نیک بخت وہ ہے جو اللہ کے سامنے جھک گیا اور عافیت کا سال کیا کیونکہ کسی کوصرف عافیت ہی نہیں دی جاتی آزمائش اور بلاء بھی ضروری ہےاس لیے سمجھدار آدمی ہمیشہ عافیت کا سوال کرتا ہے تاکہ عام حالات میں عافیت شامل حال رہے۔پھر تھوڑی سی بلاء پر صبر آسان ہو۔مطلب یہ ہے کہ انسان کواس کا یقین رہنا چاہیے کہ صرف پسندیدہ ہی چیزیں پانے کی کوئی سبیل نہیں ہے کیونکہ ہر گھونٹ میں اچھو ہوتا ہےاور ہر لقمہ میں کانٹا۔

وکم من یعشق الدنیا قدیمًا ولکن لاسبیل الی الوصال

''کتنے لوگ زمانہ دراز سے دنیا کی محبت میں لگے ہیں لیکن اب تک وصال کی راہ نہیں پیدا ہوئی۔''

اور واقعہ تو یہ ہے کہ صبر تقدیر ہی پر ہوتا ہےاور عموماً تقدیری فیصلے خواہش نفس کے خلاف ہوتے ہیں۔پس سمجھدار وہی ہے جس نے صبر کے سلسلے میں اجر کا وعدہ اور معاملہ کی سہولت دکھلا کراپنے نفس کی خاطر داری کی تاکہ تکلیف کا زمانہ کسی قسم کی شکایت کے بغیر گزر جائے۔ پھراللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت کا سوال کرتا رہے۔رہا قوت کا مظاہرہ کرنے والا تو اس نے اللہ کی ذرا بھی معرفت نہیں پائی۔ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس کی شان سے ناواقف ہونے سے اور سوال کرتے ہیں اس کی معرفت کا۔بیشک وہ کریم اور دعاء سننے والا ہے۔

غلط تصوف جادہ صحیح سے انحراف ہے

مجلس.... جادہ صحیح اور راہِ مستقیم صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی طرف لپکنا ہے کیونکہ یہی وہ کامل دین وشریعت ہے جس میں کوئی نقص اور کمی نہیں ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے زہد اختیار کیا اور اپنے اوپر طاقت سے زیادہ مشقتیں لادلیں، پھر وہ اپنی آخری عمر میں ہوش میں آئے تو اس وقت ان کا جسم لاغر ہو چکا تھا اور بہت سے اہم کام مثلاً علم وغیرہ ان سے فوت ہو چکے تھے۔

اور بہت سے لوگ ظاہری علم کی طرف گئے اور اس کی طلب میں حد سے گزر گئے پھر آخری لمحوں میں ہوش آیا تو علم پر عمل کا وقت کھو بیٹھے تھے۔

جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ علم اور عمل دونوں کا ہے اور اسی کے ساتھ بدن کو راحت پہنچانے کا بھی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کی تھی اور ان سے فرمایا تھا:

اِنَّ لنفسک علیک حقًا ولزوجک علیک حقًا.

''تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔''

دیکھو یہ ہے معتدل راستہ اور قولِ فیصل! رہی محض خشکی تو اس کی وجہ سے کتنا ایسا علم ضائع ہو گیا جو اگر حاصل ہو جاتا تو عمل کے ذریعے حاصل کیے جانے والے درجات سے زیادہ درجات کے حصول کا سبب بنتا کیونکہ عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو راستہ سے واقف ہو اور عابد اس سے ناواقف ہے۔ لہٰذا عابد فجر سے عصر تک چلے اور عالم عصر سے کچھ پہلے چلے تو اس کو پالے گا بلکہ اس سے آگے ہو گا۔

اگر کوئی کہے کہ اس بات کو اور وضاحت سے بیان کرو تو میں کہوں گا کہ عبادت اور بندگی کی ظاہری صورت اللہ کی اطاعت اور اس کے سامنے جھکنا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عابد اس صورت کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا اس لیے اُسے یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پر ظہور کرامت کا اہل ہو گیا ہے، ہاتھ چومے جانے کا مستحق ہو چکا ہے اور بہت سے

لوگوں سے بہتر ہو گیا ہے اور یہ سب قلت علم کی وجہ سے ہے۔

علم سے میری مراد اصول علم کو سمجھنا ہے نہ کہ کثرت روایات اور اختلافی مسائل کا مطالعہ۔ پس جب عالم نے اصولی باتوں کو سمجھ لیا ہو گا تو اس عابد سے سبقت لے جائے گا اپنے حسن خلق کے ذریعے، حسن برتاؤ کے ذریعے، اپنی ذات میں تواضع کے ذریعے اور مخلوق خدا کو خدا تک پہنچانے کے ذریعے، جب کہ یہ چیزیں عابد محض پر دشوار ہیں کیونکہ وہ تو اپنی جہالت میں سویا ہوا ہے۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس نے نکاح کیا پھر اُسے خشکی سوجھی تو اس نے اپنی بیوی کو اس کے مطلوب سے محروم کر دیا اور طلاق بھی نہ دی۔ اس وقت اس عابد کی مثال اس عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس نے بلی کو قید کر دیا تھا نہ کھانا دے رہی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ حشرات الارض وغیرہ سے پیٹ بھر لے۔ حالانکہ جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر غور کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق میں کامل پاوے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر صاحب حق کا حق ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ کبھی مزاح فرماتے، کبھی ہنستے، کبھی بچوں سے خوش طبعی فرماتے، کبھی اچھے اشعار سنتے، کبھی گفتگو میں تعریض وتشبیہ کا استعمال فرماتے، ہمیشہ عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ فرماتے جس پر قدرت ہوتی اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ہوتا اُسے تناول فرما لیتے۔ اگرچہ لذیذ ہو جیسے شہد وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ بستر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ میں بچھایا جاتا تھا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکیر نہ فرماتے۔

اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ روایت نہیں سنی جسے جاہل صوفیاء اور جاہل زاہدوں نے اختیار کر رکھا ہے یعنی نفس کو علی الاطلاق اس کی خواہشات سے محروم کر دینا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ککڑی کھجور کے ساتھ کھاتے تھے، بیویوں کا بوسہ لیتے تھے، زبان چوستے تھے، اچھی چیزوں کی خواہش فرماتے تھے۔

رہ گیا جو کی روٹی کھانا، تول کر غذا لینا، بدن کو خشک کر لینا، ہر خواہش کو ترک کر دینا تو یہ سب نفس کو ستانا اور بدن کو ڈھانا ہے جو نہ عقل کا مقتضی ہے اور نہ شریعت میں محمود۔

البتہ بعض اکابر نے تھوڑے پر جو قناعت کی ہے تو اس کے مختلف اسباب ہیں مثلاً کوئی شبہ پیش آ گیا تو تقلیل کر دی یا ایک کھانا دوسرے کھانے میں مل گیا تو احتیاط پر عمل کر لیا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا بھی پورا حق ادا فرماتے تھے رات میں قیام فرماتے اور خوب ذکر فرماتے۔

پس تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ اختیار کرو جو سب سے اکمل ہے اور وہ شریعت اپناؤ جس میں ذرا آمیزش نہیں اور فلاں فلاں زاہد کی روایت کردہ حدیث چھوڑو' البتہ ان کے احوال کو اچھے محمل پر محمول کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے لیے عذر تلاش کرو اور اگر کوئی بھی عذر نہ پاؤ (بالکل ہی خلاف شرع فعل ہو) تو یہ سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ان کے خلاف دلیل ہے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ساری مخلوق کے مقتداء اور سارے عقلاء کے سردار ہیں۔

''لوگوں میں جب بھی بگاڑ آیا شریعت سے انحراف ہی کی وجہ سے آیا۔''

چنانچہ جاہل صوفیاء اور زاہدوں نے بہت سی آفات پیدا کر دی ہیں کیونکہ انہوں نے شریعت کا حلقہ توڑ ڈالا اور اس سے باہر نکل گئے۔ پس ان میں بعضے محبت اور شوق کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن محبوب کی معرفت نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم انہیں دیکھو گے کہ چیخ رہے ہیں' فریاد کر رہے ہیں' کپڑے تار تار کر کے ڈال رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے دعویٰ اور اس کے مضمرات کی وجہ سے شریعت سے نکل گئے ہیں۔ اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر بھوک اور دائمی روزہ مسلط کر رکھا ہے جبکہ صحیح روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرمایا "صُمْ یَوْمًا وَافْطِرْ یَوْمًا" (روزہ ایک دن رکھو اور ایک دن ناغہ کرو) انہوں نے عرض کیا میں اس سے افضل صورت کا خواہش مند ہوں' آپ نے فرمایا اس سے افضل کوئی صورت نہیں۔

اور ان میں ایسے بھی ہیں جو سیاحت کے لیے نکل پڑے پھر اپنے کو جماعت سے محروم کر لیا۔

اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے علم کی کتابیں دفن کرا دیں اور گوشہ نشین ہو کر نماز' روزہ میں مشغول ہو گئے۔ انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ان کتابوں کا دفن کر دینا کتنی بڑی غلطی ہے کیونکہ نفس غفلت کا شکار ہوتا رہتا ہے اور اُسے بار بار تذکیر کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت علم کی کتابیں بہترین مذکر اور ناصح ہیں۔

دراصل ابلیس ہر جماعت میں وہیں سے گھستا ہے جہاں سے راہ پاتا ہے۔ ان کتابوں کے دفن کرا دینے سے اس کا مقصد نورِ علم کو بجھا دینا ہے تاکہ عابد تاریکی میں رہے۔

اور کتنا اچھا جواب دیا ایک عالم نے جب ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں چاہتا ہوں کہ پہاڑ کی چوٹی پر چلا جاؤں اور وہیں رہوں۔ فرمایا یہی "ھُوَ کَلَۂ" ہے (یہ ایک عوامی لفظ ہے جس کا معنی ناکارہ پن ہے)

ایسے زاہدوں کی مثال چمگادڑ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے کو لوگوں کی نفع رسانی سے کنارہ کش کر کے دفن کر لیا ہے اور یہ ایک اچھی ہی حالت ہے جب کہ کسی خیر میں رکاوٹ نہ ہو مثلاً جماعت کی حاضری میں، جنازہ کے ساتھ چلنے میں اور مریض کی عیادت میں، مگر یہ کمزوروں کی حالت ہے۔

کیونکہ طاقتور وہ ہیں جو علم سیکھتے ہیں پھر دوسروں کو سکھاتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہیں جب کوئی نیا مسئلہ درپیش آتا ہے تب دیکھو کہ کتنا فرق ہوتا ہے عابد محض اور فقیہ کے درمیان؟

واللہ! اگر سارے لوگ عبادت ہی میں لگ جائیں تو شریعت ضائع ہو جاتی۔

علاوہ ازیں اگر عابد عبادت اور بندگی کا حقیقت شناس ہوتا تو صرف نماز روزہ پر اکتفاء نہ کرتا کیونکہ بعض اوقات کسی مسلمان کی حاجت روائی کی عبادت ایک سال کے روزے سے افضل ہو جاتی ہے۔

بدن سے عمل کرنے میں ظاہری اعضاء استعمال ہوتے ہیں جبکہ علم میں باطنی قوتوں عقل، فکر اور فہم کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علم اشرف و اعلیٰ ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ میں برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں کی مذمت کرتا ہوں اور ان کی عبادت کی نفی کرتا ہوں تو میں کہوں گا کہ میں ان کی مذمت نہیں کرتا بلکہ انہوں نے ایسی خرافات پیدا کر لی ہیں۔ مثلاً دعویٰ اور چیخ و پکار اور اسی طرح کی دوسری آفتیں جن کا سبب قلت علم ہے اور انہوں نے اپنے اوپر وہ چیزیں لاد لی ہیں جن کا انہیں حق نہ تھا اور خدا کے حکم کے بغیر ناجائز امور اختیار کر لیے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے بعض لوگ اپنے نفس کو علی الاطلاق ستانے اور اس کی ایذاء رسانی کو عبادت سمجھنے لگے ہیں۔ چنانچہ ایک بیوقوف نے کہا کہ میں حمام میں گیا تو مجھے کچھ غفلت ہو گئی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ جب تک اتنی اتنی تسبیح نہ پڑھ لوں گا باہر نہ نکلوں گا۔ پھر

تسبیح پوری کرنے میں دیر لگ گئی (اور ٹھنڈک لگی) جس کی وجہ سے میں بیمار پڑ گیا۔ دیکھو! اس شخص نے اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیا جس کا اسے حق نہیں تھا۔

اور جاہل صوفیاء و زہاد کی ایک جماعت ایسی ہے جنہوں نے صرف ظاہری لباس پر قناعت کر لی ہے اور باطن میں اتنی جہالتوں کے مرتکب ہیں جن کے بیان کے لیے دفتر بھی کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان سے پاک فرمائیں اور ان کے مقابلے میں علماء حق کی نصرت فرمائیں (آمین) کیونکہ بے وقوفوں کی بڑی تعداد انہی کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی عالم ان پر نکیر کرتا ہے تو عوام جہالت کی پوری قوت کے ساتھ اس پر پل پڑتے ہیں۔

اور بہت سے عبادت گزاروں کو میں نے بوڑھیوں کی طرح پایا۔ ایسی ایسی تسبیحات پڑھتے ہیں جن کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں ہے اور نماز میں ایسے افعال کرتے ہیں جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ خود میرا ایک عبادت گزار کے پاس جانا ہوا تو وہ ایک شخص کو امام بنا کر جماعت کے ساتھ چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا اور امام بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا میں نے ان لوگوں سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**صلوٰۃ النهار عجماء**" (دن کی نمازیں سری ہوتی ہیں) بس وہ زاہد ناراض ہو گیا اور کہنے لگا" اس کام کے سلسلے میں ہم پر کتنی نکیر کی جائے گی فلاں آیا اس نے ٹوکا فلاں آیا اس نے نکیر کی؟ ہم اس لیے زور سے قرأت کراتے ہیں تا کہ نیند نہ آوے۔

میں نے کہا سبحان اللہ! کس نے تم سے کہہ دیا کہ نہ سوؤ' کیا صحیحین میں حضرت ابن عمرو ابن العاص کی حدیث نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "قُمْ وَنَمْ" (رات میں) نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سوتے تھے۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی رات نہیں گزری جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے نہ ہوں۔

اور میں نے ہی ایک شخص کو جسے حسین القزوینی کہا جاتا ہے جامع مسجد منصور میں دیکھا کہ وہ مسجد میں مسلسل چل رہا ہے۔ میں نے اس چلتے رہنے کا سبب پوچھا تو جواب دیا تا کہ نیند نہ آوے۔

یہ سب حماقتیں ہیں جن کا سبب قلت ہے اس لیے کہ جب نفس کو اس کے حصہ کی نیند نہ ملے گی تو عقل میں خرابی آجائے گی پھر عقل وفہم سے دوری کی وجہ سے عبادت کا مقصد

فوت ہو جائے گا۔ مجھ سے جامع منصور میں رہنے والے ایک صالح شخص نے بیان کیا کہ ایک شخص جس کا نام کثیر ہے وہ ان لوگوں کے پاس جامع منصور میں آیا اور بیان کیا کہ میں نے اللہ سے ایک معاملہ میں عہد کیا تھا پھر اسے توڑ بیٹھا تو میں نے اپنی سزا یہ مقرر کی کہ چالیس دن تک، کچھ نہ کھاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ دس دن تو ٹھیک ٹھاک رہا' جماعت سے نماز ادا کر لیتا تھا' دوسرے عشرہ میں ضعف کا اثر ظاہر ہوا لیکن پھر بھی اپنا کام کر لیتا تھا۔ تیسرے عشرہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا پھر چوتھے عشرہ میں بالکل پڑ گیا۔

جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اس کے لیے شربت لایا گیا اس نے پیا تو ہم نے اس کے حلق میں اس کی آواز اس طرح سنی جیسے جلتے توے پر پانی ڈالا جائے۔ پھر چند دنوں کے بعد مر گیا۔

میں نے کہا "لا حول ولا ......" دیکھو جہالت نے جاہل کا کیا انجام کیا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا لیکن ہوسکتا ہے معافی ہو جائے۔ اگر علم کی سمجھ رکھتا اور علماء سے پوچھتا تو علماء اسے بتلاتے کہ اس پر کھانا واجب ہے اور جو کچھ اس نے اپنے ساتھ کیا ہے وہ حرام ہے۔ لیکن سب سے بڑی جہالت آدمی کا اپنے آپ کو مستقل سمجھنے لگنا ہے اور یہ سب خرافات تھوڑی تھوڑی کر کے پیدا ہوئیں۔ یہاں تک کہ لوگوں میں راسخ ہو گئیں۔

قرن اول میں ان میں سے کچھ بھی نہ تھا اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم ان چیزوں میں سے کچھ کرتے تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے آسودگی سے ذرا کم کھاتے تھے اور جب نہ ملتا تو صبر کرتے تھے۔ پس جو اقتدا کا ارادہ رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور صحابہ کا اتباع کرے کیونکہ اسی میں شفاء ہے اور گوہر مقصود بھی۔

اور سمجھدار آدمی کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کسی ایسی بڑی شخصیت کی بیجا تقلید میں مبتلا ہو جس کا نام مشہور ہو گیا ہو اور کہنے لگے ابو یزیدؒ نے یہ فرمایا اور سفیان ثوریؒ کا یہ فرمان ہے کیونکہ مقلد اندھا ہوتا ہے اور ہم نے کتنے اندھوں کو دیکھا کہ لاٹھی لے کر چلنے سے عار محسوس کرتے ہیں۔ جس نے اس مضمون کو سمجھ لیا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہمیشہ افضل و اعلیٰ کی طلب میں رہے گا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرماویں گے۔

الحمد للہ حصہ اول ختم ہوا

مجالس جوزیہ

(حصہ دوم)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بدعت کی بنیاد فلسفہ اور رہبانیت

مجلس.... ہمارے اس دین کے اندر علم اور عمل دونوں طرف سے داخل ہونے والی بدعتوں پر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسے دو راستوں سے داخل ہوئی ہیں جو اس دین سے پہلے سے موجود تھے اور لوگوں کے دل ان سے مانوس تھے۔

چنانچہ علم اور اعتقاد میں داخل ہونے والی بدعتیں فلسفہ کے راستہ سے آئی ہیں۔ اس طرح کہ علماء میں سے ایک جماعت نے ہمارے دین کے سلسلے میں اتنے پر اکتفاء نہیں کی جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت فرمائی تھی۔ یعنی صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ فلسفہ کے مباحث میں بھی غور وفکر شروع کر دیا پھر وہ اس علم کلام میں داخل ہو گئے جس نے انہیں ایسی بحثوں میں مبتلا کر دیا کہ ان کے عقائد خراب ہو گئے۔

اور عمل کے باب میں داخل ہونے والی بدعتیں رہبانیت کے راستے سے آئی ہیں کیونکہ زاہدوں کی ایک جماعت نے راہبوں سے تقشف اور بدحالی کا راستہ حاصل کیا صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی سیرت پر نظر نہیں ڈالی اور ان لوگوں نے دنیا کی مذمت سنی لیکن اس کے مقصود کو نہیں سمجھ سکے۔ پھر مقصود کے سمجھنے میں غلطی کے ساتھ علم شریعت سے بے رُخی بھی اکٹھا ہو گئی اس لیے قبیح بدعتیں وجود میں آئیں۔

سب سے پہلی خرابی جس سے ابلیس نے ابتداء کی وہ یہ تھی کہ انہیں علم دین سے بے رُخی کا مشورہ دیا تو انہوں نے اپنی کتابوں کو دفن کرا دیا یا پانی سے دھو ڈالا۔ پھر ان کے لیے اپنے گمان کے مطابق عبادت کا گوشہ لازم کرایا پھر ان کے ایسے باطل دعوؤں کو جن سے عوام کا میلان بڑھتا ہے لوگوں کے سامنے ظاہر کرایا۔ اس طرح اس نے ان کی خواہشات کو ان کا

معبود بنا ڈالا، اگر انہیں اسی وقت جبکہ انہوں نے کتابوں کو دفن کیا اور علم سے جدا ہوئے احساس ہو جاتا کہ وہ اپنا چراغ بجھانے جا رہے ہیں تو ایسا نہ کرتے لیکن ابلیس تو اس دن نہایت لطیف چال چل رہا تھا۔ جب ان سے ان کا علم زمین کے نیچے دفن کرا رہا تھا۔

حالانکہ علم ہی کے ذریعے دونوں راستوں کا فساد معلوم ہو سکتا ہے اور صحیح فیصلہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علم سے محروم نہ کرے کیونکہ بلاشبہ وہ نور ہے تاریکیوں میں غم خوار ساتھی ہے تنہائیوں میں اور مددگار دوست ہے ضرورت کے وقت۔

وقت کی قیمت پہچانو

مجلس.... اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، بیکاروں کی صحبت سے کیونکہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ میرے ساتھ بھی وہ معاملہ کرتے ہیں جس کے خود عادی ہو گئے ہیں یعنی زیارت اور ملاقات کی کثرت اور اپنے اس آنے جانے کو ''خدمت'' کہتے ہیں۔ یہ لوگ میرے پاس بیٹھنا چاہتے ہیں اور پھر دوسرے لوگوں کی باتیں شروع کر دیتے ہیں جس میں فضول باتیں بھی ہوتی ہیں اور غیبت بھی۔

یہ ایسی چیز ہے جس میں ہمارے زمانے کے اکثر لوگ مبتلاء ہیں بلکہ بعض اوقات وہ بزرگ جن کی زیارت کی جا رہی ہے وہ بھی اس کی خواہش کرتے اور اس کی طرف شوق سے مائل ہوتے ہیں کیونکہ تنہائی سے وحشت زدہ ہو جاتے ہیں۔

خاص کر عید اور دوسری تقریبات کے موقع پر تو تم دیکھو گے کہ لوگ ایک دوسرے کے پاس جا کر صرف سلام اور مبارکباد پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ وقت برباد کرنے کا عیب بھی شامل کر دیتے ہیں جس کا ابھی میں نے ذکر کیا۔

لہٰذا جب میں نے دیکھا کہ وقت سب سے قیمتی چیز ہے اور اس کو کسی اچھے کام میں ہی خرچ کرنا چاہیے تو یہ صورت حال ناگوار معلوم ہوئی۔ اب میں دو حالتوں کے درمیان گھر گیا۔ اگر ان پر نکیر کر دوں اور صاف صاف کہہ دوں تو ایک مانوس طریقہ کو ختم کر دینے سے ان کو وحشت ہو گی اور اگر ان سے ملاقات کو گوارا کروں تو میرا وقت ضائع ہوتا ہے۔

اس لیے اب اپنی کوشش کے بقدر ملاقات کو ٹالتا ہوں اور اگر مجبور ہو جاتا ہوں تو گفتگو میں

اختصار سے کام لیتا ہوں تا کہ جلدی فرصت ملے۔ اسی کے ساتھ کچھ ایسے کام میں نے اختیار کر لیے جو ان سے ملاقات کے وقت گفتگو میں حارج نہ ہوتے ہوں تا کہ وہ وقت بھی خالی نہ گزرے۔ چنانچہ ملاقات کے اوقات میں کاغذ کاٹنا، قلم تراشنا، کاپیوں کو درست کرنا وغیرہ شروع کر دیا کیونکہ یہ چیزیں بھی ضروری ہیں اور ان میں کسی فکر یا دل کے حضور کی ضرورت نہیں رہتی تو میں نے ان کاموں کو ملاقات کے وقت کے لیے مقرر کر لیا تا کہ میرے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو زندگی کے اوقات کا شرف پہچاننے اور اس کو غنیمت سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔ خود میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ زندگی کا مقصد نہیں جانتے کچھ تو ایسے ہیں کہ زیادہ مال دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کو مال کمانے سے بے نیاز کر دیا ہے تو یہ لوگ دن بھر بازار میں بیٹھے لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں حالانکہ کتنی برائیاں اور کتنے منکرات سامنے ہوتے رہتے ہیں۔

بعض خالی بیٹھے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں اور بعض اپنا وقت بادشاہوں کے قصے کہانیوں، مہنگائی اور ارزانی کی گفتگو وغیرہ میں ختم کرتے ہیں۔

ان سب کو دیکھ کر مجھ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر کے شرف اور عافیت کے زمانہ کی قدر پہچاننے کی توفیق نہیں دی حالانکہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو توفیق خداوندی میسر ہو اور یہ قدر جس دل میں اُتار دی جائے۔

وَمَا يُلَقَّاهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ. ”اور اس کو نہیں پا سکتا مگر وہی شخص جس کو بڑا حصہ ملا ہو“

عالم کے مراحل حیات کیلئے مشعل

مجلس.... میں اس رائے کو درست سمجھتا ہوں کہ تصانیف کا نفع تدریس کے نفع سے زیادہ ہے کیونکہ میں پوری زندگی میں چند ہی طلبہ کو پڑھا سکتا ہوں جبکہ اپنی تصنیفات کے ذریعے بے شمار مخلوق کو تعلیم دوں گا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ جتنا علم اسلاف کی کتابوں سے پاتے ہیں اتنا اپنے اساتذہ اور مشائخ سے نہیں حاصل کر سکتے۔

لہٰذا عالم کے لیے مناسب ہے کہ اگر اسے مفید تصنیف کی توفیق ملے تو تصنیف کا کام خوب کرے (مفید تصنیف کی قید اس لیے زیادہ کردی) کیونکہ ہر لکھنے والا شخص مصنف نہیں ہو جاتا کیونکہ مقصود کسی چیز کو صرف جمع کر دینا نہیں ہے خواہ کچھ بھی ہو کسی طرح بھی ہو بلکہ مضامین درحقیقت اللہ تعالیٰ کے راز ہوتے ہیں جن پر وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع کرتا ہے اور اس کو ان کے بیان کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ لہٰذا بکھرے ہوئے مضمون کو جمع کرتا ہے اور غیر مرتب کو ترتیب دیتا ہے یا غیر واضح مضامین کی تشریح کرتا ہے اور یہی مفید تصنیف ہے۔

تصنیف وتالیف کے لیے درمیانی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ ابتدائی عمر طلب علم کا زمانہ ہے اور آخر عمر حواس کے بیکار ہو جانے کا وقت ہے۔

اگرچہ کبھی عقل وفہم عمر کے انداز سے پہلے ہی دھوکہ دے دیتے ہیں لیکن وقت کی تعیین عام عادت کو دیکھ کر کی جاتی ہے کیونکہ انسان غیب کا علم نہیں رکھتا ہے۔ لہٰذا حفظ اور طلب علم کے مشاغل چالیس سال کی عمر تک ہوں پھر چالیس کے بعد تصنیف اور تعلیم شروع کردے۔

لیکن یہ مشورہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے مطلوبہ حفظ اور علوم کا ذخیرہ جمع کر چکا ہو اور مضامین کے اخذ وانتخاب پر قادر ہو چکا ہو ورنہ تو اگر کتابوں کی کمی کی وجہ سے یا ابتدائی عمر میں طلب میں کمزوری کی وجہ سے اب تک مطلوبہ استعداد و ذخیرہ علوم نہ حاصل کر پایا ہو تو شغل تصنیف کو پچاس کی عمر تک مؤخر کردے پھر پچاس کی عمر سے تصنیف وتدریس کا آغاز کرے ۶۰ سال کی عمر تک' پھر ۶۰ سال کے بعد تدریس وتعلیم میں اضافہ کردے۔ حدیث اور دوسرے علوم کو سنے اور اپنی تصانیف کو درست کرے تاکہ اہمیت کے قابل ہو جائیں اور یہ سب کام ستر کی عمر تک ہو اور جب ستر سے عمر آگے بڑھ جائے تو اپنے اوپر آخرت کی یاد اور کوچ کی تیاری کا خیال غالب کرلے۔ لہٰذا سوائے ایسی تدریس کے جس کو ثواب سمجھتا ہو یا ایسی تصنیف کے جس کی ضرورت پیش آجائے کیونکہ یہ آخرت کے لیے سب سے بہتر سامان ہیں ہر چیز سے الگ ہو کر اپنے آپ کو نفس کی طرف متوجہ کردے پھر ساری فکر نفس کی صفائی میں اخلاق کے سنوارنے میں اور لغزشوں کی اچھی طرح تلافی کرنے میں لگا دے۔

اب اگر ان مرتبوں میں سے کسی مرتبہ میں موت آگئی تو سمجھ لو کہ "مؤمن کی نیت اس کے عمل

سے بہتر ہے" اور اگر ان مراتب تک پہنچ گیا تو ہم ہر مرحلہ کے لیے مناسب مشورہ ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اپنے لیے کفن بنالینا چاہیے۔"

جبکہ علماء کی ایک جماعت ۷۷ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے جن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں تو اگر اس عمر کو پہنچ جائے تو سمجھ لے کہ قبر کے گڑھے کے کنارے پر ہے اور اس کے بعد ہر آنے والا دن قابل تعجب ہے۔

اور اگر اس کے اسی (۸۰) سال پورے ہو جائیں تب تو پھر اپنی ساری توجہ اور فکر اپنے اخلاق کی صفائی اور توشہ کی تیاری میں لگائے، استغفار کو اپنا ساتھی بنالے اور ذکر کو دوست اور نفس کے محاسبہ میں علم کے افادہ میں اور مخلوق سے ملنے جلنے میں باریک بینی سے کام لے کیونکہ لشکر کے قریب آجانے کے بعد پیش آنے والے حملہ سے حفاظت ضروری ہو جاتی ہے اور کوچ سے پہلے اپنی نشانی اور اثر چھوڑ جانے کی کوشش کرے۔ مثلاً علم کی اشاعت کرے یا کتابوں کی تقسیم یا کچھ مال خرچ کر جائے (جو صدقہ جاریہ بن جائے)

آخری بات یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ جس کو دوست بناتے ہیں اس کو علم عطا فرماتے ہیں اور جس کو "مراد" بنالیتے ہیں اس کو الہام عطا فرماتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دوست بنا کر ہم پر انعام فرمائے اور ہم سے اپنا رُخ نہ پھیرے۔

عبادت کے بجائے رسم، باطن کے بجائے ظاہر

مجلس.... میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی عادتیں شریعت پر عمل کے مقابلے میں غالب آگئی ہیں لہٰذا وہ کسی کام کے کرنے سے اس لیے وحشت کھاتے ہیں کہ ان کی عادت کے خلاف ہے شریعت کی ممانعت کی وجہ سے نہیں باز آتے۔

چنانچہ کتنے ایسے آدمی جو نیک کہے جاتے ہیں خرید و فروخت کرتے ہیں۔ جب ان کو چاندی کے چور حاصل ہوتے ہیں تو بغیر کسی امام کے مذہب کی رعایت کیے صحیح چاندی کے بدلے بیچ دیتے ہیں (جو سود ہو جاتا ہے) یا رخصت پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ یہی لوگوں کا

عرف ہو چکا ہے۔ علماء سے استفتاء کو دشوار سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ہم کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ صلوٰۃ الرغائب تو بہت اہتمام اور پابندی سے پڑھتے ہیں (جو نفلی نماز ہے) لیکن فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں ایسے ہی بہت سے بنے ہوئے صوفیوں کو دیکھا کہ لوگوں پر ظلم کر کے ان کا مال کھانے سے نہیں بچتے۔ البتہ غریبوں پر صدقہ کرتے ہیں۔ نیز طرح طرح کے بہانے اور تاویل سے کام لے کر زکوٰۃ نکالنے میں سستی اور لاپروائی کرتے ہیں۔ پھر جب ان میں سے کوئی شخص وعظ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے تو روتا ہے۔ گویا وہ اس کے ذریعے لوگوں کو بہلاتا ہے اور بعض کچھ مال زکوٰۃ کے نام سے نکال دیتے ہیں تاکہ بقیہ مال کے سلسلے میں لوگوں کو بہکا دیں اور بعض اس کو جانتے ہیں کہ اصل مال حرام ہے لیکن عرف اور عادت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا دشوار معلوم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ طلاق کی قسم کھاتے ہیں پھر قسم ٹوٹ جاتی ہے (اور طلاق پڑ جاتی ہے) لیکن بیوی کو چھوڑنا دشوار سمجھتے ہیں پھر کبھی تو تاویل کرتے ہیں اور کبھی تاویل میں بھی سستی کرتے ہیں اپنے نفس سے توبہ کا وعدہ کر کے اس بھروسہ پر کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے معاش میں تنگی ہو جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ آزادی سے مانوس ہو جانے کی وجہ سے اپنے مانوس طریقوں اور معاملات کو چھوڑنا دشوار سمجھتا ہے حالانکہ لوگوں کے یہی عرف ان کو برباد کرنے والے ہیں۔

میرے پاس ایک اسی (۸۰) سال کی عمر کے بوڑھے آدمی آئے، میں نے ان سے ایک دُکان خریدی اور معاملہ پکا کر لیا۔ پھر جب ہم لوگ جدا ہوئے تو کچھ دن بعد دھوکہ دے دیا۔ میں نے حاکم کے پاس چلنے کو کہا تو اس سے انکار کر دیا تب زبردستی حاضر کرایا مگر وہ جھوٹی قسم کھا گئے کہ ہم نے فروخت نہیں کی ہے تو میں نے سوچا کہ اب اس پر شریعت نہیں جاری ہو سکتی۔ مزید یہ کہ اس بوڑھے نے میرے اور اپنے درمیان حائل ہونے والے ظالموں کو رشوت دینا شروع کر دی۔

اس وقت میں نے ان عوام کو جن پر عادت اور عرف کا غلبہ ہے دیکھا کہ وہ کسی فقیہ اور مفتی کے قول کی طرف نظر نہیں کرتے بلکہ بعض تو یہ کہتے تھے ابھی اس نے قیمت پر قبضہ نہیں

کیا۔ پھر بیع کیسے درست ہوگئی؟

کوئی یہ کہتا کہ تمہارے لیے بغیر اس کی رضامندی کے اس کی دکان لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اور کوئی یہ کہتا کہ تمہارے اوپر ضروری ہے کہ تم معاملہ ختم کردو اقالہ کرلو۔ لیکن جب میں نے اقالہ نہیں کیا تو وہ اور اس کے رشتہ دار میری آبرو کے درپے ہوگئے۔ دراصل اس نے یہ سوچا کہ وہ اپنی ملکیت کی حفاظت کررہا ہے۔ پھر بادشاہ سے ایسی شکایت کی اور جھوٹ کے ذریعہ اس کو ایسا اُبھار دیا کہ میں دہشت زدہ ہوگیا کیونکہ وہ ظالموں کی ایک جماعت کو رشوت بھی دے چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی خوب کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان کے شر سے بچالیا۔

پھر میں نے اس بوڑھے پر حاکم کے سامنے گواہ پیش کیے تو بعض دنیاداروں نے حاکم سے کہا کہ میرے حق میں فیصلہ نہ کریں تو باوجود اس کے کہ قاضی کے نزدیک بینہ ثابت ہوچکا تھا مگر فیصلہ نہیں کیا۔

اس طرح میں نے جب اس حاکم اور ایک اس سے بھی بڑے حاکم کو دیکھا کہ محض اپنی سرداری کی حفاظت کے لیے صحیح فیصلہ نہیں کرتے ہیں تو میرے نزدیک اس بوڑھے کا فعل جو اس نے اپنے مال کی حفاظت کے لیے کیا تھا ہلکا ہوگیا کیونکہ وہ تو جاہل تھا اور یہ لوگ عالم تھے تو اس سے یہ بات کھل گئی کہ عادتیں شریعت کے مقابلے میں غالب ہوگئی ہیں اور شریعت سے بے رُخی بڑھی ہوئی ہے۔

اب اگر کہیں شریعت کی موافقت پائی بھی جاتی ہے تو لاپروائی کے ساتھ یا عادت اور عرف کی وجہ سے (نہ کہ شریعت کے حکم کی وجہ سے) چنانچہ دیکھو اگر کسی آدمی کو کوڑا بھی مارا جائے کہ روزہ نہ رکھے لیکن وہ عام عادت ہوجانے کی وجہ سے روزہ نہیں توڑ سکتا۔ لیکن لوگوں کی آبرو (غیبت و بہتان کے ذریعے) اور مال لیتا رہتا ہے کیونکہ اس کا عام چلن ہے اب اسی بوڑھے کو میں نے کتنا دیکھا کہ نماز پڑھتا ہے اور پابندی سے پڑھتا ہے لیکن جب اپنی غرض کو فوت ہوتے ہوئے دیکھا تو شریعت کو ایک کنارے کردیا۔ اسی طرح ان حکام کو بھی میں کتنا دیکھتا تھا کہ عبادت کرتے ہیں اور علم کی طلب میں رہتے ہیں لیکن جب انہیں اپنی ریاست اور سرداری پر خوف ہوا کہ چھن جائے گی تو دین کا پہلو چھوڑ بیٹھے۔

پھر آخرکار اللہ تعالیٰ نے میری نصرت کی اور حاکم نے خود ہی وہ فیصلہ نافذ کردیا جو اس کے

نزدیک ثابت ہو چکا تھا اور شریعت کا فیصلہ جاری ہو گیا۔ آخر کار وہ بوڑھا محرومی کے ساتھ مر گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو شریعت کی تابعداری اور خواہشات کی مخالفت کی توفیق عطا فرمائے۔

خلوت اور وقارِ علم کی حفاظت

مجلس..... میں سمجھتا ہوں کہ عالم کے لیے خلوت سے بہتر نہ کوئی لذت ہے نہ شرف نہ راحت ہے اور نہ سلامتی اور خلوت ہی کے ذریعے بدن کی اور دین کی سلامتی اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے نزدیک کوئی مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

کیونکہ مخلوق کے نزدیک وہ عالم جو ان سے میل جول رکھتا ہو بے قدر ہو جاتا ہے اور اس کی عزت ان کے دلوں میں کم ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے خلفاء اسلام کی قدر زیادہ ہونے کی کہ وہ لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

جب عوام کسی عالم کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی مباح کام میں رخصت پر عمل کر رہا ہے تو ان کے نزدیک وہ بے قدر ہو جاتا ہے اس لیے عالم پر اپنے علم کی حفاظت اور عوام کے نزدیک اس کے مرتبہ کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ بعض سلف کا قول ہے کہ ہم لوگ مزاح اور ہنسی ٹھٹھا کرتے تھے لیکن جب ہماری اقتداء کی جانے لگی تو اب میں اس کی گنجائش نہیں سمجھتا۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس علم دین کو حاصل کرو اور اس کو بند کر کے رکھو اس میں مذاق کی آمیزش نہ کرو ورنہ لوگوں کے دل اس کو اُگل دیں گے۔

عام لوگوں کی رعایت کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

لو لا حدثان قومک فی الکفر لنقضت الکعبة و جعلت لها بابين.

”اگر تمہاری قوم زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑتا اور اس کے لیے دو دروازے بنواتا۔“

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کے متعلق فرمایا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں تو میں نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔

خبردار! تم کسی ایسے جاہل کی بات مت سننا جو ان چیزوں کو ریاء قرار دے، یہ ریاء نہیں ہے بلکہ علم کی حفاظت ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی عالم لوگوں کے سامنے ننگے سر نکل آوے یا ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیے کھاتا ہوا چلا آوے تو عوام کے نزدیک بے حیثیت ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ کام مباح ہے لیکن وہ اس بد پرہیز طبیب کے مثل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو پرہیز کا مشورہ دیتا ہو۔

لہٰذا کسی عالم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ عوام سے گھل مل کر رہے تاکہ خود عوام کا دین مضبوط رہے اور جب کسی مباح کام کا ارادہ کرے تو عوام سے چھپ کر کرے۔

یہی وہ قدر اور عزت ہے، جس کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت ملحوظ رکھا تھا جب انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام آتے ہوئے دیکھا کہ ایک گدھے پر سوار ہیں اور آپ کے دونوں پیر ایک ہی طرف ہیں تو عرض کیا:

اے امیر المؤمنین! آپ سے بڑے بڑے لوگ ملنے آویں گے (لہٰذا اپنی ہیئت بدل دیجئے) تو دیکھو آپ نے کیسی اچھی بات ملحوظ رکھی۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل کی حفاظت کے لیے حضرت ابوعبیدہ کی تادیب کرنی چاہی۔ اس لیے فرمایا:

ان اللّٰہ اعزکم بالاسلام فمھماطلبتم العزفی غیرہٖ اذلکم۔

''اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے تو جب بھی تم اس کے علاوہ کسی طریقہ میں عزت چاہو گے وہ تم کو ذلیل کردے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ تم کو عزت دین سے حاصل کرنی چاہیے نہ کہ افعال کی ظاہری صورتوں سے اگرچہ صورتوں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ آدمی اپنے گھر کے اندر تنہائی میں ننگے بدن رہتا ہے اور جب لوگوں کے پاس آنا چاہتا ہے تو دو کپڑے (کرتا پاجامہ) عمامہ اور چادر پہن کر نکلتا ہے اور یہ نہ بناوٹ ہے نہ تکبر۔

جبکہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل فرماتے خوشبو لگاتے۔

پھر حدیث شریف کے درس کے لیے بیٹھتے۔

اے مخاطب خبردار! وہ جو تم دیکھتے ہو کہ علماء بادشاہوں کے دروازوں پر نظر آتے ہیں کبھی اس کی طرف نہ مائل ہونا کیونکہ خلوت علم اور عالم دونوں کی محافظ ہے اور ایسے علماء جتنا ان سے نفع نہیں اُٹھاتے اس سے زیادہ اپنا کھو بیٹھتے ہیں۔

سید الفقہاء حضرت سعید بن المسیب حاکموں کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں نے ان پر اعتراض وتنقید کی ہمت نہیں کی۔

لہٰذا اگر تم لذت اور راحت چاہتے ہو تو اے علم والو! اپنے گھر کے اندر رہو اور (وہاں بھی) اگر اپنے گھر والوں سے کنارہ کش رہو تو تمہاری زندگی اور خوشگوار ہو جائے گی۔ بیوی بچوں سے ملاقات کے لیے ایک وقت متعین کر لو کیونکہ جب انہیں ایک وقت معلوم ہو جائے گا تو پھر اس وقت تم سے ملاقات کے لیے تیاری کریں گے اور اس طرح تمہارا رہن سہن بہتر ہو جائے گا۔

تمہارے گھر میں ایک کوٹھڑی ایسی ہونی چاہیے جس میں خلوت اختیار کر سکو تا کہ اس میں جا کر اپنی کتابوں کی سطروں سے گفتگو کر سکو اور اپنی فکر کے میدان میں دوڑ سکو۔

لوگوں سے ملنے جلنے خاص کر عوام سے ملاقات سے پرہیز کرو۔

اتنی آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کرو جو تم کو لالچ سے محفوظ رکھے کیونکہ یہ چیز دنیا میں عالم کے لیے آخری درجہ کی لذت ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ ہم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟ آپ نے فرمایا: ''میں حضرات صحابہ اور تابعین کے پاس جا کر بیٹھتا ہوں'' آپ کا اشارہ اس کی طرف تھا کہ کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں (جن میں صحابہ وتابعین کے ارشادات ہوتے ہیں)

جب کسی عالم کو لوگوں سے استغناء اور خلوت کی توفیق مل جاتی ہے اور اس کے پاس ایسا فہم بھی ہوتا ہے جس سے وہ تصنیف وتالیف کا کام کر سکے تو سمجھ لو کہ اس کی لذت کامل ہو گئی اور اگر ایسا فہم بھی مل گیا جو اسے حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی مناجات کی طرف لے جائے تو پھر تو موت سے پہلے ہی وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی بلند ہمت عطا فرمائے جو کمال کی طرف لے

جائے اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔''حق کے راستہ کے راہی چند ہی افراد ہیں۔''

حیات ابن الجوزیؒ کے کچھ گوشے

مجلس.... میں نے درجات کی بلندی کے سلسلے میں لوگوں کے حالات میں غور کیا تو اکثر لوگوں کے حالات میں گھاٹا اور نقصان ہی ثابت ہوا۔

بعض ایسے تھے جنھوں نے جوانی میں خوب گناہ کیے۔ بعض نے تحصیل علم میں کوتاہی کی اور بعض زیادہ سے زیادہ لذتوں کے حاصل کرنے میں ہی لگے رہے۔ پھر سب کے سب اپنے بڑھاپے میں تلافی کرنے کا وقت کھودینے کی وجہ سے نادم تھے' کوئی ان گناہوں کی وجہ سے جو گزر گئے کوئی ان قوتوں کے لیے جو ضعیف ہو گئیں اور کوئی اس فضیلت کے لیے جو ختم ہو گئی۔ اس طرح بڑھاپے کا زمانہ حسرتوں میں گزرتا ہے۔

پھر اگر کسی بوڑھے کو گزشتہ گناہوں سے ہوش آ جاتا ہے تو کہتا ہے ہائے افسوس ان گناہوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئے اور اگر ہوش نہیں آتا تو پھر ان قوتوں کے فوت ہونے پر افسوس کرتا ہے جن سے لذت حاصل کرتا تھا۔ البتہ جس شخص نے جوانی کا زمانہ علم کے مشغلہ میں خرچ کیا تو بڑھاپے میں اس کے لگائے ہوئے درختوں کے پھلوں پر اس کی تعریف کی جاتی ہے' اپنی جمع کردہ تصانیف سے لطف اندوز ہوتا ہے اور علم کے ذریعے حاصل ہونے والی لذتوں کے سامنے بدن کی فوت ہو جانے والی قوتوں کا کچھ خیال نہیں کرتا اور یہ سب اس لذت کے ساتھ ہوتا ہے جو کسی مقصود کے حاصل کرنے کے لیے غور و فکر کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

بعض اوقات وہ عمل اپنے مقصد سے زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے جو اس کو حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اهتزّ عند تمنی وَصلِهَا طربًا   وَربَّ اُمنیةِ احلٰی من الطفر

''اس کے وصل کی تمنا کے وقت خوشی سے جھومتا ہوں اور بعض تمنائیں کامیابی سے زیادہ شیریں ہوا کرتی ہیں۔''

میں نے اپنے اوپر اپنے ان اہل خاندان کی بنسبت غور کیا جنھوں نے اپنی عمریں دنیا

کمانے میں گزاریں جبکہ میں نے بچپن اور جوانی کا زمانہ علم کی طلب میں گزارا ہے تو اپنے کو دیکھا کہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا اس میں سے صرف انہی چیزوں سے میں محروم ہوں جو اگر حاصل ہو جائیں تو شرمندگی ہو گی۔

اپنے حال کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرا دنیا کا ٹھاٹھ ان کے عیش اور ٹھاٹھ سے زیادہ بہتر ہے اور لوگوں کے درمیان میرا مرتبہ ان کے مرتبہ سے بڑھ کر ہے۔ ان سب کے ساتھ مجھ کو وہ معرفت بھی حاصل ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر شیطان نے کہا ''تم اپنی مشقت اور راتوں کی بیداری بھول گئے؟'' میں نے اس سے کہا اے جاہل! ''یوسف کے دیدار کے وقت ہاتھوں کے کٹنے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔''

وہ راستہ طویل نہیں ہوا کرتا جو دوست تک پہنچانے والا ہو۔

جزى اللّٰهُ المسير اليهِ خيراً. وان ترک المطايا کالمزادِ

''اللہ تعالیٰ اس تک پہنچانے والے کو جزاء خیر دیں۔ اگر چہ اس نے سواریوں کو توشہ دان کی طرح پچکا کر چھوڑا ہے۔ (یعنی کمزور کر دیا ہے)''

خود مجھ کو علم کی طلب کے زمانہ میں بہت سی تکلیفیں پیش آئیں لیکن وہ میرے مطلوب اور مقصود کی وجہ سے شہد سے بھی زیادہ شیریں معلوم ہوئیں۔

میں بچپن میں اپنے ساتھ چند سوکھی روٹیاں لے لیتا اور حدیث کی طلب میں نکل جاتا پھر ''نہر عیسیٰ'' کے قریب بیٹھتا کیونکہ ان روٹیوں کو پانی کے بغیر کھانا دشوار ہوتا تھا کیونکہ ہر لقمہ کے بعد پانی پینا پڑتا تھا جبکہ میری ہمت کی نگاہ کے سامنے صرف حصول علم کی لذت کا تصور رہتا تھا۔

مجھ کو اس کا ثمرہ یہ ملا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وتابعین کی حدیثوں اور ان کے احوال و واقعات کو اس کثرت سے حاصل کیا کہ مجھ کو جس میں شہرت حاصل ہو گئی اور میں حدیث کے طریقوں کی معرفت میں ''ابن اجود'' کی طرح ہو گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ سے معاملہ میں وہ نتیجہ حاصل ہوا جو صرف علم ہی سے حاصل ہو سکتا تھا حتیٰ کہ میں سوچتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ جوانی کی نادانی کے زمانہ میں اور شہوت اور کنوارے پن کے وقت میں ایسی ایسی چیزوں پر مجھ کو قدرت ملی جن کی طرف نفس اس طرح مائل ہو رہا تھا

جیسے پیاسا شیریں پانی کی طرف مائل ہوتا ہے مگر مجھ کو صرف اللہ تعالیٰ کے اس خوف نے ان سے روکا جو علم کے ذریعے حاصل ہوا تھا۔ اگر وہ لغزشیں نہ ہوتیں جن سے کوئی انسان خالی نہیں ہوتا تو مجھ کو تو اپنے اوپر عجب اور ناز کا ڈر ہونے لگا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بچالیا اور علم عطا فرمایا۔ پھر علم کے اسرار میں سے اپنی معرفت سے نوازا اور اپنے ساتھ خلوت کو پسندیدہ بنایا۔ حتیٰ کہ اگر میرے ساتھ معروفؒ اور بشرؒ بھی رہتے تو (خلوت میں مخل ہونے کی وجہ سے) میں ان کو زحمت خیال کرتا۔

پھر خدا تعالیٰ کا فیصلہ بدلا تو اس نے مجھ کو کوتاہیوں اور غلطیوں میں غوطہ دیا۔ حتیٰ کہ میں ساری مخلوق میں سب سے کمتر شخص کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگا (یعنی اپنے کو سب سے کمتر تصور کرنے لگا) کبھی تہجد کے لیے اور رات کی مناجات کے لیے اٹھنے کی توفیق دیتا اور کبھی صحت کے باوجود اس سے محروم کر دیتا۔ اس موقع پر اگر علم کی طرف سے یہ خوشخبری نہ رہتی کہ یہ سب تہذیب و اصلاح کے طریقے ہیں تو میں اچھے اعمال کے وقت عجب میں مبتلا ہو جاتا یا (برے اعمال اور) بے کاری کے وقت مایوس ہو کر بیٹھ جاتا لیکن اس کے فضل کی اُمید اس کے خوف کے برابر ہو گئی (اور میں ہلاکت سے بچ گیا) بلکہ اپنے اسباب کے قوی ہونے کی وجہ سے کبھی اُمید ہی زیادہ غالب رہتی ہے۔

کیونکہ میں نے دیکھا کہ جب میں بچہ تھا اس وقت اس نے میری پرورش کی کیونکہ میرے باپ ناسمجھی کے زمانہ میں فوت ہو چکے تھے اور ماں نے میری طرف توجہ نہیں کی اور میری طبیعت میں علم کی محبت مرکوز کی پھر وہ مجھ کو اہم سے اہم علم کی طرف لے جاتا رہا اور ایسے ایسے اساتذہ کے پاس پہنچاتا رہا جو سب سے بہتر اور درست علم دے سکتے تھے۔ اس طرح میرا معاملہ درست کیا اور کتنی مرتبہ کسی دشمن نے میرے متعلق کوئی ارادہ کیا مگر اس نے اس کو روکا۔

لہٰذا جب میں نے دیکھا کہ اس نے میری مدد کی مجھ کو بصیرت سے نوازا۔ میری طرف سے دفاع کیا اور بڑے بڑے انعامات سے مجھ کو نوازا تو ماضی کے اس برتاؤ کو دیکھ کر مستقبل کے لیے بھی میری اُمید قوی ہو گئی۔ وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں میرے ہاتھ پر دو لاکھ سے زیادہ افراد نے توبہ کی (یعنی بیعت ہوئے) اور دو سو سے زائد افراد اسلام لائے۔ کتنے

متکبروں کی آنکھیں جو کبھی آنسو نہیں بہاتی تھیں میری نصیحت سے بہانے لگ گئیں۔ لہٰذا جو شخص ایسے ایسے انعامات کا تصور کرے اس کو حق ہے کہ وہ ان کی تکمیل کی اُمید رکھے۔ البتہ کبھی اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی طرف نظر خوف کے اسباب سامنے کر دیتی ہے۔

ایک دن میں وعظ کے لیے بیٹھا تو دیکھا کہ میرے اردگرد دس ہزار سے زیادہ کا مجمع موجود تھا اور ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس کا دل پگھل نہ چکا ہو یا اس کی آنکھ آنسو نہ بہا رہی ہو یہ دیکھ کر میں نے اپنے نفس سے کہا ''تمہارا کیا حال ہوگا اگر یہ لوگ نجات پا گئے اور تم ہلاک ہو گئے؟'' یہ سوچ کر میں اپنے وجد کی زبان سے چیخ پڑا اور دعا کی:

''میرے آقا! میرے مولیٰ! اگر آپ نے کل قیامت میں مجھ پر عذاب کا فیصلہ کیا تو میرے عذاب کی ان کو خبر نہ کیجئے گا۔ یہ میری وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے کرم کی حفاظت کے لیے تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اسی شخص کو عذاب دیا جا رہا ہے جس نے خدا تعالیٰ تک رہنمائی کی تھی۔

میرے معبود! آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ابن ابی منافق کو قتل کرا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگ یہ نہ کہیں محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔'' (یہ کہہ کر قتل سے پرہیز کیا) لہٰذا اے میرے معبود! میرے سلسلے میں اپنے کرم سے متعلق ان کے حسن اعتقاد کو باقی رکھئے کہ آپ اپنی طرف رہنمائی کرنے والے کے عذاب کی ان کو خبر نہ کیجئے۔

خدا کی قسم آپ کی پناہ اے میرے پروردگار! صاف ستھرے پانی کے خراب ہو جانے سے۔

لاتبرعوداً انت ریشتہٗ حاشا لبانی الجود ان ینقضا

لاتُعَطِّشِ الزرع الذی نَبَّتَّہٗ بصوب انعامک قد روضا

''ایسی لکڑی کو نہ تراشو جس کو تم نے درست کیا ہو۔ محسن کو احسان کرنے کے بعد اس کو توڑنا نہیں چاہیے۔ اس کھیتی کو پیاسا نہ رکھو جس کو تم نے اُگایا ہو اور جو تمہارے انعام کی بارش سے بارونق ہوئی ہو۔''

لذت تو عشق میں بھی نہیں ہوتی

مجلس..... سمجھدار آدمی پر یہ معاملہ مخفی رہ جاتا ہے کہ جب اس کے پاس کوئی ایسی عورت یا باندی نہیں رہتی جس سے اس کو سخت محبت ہو تو سوچتا ہے کہ دنیا میں وہ کوئی لذت نہیں پا سکتا۔ پھر جب کسی ایسے محبوب کی تصویر بناتا ہے جس سے محبت ہو تو ایک خاص لذت

کا خیال پاتا ہے اور جب اس کے پاس ایسی بیوی ہو جس کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو تو اپنے آپ کو محروم تصور کرتا ہے چونکہ یہ معاملہ بہت ہی مخفی امور میں سے ہے اس لیے اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ "ملکیت میں آنے والی چیز اُکتا دینے والی ہوتی ہے۔" جب بھی کوئی انسان ایسی چیز پر جس کی خواہش رکھتا ہو قدرت پاتا ہے تو اس سے اُکتا جاتا ہے اور دوسری چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے کبھی تو اس کے ان عیوب کے ظاہر ہو جانے سے جو میل جول سے سامنے آ جاتے ہیں کیوں کہ حکماء نے کہا ہے:

"عشق محبوب کے عیوب سے اندھا ہوتا ہے" اور کبھی اس پر قدرت پا لینے کی وجہ سے کیونکہ انسان کا نفس ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف بڑھتا ہے جن پر اس کو قدرت نہ ہو۔

پھر اگر ہم فرض کر لیں کہ قدرت کے ساتھ محبت باقی رہی تو بلاشبہ ایسا بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ محبت قدرت کے بقدر کم ہوگی (یعنی جس قدر قدرت زیادہ ہوگی محبت میں نقص ہوگا) کیونکہ محبت کو بڑھاتی ہے محبوب کی ظلم و زیادتی جو اس کے دور ہونے کے مثل ہے یا پھر موافقت سے اس کی دوری۔

اور اگر سچی محبت ہو ہی گئی تو بھی کچھ نہ کچھ کدورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ مثلاً محبوب کے متعلق اندیشہ لگا رہتا ہے اور بعض محبوبوں کو اپنے عاشق کی طرف میلان کم ہوتا ہے اس لیے کبھی تکلف کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا جب انسان کو اس کا علم ہوتا ہے کہ معشوق کا میلان ہماری طرف کم ہے تو اس کو گھٹن سی ہونے لگتی ہے بلکہ نفرت بھی ہو جاتی ہے اور اگر کسی محبوب سے خیانت کا ڈر ہو جائے تو پھر حفاظت اور نگرانی کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور اس سے بھی گھٹن بڑھتی ہے۔

اس لیے سب سے بہتر مرتبہ اعتدال ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی بیوی پسند کرے جس کی طرف طبیعت کا میلان تو ہو لیکن عشق کے مرتبہ تک نہ پہنچتا ہو کیونکہ عاشق تو عذاب میں رہتا ہے۔

کبھی ایسا شخص جو عشق سے خالی ہو۔ یہ سوچتا ہے کہ عاشق کو بہت لذت ملتی ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ عاشق کا حال وہ ہوتا ہے جو ان شعروں میں بیان کیا گیا ہے:

وما فی الارض اشقی من محب   وان وجد الھویٰ عذب المزاق

تراه باكيافي كل وقت مخافة فرقة او لاشتياق
فيبكى ان نأوا شوقا اليهم ويبكى ان دنوا خوف الفراق
فتسخن عينهٔ عندالتدانی وتسخن عينه عندالفراق

''روئے زمین میں عاشق سے زیادہ بد بخت کوئی نہیں ہے۔ اگر چہ عشق کی لذت کو شیریں پاتا ہوں۔تم اسے ہر وقت روتا ہوا دیکھو گے' کبھی جدائی کے خوف سے اور کبھی وصال کے شوق میں۔ چنانچہ اگر محبوب دور ہوتا ہے تو اس کے شوق میں روتا ہے اور اگر قریب ہوتا ہے تو فراق کے خوف سے روتا ہے۔قرب کے وقت بھی اس کی آنکھ جلتی رہتی ہے اور فراق کے وقت بھی جلتی رہتی ہے۔''

بلند ہمتی

مجلس....کوئی انسان کبھی بھی بلند ہمتی سے زیادہ بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا گیا کیونکہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے وہ ہمیشہ بلند مراتب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کبھی وقت موافقت نہیں کرتا ہے' کبھی اس کے لیے دوسرے اسباب فراہم نہیں کر پاتا اس لیے ہمیشہ ایک عذاب میں رہتا ہے۔

مجھ کو بھی بلند ہمتی کا ایک حصہ عطا کیا گیا ہے اس لیے میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کاش مجھ کو یہ حاصل نہ ہوتی کیونکہ عقل کی کمی کے بقدر ہی زندگی شیریں ہوتی ہے اور عقل مند آدمی عقل کی کمی کے ساتھ کسی لذت کو نہیں پسند کر سکتا ہے۔

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بلند ہمت کہے جاتے ہیں تو غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی ہمت ایک ہی فن کے ساتھ خاص ہے اور انہیں دوسرے اس سے اہم فن میں نقص کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہے۔رضی نے کہا:

ولكل جسم فى الفحول بلية و بلاؤ جسمى من تفاوت همتى

''ہر مرد کے جسم میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہے میرے جسم کی مصیبت میری ہمت کی بلندی ہے۔''

دیکھا تو اس کی انتہائی آرزو حکومت تھی۔

اسی طرح ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے وقت میں سوتے نہیں تھے جب ان سے اس

کے متعلق پوچھا گیا تو کہا ''ذہن صاف ہے، خیالات اور آرزوئیں لمبی ہیں، نفس بلند امور کا مشتاق ہے اور زندگی بے وقوفوں اور ناکاروں کی طرح گزر رہی ہے۔''

پوچھا گیا ''تو پھر کس چیز سے آپ کی پیاس بجھے گی؟ کہا حکومت پر قبضہ سے!

کہا گیا تو اس کو طلب کیجئے؟ کہا وہ بغیر خطرات کے حاصل نہیں ہو سکتی!

کہا گیا خطرات میں کود جائیے؟ کہا عقل روک رہی ہے!

کہا گیا تو پھر کیا کریں گے؟ کہا میں اپنی عقل کے کچھ حصے کو جہالت بناؤں گا پھر اسی جہالت کے ذریعے اس خطرے میں پڑوں گا جس میں جہالت ہی کے ذریعے کودا جا سکتا ہے اور عقل کو ان چیزوں کے ساتھ رکھوں گا جو صرف عقل ہی کے ذریعے محفوظ رہ سکتی ہیں کیونکہ گمنامی تو موت کی بہن ہے۔''

تو میں نے اس مسکین کا حال دیکھا کہ اس نے سب سے اہم جانب کو نظر انداز کر دیا۔ یعنی آخرت کی جانب اور حکومت حاصل کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا پھر دیکھو کتنی خونریزیاں اور کتنے قتل ہوئے، حتیٰ کہ اس نے دنیاوی لذتوں میں سے اپنی کچھ مراد حاصل کر لی لیکن اس میں بھی آٹھ سال سے زیادہ عیش نہ کر سکا۔ اس پر دھوکہ سے حملہ کیا گیا جبکہ وہ عقل کی تدبیر بھولا ہوا تھا اور قتل کر دیا گیا۔ پھر آخرت کی طرف بدتر حال میں گیا۔

اور متنبّی نے کہا:

وفی الناس من یرضٰی بمیسو رعیشِہٖ ومرکوبہ رجلاہ والثوب جلدہٗ
ولکن قلبًا بین جنبّی مالہ ھدی ینتھی فی مراد احدہ
یری جسمہ یکسی شفو فاترُبُّہٗ فیختار ان یکسی ادروعًا تھدہٗ

''لوگوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو معمولی عیش پر راضی ہیں کہ ان کی سواری ان کے پیر ہیں اور ان کا کپڑا ان کی کھال ہے لیکن میرے پہلوؤں کے درمیان ایک دل ہے جس کے لیے کوئی ایسی انتہا نہیں ہے کہ میں اس کے لیے جو حد مقرر کر دوں وہیں رُک جائے، وہ اپنے جسم کو دیکھتا ہے کہ اسے نرم اور باریک کپڑے پہنائے جا رہے ہیں جو اس کو آرام سے رکھیں تو اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کو ایسی ذرہیں پہنائی جائیں جو اس کے جسم سے لگ کر آواز پیدا کریں۔''

میں نے اس شخص کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی بھی ساری حرص دنیوی چیزوں سے متعلق ہے۔

جبکہ میں نے خود اپنی بلند ہمتی کی طرف نگاہ کی تو اس کو عجیب پایا۔ وہ یہ کہ میں علوم میں اتنے علم کا قصد رکھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ میں وہاں تک نہیں پہنچ سکوں گا کیونکہ میں چاہتا ہوں سارے علوم اپنی تمام قسموں کے ساتھ مجھ کو حاصل ہو جائیں۔

اور میں ہر فن کو پورا پورا حاصل کرنا چاہتا ہوں جبکہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ بعض فنون سے ہی ساری عمر تنگ ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر میرے سامنے کسی فن میں کوئی بلند ہمت آتا ہے جو اس میں آخری مرتبہ کو پہنچا ہوا ہو لیکن میں اس کو دوسرے فن میں ناقص پاتا ہوں تو اس کی ہمت کو کامل نہیں شمار کرتا۔ مثلاً کوئی محدث ہو جس سے فقہ فوت ہوگئی ہو یا کوئی فقیہ ہو جس سے علم حدیث چھوٹا ہوا ہو، حاصل یہ کہ میں کسی بھی علم میں کمی پر راضی رہنے کو کم ہمتی قرار دیتا ہوں۔

پھر میں علم پر عمل کے آخری درجہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خواہش رکھتا ہوں کہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی پرہیزگاری معروف کرخی کا زہد حاصل ہو جائے جبکہ یہ کتابوں کے مطالعہ مخلوق کے افادہ اور ان کے ساتھ رہن سہن کو باقی رکھتے ہوئے بہت مشکل ہے۔

پھر میں اس کا قصد رکھتا ہوں کہ مخلوق سے استغناء رہے اور ان پر احسان کر کے بلندی حاصل ہو جبکہ علم میں مشغولی کسب مال سے روکتی ہے اور لوگوں کے احسان قبول کرنے سے ہمت بلند منع کرتی ہے۔

پھر جیسے مجھ کو اچھی کتابیں لکھنے کا شوق ہے ویسے ہی اولاد کے حاصل کرنے کی طلب بھی ہے تاکہ میرے مرنے کے بعد میرے دو نائب رہ جائیں حالانکہ اس کی طلب میں بھی اس دل کی مشغولی چاہیے جو تنہائی اور یکسوئی چاہتا ہے۔

پھر میں خوبصورت عورتوں کا بھی شوق رکھتا ہوں جبکہ اس میں بھی مال کی طرف سے رکاوٹ ہے اور اگر حاصل ہو جائیں تو فکر کے انتشار کا سبب ہوں گی۔

اسی طرح میں اپنے بدن کی درستگی کے لیے طرح طرح کے کھانے اور مشروبات کو بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا جسم ٹھاٹھ اور لطف کا عادی تھا مگر مال کی کمی رکاوٹ ہے اور یہ سب چیزیں اضداد کو جمع کرنے کے مترادف ہیں۔

بھلا بتاؤ! کہاں میں اور کہاں وہ لوگ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا جن کی ہمت کی انتہا دنیا تھی

جبکہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے میں دین میں کسی طرح کا کوئی نقصان ہو جائے اور نہ اس پر راضی ہوں کہ میرے علم یا میرے عمل میں سے کسی پر بھی دنیا کو ترجیح دی جائے۔

ہائے میرا قلق! تہجد کی نمازوں پر پرہیزگاری میں کمال کے حاصل کرنے پر جبکہ علوم کا تکرار اور تصانیف کا شغل بھی ساتھ ہے اور بدن کے لیے مناسب غذاؤں کے حاصل کرنے پر!

ہائے افسوس خلوت کی ان مناجاتوں پر! جو لوگوں سے ملاقات اور ان کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ رہی ہے اور ہائے تقویٰ کی خرابی! بال بچوں کے لیے ضروریات فراہم کرنے میں! مگر یہ کہ میں اپنی اس سزا پر راضی ہوں کیونکہ ممکن ہے اس عذاب میں میری اصلاح ہو کیونکہ بلند ہمتی ایسے بلند مقامات پر ڈھونڈتی ہے جو اللہ رب العزت سے قریب کرنے والے ہوں۔

کبھی کبھی طلب کے درمیان کی حیرانی مقصود کے لیے رہبر بن جاتی ہے۔ دیکھو! اب میں اپنی سانسوں کی نگرانی کرتا ہوں تا کہ کوئی سانس بے مقصد اور بے فائدہ ضائع نہ ہو۔

اگر میرا ارادہ اپنی مراد کو پہنچ گیا تو کیا کہنا ورنہ تو مؤمن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بڑی ہے۔

محنت کے بعد راحت بھی

مجلس..... جب میں گزشتہ فصل لکھ چکا تو خیال ہوا کہ اس عزیمت کے راستہ میں پیش آنے والی ایک ضروری چیز اپنے نفس کو یاد دلاؤں اور وہ یہ کہ نفس کے ساتھ لطف اور نرمی کا سلوک ہونا چاہیے۔ لہٰذا اگر کسی موقع پر ایک مرتبہ میں دو منزل طے کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ ٹھہر جائے اس لیے راستہ کو ممکن حد تک لطف کے ساتھ طے کرنا چاہیے۔

''جب اونٹنیاں تھک جاتی ہیں تو حدی خواں اُٹھ کو ان کے لیے گانے لگتا ہے۔''

''محنت کرنے کے لیے راحت حاصل کرنا ضروری ہے'' اور موتی کی تلاش میں تیراک کا غوطہ لگانا ایک دشوار کام ہے'' مسلسل چلتے رہنا اونٹ کو غمگین کردے گا جبکہ جنگل دشوار گزار ہو۔

اور جو شخص نفس کے ساتھ لطف کا معاملہ کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نگاہ ڈالے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ لطف کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈا پانی پسند فرماتے تھے' کھانوں میں وہ کھانا

پسند کرتے جو طبیعت کے زیادہ موافق ہوتا جیسے گوشت میں پشت اور دست کا گوشت اور حلوہ اور یہ سب سفر کے راستے میں سواری کے ساتھ رفق ونرمی کا برتاؤ ہے۔

رہا وہ شخص جو اپنی سواری پر ہر وقت کوڑا اُٹھائے رکھتا ہو تو ہوسکتا ہے وہ سفر پورا نہ کر سکے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ھذا الدین متین فاوغلو فیہ برفق فان للنبت لا ارضًا قطع ولا ظھراً ابقٰی.

''یہ دین مضبوط دین ہے تم لوگ اس میں نرمی کے ساتھ چلو کیونکہ سختی کرنے والا نہ کچھ مسافت طے کرسکتا ہے اور نہ اپنی سواری ہی کو زندہ چھوڑے گا۔''

خوب سمجھ لو! عقل مند آدمی کے لیے ضروری ہے کہ عقل اس کے سامنے جو عیب کھولتی ہے اس کے سلسلے میں اپنے نفس کو مغالطہ دے کیونکہ اگر بیدار طبیعت شخص بیوی کے پاس جانے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ ایسے جسم سے ملنا ہوگا جو گندگی لیے رہتا ہے اور لقمہ نگلنے سے پہلے یہ کہ وہ تھوک میں مل چکا ہے اور اگر کوئی انسان اس کو نکالے گا تو پھینک دے گا یا موت کو اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کو سوچ لے تو اس کی فوری لذت نفرت سے بدل جائے۔ اس لیے اتنا بہلاوا ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی سے نفع اُٹھا سکے۔ جیسا کہ لبید شاعر نے کہا ہے:

فاکذب النفس اذا حدثتھا ان صدق النفس یزری بالامل

''جب میں اپنے نفس سے گفتگو کرتا ہوں تو ایسے جھوٹ بولتا ہوں کہ اگر نفس اس جھوٹ کو سچ مان لے تو طول امل کے عیب میں مبتلا ہو جائے۔''

اور بستی نے کہا ہے:

افد طبعک المکدود بِالھم رَاحۃً تجم وعَلِلْہُ بشئی من المزح

ولکن اذا عطیتہ ذاک فلیکن بمقدار مایعطیٰ الطعام من الملح

''فکر سے پریشان طبیعت کو آرام کر کے راحت پہنچاؤ اور اس کو تھوڑے مزاح سے بہلاؤ لیکن جب تم اس کو مزاح کا موقع دو تو اس کا خیال رکھو کہ اتنی مقدار میں دو جتنا کھانے میں نمک ڈالا جاتا ہے۔''

اور ابو علی ابن الشبل کہتے ہیں:

واذا هممت فناجِ نفسک بالمنٰی — وعداً فخيرات الجنان عداتُ
واجعل رجاءَ ک دون ياسک — جُنةً حتٰی تزولَ بهَمِک الا وقاتُ
واسترعن الجلساء بَثک اِنّمَا — جلساءُ ک الحسادُ والشمّات
ودع الترقع للحوادث انّهُ — للحی من قبل الممات مماتُ
فالهم ليس له ثبات مثل ما — فی اهله ماللسرور ثباتُ
لولا مغالطة النفوس عقولَها — لم تصُفُ للمتيقظينَ حياةُ

"جب تم غمگین ہوا کرو تو اپنے نفس کے ساتھ آرزوؤں کا وعدہ کرو کیونکہ جنتوں کی بہترین نعمتوں کا وعدہ ہی تو کیا گیا ہے مایوسی کے بجائے اُمید کو اپنی ڈھال بنائے رہو۔ یہاں تک کہ زمانہ تمہارے غم کو لے کر گزر جائے۔ اپنے غم کو اپنے ہم نشینوں سے چھپاؤ کیونکہ تمہارے بعض ہم نشین حاسد ہوں گے اور بعض مصیبتوں سے خوش ہونے والے' حادثات کے واقع ہونے کا وہم ترک کرو کیونکہ ایسا غم موت سے پہلے ہی موت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح کوئی سرور اور خوشی ہمیشہ کے لیے نہیں حاصل ہوتی اسی طرح غم اور فکر بھی باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر نفس عقل کو بھلاوے میں نہ ڈالتا رہتا تو بیدار طبیعت لوگوں کے لیے زندگی نہایت تلخ ہو جاتی۔

اور انہی کے یہ اشعار بھی ہیں:

بحفظ الجسم تبقی النفس فيه — بقاء النار تحفظ بالرعاء
فبالياس الممض فلا تمتها — فلا تمدد لها طول الرجاء
وعدها فی شدائد هارخاء — وذکرها الشدائد فی الرخاء
يعد صلاحها هذا وهذا — وبالترکيب منفعة الدواء

"جسم کی حفاظت ہی سے اس کے اندر جان باقی رہے گی۔ جیسے آگ برتن کے ذریعہ محفوظ کی جاتی ہے۔ لہٰذا تکلیف دہ مایوسی سے اپنے نفس کو نہ مارو اور نہ ہی اس کے لیے اُمید کی رسی کو زیادہ دراز کرو' مصیبتوں اور سختیوں میں اس سے نرمی اور فراخی کا وعدہ کرو اور فراخی میں اس کو تنگیوں کا اندیشہ دلاؤ' نفس کی درستگی فلاں دوا اور فلاں دوا سے ہو سکتی ہے

جبکہ دوا کی نافعیت اس کو مرکب کرنے سے ہی ہوتی ہے۔''

بہت سے اسلاف اس نیت سے خضاب استعمال کرتے تھے تا کہ ان کی بوڑھی شکل وصورت سے کسی کو کراہت نہ ہو۔ اگرچہ خضاب لگانے سے بڑھاپا ختم ہونے کا یقین نہیں ہوتا ہے مگر یہ اپنے نفس کو ایک طرح کا بہلاوا ہوتا تھا' لوگوں کے نفس تو ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں جبکہ عقل اور فکر باطن کے ساتھ ہوتی ہے۔ لہٰذا نفس کو اتنا بہلاوا ضروری ہے جس سے زندگی کی لذت پوری ہو سکے ورنہ اگر کوئی عالم قصر امل کے تقاضا پر عمل کرنے لگے تو نہ علم حاصل کر سکے اور نہ ہی کوئی تصنیف کر سکے گا۔

اس فصل کو اس سے پہلی والی فصل کے ساتھ خوب سمجھ لو کیونکہ پہلی فصل مرتبہ عزیمت کے بیان میں ہے اور یہ مقام رخصت ہے' تھکن کے بعد راحت اور اعانت ضروری ہے جبکہ خدا تعالیٰ تمہاری صدق طلب' قوت فریاد اور قوت و طاقت سے عاجزی کے بقدر تمہارے ساتھ ہیں اور وہی توفیق رساں ہیں۔

قیمتی مشورے

مجلس.....آدمی کا قوام دو چیزوں سے ہے حرارت اور رطوبت۔

حرارت کی شان یہ ہے کہ وہ رطوبت کو تحلیل اور فنا کرتی رہتی ہے اس لیے آدمی کو ضرورت ہے کہ فناء ہونے والی رطوبت کا بدل حاصل کرتا رہے۔

(نظام قدرت یہ ہے کہ) پروان چڑھنے والے جسم فنا ہونے والی رطوبت سے زیادہ مقدار میں غذا حاصل کر لیتے ہیں جبکہ اپنی انتہاء کو پہنچ جانے والے جسم اتنی ہی غذا حاصل کر پاتے ہیں جتنی رطوبت تحلیل وفنا ہوتی ہے اس لیے وہ اپنی غذا سے آسودہ نہیں ہو پاتے۔

لہٰذا پروان چڑھنے والے جوان کو نکاح سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے تا کہ اس عفت سے جسم میں طاقت کا ایک ایسا ستون قائم ہو جائے جس کا فائدہ بڑھاپے میں ظاہر ہو اور متوسط یعنی درمیانی عمر والے کے لیے بھی ضرورت سے زائد جماع سے پرہیز ضروری ہے۔ یعنی اگر خرچ ہونے والی مقدار حاصل کر لے تو خرچ کرے اور یہ اپنے اوپر لازم

کر لے کہ حاصل ہونے والی قوت ہی سے خرچ کرے گا ورنہ تو اندیشہ ہے کہ جلد ہی سب قوت ختم ہو جائے گی۔ رہا عمر دراز بوڑھا تو اس کے لیے نکاح (یعنی بیوی سے قربت) کا ترک بہت ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ عمر زیادہ طویل ہو جائے کیونکہ نکاح کر کے اپنا وہ جوہر خرچ کرے گا جس کا بدل کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ پھر سمجھدار آدمی کو اپنے مال پر نظر ڈالنی چاہیے۔ لہٰذا مال کو اس کے خرچ سے زیادہ کمانے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ زائد مال عاجزی کے وقت کے لیے جمع رہے اور فضول خرچی سے پرہیز کرے کیونکہ خرچ میں اعتدال ہی سب سے مناسب طریقہ ہے۔

۳۔ پھر بیوی کے سلسلے میں غور کرے وہ اس طرح کہ بیوی سے دو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔ (۱) اولاد (۲) گھر کا انتظام۔ لہٰذا اگر وہ فضول خرچ ہو تو یہ قابل برداشت عیب ہے اور اگر کہیں اس کے ساتھ بانجھ پن بھی جمع ہو جائے تو پھر اس کو روکے رکھنا بے فائدہ ہے ہاں اگر خوبصورت ہو تو اور بات ہے پھر اگر خوبصورتی کے ساتھ سمجھ داری اور پاک دامنی بھی شامل ہو جائے تو اس کو روکے رکھنا درست ہے لیکن اگر خوبصورتی کے ساتھ ایسی ہو کہ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی ضرورت پڑے تو پھر اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے (ورنہ بدنامی کا سبب ہو جائے گی)

رہے نوکر اور غلام تو ایسے غلام حاصل کرنا چاہیے جو شہوت کے غلام نہ ہوں کیونکہ شہوت پرست غلاموں کا آقا اور مالک ان کی شہوت ہوتی ہے۔

اور مالک کو اپنے غلاموں کی طبیعت میں غور کرنا چاہیے کیونکہ بعض ایسے ہوتے ہیں جو اعزاز و اکرام سے رام ہوتے ہیں تو چاہیے کہ ان سے عزت کے ساتھ پیش آوے تا کہ ان کی محبت حاصل کرے اور بعض توہین اور تذلیل سے جھکتے ہیں تو ان کی بھی دلداری کرنا چاہیے اپنے غلاموں کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا چاہیے لیکن اگر چشم پوشی ممکن نہ ہو تو نرمی سے ڈانٹے اور حتی الامکان سزا دینے سے پرہیز کرے غلاموں کے لیے آرام اور راحت کا بھی ایک وقت مقرر کر دینا چاہیے۔

بڑا تعجب اس شخص پر ہے جو اپنی سواری کے جانور کی تو فکر کرتا ہے لیکن اپنی باندی کی خاطر داری بھول جاتا ہے۔

سب سے عمدہ غلام کم عمر بچے ہیں اور ایسے ہی سب سے اچھی بیوی کم سن لڑکی ہے

کیونکہ کم عمر غلام اپنے خریدار (اور کم سن بیوی اپنے شوہر) کے اخلاق جلدی (سیکھ لیں گے اور) جلدی اس کے عادی ہو جائیں گے۔

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے ساتھ ہیبت کے ساتھ رہے اور اس کو اپنے مال کی صحیح مقدار کی خبر نہ ہونے دے کیونکہ عورت کم عقل ہوتی ہے زیادہ خرچ کرنے کا مطالبہ شروع کر دے گی۔

۴- پھر بچوں کا خیال کرے لہٰذا ایسے میل جول سے ان کی حفاظت کرے جو ان کے مستقبل کو برباد کرنے والا ہو اور یہ سمجھ لو کہ اگر بچہ باغیرت اور حیادار ہوگا تبھی اس کے بہتر مستقبل کی توقع کی جاتی ہے۔

بچہ کو علماء اور شرفاء کی صحبت میں لے جانا چاہیے اور جاہلوں اور بیوقوفوں کی صحبت سے بہت دور رکھنا چاہیے کیونکہ طبیعت چور ہوتی ہے (دوسروں کے اخلاق وعادات کو چراتی رہتی ہے)

بچہ کو جھوٹ اور بد اخلاق بچوں کی صحبت سے بہت پرہیز کرانا چاہیے۔ اسی طرح اس کو والدین کی اطاعت کی نصیحت کی جاتی رہے اور عورتوں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سے روکا جائے' پھر جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو ایسی لڑکی سے نکاح کرے جو اس کے علاوہ دوسرے مرد سے ناواقف ہوتا کہ پھر دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھائیں۔

یہ مختصر سی گفتگو امور دنیا کے متعلق تھی (آگے امور دین سے متعلق نصیحت ہے)

۵- علم کے متعلق دستور یہ ہونا چاہیے کہ جب بچہ پانچ سال کا ہو جائے تو اس کو قرآن شریف مسئلہ مسائل اور حدیث شریف کے مشغلہ میں لگا دیا جائے۔ اس طرح کہ اس کو سننے اور سمجھنے والے مضامین سے زیادہ حفظ والے مضامین یاد کرائے جائیں کیونکہ حفظ کا زمانہ پندرہ سال کی عمر تک ہے جب بالغ ہو جاتا ہے تو فکر منتشر ہو جاتی ہے اور حفظ کے لیے کبھی مارے کبھی انعام دے کر بہلائے تاکہ جب بلوغ کی عمر کو پہنچے تو اس کے پاس محفوظ مضامین کا قیمتی ذخیرہ موجود ہو۔

سب سے پہلے بچے کو قرآن پاک خوب عمدہ حفظ کرا دینا چاہیے۔ اس طرح کہ راسخ ہو کر اس کے گوشت پوست میں شامل ہو جائے پھر فن نحو کے ضروری اور بنیادی مسائل جن سے کلام کی غلطیاں سمجھ سکے پھر فقہی مذاہب کی تفصیل۔ پھر ان علوم کے بعد جو علم بھی حاصل کرنا ممکن ہو اس کا حاصل کرنا بہتر ہے۔

اور بچہ کو اصحاب حدیث کی ان عادتوں سے بچائے وہ یہ کہ یہ لوگ بہت سے اوقات ان کتابوں کے یاد کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں جن میں احادیث مکرر ہیں۔ اس طرح عمر گزر جاتی ہے اور یہ کسی کا فہم نہیں حاصل کر پاتے۔ پھر جب کافی عمر ہو چکتی ہے تب فتویٰ کے لیے مسائل کے مطالعہ میں یا قرآن پاک کے یاد کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس طرح اُلٹے پاؤں ابتداء کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ عمر کے زیادہ ہو جانے کے بعد حفظ کرنا چاہتے ہیں اس لیے ان کا مقصود پورا نہیں ہو پاتا کیونکہ اہم مضامین کا بچپن میں حفظ کر لینا اصل عظیم ہے۔

ہم نے کتنے ایسے لوگوں کو دیکھا جو پہلے حفظ کو دشوار سمجھ کر اور آسان راستہ کو ترجیح دے کر تقریری مضامین اور کتابوں کی کتابت میں مشغول ہو گئے۔ پھر جب ضرورت کا احساس ہوا تو کبر سنی میں حفظ کرنے بیٹھے مگر ان کا مقصود حاصل نہ ہو سکا۔

میری ان باتوں کو سمجھنے کے لیے بیداری کی ضرورت ہے اور ساتھ میں اخلاص پر بھی نظر رہے کیونکہ اخلاص کے بغیر ہر عمل بیکار ہے۔

کھیتی کا موسم

مجلس....۵۷۵ھ کے شروع میں بغداد میں مہنگائی بہت بڑھ گئی' جتنا جَو بازار میں آتا جاتا مہنگائی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ چنانچہ لوگ غلہ خریدنے میں ایک دوسرے سے دھکا بازی میں مصروف ہو گئے اس وقت وہ شخص بہت قابل رشک ہوا جس نے پورے سال کھیتی کرنے میں محنت کی تھی اور وہ بہت مسرور نظر آتا تھا جس نے شروع اپریل ہی میں دام بڑھنے سے پہلے پہلے غلہ خرید لیا تھا جبکہ حال یہ تھا کہ غریبوں اور فقیروں نے اپنے گھر کا کل سامان ذلت کے بازار میں لا ڈالا تھا اور بہت سے عزت والوں کی ذلت اور پستی ظاہر ہو گئی تھی۔

تو میں نے اپنے سے کہا۔ اے نفس! اس حال سے اشارہ لے کہ اسی طرح وہ شخص بھی جس کے پاس نیک اعمال ہوں گے ضرورت کے وقت قابل رشک ہوگا اور جس کے پاس سوال کیے جانے کے وقت جواب موجود ہوگا بہت مسرور ہوگا اور سخت افسوس ہوگا اس کوتاہی کرنے والے پر جس نے انجام پر نظر نہیں کی۔ لہٰذا تو خود بھی بیدار ہو جا جبکہ تو بہت سے لوگوں

کو آخرت کے متعلق بیدار کر چکا ہے اور کھیتی کے موسم میں جلدی کر جب تک کہ جسم میں روح موجود ہے اور اگر کھیتی نہ ہو تو اپنے اوقات کو (عمل کی پونجی سے) خرید لے اس سے پہلے کہ کٹائی کا مہینہ آوے کیونکہ مال کی ضرورت ضرورت مندوں کو ایثار نہیں کرنے دے گی۔

ایک دل سوز تصور

مجلس.... مجھ کو ایک ایسی حالت کا تصور ہوا جس نے مجھ کو ہلا ڈالا وہ یہ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے ہر طرح سے حسن سلوک کرتا ہے مگر وہ اس سے محبت نہیں کرتی، اپنے دوست سے اچھا برتاؤ کرتا ہے مگر وہ اندر سے نفرت رکھتا ہے۔ بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا ہے لیکن بادشاہ اس کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا ایسے وقت وہ شخص حیران ہو کر کہتا ہے ہائے کیا تدبیر کی جائے؟

یہ سوچ کر مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے خالق سبحانہ کے ساتھ یہی میرا بھی حال نہ ہو کہ میں تو اس سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کروں اور وہ مجھ کو پسند نہ کرے جب کہ ممکن ہے کہ اس نے مجھ کو ازل میں بد بخت لکھ دیا ہو اور اسی تصور سے حضرت حسن بصریؒ ڈر گئے تھے تو فرمایا تھا "میں ڈرتا ہوں کہ وہ میرے کسی گناہ پر مطلع ہو کر کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ میں نے تمہاری مغفرت نہیں کی۔"

لہٰذا اب سوائے قلق اور خوف کے کچھ نہیں ہے شاید کہ اُمید کا سفینہ کنارہ پہنچتے وقت دریا کے مگر سے نہ ٹکرائے۔

احادیث کی تعداد

مجلس.... میرے اور ایک محدث کے درمیان امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بارے میں کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات لاکھ حدیثیں صحیح سند سے منقول ہیں" گفتگو ہوگئی۔ میں نے ان سے کہا کہ امام کی مراد اس سے احادیث کے طرق ہیں انہوں نے کہا نہیں بلکہ متون مراد ہیں۔"

تو میں نے کہا کہ اس کا تصور تو بہت مشکل ہے۔

پھر میں نے ابوعبداللہ حاکم کا کلام دیکھا جو انہی محدث کی بات کی تائید کرتا تھا وہ یہ کہ

انہوں نے اپنی کتاب "المدخل الی کتاب الاکلیل" میں لکھا ہے کہ" کیسے یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے صحابہ اور صحابیات کی تعداد چار ہزار ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں پھر مدینہ میں بیس سال سے زائد رہے جنہوں نے دوسرے احکام شریعت کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سونا جاگنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کو محفوظ کیا ہے۔"

پھر انہوں نے بھی امام احمد کے اس قول سے استدلال کیا کہ"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات لاکھ سے زائد حدیثیں صحیح سند سے منقول ہیں" اور اس سے بھی کہ اسحاق بن راہویہ ستر ہزار حدیثیں محض یادداشت سے املاء کراتے تھے اور ابو العباس بن عقدہ نے کہا کہ میں صرف اہلبیت کی تین لاکھ حدیثیں یاد رکھتا ہوں اور ابن عقدہ نے یہ بھی کہا کہ "کوفہ میں ابن کریب کے پاس تین لاکھ حدیثیں تھیں۔"

لیکن میں کہتا ہوں کہ ان اقوال سے احادیث کا متن مراد لینا درست نہیں ہوسکتا اور مجھے تعجب ہے کہ یہ بات کیونکر حاکم پر مخفی رہ گئی جبکہ وہ جانتے تھے کہ معروف مسندوں میں سب سے زیادہ روایات کی جامع امام احمد بن حنبلؒ کی مسند ہے۔ انہوں نے دو مرتبہ ساری دنیا کا چکر لگایا تو ان کو کل چالیس ہزار حدیثیں مل سکیں جن میں سے دس ہزار تو مکرر ہیں۔

حنبل بن اسحاق نے کہا کہ ہم کو صالح کو اور عبید اللہ کو امام احمد نے جمع کیا اور اپنی مسند پڑھ کر سنائی پھر فرمایا کہ"اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے لہٰذا جس حدیث میں مسلمان اختلاف کریں تم لوگ اس کی طرف رجوع کرو اگر اس میں وہ حدیث پاؤ تو ٹھیک ورنہ پھر وہ روایت حجت نہیں ہوسکتی۔"

اب یہ بتاؤ کیا کسی بیدار مغز پر یہ بات پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ سات لاکھ سے جمع کرنے کا مطلب آپ نے طرق لیا ہے؟ کیونکہ اگر سات لاکھ سے مراد متن ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مراد ہو تو پھر آپ نے کیوں ان کو چھوڑ دیا؟

اور اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو دیکھو آپ نے اپنی مسند میں کچھ ضعیف روایات بھی ذکر کی

ہیں تو کیا (نعوذ باللہ) ساڑھے سات لاکھ میں سے صرف تیس ہزار صحیح ثابت ہوسکیں؟ باقی سب کیسے ضائع ہوگئیں؟ اور کیوں چھوڑ دی گئی جبکہ وہ سب کی سب امام احمد کے زمانہ تک پہنچ چکی تھیں؟ کیا انہوں نے کچھ چھانٹ لیں اور باقی کو پھینک دیا؟ حالانکہ محدثین تو موضوع اور جھوٹی روایتیں سب لکھ لیا کرتے تھے۔

اور ایسے ہی امام ابوداؤد نے فرمایا کہ میں نے کتاب السنن چھ لاکھ حدیثوں سے جمع کی اور یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ صحابہ نے تو روایت کیا تھا مگر تابعین نے اس کو نقل نہیں کیا کیونکہ یہ روایات امام احمد تک پہنچی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سات لاکھ حدیثیں جمع کیں اور یہ روایات یوں ہی فوراً ختم ہوجانے کے لیے نہیں تھیں جبکہ یہ یقینی بات ہے کہ اگر صحیح اور موضوع بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہر روایت جمع کی جائے تو پچاس ہزار تک نہیں پہنچ سکتی' پھر باقی روایات کہاں ہیں؟

اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ حدیثیں تابعین کا کلام ہے کیونکہ فقہاء نے ہر ایک کا مذہب نقل کیا ہے۔ مدون کیا ہے پھر اس کو اختیار کیا پھر اس کے چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی۔

لہٰذا ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ امام احمد کا اشارہ طرق روایت کی تعداد کی طرف ہے اور حاکم کا وہم غلط ہے کیونکہ اگر یہ اعتراض کر کے انہی سے پوچھ لیا جاتا کہ پھر باقی روایات کہاں ہیں؟ تو ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

مگر سمجھ اور فہم بہت نادر دولت ہے جس کی توفیق انعام کرنے والا خدا ہی دے سکتا ہے اور کچھ اسی طرح کا حال ان لوگوں کی غفلت کا ہے جنہوں نے یہ کہا کہ "امام بخاری نے ان تمام روایات کی تخریج نہیں کی ہے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں بلکہ جو روایات پیش کی ہیں وہ بطور نمونہ کے ہیں ورنہ کتاب بہت طویل ہوجاتی۔"

اس مسلک کی طرف ابوبکر اسماعیلی کا رجحان ہے انہوں نے امام بخاری سے یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "جو صحیح میں نے چھوڑ دیں وہ زیادہ ہیں۔"

حالانکہ اس سے امام بخاری کی مراد روایات کی سند اور طرق ہیں (نہ کہ متون) جس کی دلیل یہ ہے کہ امام دارقطنی نے جو فن حدیث میں سید الحفاظ ہیں امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر پوری اترنے والی ان روایات کو جمع کرنا چاہا جن کو ان دونوں حضرات نے نہیں ذکر کیا ہے تو چند حدیثیں پیش کر سکے۔ اگر حقیقت وہی ہوتی جو وہ لوگ کہتے ہیں تو کئی جلدیں لکھ

ڈالتے۔ پھر امام دارقطنی کا یہ کہنا کہ ''جو روایات امام بخاری کی شرط پر پوری اتری ہیں'' یہ بھی میرے قول کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص نمونہ پیش کرتا ہے اس کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔

اور امام دارقطنی کی طرح ابو عبداللہ حاکم نے بھی ایک کتاب جمع کی جس میں وہ روایات ذکر ہیں جو امام بخاری کی شرط پر ہیں پھر اسی میں انہوں نے حدیث الطائر بھی ذکر کردی تو حفاظ حدیث نے ان کے قول کی طرف التفات کرنا چھوڑ دیا۔

پس دیکھو کیسے کم فہم ہیں وہ لوگ جن کو نقل احادیث نے اس باریک بینی سے محروم کردیا ہے جو حدیث کے باب میں ضروری ہے جبکہ یہ چیز فقہ اور فہم کی کمی سے پیش آئی۔

بخاری اور مسلم نے بہت سے لوگوں کی روایات کو محض اس لیے چھوڑ دیا کہ حدیث میں ان کی مخالفت کی گئی مثلاً اکثر راویوں نے حدیث مختصر بیان کی اور کچھ لوگوں نے اس پر اضافہ کردیا۔ اب اگر اس جگہ فقہ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

اور ان حضرات نے کچھ لوگوں کی روایت اس وجہ سے چھوڑ دی کہ وہ ایک شخص سے روایت کرنے میں منفرد ہوئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ثقہ کا منفرد ہونا عیب نہیں ہے اسی طرح کی اور بھی عجیب عجیب وجوہات ہیں اور یہ سب فہم کی خرابی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس طریقہ کا التزام نہیں کیا بلکہ انہوں نے کہا کہ ''ثقہ کی زیادتی مقبول ہے اور کسی راوی کے متعلق کوئی جرح اس وقت تک نہیں قبول کی جائے گی جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے۔''

اور جو شخص بھی فقہاء سے نہیں ملا بلکہ صرف محدثین کے ساتھ محنت کرتا رہا وہ نقصان اُٹھائے گا اور اس کا فہم خراب ہو جائے گا۔

پس تمام تعریف اس خدائے برتر کی جس نے ہم پر دونوں حالتوں کا انعام فرمایا ہے۔

بدیہی چیزیں

مجلس.... یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طبیعتوں میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کردی ہیں جو کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ لوگ فطری طور پر ان کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اگرچہ اکثر لوگ اس کی اچھی طرح تعبیر نہ کرسکیں۔

چنانچہ دیکھو اس نے فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ ہر بنی ہوئی چیز کے لیے ایک بنانے والا ضروری ہے' ہر تعمیر کے لیے ایک معمار ضروری ہے' دو ایک سے زیادہ ہے' ایک جسم ایک ہی حالت میں دو جگہ میں نہیں ہو سکتا اور اس طرح کی اور باتیں بھی ہیں جن کے سمجھنے اور ماننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسی طرح دیکھو کہ اس نے اہل عرب کو بغیر قواعد نحو میں غلطی کیے ہوئے صحیح گفتگو کا طریقہ سکھلا دیا ہے۔ لہٰذا وہ مرفوع اور منصوب میں ایسی علامتوں سے فرق کرتے ہیں جو ان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہیں۔ اگر چہ اس فرق کی وجہ بیان نہ کر سکیں۔

عثمان بن جنی نے بیان کیا کہ ایک روز میں نے ابوعبداللہ محمد بن العساف عقیلی سے پوچھا تم کیسے کہتے ہوں "ضَرَبْتُ اخوکَ؟" انہوں نے کہا میں کہتا ہوں "ضَرَبْتُ اَخاکَ" میں نے "اخوک" رفع کے ساتھ پڑھنے کو کہا تو انکار کر دیا اور کہا کہ میں "اخوک" کبھی نہیں کہہ سکتا۔

پھر میں نے کہا کہ اچھا "ضربنی اخوکَ" کو کیسے پڑھتے ہو تو اس کو "اخوک" مرفوع پڑھا۔ میں نے کہا کہ ابھی تم ہی تو کہتے تھے کہ اخوک (رفع کے ساتھ) میں کبھی نہیں کہہ سکتا تو انہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ کلام کا موقع نہیں بدل گیا؟

یہ واقعہ واضح دلیل ہے کہ اہل عرب کلام کے مواقع کو سمجھتے اور ہر موقع پر اس کے مطابق گفتگو کرتے ہیں یعنی یونہی کتر بیونت نہیں کر دیتے۔

عثمان نحوی نے کہا "زبان" وہ ان آوازوں کا نام ہے جن کے ذریعے ہر قوم اپنے مقاصد کو ظاہر کرتی ہے اور "نحو" کلام عرب کے تمام تصرفات مثلاً اعراب تثنیہ جمع تحقیر' تنکیر وغیرہ میں اہل عرب کے طریقہ کو اختیار کرنے کی مشق کرنا تا کہ غیر اہل عرب اہل عرب میں شامل ہو سکیں۔

غفلت اور بیداری

مجلس.....میں نے اچھے اور برے لوگوں کے حالات میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اچھے لوگوں کی نیکی کا سبب عقل ونظر کا استعمال ہے جبکہ برے لوگوں کے بگاڑ کی وجہ عقل کا استعمال نہ کرنا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ سمجھ دار آدمی غور کرتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ (اس کارخانہ عالم کا) ایک بنانے والا ضرور ہے اور اس کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں غور کرتا ہے تو اس کی طبیعت شریعت کے سامنے جھک جاتی ہے لہٰذا پھر وہ اس کی فکر شروع کر دیتا ہے کہ کن چیزوں سے اللہ کا قرب اور اس کی معیت حاصل ہوگی۔

اسی طرح جب اس کو علوم کا تکرار و مطالعہ دشوار معلوم ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ اور ثمرہ کو سوچتا ہے جس سے یہ دشوار کام آسان معلوم ہونے لگتا ہے اور جب رات میں اُٹھ کر تہجد پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس میں بھی یہی معاملہ کر لیتا ہے۔

اور اگر اس کے سامنے کوئی لذیذ و پسندیدہ چیز آتی ہے تو اس کے انجام پر غور کرتا ہے کہ لذت تو فنا ہو جائے گی جبکہ گناہ اور عار باقی رہ جائیں گے۔ یہ سوچ کر اس کو چھوڑنا آسان بنا لیتا ہے اور جب دل میں اپنے دشمنوں سے انتقام کی خواہش بیدار ہوتی ہے تو صبر کا ثواب سوچتا ہے اور غصہ کی حالت میں کوئی کام کرنے پر غصہ کرنے والوں کی شرمندگی کا خیال کرتا ہے۔

پھر چونکہ اس کا خیال تو ہمیشہ رکھتا ہے کہ عمر تیزی سے گزر رہی ہے اس لیے اس کو غنیمت سمجھ کر بڑی بڑی فضیلتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اپنی آرزو اور مراد تک پہنچ سکے۔

اس کے برخلاف غافل شخص صرف موجود اور سامنے کی چیز پر نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ ایسے ہوئے جنہوں نے مصنوع کی حقیقت اور صانع کے وجود پر غور نہیں کیا تو اس کا انکار کر دیا۔ اسی طرح اپنی نظر اور عقل کا استعمال ترک کیا تو رسولوں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کو انکار کر بیٹھے۔ ان لوگوں نے صرف حاضر اور موجود کی طرف نظر کی خود اپنی ابتداء اور انتہاء پر غور نہیں کیا۔ چنانچہ ان کو غذا کی صرف اتنی معرفت حاصل ہے کہ کھائی جاتی ہے حالانکہ اگر غور کر لیتے کہ یہ غذا کیسے پیدا ہوئی؟ اور کیونکر اس کو جسموں کے لیے محافظ بنایا گیا ہے تو بہت سے امور کی حقیقتیں سمجھ جاتے۔

اسی طرح ہر وہ شہوت جو ان کے سامنے آتی ہے یہ لوگ ان کے انجام پر نظر نہیں ڈالتے بلکہ صرف اس کی فوری لذت پر نظر رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر کتنی مرتبہ حد لگ جاتی ہے ہاتھ کٹ جاتے ہیں اور رسوائی بھی ہوتی ہے لہٰذا یہ سمجھ لو کہ سامنے کی لذت کا

حصول بہت سی فضیلتوں کے حصول سے محروم کر کے بہت سی پستیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور وجہ وہی ہے کہ انجام پر نظر نہ ڈالی جائے جبکہ یہ انجام بینی عقل کا کام ہے اور وہ عاقبت نااندیشی خواہش نفس کا کام ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی بیداری عطا کرے جو ہمارے سامنے انجام کو روشن کر دے اور ہر چیز کی خوبیاں اور برائیاں کھول دے۔ بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ کی ایک دعاء اور اُمید

مجلس.... میرے اندر ایسی بلند ہمت پیدا کر دی گئی ہے جو ہمیشہ ہر چیز کا آخری درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ میری عمر بڑھی اور میں اپنی مراد تک نہیں پہنچ سکا تو میں نے عمر میں زیادتی' بدن کی قوت اور اپنی مراد تک پہنچنے کے لیے دعاء شروع کر دی۔

لیکن عام عادت نے میری اس طرح کی دعاء پر نکیر کی اور کہا کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو عام عادت یہی ہے کہ یہ سب کسی ایک شخص کو نہیں مل پاتا ہے۔ میں نے کہا میں ایسی قدرت والی ذات سے مانگ رہا ہوں جو کسی عادت کی پابند نہیں ہے جب کہ ایک بلند مرتبہ شخص سے کسی نے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک معمولی ضرورت ہے تو اس نے کہا جاؤ پھر اس کے لیے کوئی معمولی آدمی تلاش کرلو۔ اسی طرح ایک اور شخص سے کسی نے کہا کہ میں آپ کے پاس ایک ایسی ضرورت کے لیے آیا ہوں جو آپ پر بوجھ نہیں بنے گی تو اس نے کہا کہ ایسی معمولی ضرورت کے لیے تم نے گھٹیا لوگوں کا انتخاب کیوں نہیں کرلیا؟ تو جب دنیا کے غیرت مند لوگ ایسا جواب دیتے ہیں تو پھر ہم بے انتہا بخشش کرنے اور قدرت رکھنے والی ذات سے ایسی اُمید کیوں نہ باندھیں؟

یہ دعا میں نے ۵۷۵ھ میں کی ہے اب اگر میری عمر دراز کر دی گئی اور میں اپنی مراد تک پہنچ گیا تو اس فصل کو آگے نقل کر دوں گا جس کی جگہ میں نے چھوڑ رکھی ہے اور اپنی مراد تک پہنچ جانے کی اطلاع دوں گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا (بلکہ موت آ گئی) تو میرے آقا میری مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں۔ یقیناً وہ بخل کی وجہ سے محروم نہیں کرتے ہیں اور ہر کام انہی کی مدد سے ہوتا ہے۔

(علامہ ابن الجوزی کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ اس طرح وہ اس دعا کے بعد ۲۲ سال زندہ رہے۔ از مترجم)

اخلاص نیت

مجلس....کم ہی لوگ ایسے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتے ہوں اکثر تو یہی چاہتے ہیں کہ ان کے اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں جبکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرا جو عمل ظاہر ہوگیا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ یہ حضرات اپنے کو چھپاتے تھے اور آج کل لوگوں کے کپڑے ان کی شہرت کا سامان بن رہے ہیں۔ حضرت ایوب سختیانی اپنا کرتا اتنا لمبا بنواتے تھے کہ ٹخنوں تک پہنچتا تھا اور فرماتے تھے کہ پہلے کرتا لمبا رکھنے میں شہرت ہوتی تھی لیکن اب چھوٹا رکھنے میں زیادہ شہرت ہوتی ہے۔

لٰہذا یہ خوب سمجھ لو کہ مخلوق سے نظر ہٹا لینا‘ عمل کے ذریعے جاہ حاصل کرنے کا خیال مٹا دینا‘ نیت کو درست رکھنا اور اپنے احوال کو چھپا کر رکھنا انہی چیزوں نے ان کو بلندی بخشی ہے جو بلند مرتبہ ہوئے ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی کسی وقت جوتا ہاتھ میں لے کر ننگے پیر چلا کرتے تھے اور گری پڑی چیزوں کو اُٹھانے کے لیے نکلا کرتے تھے اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمیشہ ننگے پیر اور تنہا چلتے تھے اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ پڑی ہوئی گٹھلیاں چنا کرتے تھے۔

لیکن آج کل لوگوں کی سرداری اور جاہ ہر ضرورت سے بڑھ گئی ہے حالانکہ جاہ اور سرداری دل میں اسی وقت جگہ پا سکتی ہے جبکہ اس میں غفلت کا بسیرا ہو‘ مخلوق کی طرف نگاہ ہو اور خالق کو بھلا دیا جائے تو ایسے وقت میں آدمی اہل دنیا کے سامنے جاہ کا طالب ہوتا ہے۔

میں نے لوگوں کا ایک عجیب برتاؤ دیکھا حتیٰ کہ اس میں بعض مولوی صورت لوگ بھی شامل ہیں کہ اگر مجھ کو تنہا چلتا ہوا دیکھتے ہیں تو نکیر کرتے ہیں اگر میں کسی غریب سے ملاقات کو چلا جاؤں تو یہ ان کو ناگوار ہوتا ہے اور اگر میں تبسم کے ساتھ خوش مزاجی سے کسی سے ملاقات کرلوں تو ان کی نگاہوں سے گر جاتا ہوں تو میں نے سوچا کہ ہائے تعجب! کیا یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا طریقہ تھا؟

اب تو جاہ اور سرداری کے لیے لوگوں کے احوال ناموس اور عزت بن چکے ہیں۔ خدا

کی قسم! تم لوگ خدا تعالیٰ کی نگاہوں سے گر چکے ہو اس لیے اس نے تم کو مخلوق کی نگاہوں سے بھی گرا دیا ہے۔ لہٰذا کتنے ایسے ہیں جو اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے محنت و مشقت کرتے رہے لیکن مخلوق نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور وہ اپنی مراد نہیں پا سکے جبکہ مقصود اصلی تو فوت ہو ہی گیا تھا۔

پس اے میرے بھائیو! نیتوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرو، مخلوق کے لیے زینت کا خیال چھوڑ دو اور زیادہ کوشش حق پر استقامت کی کرو کیونکہ اسی کے ذریعہ حضرات سلف بلندیوں پر چڑھے اور نیک بخت ہوئے اور اس سے بہت بچو جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں کیونکہ وہ حضرات سلف کی بیداری کے مقابلہ میں نینداور بیکاری ہے۔

تقدیر کا فیصلہ

مجلس....خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ پہلے سے فیصلہ نہ کر چکے ہوں تو بیٹے کی تربیت اور اصلاح کے لیے باپ کی کوئی کوشش مفید نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو چاہتے ہیں تو بچپن سے اس کی تربیت کرتے ہیں، سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں، صحیح فیصلہ کی طرف لے جاتے ہیں جو چیز اس کے لیے مناسب ہو اس کی محبت اور جو شخص مناسب ہو اس کی صحبت عطا فرماتے ہیں، غیر مناسب لوگوں اور چیزوں سے نفرت پیدا کر دیتے ہیں، گھٹیا کاموں کو برا بنا دیتے ہیں، برائیوں سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور جب لغزش کرتا ہے تو اس کو سنبھال لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ ہمیشہ لغزش کھاتا رہتا ہے اور ہر حال میں بھٹکتا اور پریشان ہوتا رہتا ہے۔ اس کو بلندیوں کے حاصل کرنے کی ہمت سے نہیں نوازتے ہیں بلکہ برائیوں میں مبتلا کر کے فضیلتوں کے حاصل کرنے سے محروم کر دیتے ہیں۔

اب اگر وہ پوچھے کہ میرے ساتھ یہ سلوک کیوں ہے تو ایک ایسا خطاب جواب دیتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا کہ

"بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ" (ان اعمال کی وجہ سے جو تم نے کیے ہیں)

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک بڑی دلیل

مجلس.... خالق سبحانہ وتعالیٰ کے موجود ہونے پر ایک بڑی دلیل انسان کی ذات ہی ہے جو نطق کی صفت رکھتی ہے اچھے برے میں تمیز کی صلاحیت رکھتی ہے اور بدن کو اپنے ارادہ کے مطابق حرکت دے لیتی ہے۔

کیونکہ اس ذات انسانی نے اپنی تمام ضروریات کا انتظام کر لیا' آسمانوں کی معرفت تک ترقی کر لی' جن علوم کا حاصل کرنا ممکن تھا ان کو حاصل کیا' تمام مصنوعات میں اس کے بنانے والے کا مشاہدہ بھی کر لیا اور ان سب کے لیے کوئی پردہ خواہ کتنا ہی موٹا اور دبیز کیوں نہ ہو اس کے لیے حاجب نہیں بن سکا۔ لیکن اس کے باوجود وہ خود اپنی ماہیت اور حقیقت' اپنے جوہر اور مادے اور اپنے محل اور مقام سے ناواقف ہے۔

آدمی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ یہ روح کہاں سے آئی ہے؟ کہاں چلی جائے گی؟ اور اس جسم سے کیسے لگی ہوئی ہے؟

یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ اس روح کا ایک پیدا کرنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ضرور ہے اور یہی چیز کافی دلیل ہے۔

شغل کے متعلق بعض صوفیاء کی ایک غلطی

مجلس.... پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ایسے علماء وفقہاء کے ذریعے سارے انسانوں پر احسان فرمایا جنھوں نے شریعت کا مقصود اور شارع کی مراد سمجھی۔ درحقیقت یہ لوگ شریعت کے محافظ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزاء عطا فرمائیں۔

بلاشبہ شیطان ان حضرات سے خوف کی وجہ سے کنارہ کش ہو کر چلتا ہے کیونکہ یہ اس کو تکلیف پہنچانا جانتے ہیں اور شیطان ان کو ستانے پر قادر نہیں ہے وہ تو جاہلوں اور کم فہموں کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے۔

اسکا ایک عجیب کھیل یہ تھا کہ اس نے کچھ لوگوں کے اندر علم کے ترک کو پسندیدہ بنا دیا۔ پھر انہوں نے صرف ترک علم ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ ایسے لوگوں پر اعتراض اور طعن

بھی شروع کر دیا جو علم میں مشغول تھے حالانکہ کاش وہ اس کو سمجھ لیتے کہ یہ شریعت پر اعتراض تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "بلغوا عنی" (میری بات دوسروں تک پہنچاؤ) اور خود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے "بَلِّغْ" (میرے احکام پہنچایئے)

پھر بتاؤ جب کوئی شخص علم کے مشغلہ میں نہیں لگے گا تو لوگوں تک کیسے شریعت کے احکام پہنچا سکے گا؟

دراصل اس طرح کے بعض اقوال بعض بڑے صوفیوں سے منقول ہیں۔ مثلاً حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے عباس بن عبدالعظیم سے کہا "اصحاب حدیث کے پاس مت بیٹھا کرو" اور اسحاق بن حنیف سے کہا چونکہ تم صاحب حدیث ہو اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب دوبارہ میرے پاس نہ آنا" پھر اپنے اس قول کی وجہ بتلائی کہ "حدیث اس شخص کے علاوہ جو حدیث کے ذریعے خدا کا طالب ہو ہر ایک کے لیے فتنہ اور آزمائش ہے اور جب حدیث پر عمل نہ کرے تو اس کا شغل ترک کر دینا ہی افضل ہے۔"

حالانکہ ان کی طرف سے یہ بات تعجب خیز ہے ان کو کیسے یہ خیال ہوا کہ طلباء حدیث اس شغل حدیث سے خدا کے طالب نہیں ہیں اور حدیثوں پر عمل نہیں کرتے ہیں؟ کیا عمل کی دو قسمیں نہیں ہیں؟ ایک واجبات و فرائض کا ادا کرنا جس کے چھوڑنے کی گنجائش کسی کو نہیں ہے، دوسرے مستحبات و نوافل جن کی ادائیگی لازم اور واجب نہیں ہے جبکہ حدیث میں مشغول ہونا نفل نماز، روزوں سے افضل ہے۔

میرا خیال ہے کہ عمل سے ان کی مراد ہمیشہ بھوکا رہنا اور تہجد پڑھنا وغیرہ ہوگی حالانکہ ایسی چیزوں کے تارک کو ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر ان کی مراد یہ تھی کہ حدیث کے دوسرے علوم و فنون میں نہ مشغول ہوا جائے تو بھی غلطی ہے کیونکہ حدیث کی تمام بحثیں مفید اور پسندیدہ ہیں۔

بھلا بتاؤ! اگر سب لوگ علم حدیث کی طلب ترک کر دیں تو کیا یہ "بشر" فتویٰ دیں گے؟ لہٰذا ایسے شخص کے قول کی طرف ذرا التفات مت کرو جو فقیہ نہیں ہیں اور خبردار ان کے نام کی عظمت تمہارے دل کو نہ دہلا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔

صرف خدا کی رضا کی فکر کرو

مجلس.... عقل مند وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال رکھتا ہے اگرچہ مخلوق ناراض ہی ہو جائے کیونکہ جو شخص بھی مخلوق کے حق کا خیال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے دل کو جس کی رضا و خوشنودی کے لیے ایسا کیا گیا ہے پلٹ دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ خوش ہونے کے بجائے ناراض ہو جاتا ہے۔

مامون رشید نے اپنے ایک ہم نشین مصاحب سے کہا تھا ''میری فرمانبرداری میں اللہ کی نافرمانی نہ کر بیٹھنا کہ پھر وہ مجھ کو تمہارے اوپر مسلط کر دے۔''

جب طاہر بن حسین نے امین کے ساتھ زیادتی کی کہ اس کو قتل کیا پھر اس کا سر سولی پر لٹکایا تو اگرچہ یہ سب مامون کی خواہش سے ہوا لیکن مامون کے دل میں اس کا اثر باقی رہ گیا۔ لہٰذا وہ طاہر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا (کیونکہ اس کو اپنے مقتول بھائی امین کی یاد آ جاتی تھی)

ایک دن طاہر مامون کے پاس گیا تو مامون رونے لگا۔ طاہر نے پوچھا خدا آپ کی آنکھوں کو نہ رُلائے آپ کیوں روتے ہیں؟ جبکہ سارے ممالک آپ کے تابع ہو چکے ہیں؟

مامون نے کہا میں ایک ایسی بات کی وجہ سے رو رہا ہوں جس کا ذکر کر دینا ذلت ہے اور دل میں رکھنا غم اور حسرت ہے اور کوئی شخص بھی غم سے خالی نہیں ہو سکتا۔

جب طاہر محل سے نکلا تو مامون کے خادم حسین کے پاس دو ہزار درہم بھیجے اور کہلایا کہ مامون سے معلوم کرو کہ وہ کیوں رویا تھا؟ پھر جب مامون نے دوپہر کا کھانا کھایا تو خادم سے کہا حسین! مجھ کو پانی پلاؤ۔ اس نے کہا خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کو پانی نہیں پلا سکتا جب تک کہ آپ یہ نہ بتا دیں کہ جب کل طاہر آیا تھا تو آپ کیوں روئے تھے؟

مامون نے کہا اے حسین! تمہیں کیسے اس کی فکر ہو گئی کہ اس کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ اس نے کہا مجھ کو اس کا غم لگا ہوا ہے۔

مامون نے کہا حسین! وہ ایسی بات ہے جو اگر تمہاری زبان سے کسی کے سامنے نکل گئی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

حسین نے کہا میرے آقا! بھلا میں نے آپ کا کوئی راز کبھی ظاہر کیا ہے؟

تب مامون نے بتلایا کہ ''مجھے اپنا بھائی محمد امین اور اس کو پہنچائی جانے والی ذلت یاد آ گئی تھی جس سے آنسوؤں کا ہجوم ہو گیا تو پھر میں نے اس کو بہا کر راحت حاصل کی۔اب طاہر ضرور میری طرف سے کسی ناگوار معاملہ میں پڑ کر رہے گا۔''

خادم حسین نے یہ خبر طاہر کو پہنچا دی تو طاہر وہاں سے احمد بن ابی خالد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میرے ساتھ جو احسان کرو گے ضائع نہیں جائے گا۔اس وقت کسی طرح مجھ کو مامون کی نگاہوں سے غائب کر دو۔''

اس نے کہا ٹھیک ہے میں ایسا کر دوں گا!

پھر احمد مامون کے پاس گیا اور کہا کہ میں کل پوری رات سو نہیں سکا۔مامون نے پوچھا کیوں؟

احمد نے کہا اس لیے کہ آپ نے غسان ابن عباد کو خراسان کا حکم بنایا ہے حالانکہ غسان اور اس کے ساتھی بے وقوف اور بزدل ہیں۔لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ترک سے نکل کر کوئی حملہ نہ کر دے پھر اس کو ختم کر ڈالے۔

مامون نے پوچھا کہ پھر تم کس کو مناسب سمجھتے ہو؟ احمد نے کہا طاہر بن حسین کو۔ ماموں نے اس سے وعدہ کر لیا پھر طاہر خراسان چلا گیا' وہاں جا کر ایک مدت تک ٹھیک رہا پھر اس نے جمعہ کے خطبہ میں مامون کے لیے دعاء کرنا چھوڑ دیا۔

تو اس سے ڈاک کے نگراں نے کہا کہ آپ نے امیر المؤمنین کے لیے دعا نہیں کی۔ طاہر نے کہا غلطی سے ایسا ہو گیا تم اس کو امیر المؤمنین کے پاس مت لکھنا۔لیکن پھر دوسرے اور تیسرے جمعہ میں بھی ایسا ہی کیا۔تو نگراں نے کہا اب تو لکھ دینا ضروری ہے تا کہ مجھ سے پہلے دوسرے تاجر لوگ یہ خبر نہ پہنچا دیں۔ طاہر نے کہا ٹھیک ہے لکھ دو تو اس نے لکھ دیا۔ جب ماموں کو اطلاع پہنچی تو اس نے احمد بن ابی خالد کو بلایا اور کہا طاہر کے معاملہ میں تمہارا حیلہ نہیں چل سکا اب میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تم جا کر اس کو میرے پاس واپس نہیں لائے جیسے کہ اس کو میرے قبضہ سے نکالا تھا تو بلاشبہ تم عبرتناک سزا پاؤ گے۔

ناچار احمد خراسان کی طرف چلا۔راستہ میں قصداً دیر کرتا اور مرض کا بہانہ کرتا ہوا کافی تاخیر سے رے پہنچا رے تو وہاں اس کو طاہر کی موت کی خبر ملی۔

اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جب راشد بغداد سے نکلا اور لوگوں نے مقتفی باللہ کو حاکم بنانا چاہا تو گواہوں کی ایک جماعت نے گواہی دی کہ راشد خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو ہٹا کر مقتفی کو والی بنا دیا۔

تو مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ کسی گواہ نے مقتفی کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا تو مقتفی نے بجائے خوش ہونے کے اس کی مذمت کی اور لوگوں سے کہا کہ "دیکھو یہ بھی ان میں تھا جنہوں نے ابو جعفر کی مخالفت میں حصہ لیا تھا۔"

اس کے برعکس جو شخص حق وصواب کے پہلو کی رعایت کرتا ہے اس سے ناراض ہونے والے آخر کار خوش ہو جاتے ہیں۔

خود مجھ سے وزیر بن ہبیرہ نے بیان کیا کہ مستنجد باللہ نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں اس کے پاس ایک خط لکھا اور چاہتا تھا کہ یہ خط اس کے باپ کے علم میں نہ آنے پائے۔ ابن ہبیرہ نے جو مستنجد کے باپ کا وزیر تھا کہا کہ میں نے خط لانے والے سے کہا کہ خدا کی قسم! یہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اسے پڑھ سکوں اور اس کا جواب دے سکوں۔ پھر جب مستنجد باللہ خلیفہ ہو گیا تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میری سچائی اور اخلاص پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ میں نے آپ کے باپ کے سلسلے میں آپ کی موافقت نہیں کی تھی۔ مستنجد نے کہا تم سچ کہتے ہو وزیر تم ہی رہو گے۔

اسی طرح میرے ایک دوست نے بتایا کہ کچھ لوگ مسترشد باللہ کے خزانچی کے پاس کچھ قرض کے لیے درخواست لے کر گئے۔ مسترشد نے خزانچی سے کہا ان کو قرض دے دو اور جو کچھ یہ ہمارے لیے بطور ضمان لائے ہیں اس کو لے لو۔

پھر قاضی ابن الرطبی کو بلا کر یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن الرطبی نے کہا یہ ظالمانہ حکم ہے میں اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ کسی نے کہا بادشاہ تو ایسا فیصلہ کر چکے۔ انہوں نے کہا تو میں کیا کروں؟ چنانچہ ایک دوسرا قاضی بلایا گیا اور اس نے خلیفہ کے حکم پر فیصلہ کر دیا۔ جب خلیفہ کو اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ قاضی ابن الرطبی نے جو کچھ کہا اور کیا وہ قابل تعریف ہے اور دوسرے قاضی کی سزا یہ ہے کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔

یہ اسی وجہ سے ہوا کہ مسترشد کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ حق وہی ہے جو ابن الرطبی نے کہا۔

ایسا ہی وہ واقعہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ نے چاہا کہ اس کو ''شہنشاہ'' کا لقب دیا جائے۔ لہٰذا فقہاء اور علماء سے استفتاء کیا۔ سب نے اس کو جائز کہا لیکن ماوردی نے اس کی اجازت نہیں دی جس کی وجہ سے ان کی قدر بادشاہ کے نزدیک بڑھ گئی۔

اور اگر تلاش کیا جائے تو اس طرح کے واقعات بہت سے مل جائیں گے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اخلاص کے ساتھ خالق کی اطاعت کا قصد کیا جائے۔ اگرچہ مخلوق ناراض ہی ہوجائے کیونکہ مخلوق تو ذلیل ہوکر لوٹ آوے گی۔ البتہ خالق کو ناراض نہ کرے کیونکہ وہ مخلوق کو بھی ناراض کردے گا پھر دونوں حصے فوت ہوجائیں گے۔ (دنیا کے اور دین کے)

ظاہری صورت اور خاندانی شرافت

مجلس.... سمجھدار آدمی جو کسی کو اپنا دوست، اپنا ساتھی یا اپنا شریک بنانا چاہتا ہو یا کسی سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ پہلے اس کے خاندان اور حسب نسب کو دیکھ لے اس کے بعد اس کی شکل وصورت بھی دیکھے کیونکہ اچھی صورت باطن کی درستگی پر دلالت کرتی ہے۔ نسب اور خاندان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اور جس کی کوئی اصل نہ ہو اس سے کسی خوبی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

چنانچہ خوبصورت عورت اگر کسی خراب گھرانہ کی ہو تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ پاکدامن رہ جائے۔ اسی طرح دوست، ساتھی، شریک اور رفیق سب کا معاملہ یہی ہے (کہ اگر خراب گھرانہ کے ہوں تو ضرور نقصان دہ ثابت ہوں گے)

یہ سن لو! ہمیشہ ایسے ہی شخص کے ساتھ رہنا جس کا خاندان معروف ہو اور جو اپنے خاندان کی بدنامی کا ڈر رکھتا ہو کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ سلامتی ہے اور اگر کبھی اُمید کے خلاف معاملہ ہوگا بھی تو نادر ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے مشورہ مانگا کہ میں کس کو اپنا عامل مقرر کروں؟ تو اس نے کہا دیندار اور صالح لوگ آپ کو نہیں چاہتے ہیں لیکن وہ حکومت کے طالب نہیں ہیں اور دنیا داروں کو آپ نہیں چاہتے ہیں اس لیے آپ شریفوں کا انتخاب

کیجئے کیونکہ وہ نامناسب کاموں سے اپنی شرافت کو بچائیں گے۔

اسی طرح ابوبکر صولی نے بیان کیا کہ مجھ سے حسین بن یحیٰی نے خود اسحاق سے سن کر بیان کیا ہے کہ اسحاق اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن معتصم نے مجھ کو بلایا اور اپنے ساتھ حمام میں لے گیا جب فارغ ہو کر نکلا تو تنہائی میں مجھ سے کہا۔ اے ابواسحاق! میرے دل میں ایک سوال ہے جس کے متعلق میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میرے بھائی مامون نے کچھ لوگوں کا انتخاب کیا تو وہ شریف ثابت ہوئے اور میں نے بھی ان ہی جیسے لوگوں کو منتخب کیا لیکن وہ شریف نہیں ثابت ہوئے۔ میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ معتصم نے کہا کہ مامون نے طاہر اور اس کے بیٹے کو اسحاق کو اور سہیل کے خاندان کو منتخب کیا تھا تو دیکھو کہ وہ کیسے ثابت ہوئے اور میں نے ''افشین'' کا انتخاب کیا تھا تو تم اس کا انجام دیکھ ہی چکے اور ''اسناش'' کو منتخب کیا تو وہ کچھ بھی ثابت نہیں ہو سکا۔ اسی طرح ''تیاخ'' اور ''وصف'' کا حال ہوا۔

میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! اگر غصہ سے امان پاؤں تو جواب موجود ہے اس نے کہا بتاؤ! میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی نے خاندان کی طرف نظر کی اور ایسے لوگوں سے کام لیا تو ان کی شاخ شریف ثابت ہوئی اور آپ نے ایسی شاخوں کا انتخاب کیا جن کی کوئی اصل نہیں تھی اس لیے وہ بارآور نہیں ہوئیں یہ سن کر معتصم نے کہا اے ابواسحاق! اس طویل مدت میں آج تک مجھ کو تمہارے اس جواب سے زیادہ قابل برداشت تکلیف نہیں پہنچی۔ (یعنی اس جواب سے تکلیف تو ہوئی مگر ناگوار نہیں ہوئی گوارا کیے جانے کے قابل ہے)

یہ گفتگو تو خاندان کے متعلق تھی رہی شکل وصورت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ڈھانچہ صحیح ہو یعنی اس میں کوئی ظاہری عیب نہ ہو تو عام طور پر اندر کا حصہ بھی صحیح ہوتا ہے اور باطنی اخلاق بھی درست ہوتے ہیں اور جب ظاہر میں عیب ہو تو اکثر باطن میں بھی عیب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص سے احتیاط کرنی چاہیے جس میں کوئی عیب ہو مثلاً گنجا ہو یا اندھا ہو یا اس طرح کا کوئی اور عیب ہو کیونکہ عام طور پر ان کے باطن خراب ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ساتھی کے خاندان اور شکل وصورت دیکھنے کے باوجود اس کو ساتھی بنانے سے پہلے تجربہ اور آزمائش بھی ضروری ہے اور احتیاط تو بہر صورت ضروری ہے خواہ وہ ہر معیار پر پورا اترتا ہو۔

تجربہ کی باتیں

مجلس.....ضروری ہے کہ سمجھدار آدمی انجام پر نظر رکھنا نہ چھوڑے اور جن چیزوں سے بچنا ممکن ہو ان سے بچنے کی کوشش کرے۔

یہ بڑی بھول ہے کہ آدمی اپنے جسم کی صحت اور اپنے معاش کی موافقت کو دیکھ کر اسی حالت میں مست ہو جائے کیونکہ یہ چیزیں ہمیشہ نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے ان کے ختم ہو جانے کا اندیشہ بھی رکھنا چاہیے اور احوال کے بدلنے کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔

اسی طرح اس لذت کے بارے میں سوچنا ضروری ہے جو خود فنا ہو جاتی ہے اور اس کا گناہ اور عار باقی رہ جاتا ہے اور ایسی کاہلی اور سستی جس کے بعد جہالت باقی رہ جاتی ہے اور ایسی مرادیں جو بغیر لطیف حیلوں اور تدبیروں کے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً جبکہ وہ کسی ذہین شخص سے حاصل کرنی ہو کیونکہ ذہین آدمی ذرا سے اشارہ سے مقصود سمجھ لیتا ہے لہٰذا جو شخص کسی ذہین سے اپنی مراد حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو نہایت باریک بینی اور نہایت لطیف حیلہ سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور حیلوں تدبیروں کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جو ذہن کو جلا بخشتے ہیں جن میں سے کچھ واقعات ہم نے اپنی کتاب الاذکیاء میں بھی ذکر کیے ہیں۔

مثلاً یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شریف آدمی جو نہ کسی کے لیے کھڑا ہوتا تھا اور نہ کسی سے ڈرتا اور لحاظ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پاس سے ایک وزیر کا گزر ہوا۔ وزیر نے اس کو سلام کیا تو نہ اس نے جواب دیا نہ اس کے لیے کھڑا ہوا۔ وزیر نے ایک شخص سے کہا کہ جاؤ فلاں سے (یعنی اسی خوددار شریف سے) بتلا دو کہ میں نے اس کے متعلق امیر المؤمنین سے گفتگو کی ہے اور امیر المؤمنین نے اسکے لیے ایک لاکھ درہم کا فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ آئے اور اپنے پیسے لیجائے' اس آدمی نے شریف کو اطلاع دی تو اس نے کہا ''اگر بادشاہ نے میرے لیے کچھ درہموں کا فیصلہ کیا ہے تو میرے پاس بھیجنا چاہیے' میں سمجھتا ہوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں ان درہموں کی خاطر بار بار حاضری دے کر اپنے کو جھکاؤں'' لہٰذا جب

کسی ذہین آدمی سے واسطہ ہو تو اس سے بہت بچ کر احتیاط سے رہنا چاہیے۔ مختلف حیلوں سے چپکے چپکے اس سے اپنی غرض حاصل کرتا رہے اور اس کا خیال رکھے کہ کیا باتیں اس ذہین سے پیش آ سکتی ہیں لہٰذا ان سے بچتا بھی رہے۔

بہت سے ذہین وذکی حضرات جب کسی ذہین آدمی سے اپنا مقصد پورا ہوتا نہیں پاتے تو مال دے کر اس کی توقیر میں اضافہ کر کے اس کو شکار کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس کی سمجھ کم ہوئی تو جال میں پھنس جاتا ہے اور اگر فطانت میں بڑھا ہوتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ اس چارے کے نیچے ایک چھپا ہوا جال بھی ہے۔ پھر مزید احتیاط شروع کر دیتا ہے۔

اور سب سے زیادہ قابل اجتناب تو وہ شخص ہے جس کو کوئی تکلیف پہنچی ہو اور وہ بدلہ نہ لے سکا ہو کیونکہ جب تم کسی کو تکلیف پہنچاتے ہو تو سمجھ لو کہ تم اس کے دل میں دشمنی کا ایک بیج بوتے ہو۔ لہٰذا اس بیج کے پھلنے پھولنے کو بھولو مت اور اگرچہ وہ قسم کھا کھا کر اظہار محبت کرے لیکن اس کی محبت پر مت جاؤ اور اگر کبھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تو محتاط ہو کر رہو۔

یہ بھی غفلت کی بات ہے کہ تم کسی کو سزا دو یا اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرو اور تم یہ جانتے بھی ہو کہ وہ شخص کینہ پرور ہے ان سب کے باوجود جب تم اس کو دیکھو کہ وہ تمہارے سامنے جھک رہا ہے' فرمانبرداری کر رہا ہے' اپنے کرتوت سے توبہ اور معافی پر آمادہ ہے تو تم اپنی کی ہوئی بدسلوکی کو بھول کر اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کر لو اور یہ سمجھ لو کہ تمہاری بدسلوکی اس کے دل سے مٹ چکی ہوگی حالانکہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے لیے آزمائشیں کھڑی کر دے جال لگا دے۔ جیسا کہ ''زباء'' کے ساتھ ''قصیر'' کا قصہ ہوا جس کا واقعہ مشہور ہے۔

لہٰذا خبردار اس شخص سے مطمئن مت ہونا جس کو تم نے کبھی ستایا ہو اور اگر کسی وقت ساتھ رہنا ضروری ہی ہو جائے تو باہر باہر سے تعلق رکھو کیونکہ کینے اور سینہ کی جلن سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا ہے۔

اور جب تم اپنے دشمن میں غفلت دیکھو کہ وہ اس طرح کی ہوشیاری نہیں رکھتا ہے تو اس کے ساتھ احسان کر دو وہ تمہاری دشمنی کو بھلا دے گا اور یہ نہیں سمجھ سکے گا کہ تم اس کے برے سلوک کا بدلہ لینے کا خیال دل میں لیے بیٹھے ہو تب تم کو اس پر ایسی قدرت مل جائے گی کہ تم اس سے اپنی سب غرض حاصل کر سکو گے۔

دشمن سے اظہار دشمنی کر دینا کمزوری اور بے وقوفی کی بات ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا رہے۔ یہاں تک کہ ان کا دبدبہ توڑنے کا موقع مل جائے کیونکہ اگر بالفرض یہ موقع نہ مل سکا تو نرمی کی وجہ سے آدمی خود ان کے ہاتھوں کی تکلیفوں سے تو محفوظ رہے گا اور یہ بھی فائدہ ہے کہ بعض دشمن تمہارے حسن سلوک کی وجہ سے شرمندہ ہوں گے تو ان کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔

بعض سلف کا یہ حال تھا کہ جب ان کو یہ خبر پہنچتی کہ فلاں شخص نے انہیں گالی دی ہے تو وہ اس کے پاس ہدیہ بھیج دیتے اور اس کو تحفہ دیتے۔ اس طرح بہت جلد اس کے شر سے محفوظ ہو جاتے۔ گویا یہ اس کے دل کے بدلنے کی ایک تدبیر کرتے تھے اور اس کے ذریعہ ان کو اس کا موقع بھی مل جاتا تھا کہ اگر چاہیں تو اس کے خلاف کوئی تدبیر کر سکیں۔

ویسے اگر آدمی کا ذہن انجام پر نظر رکھنے اور غور و فکر کا عادی ہو تو یہی چیز ہر ممکن حادثہ کے وقت رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

راز کی حفاظت

مجلس.... میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے راز کے اظہار پر قابو نہیں رکھتے ہیں اور جب لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر ان لوگوں پر خفا ہوتے ہیں جن سے اظہار کیا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ خود تو اس کے روکنے پر قادر نہیں ہو سکے اور ان کو ملامت کرتے ہیں جنہوں نے اس کو پھیلایا۔ حدیث شریف میں ہے:

استعینوا علی قضاء امورکم بالکتمان.

”اپنے امور کی انجام دہی میں اخفاء اور پوشیدگی کے ذریعے مدد حاصل کرو۔“

سچی بات یہ ہے کہ نفس پر کسی راز کو چھپائے رکھنا بڑا شاق ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے ظاہر کر دینے کو راحت خیال کرتا ہے خصوصاً جب کہ بیماری یا غم یا عشق کا معاملہ ہو۔

اور ان چیزوں کا افشاء کرنا تو پھر بھی غنیمت ہے۔ اصل موقع حفاظت کا یہ ہے کہ آدمی جب کسی سے اپنی کوئی غرض حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کی تدبیر اور حیلہ کو راز میں رکھے کیونکہ مقصد پورا ہونے سے پہلے اس حیلہ کا ظاہر ہو جانا ہی بدتدبیری ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب

راز ظاہر ہو جائے گا تو اس کا حیلہ اور مقصود برباد ہو جائے گا۔ لہٰذا جس نے اس قسم کا راز ظاہر کر دیا (وہ قابل ملامت ہے) اس کا کوئی عذر مقبول نہیں ہے۔

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنگ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو ہمیشہ دوسرے رُخ جانے کا خیال ظاہر فرماتے تھے (اس طرح سے دشمن دھوکہ میں رہتا اور آپ اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے اور جنگ میں اس طرح کی چالیں محمود ہیں آپ نے خود ہی فرمایا ہے "الحرب خدعة" جنگ تو دھوکہ ہی کا نام ہے۔۱۲)

اگر کوئی کہے کہ میں اپنا راز اپنے معتمد سے کہتا ہوں (تو اس میں کیا خرابی ہے؟) تو اس سے کہا جائے گا کہ (یاد رکھو) جب کوئی بات دو آدمیوں سے آگے بڑھی بس سمجھ لو کہ وہ پھیل گئی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمہارا وہ معتمد دوست اس راز کو چھپاتا نہیں ہے۔

ہم نے کتنے واقعات ایسے سنے ہیں کہ بادشاہ نے کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور اس کو کسی سے بیان کر دیا۔ پھر وہ بات اس شخص تک پہنچ گئی وہ بھاگ نکلا اور بادشاہ کا مقصود فوت ہو گیا۔ لہٰذا محتاط آدمی وہی ہے جس کا راز اس کی ذات سے آگے نہ بڑھے اور نہ خود وہ کسی سے اس کو ظاہر کرے۔

"سب سے بڑی حماقت اپنا راز بیوی اور بچوں سے ظاہر کر دینا ہے۔"

مال بھی ایک راز ہے اور دوسروں کو اس کی خبر لگ جانا بہت سی مشقتیں لاتا ہے۔ اگر زیادہ ہوا تو چاہیں گے کہ برباد ہو جائے اور اگر تھوڑا ہوا تب بھی اس کے وجود سے ان کو پریشانی لاحق رہے گی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مال کی کثرت کے اعتبار سے نفقہ بھی زیادہ مانگتے ہیں اس طرح خرچ کی زیادتی سے اس مال کو برباد کر ڈالتے ہیں۔

مصیبتوں اور آفتوں کا چھپائے رکھنا بھی راز کی حفاظت کی طرح ہے کیونکہ اس کے اظہار سے دشمنوں کو خوشی ہوتی ہے اور دوستوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اسی طرح عمر کی مقدار کا چھپانا بھی مناسب ہے کیونکہ اگر عمر زیادہ ہوگی تو لوگ چاہیں گے کہ بالکل بیکار بڈھا ثابت کریں اور اگر کم ہوئی تو حقیر سمجھیں گے۔

اور وہ غلطی جس میں بہت سے کوتاہ فہم مبتلا ہو گئے یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر کسی امیر حاکم یا بادشاہ کا برا تذکرہ کرنے لگے پھر یہ بات اس حاکم یا بادشاہ تک

پہنچ گئی جوان کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دوست کا اخلاص کامل سمجھتے ہوئے اپنا راز اس سے بتلا دیتا ہے۔حالانکہ کہا گیا ہے:

احذر عدوک مرة واحذر صدیقک الف مرة

فلربما انقلب الصدیق فکان ادری بالمضرة

"اپنے دشمن سے تو ایک درجہ احتیاط کرو اور اپنے دوست سے ہزار درجہ کیونکہ کبھی دوست دشمن ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ نقصان پہنچانے کے طریقوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔"

بعض لوگ اپنا کوئی راز بیوی یا دوست سے بتا کر اس کے قابو میں آ جاتے ہیں یعنی پھر وہ اس ڈر سے بیوی کو طلاق دینے یا دوست کو چھوڑنے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ کہیں وہ گندا راز ظاہر نہ ہو جائے۔لہٰذا محتاط شخص وہی ہے جس نے لوگوں کے ساتھ ظاہر کے مطابق معاملہ کیا اور اس کے راز نے اس کے سینہ میں تنگی پیدا نہیں کی۔اس طرح کہ اگر اس کی بیوی یا کوئی دوست یا خادم اس سے جدا ہو جائے تو اس کے متعلق کوئی ایسا الزام نہ لگا سکے جو اس کو ناگوار ہو۔

سب سے بڑا راز خلوت اور تنہائی ہے لہٰذا محتاط آدمی کو خلوت میں جبکہ کسی کے دیکھنے کا اندیشہ ہو بہت کھل کر رہنے سے پرہیز لازم ہے۔

اور اصل یہی ہے کہ جس شخص کے پاس روشن عقل ہوگی اس کو ان نصیحتوں سے پہلے خود اس کی عقل ہی صحیح طرز عمل کے متعلق رہنمائی کر دے گی۔

علم کی یادداشت اور اس کا تکرار

مجلس.....میں نے علم کی یادداشت اور اس کے تکرار سے زیادہ دشوار کوئی اور چیز نہیں پائی۔خصوصاً ایسے علم کا تکرار و مطالعہ جس کے یاد کرنے اور دُہرانے میں کوئی لذت نہ ہو جیسے فقہی مسائل اس کے برخلاف شعر اور فن سجع و قافیہ اگرچہ دشوار فن ہیں لیکن ان کے تکرار میں لذت ملتی ہے کم از کم ایک دو بار تو لطف حاصل ہوتا ہی ہے پھر اس کے بعد اگرچہ دشوار معلوم ہونے لگتے ہیں لیکن فقہ کی دشواری سے کم۔

اور یہی حال ان دوسرے فنون کا بھی ہے جو طبیعت کے نزدیک سہل اور پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ طبیعتیں حدیث، شعر، تصانیف اور کتابت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں ہر گھڑی ایسی چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں جو اس سے پہلے نہیں گزری تھیں (جبکہ فقہ میں روزمرہ کے مسائل اور پرانی بحثیں زیادہ ہوتی ہیں) پس ان کی مثال بہتے پانی کی طرح ہوتی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا آتا رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کتابوں کی نقل و کتابت میں مشغول ہو وہ کتابوں کو سننا سمجھنا یا کوئی کتاب تصنیف کرنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ جدت سے لذت بھی پا رہا ہے اور تکرار و اعادہ کی مشقت سے راحت میں بھی ہے۔

لیکن سمجھدار آدمی کو اپنا زیادہ وقت تکرار و مطالعہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ خصوصاً بچہ اور جوان کو کیونکہ بچوں اور جوانوں کا یاد کیا ہوا ایسا راسخ ہو جاتا ہے کہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ پھر جب تکرار سے تھک جائے تو اس وقت میں نقل و کتابت کا کام کرے۔

اور تکرار کے وقت میں طبیعت کو نقل و کتابت کی طرف لپکنے سے بچائے بلکہ اس پر زور ڈال کر تکرار میں لگا دے کیونکہ اگر اس وقت طبیعت کو قابو میں کر لیا تو پھر صبح کے وقت، رات بھر چلتے رہنے والے کی طرح خوش ہوگا ورنہ پھر فکر و فتویٰ کی ضرورت کے وقت "کسعی" کی طرح پشیمان ہونا پڑے گا۔

یاد کرنے کے متعلق اس نکتہ کا لحاظ ضروری ہے کہ عالم کوئی سبق یاد کرتا ہے اور اس کو دہراتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے اور بھول جاتا ہے تب اس کو یاد کرنے کے لیے پھر سے وقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مضبوط یاد کرے اور بار بار دہرائے تا کہ حفظ کا ستون خوب ثابت ہو جائے۔

خلوت

مجلس....میں مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے زیادہ مفید کوئی اور صورت نہیں جانتا ہوں۔ خصوصاً عالم اور صوفی کے لیے۔ اس لیے کہ لوگوں میں یا تو مصیبت پر خوش ہونے والے ملتے ہیں یا نعمت پر حسد کرنے والے یا پھر نکتہ چینی کرنے والے۔

---

[1] پہلے جب یہ مطابع اور پریس نہ تھے کتابیں حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ کہیں کوئی کتاب مل جاتی تو اس کو خود نقل کر لیتے یا ناسخ (کاتب) سے نقل کروا لیتے تھے۔ لہٰذا بعض حضرات علم کی تحصیل اسی کو سمجھتے تھے کہ جس جگہ کوئی کتاب مل جائے اس کو نقل کر لو علم بھی حاصل ہوگا اور کتاب بھی۔ اب ظاہر ہے کہ اس نقل میں جو سہولت ہے وہ یاد کرنے اور دماغ پر بوجھ ڈالنے میں کہاں ہے۔ ۱۲ حمزہ

''پس کس قدر بالذت ہے یا خلوت! جو محفوظ ہوتی ہے غیبت کی کدورتوں سے' بناوٹ کی آفتوں سے' نمائش اور زینت کی حالتوں سے اور وقت کی بربادی کی مصیبتوں سے۔''

پھر یہ بھی دیکھو کہ خلوت میں دل کو فکر کے ساتھ تنہائی ملتی ہے جبکہ میل جول کی صورت میں وہ اس کی طرف توجہ نہیں کر سکتا تھا پھر اس کو (فکر کے ساتھ مل کر) اپنی دنیا اور آخرت کے متعلق تدبیریں سوچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جیسے پرہیز کہ پرہیز کرنے سے معدہ میں آنتوں کو غذاؤں کے ساتھ تنہائی مل جاتی ہے تو وہ ان کو پگھلا دیتی ہیں۔

میں نے اختلاط یعنی میل جول رکھنے والے سے زیادہ بیوقوفی کا کام کرنے والا کوئی نہیں دیکھا کیونکہ وہ لوگوں سے ملاقات اور ان کی گفتگو کے اعتبار سے صرف اپنی موجودہ حالت پر نظر رکھتا ہے اور آئندہ حاصل ہونے والے کمالات سے محروم رہ جاتا ہے جیسے کوئی آدمی جو ایسے سفر کا ارادہ رکھتا ہو جس کی مدت قریب آچکی ہو (اور کاروان سفر کوچ کے لیے تیار ہو) لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ کوچ کا طبل بجا دیا جائے اور یہ زادِ سفر نہ مہیا کر سکے۔

اگر بالفرض خلوت میں اس کے سوا کوئی اور فائدہ نہ ہوتا کہ اس میں زادِ سفر کے متعلق سوچنے کا موقع اور میل جول کے شرور فتن سے حفاظت رہتی ہے تو یہی اتنا فائدہ بھی کافی تھا (جبکہ اس میں اور بہت سے فوائد بھی ہیں)

البتہ یہ خلوت اور گوشہ نشینی درحقیقت علماء اور صوفیاء کے لیے مناسب ہے کیونکہ یہ لوگ گوشہ نشینی کا مقصود سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ چنانچہ عالم کا حال یہ ہوتا ہے کہ (خلوت میں) علم اس کا ساتھی ہوتا ہے' کتابیں اس سے گفتگو کرتی ہیں' سلف کے حالات کا مطالعہ اس کی اصلاح کرتا ہے اور گزشتہ زمانہ کے واقعات میں غور و فکر اس پر راز منکشف کرتا رہتا ہے اور اگر وہ اپنے علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ تک پہنچ گیا اور اس کی محبت کے دامن کو تھام لیا تو پھر اس کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے اور وہ ساری کائنات سے رُخ پھیر کر اسی میں مشغول ہو جاتا ہے پھر تو وہ اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کی لذت پاتا ہے اور اپنے علم کے تقاضوں پر عمل میں لگ جاتا ہے۔

اسی طرح صوفی کی بندگی اور عبادت (خلوت میں) اس کی غم خوار ہوتی ہے اور اس کا معبود اس کا ہم نشین۔ پھر اگر اس کی نگاہوں کے سامنے خالق کی کچھ تجلیات منکشف کر دی

جاتی ہیں تو وہ مخلوق سے گم ہو جاتا ہے اور مخلوق بھی اس کی نگاہوں سے غائب ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طبقے صرف ان چیزوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں جو ان کے لیے مضر ہوں اس لیے یہ لوگ جماعت کے درمیان رہتے ہوئے بھی خلوت میں رہتے ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں گروہ مخلوق کے شر سے محفوظ ہیں اور مخلوق ان کے شر سے نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ دونوں طبقے عبادت گزاروں کے پیشوا اور سالکین کے لیے نشان راہ ہیں۔ان کے کلام سے سننے والے نفع اُٹھاتے ہیں ان کی نصیحتوں سے آنسو بہتے ہیں اور مجلسوں میں ان کی ہیبت قائم ہوتی ہے۔

پس جو چاہتا ہو کہ ان دونوں میں سے کسی کی مشابہت اختیار کرے تو اس کو خلوت پر صبر کرنا چاہیے۔اگرچہ طبیعت آمادہ نہ ہوتا کہ یہ ناگواری کی کڑواہٹ ترقی کا شہد پیدا کرے۔

اللہ کی پناہ! اس عالم سے جو عالم سے میل جول رکھتا ہو۔خصوصاً بادشاہوں اور مال داروں سے اختلاط رکھنے والا جو کچھ تو حاصل کرتا ہے اور کچھ گنواتا ہے کچھ چھینتا ہے اور کچھ لٹا دیتا ہے لہٰذا اس کو جتنی دنیا حاصل ہوتی ہے اس سے زیادہ اس کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔

پھر بتاؤ کہ فاسقوں کے سامنے جھکنے سے اس کی نفرت کہاں چلی گئی؟

لہٰذا جو عالم اس کی پرواہ نہ کرے وہ وہی ہو سکتا ہے جس نے علم کا مزانہ پایا ہو اور علم کی مراد نہ سمجھا ہو۔گویا کہ وہ اپنے علم کے ساتھ جبکہ قحط زدہ آبادی اور آرزوؤں کے چٹیل صحرا میں ہو ہلاک ہونے والا ہے۔

اور ایسا ہی ہے بنا ہوا صوفی جبکہ میل جول رکھے اور بد پرہیزی کرے کیونکہ اس کے قدم دکھاوے بناوٹ اور نفاق کی طرف اُٹھ جاتے ہیں پھر دونوں حصے فوت ہوتے ہیں نہ تو دنیا ہی کی نعمتیں پوری حاصل ہوتی ہیں اور نہ آخرت کی۔

اللہ رب العزت سے ہم سوال کرتے ہیں ایسی شیریں خلوت کا اور شر سے کنارہ کشی کا جس میں وہ ہم کو اپنی مناجات کے لائق بنا دے اور ہم میں سے ہر ایک کو طلب نجات کی توفیق عطا فرمائے۔بلاشبہ وہ قریب ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے۔

بوڑھوں کو نصیحت

مجلس.....کتنا بیوقوف ہے وہ شخص جو نہیں جانتا ہے کہ موت کب آ جائے گی اس

کے باوجود موت کے لیے تیاری نہیں کرتا اور سب سے زیادہ احمق اور غافل وہ ہے جو ساٹھ کی عمر سے آگے بڑھ کر ستر کے قریب ہو چکا ہو کیونکہ ساٹھ اور ستر کا درمیانی حصہ "مُعْتَرَکُ الْمَنَایَا" (موت کا میدان جنگ) کہا جاتا ہے اور جو شخص میدان میں اترتا ہے تیاری کرتا ہے لیکن یہ اس کے باوجود تیاری سے غافل ہے۔

قَالَ الشَّبَابُ لَعَلَّنَا فِیْ شَیْبِنَا نَدَعُ الذُّنُوْبَ فَمَا یَقُوْلُ الْاَشْیَبُ

"جوان تو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اُمید ہے کہ بڑھاپے میں گناہ چھوڑ دیں گے لیکن آخر یہ بوڑھے کیا کہتے ہیں؟ (یہ کب چھوڑیں گے؟)

واللہ بوڑھوں کے لیے ہنسی کے کوئی معنی نہیں اور مذاق وتفریح قابل تعجب ہے اور جب کہ دنیا اس کو دھتکار چکی ہے پھر بھی اس کے پیچھے پڑے رہنا قویٰ کو کمزور اور عقل کو ضعیف بناتا ہے۔

بھلا کیا ساٹھ سال کے بوڑھے کے لیے کوئی اور منزل باقی رہ گئی ہے؟

اگر اس کو ستر کی لالچ ہے تو دیکھو کہ وہ ستر کی عمر تک سخت مشقتوں کے ساتھ پہنچ پاتا ہے' کھڑا ہوتا ہے تو زمین پر ٹیکتا ہے' چلتا ہے تو زبان باہر آ جاتی ہے اور بیٹھتا ہے تو ہانپتا ہے' دنیا کی خواہشات کو دیکھتا ہے لیکن ان کو برتنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے کیونکہ اگر کھایا تو معدہ کو ستایا اور ہضم میں دشواری ہوئی اور اگر صحبت کی تو بیوی کو ستایا اور خود بھی بیمار ہوا پھر جو قوت چلی گئی اس کو جلدی واپس بھی نہیں لا سکتا۔ غرض بالکل قیدیوں کی زندگی بسر کرتا ہے۔

اور اگر اسی (۸۰) کی رغبت ہوئی تو سمجھ لو کہ وہ اس عمر کی طرف بچوں کی طرح گھسٹتا ہے۔

وَعَشَرُ الثَّمَانِیْنَ مَنْ خَاضَهَا فَاِنَّ الْمُلِمَّاتِ فِیْهَا فُنُوْنُ.

"اسی (۸۰) کی دہائی میں جو غور کریگا اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں طرح طرح کی مصیبتیں ہیں۔"

پس سمجھ دار وہی ہے جس نے زمانہ کی مقدار کو سمجھا (پھر اس کے مطابق معاملہ کیا)

دراصل انسان...... جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بلوغ سے پہلے ایسا بچہ ہوتا ہے جس کو اپنی عمر کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کو سمجھ عطا کی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض بچوں میں ایسی سمجھ ہوتی ہے جو انہیں بچپن ہی سے اچھے اخلاق اور علوم کی تحصیل پر ابھارتی ہے۔

پھر انسان جب بالغ ہو گیا تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ خواہشات سے مقابلہ اور علوم کے حصول کا زمانہ ہے۔

اور جب صاحب اولاد ہو جائے تو رہن سہن کے لیے کسب معاش کا زمانہ ہے۔ پھر جب چالیس کے سن کو پہنچ گیا تو سمجھ لے کہ اب اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اس نے زندگی کے مراحل طے کر لیے اور اب صرف وطن کی طرف سفر کرنا ہی رہ گیا ہے۔

کان الفتی یرقٰی من العمر معلما الٰی ان یجوز الا ربعین وینحط

''نوجوان اپنی زندگی میں اوپر کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ چالیس کا سن پار کر لیتا ہے پھر گرنا شروع کر دیتا ہے۔''

لہٰذا چالیس کی عمر پوری کرنے کے بعد اس کو ساری فکر آخرت (وطن اصلی) کے لیے زاد سفر مہیا کرنے کی کرنا چاہیے، ہر لحہ سامنے آنے والی منزل پیش نظر رکھے اور کوچ کے لیے تیاری میں لگ جائے۔ اگرچہ یہ نصیحت بیس کے سن والوں کے لیے بھی مناسب ہے لیکن کم عمروں کے لیے تلافی کا موقع مل جانے کی اُمید بھی ہوتی ہے (اگرچہ موہوم سہی) نہ کہ بوڑھوں کے لیے۔

اور جب ساٹھ کے سن کو پہنچ گیا تو سمجھ لو کہ اب اللہ تعالیٰ ہر لحہ اس کو مہلت دے رہے ہیں اور وہ اپنی عمر کے خطرناک حصہ میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا پوری طرح توشۂ سفر جمع کرنے اور سامان سفر مہیا کرنے میں لگ جائے۔ بس یہ سمجھے کہ ہر دن کی زندگی اس کو بطور غنیمت مل رہی ہے اس کو اپنی عمر کا حصہ نہ شمار کرے خصوصاً جبکہ کمزوری بھی طاری ہونے لگے۔

پھر جیسے جیسے عمر بڑھتی جائے عمل کی کوشش اور اہتمام بھی بڑھتا جائے اور جب اسی (۸۰) کی دہائی میں پہنچے تو یقین کر لے کہ اب کوچ کے سوا کچھ نہیں رہ گیا ہے اور اب صرف اپنی کوتاہیوں پر افسوس کیا جا سکتا ہے یا کمزوری کی حالت میں لشٹم پشٹم عبادت۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں ایسی کامل بیداری کا جو ہم سے غفلتوں کی نیند کو دور کر دے اور ایسے عمل صالح کی توفیق کا جس کے ہوتے ہوئے قیامت کے دن شرمندگی سے حفاظت رہے۔ ''واللّٰهُ الموفقِ''

علم کلام کا غلو

مجلس.... حضرات سلف رحمہم اللہ تعالیٰ جو علم کلام میں گفتگو سے منع فرماتے تھے وہ درحقیقت ایک بڑے خطرے کی وجہ سے تھا اور وہ یہ کہ (ایسی بحثوں میں لگ کر) انسان ایسی چیزوں میں غور و فکر شروع کر دیتا ہے جہاں اس کی نگاہ بصیرت کمزور پڑ جاتی ہے پھر کبھی متحیر ہو کر محجوب ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر شروع کریں گے تو عقل حیران اور حواس معطل و مبہوت ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ یہ کسی ایسی ذات کو جس کی کوئی ابتداء نہ ہو نہیں پہچان سکتے ہیں اس لیے کہ یہ تو صرف جسم، جوہر اور عرض کو جانتے ہیں لہٰذا جو چیز اس کے علاوہ ہو اس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اسی طرح اگر ہم باری تعالیٰ کے افعال میں غور و فکر شروع کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ایک جسم کو مضبوط کرتا ہے پھر اس کو توڑ دیتا ہے اور ہم کو اس کی حکمت معلوم نہیں ہو پاتی ہے۔ لہٰذا سمجھ دار آدمی کے لیے بہتر یہی ہے کہ جہاں تک اس کی نگاہ کی رسائی نہ ہو سکے اُدھر جھانکنے کی کوشش نہ کرے۔

جب عقل نے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو دیکھ کر اس کے وجود کو تسلیم کر لیا اور نبی کی بعثت کو ممکن مانا پھر معجزات کے ذریعہ اس کو بھی تسلیم کر لیا تو یہ چیز بے ضرورت امور کی کھود کرید کرنے کی مشقت میں پڑنے سے کافی ہو گئی اور جب اس نے بتایا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ'' تو اتنا کافی ہے۔

اب جو شخص مہارت دکھلانا چاہے اور کہے کہ تلاوت وہی ''متلو'' ہے یا ''غیر متلو'' ہے قرأت ہی ''مقروٗ'' ہے یا ''غیر مقروٗ'' تو وہ بے فائدہ وقت ضائع کر رہا ہے حالانکہ مقصود اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے (نہ کہ یہ کلامی بحثیں) چنانچہ ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے سارے ملک میں اپنے عمال کے پاس تحریر بھیجی کہ میں تم لوگوں کے پاس آنے والا ہوں لہٰذا یہ کام کر لو وہ کام کرالو وغیرہ۔ سب حاکموں نے تحریر پاتے ہی کام شروع کر دیا۔ البتہ ایک حاکم تحریر لے کر بیٹھ گیا اور یہ تحقیق شروع کی کہ بتاؤ بادشاہ سلامت نے اس کو کون سی روشنائی سے لکھا ہے؟ اور کھڑے ہو کر لکھا ہے یا بیٹھ کر؟ وہ یہی تحقیق کرتا رہا یہاں تک کہ بادشاہ آ گیا اور یہ اس کے فرمان پر عمل نہیں کر سکا تو بادشاہ نے سب کو تو انعام دیئے جانے کا فیصلہ کیا اور اس کو قتل کرا دیا۔

سچی اور جھوٹی لذتیں

مجلس....طالبان دنیا دنیا کی سچی لذتوں سے غافل ہیں کیونکہ سچی لذت تو علم کے شرف میں ہے' عفت کی خوبی میں ہے' پرہیز کی خودداری میں ہے' قناعت کی عزت میں ہے اور مخلوق پر احسان وکرم کرنے کی شیرینی میں ہے۔

رہا کھانے اور نکاح سے لذت کا حصول تو یہ لذت سے ناواقف شخص کا کام ہے کیونکہ نکاح اور کھانا خود مقصود نہیں ہوتے (یعنی ان میں کوئی ذاتی خوبی نہیں ہوتی) بلکہ یہ بدن میں طاقت اور اولاد کے لیے ہوتے ہیں۔

پھر یہ سوچو کہ نکاح میں کون سی لذت ہے؟ مباشرت سے پہلے تو لذت ملتی نہیں ہے اور مباشرت کے وقت بھی ایک قلق حاصل ہوتا ہے اور اس کے بعد تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی لذت حاصل ہی نہ ہوئی ہو اور نتیجہ میں بدن کی کمزوری وہ الگ ہے۔

اسی طرح ضرورت سے زائد مال جمع کرنے میں کیا لذت ہے؟ کیونکہ وہ اپنے جمع کرنے والے کو غلام بنائے رکھتا ہے۔ ساری رات اس کی حفاظت اور اس کے متعلق اندیشوں میں گزرتی ہے اور تھوڑا مال زیادہ کی طرف رغبت پیدا کرتا رہتا ہے۔

اور یہی حال کھانے کی لذت کا بھی ہے کہ بھوک کے وقت عمدہ اور معمولی کھانے سب برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر زیادہ کھالو تو جان کے لیے خطرہ ہو جاتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: فتنہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

۱- عورتیں: یہ تو شیطان کا بچھایا ہوا جال ہیں۔

۲- شراب: یہ اس کی تیز دھار تلوار ہے۔

۳- دینار و درہم: یہ دونوں اس کے زہر میں بجھے ہوئے تیر ہیں''۔

لہٰذا جو عورتوں کی طرف مائل ہوا اس کی زندگی صاف ستھری نہیں رہ سکتی جس نے شراب پسند کی وہ اپنی عقل سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور جس نے دینار و درہم کو پسند کیا وہ ساری زندگی ان کا غلام ہو کر رہے گا۔

خدا تعالیٰ کے اوصاف اور افعال عقل سے ماوراء ہیں

مجلس....عقائد کے سلسلے میں گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو مخلوق کے احوال پر قیاس کر لیا گیا۔

فلاسفہ نے جب دیکھا کہ کسی چیز کا بغیر کسی دوسری چیز کے (خود بخود) پیدا ہونا عادتاً محال ہے تو عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہو گئے اور جب ان کو ہر ہر چیز کا احاطہ دشوار معلوم ہوا تو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا اجمالی علم رکھتا ہے، تفصیل نہیں جانتا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ پرانا ہو کر یہ جسم ختم اور فنا ہو جاتا ہے تو اس کے دوبارہ پیدا کیے جانے کا انکار کر بیٹھے اور کہا کہ ''دراصل صرف روحیں اپنے اصل معدن کی طرف لوٹیں گی۔'' (جسم نہیں کیونکہ وہ تو فنا ہو چکا ہے)

اور جس نے بھی خالق کی صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس کیا ہے وہ کفر کی راہ پر چل پڑا ہے۔ چنانچہ فرقہ مجسمہ (جو اللہ کے لیے جسم ثابت کرتا ہے ہاتھ پیر اور تمام اعضاء انسانی کو ثابت مانتا ہے) اس مصیبت میں پڑ گیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو ان چیزوں کے ساتھ مان لیا جو عقل میں آ سکیں۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور انتظام کا ہے کہ جس نے اس کو اپنی عقل عادی کی کسوٹی پر رکھا وہ حیوانات کے ذبح کو پسند نہیں سمجھتا، بیماریوں کو برا سمجھتا ہے اور بیوقوفوں کی مالداری اور عقل مندی کی محتاجی کو حکمت کے خلاف جانتا ہے حالانکہ یہ مخلوق کے درمیان اچھائی یا برائی کا معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند تو ایسی ہے کہ انسانی عقل اس کی حکمت تک رسائی نہیں پا سکتی۔

ہاں البتہ عقل کے نزدیک اس کا وجود، اس کی سلطنت، حکومت اور حکمت ثابت ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب مخلوق کی عادت کے مطابق اس کے فیصلوں کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرنا جہالت ہے۔

کیا تم سب سے پہلے معترض ابلیس کو نہیں دیکھتے؟ کیسا اس نے مناظرہ کیا اور کہا ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' جبکہ اس کے خلیفہ ابو العلاء معری کا قول ہے:

رایٰ منک مالا یشتھی فتزندقا

''اس نے تجھ سے اپنی خواہش کے خلاف دیکھا تو تیرے دین سے پھر گیا۔''

بھلا دیکھو! ہم اس کے افعال اور فیصلوں کی توجیہ تو کر نہیں سکتے پھر اس کی ذات کے متعلق کوئی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اس کے معاملہ کو اپنے حالات پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں؟

پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ اور چچا کے متعلق دعا کرتے ہیں اور وہ قبول نہیں کی جاتی' بھوکے تڑپتے ہیں حالانکہ ساری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قتل کیے جا رہے ہیں حالانکہ نصرت اور مدد آپ کے رب کے قبضہ میں تھی تو کیا عقل حیرت میں نہیں رہ جاتی ہے؟

لہٰذا ایسے مالک (اور حکیم) پر ہم کو اعتراض کی کوئی مجال نہیں جس کی حکمت ثابت ہو چکی ہے اور جس کی حکومت قائم۔

فضیلت بقدر محنت

مجلس.... میں نے ایک عجیب نکتہ سوچا کہ نفیس اور قیمتی چیزوں کی یافت کا راستہ ہمیشہ بہت لمبا اور اس کی تحصیل میں بہت مشقت ہوتی ہے۔

مثلاً علم جو سب سے زیادہ قابل شرف نعمت ہے بغیر تعب و مشقت راتوں کی بیداری' بار بار تکرار و مطالعہ اور راحتوں و لذتوں کی قربانی کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ایک فقیہ نے فرمایا کہ کئی سال تک میں "کھچڑا"[1] کھانے کی خواہش کے باوجود کھا نہیں سکا کیونکہ جس وقت وہ بازار میں فروخت ہوتا تھا وہی وقت میرے سبق میں حاضری کا ہوتا تھا۔

یہی حال مال و دولت کی تحصیل کا بھی ہے کہ اس میں طرح طرح کے خطرات اسفار اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح سخاوت اور بخشش کے شرف میں بھی محبوب چیزوں کو خرچ کرنے میں نفس سے مجاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی سخاوت کے نتیجہ میں فقر تک کی نوبت آ جاتی ہے۔

اور یہی معاملہ شجاعت و بہادری کا ہے کہ بغیر جان کو خطرات میں ڈالے ہوئے

---

[1] یہ لفظ "هَرِیْسَة" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ دراصل "ہریسہ" اس کھانے کو کہتے ہیں جو گوشت اور کوٹا ہوا گیہوں ملا کر تیار کیا جاتا ہے چونکہ ہمارے دیار میں اس طرح کے کھانے کو "کھچڑا" کہتے ہیں اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا اور اسی "کھچڑے" کو خواص "حلیم" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ احمزہ

شجاعت کی شہرت نہیں حاصل ہوسکتی۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

لو لا المشقة ساد النّاس کلهم الجرد یفقر و الاقدام قتال.

''اگر مشقت نہ ہوتی تو سب لوگ بڑے ہوجاتے' سخاوت فقر لاتی ہے اور اقدام جنگ ہے۔''

اور آخرت میں ثواب حاصل کرنا بھی اسی قسم میں داخل ہے کیونکہ وہ بندگی اور کوشش کے بقدر خرچ کیے جانے والے مال کی وقعت کے بقدر اور ایسے موقع پر دل کو بے صبری اور شکایت سے روک لینے کے بقدر ہی بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے۔

''زہد اور تصوف'' میں بھی خواہش نفس سے صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ''پاکدامنی'' بھی بغیر شہوت کے ہاتھوں کو روکے ہوئے نہیں حاصل ہوتی۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے مشقت نہ برداشت کی ہوتی تو آپ کو ''اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ'' نہ کہا جاتا۔

اور اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں جو ان تمام فضیلتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہر علم وفن کو آخری درجہ تک حاصل کرتے' ہر عمل میں پوری کوشش کرتے اور ہر طرح کی نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں' پھر اگر ان کے بدن ان اعمال اور علوم کے کسی درجہ کی تحصیل سے کمزور ہوجاتے ہیں تو ان کی نیتیں کام کرتی ہیں۔ درانحالیکہ وہ سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔

پھر یہ کہ ان کا سب سے کامل حال یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اعمال پر نگاہ نہیں رکھتے بلکہ ان کو کامل ہونے کے باوجود حقیر خیال کرتے اور کوتاہیوں پر معذرت کرتے رہتے ہیں اور بعض اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ ان اعمال نیک میں مشغولی پر شکر بھی ادا کرتے ہیں جبکہ بعض حضرات اپنے اعمال کو کسی درجہ میں بھی نہیں رکھتے کیونکہ وہ اپنے اور اپنے تمام اعمال کو (اپنا تصور کرنے کے بجائے) اپنے آقا و مولیٰ کا تصور کرتے ہیں۔

ان باہمت حضرات کے برعکس کاہلوں' حریصوں اور شہوت پرستوں کا حال ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا کی قریبی لذتوں میں مشغول ہوئے تو ہر تعب و مشقت سے زیادہ بڑی مصیبت یعنی افسوس' حسرت اور غم میں مبتلا ہوجائیں گے۔

جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے صبری پر غور کیا اس کے سامنے صبر اور بے صبری کا فرق اور نفع اور گھاٹا ظاہر ہوجائے گا۔

جب میں نے سمندر سے موتی حاصل کرنے کو سوچا تو معلوم ہوا کہ سخت مشقتوں کے بعد ہی اس کا حصول ممکن ہے۔

اور اس مثال پر غور کرنے سے بہت سی مثالیں سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

پس صاحب توفیق وہی شخص ہے جس نے عمل کے موسم کو مختصر اور اس کے بدلہ کے زمانہ کو بے انتہا طویل دیکھ کر ایک ایک لحہ کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا اور ہر فضیلت کے حصول کی فکر میں لگ گیا کیونکہ اگر کوئی فضیلت چھوٹ گئی تو پھر اس کی تلافی کا کوئی موقع نہیں رہتا ہے۔

کیا حدیث شریف میں نہیں ہے کہ آدمی سے کہا جائے گا کہ ''پڑھتا جا اور چڑھتا جا' تیری منزل وہی ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے گا'' اب اگر آدمی قاعدے سے اس کو سوچے تو فوراً قرآن کریم حفظ کرنے کا ارادہ کر لے گا۔

یقین کا معیار

مجلس.... بھلا وہ شخص کیا مؤمن ہوا جس نے ظاہری عبادات ادا کیں اور ظاہری گناہوں سے بچا رہا۔ سچا مؤمن تو وہی ہے جس کا یقین پختہ ہو جس کے دل میں اعتراض نہ کھٹکتا ہو جس کی طبیعت وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دیتی ہو اور جب بھی آزمائش اس پر سخت ہو اس کا ایمان بڑھ جائے اور فرمانبرداری مضبوط ہو جائے۔

جب کبھی دعا کرے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے اس وقت اس کا دل یہ سوچ کر مطمئن رہے کہ میں خدا کا مملوک ہوں اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔

کیونکہ اگر اس کے دل میں کوئی اعتراض پیدا ہوا تو وہ بندگی کے مقام سے نکل جائے گا اور مناظرہ پر آمادہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابلیس کے ساتھ ہوا حالانکہ مضبوط ایمان کا اثر آزمائش کی سختی کے وقت ہی ہوتا ہے۔

آدمی دیکھتا ہے کہ حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام کی شخصیت پر ایک بدکار بادشاہ مسلط ہو کر آپ کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے اور آپ ذبح کر دیئے جاتے ہیں تو دل میں سوچتا ہے کہ جس ذات نے آپ کو نبی بنایا اس نے اس موقع پر کیا دفاع کیا؟

اسی طرح وہ تمام مواقع ہیں جہاں نبیوں اور مؤمنوں پر کافروں کو غلبہ ملا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کوئی دفاع نہیں ہوا۔ اب اگر دل نے یہ سوچ لیا کہ قدرت خداوندی دفاع سے عاجز تھی تو یہ کفر ہو گیا اور اگر اس کا یقین کیا کہ قدرت دفاع پر قادر تھی لیکن کیا نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کبھی مؤمنوں کو بھوکا رکھتے' کافروں کو آسودہ کرتے ہیں' نافرمانوں کو عافیت دیتے ہیں' فرمانبرداروں کو بیمار کر دیتے ہیں تو مالک کے اختیار کے سامنے جھکنے اور اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا' اگر چہ وہ فیصلہ دل میں رہے اور تڑپائے۔

دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو آپ اسی (۸۰) سال تک روئے لیکن مایوس نہیں ہوئے پھر دوسرے بیٹے بن یامین بھی گم ہو گئے تو (مایوس ہونے کے بجائے)

فرمایا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّأْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا.

"ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو واپس لائیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لیے بددعا کی تو چالیس سال کے بعد قبولیت کا اثر ظاہر ہوا حالانکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کراتا رہا لیکن قدیم اور عظیم قدرت نے اس کا دفاع نہیں کیا۔ اسی طرح فرعون نے اسلام لانے والے جادوگروں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور ان کو سولی پر چڑھا دیا (مگر قدرت اس کو ڈھیل دیتی رہی)۔

کتنی مصیبتیں کسی بڑے مرتبہ والے پر اتریں مگر ان سے اس کی فرمانبرداری اور رضا میں اضافہ ہی ہوا۔ پس یہی وہ موقعہ ہے جہاں "رَضُوْا عَنْهُ" کا مطلب واضح ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر ایمان ویقین کی قوت ظاہر ہوتی ہے محض چند رکعات میں کیا رکھا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "عافیت میں سب برابر رہتے ہیں البتہ جب مصیبت اترتی ہے تب مراتب کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔"

کلامی بحثوں کے نقصانات

مجلس.... عوام کے حق میں سب سے نقصان دہ جماعت متکلمین کی ہے کیونکہ عوام

ان کی گفتگواوران کی بحثوں کواپنے عقائد میں داخل کر لیتے ہیں۔

کتنی بری بات ہے کہ ایک عامی شخص جو نہ نماز کے ارکان سے واقف ہے اور نہ خرید و فروخت اور سود کے مسائل سے ''متکلم'' کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے تو یہ اس کو بجائے اس کے کہ نماز میں سستی سے روکے اور سود سے چھٹکارے کی صورت بتلائے۔ اس سے کہتا ہے کہ قرآن تو قائم بالذات ہے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ (قرآن نہیں ہے بلکہ الفاظ اور کاغذ کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے) مخلوق ہے۔ یہ کہہ کر اس عامی کے دل سے قرآن کی عظمت نکال دیتا ہے پھر اس کو جھوٹے دعویٰ میں قرآن سے حلف اُٹھانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

برا ہو اس متکلم کا! کاش اس کو کچھ فہم ہوتی تو سمجھ لیتا کہ اللہ رب العزت نے کچھ ایسے ظاہری نشانات مقرر کر دیئے ہیں جن سے انسانی طبیعتیں مانوس و مطمئن ہو سکیں۔ مثلاً کعبہ جس کو اپنا گھر کہا اور عرش پھر اس پر اپنے استواء کا ذکر۔

اسی طرح اپنی صفات میں ہاتھ' کان' آنکھ کا ذکر کیا۔ آسمان دنیا پر نزول کو بتلایا' اپنے ہنسنے کا ذکر کیا' یہ سب محض اس لیے تاکہ انسانی طبیعتیں ان سے مانوس ہو جائیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی بے مثال ذات ان اعضاء سے پاک ہے۔ اسی طرح اس نے قرآن کی عظمت پیدا کرنے کے لیے بے وضو شخص کو اس کے چھونے سے منع کر دیا۔ لیکن پھر یہ معاملہ متکلمین تک پہنچا تو انہوں نے (اس قدر اس کی بے توقیری کی کہ) اس کے اوراق سے استنجاء تک جائز کہہ دیا اس لیے یہ لوگ شریعت کے دشمن ہیں کہ شریعت جس کی تعظیم دلوں میں بٹھانا چاہتی ہے یہ اس کی عظمت کو مٹانا چاہتے ہیں۔

بھلا کیا کلامی بحثوں میں غلو سے حقیقتوں کی ایسی معرفت ممکن ہے جس کے خلاف ہونا ناممکن ہو' دور ہو! اگر ایسا ہوتا تو متکلمین کے درمیان اختلافات نہ ہوتے کیا ایسا نہیں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین نے اس موضوع پر کچھ کلام نہیں کیا؟ اگرچہ ان کو بعض اصول سے واسطہ پڑا۔ پھر حضرات فقہاء علیہ الرحمہ کا دور آیا تو انہوں نے کلامی بحثوں میں لگنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے نتیجہ میں کیا حاصل ہوگا اور کیا کھو جائے گا۔ لہٰذا جس شخص نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ پر اکتفاء نہیں کی اور کلامی بحثوں کے

چھوڑنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کے مسلک پر قناعت نہیں کی تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ خواہ کوئی بھی ہوتم کو خدا کا واسطہ! ذرا سوچو تو سہی کیا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا. (سود نہ کھاؤ)

کی وجہ سے ہم پر سود کا چھوڑنا واجب نہیں ہوا؟ اور کیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا. (زنا کے قریب نہ جاؤ)

کی وجہ سے زنا کا ترک ضروری نہیں ہوگیا؟ پھر ''قرأت اور مقروٗ'' تلاوت اور متلوٗ ''قدیم اور حادث'' کی بحثوں سے ہم کو کیا فائدہ ہے؟ اگر کہا جائے کہ عقیدے کی درستگی تو ضروری ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرات سلف کا طریقہ سب سے واضح راستہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم کوئی عقیدہ تقلیداً نہیں اختیار کرتے بلکہ اس کو دلیل سے ثابت کرتے ہیں لیکن یہ دلیل جوہر، عرض اور جزء لایتجزی سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ بے ضرورت مباحث سے الگ ہوکر اس کو عقل کی موافقت کے ساتھ نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

موت کی حقیقت

مجلس.....عام عادت کے مطابق میں بھی بیوی بچوں میں سے کسی کے مرنے پر غم میں مبتلا ہوجاتا تھا اس لیے کہ جب یہ تصور ہوتا کہ قبروں میں یہ جسم سڑگل جاتے ہیں تو غم اور افسوس ہوتا۔

پھر میری نگاہوں سے چند ایسی احادیث گزریں جو اس سے پہلے بھی گزرتی رہتی تھیں مگر میں اس میں غور نہیں کرتا تھا۔ انہی حدیثوں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

انما نفس المؤمن طائر تعلق فی شجرالجنة حتّٰی یرده اللّٰه عزوجل الٰی جسده یوم یبعثهٗ.

''مؤمن کی روح کو پرندہ بنا کر جنت کے درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر جس دن اللہ تعالیٰ اس جسم کو دوبارہ اُٹھائیں گے تو وہ روح اس میں واپس کردیں گے۔''

میں نے سوچا کہ پھر تو یہ موت کا سفر راحت اور آرام کی طرف ہوتا ہے اور بدن کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک سواری کے مثل ہے جو جدا ہوکر خراب ہوجائے گی پھر دوبارہ

اُٹھائے جانے کے وقت نئی بنا کردی جائے گی۔لہٰذا اس کے سڑگل جانے کی فکر فضول ہے۔

اب طبیعت کو اس خیال سے پر سکون ہونا چاہیے کہ روحیں راحت کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔لہٰذا زیادہ غم نہ ہو اور اس تصور سے بھی کہ جلد ہی دوستوں سے ملاقات ہونے والی ہے۔

البتہ چونکہ عام طور پر لوگ ظاہری صورت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اس لیے اس پر افسوس ہوسکتا ہے کیونکہ انسان کی نگاہ تو اس خوبصورت جسم ہی پر پڑتی ہے جواب ختم ہوگیا ہے۔لہٰذا غمگین ہو جاتا ہے مگر یہ جسم تو آدمی نہیں ہے یہ تو آدمی کی سواری ہے جبکہ روحیں (باقی رہیں گی) خراب نہیں ہوں گی اور جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس بات کو تم اس پر قیاس کرلو کہ جب تم اپنا کوئی دانت نکال کر کسی گڑھے میں پھینک دیتے ہو تو کیا پھر پوری زندگی میں تمہیں کچھ خبر ہوتی ہے کہ اس دانت پر کیا گزری؟ پس جسم کا معاملہ بھی اسی دانت کی طرح ہے کہ روح کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کو کیا پیش آیا۔لہٰذا اپنے محبوب کے جسم کے سڑگل کر چور چور ہو جانے سے غم اور افسوس کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

بلکہ روحوں کی راحتوں کو، پھر ان کو نیا جسم مل جانے کو اور جلد ہی آپس میں سب کی ملاقات کو سوچو کیونکہ یہ سب سوچنے سے غم ہلکا ہو جائے گا اور معاملہ آسان معلوم ہوگا۔

راز اور مسلک

مجلس..... کسی بھی عقل مند آدمی کے لیے تنہائی میں کوئی ایسی گفتگو کرنا جس کے بارے میں یہ سوچ نہ چکا ہو کہ اگر یہ بات سب کے سامنے ظاہر ہو جائے گی تو کیا نقصان ہوگا اور کیا فائدہ ہوگا مناسب نہیں ہے۔

کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی دوست پر اعتماد کر کے اس کے سامنے بادشاہ وقت کے متعلق کوئی بات کہہ دیتا ہے پھر کسی ذریعہ سے بادشاہ کو اطلاع ہو جاتی ہے اور وہ اس کو قتل کرا دیتا ہے یا کسی دوسرے دوست کے متعلق کچھ کہا جو اس کو پہنچ گیا پھر اس کا نقصان پیش آیا۔

اور جیسے راز کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح اپنا مسلک بھی چھپانا دانش مندی ہے کیونکہ اس کے اظہار سے سوائے دشمنی اور عداوت کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ مقتدیٰ باللہ کے زمانہ میں جب شریف ابو جعفر نے اشاعرہ کی مخالفت کی تو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ یہاں تک

کہ مر گئے حالانکہ ان کو قید کرنے کا مقصد صرف فتنوں کو دبانا اور رعایا کی اصلاح تھا کیونکہ بادشاہ کے نزدیک کسی مذہب کے تعصب سے زیادہ فتنہ کا ازالہ اور رعایا کی اصلاح اہم ہے۔

حکمت خداوندی اور انسانی عقل

مجلس.... میں نے بہت سے غافلوں کو دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر ناراض ہوتے ہیں پھر ان میں بعض کمزور ایمان والے اعتراض کرنے لگتے ہیں اور بعض تو کفر کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ فیصلے ہو رہے ہیں، فضول اور عبث ہیں اور کہتے ہیں کہ پیدا کرنے کے بعد پھر فنا کر دینے سے کیا فائدہ ہے؟ اور جو ذات ہماری تکلیف سے بے نیاز ہے اس کی طرف سے آزمائش اور نزول بلاء کیوں ہے؟

ایک مرتبہ ایک ایسے ہی شخص سے جو اس طرح کے اشارے کر رہا تھا میں نے کہا کہ اگر تمہارا دل اور عقل ٹھکانے ہو تو میں تم سے گفتگو کروں اور اگر تم بغیر سوچے سمجھے محض مصیبت کو دیکھ کر بولتے رہو گے تو پھر تمہارے ساتھ گفتگو ضائع ہو گی، تمہارا برا ہو! اپنی عقل حاضر کرو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں غور سے سنو!

کیا یہ بات ثابت نہیں ہو چکی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ (ہم سب کے اور ساری کائنات کے) مالک ہیں؟ اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے؟ اور کیا یہ ثابت نہیں ہو چکا ہے کہ وہ حکیم ہیں اور حکیم کوئی فیصلہ فضول نہیں کرتا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کے حکیم ہونے کے متعلق تمہارے دل میں کچھ اور خیال ہے کیونکہ ہم نے جالینوس کی روایت سنی ہے کہ اس نے کہا ''میں کیا جانوں کہ وہ حکیم ہے یا نہیں؟'' اور اس کے اس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دیکھا کہ ایک جسم مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا جاتا ہے تو خالق کے حال کو مخلوق کے حال پر قیاس کر لیا کہ اگر کوئی آدمی کوئی چیز بنائے اور پھر بلا وجہ توڑ دے تو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا (اسی طرح خدا تعالیٰ بھی نعوذ باللہ) اگر جالینوس موجود ہوتا تو اس کا جواب یہ تھا کہ اس سے پوچھا جاتا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا توڑنا حکمت سے خالی ہوتا ہے؟ اور کیا تم کو اس نے جو عقل دی ہے اس کا بنانے والا وہی نہیں ہے؟ پھر کیا جو ذات تم کو ایسی کام عقل و ذہن دے سکتی ہے خود وہی اس سے محروم رہے گی؟

درحقیقت یہی مصیبت ابلیس کو بھی پیش آئی تھی کہ اپنی عقل کے زور پر خدا تعالیٰ کی حکمت کی نکتہ چینی کرنے لگا تھا حالانکہ اگر وہ سوچتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ عقل سے نوازنے والا عقل سے بلند تر ہوگا اور اس کی حکمت ہر حکیم کی حکمت سے کامل ہوگی کیونکہ اسی نے اپنی حکمت بالغہ سے تمام حکیموں کی عقلوں کو پیدا کیا ہے۔

یہ وہ مضمون ہے کہ جب کوئی منصف مزاج آدمی اس میں غور کرے گا تو اس کا شک دور ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ارشاد:

اَلَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ۔ ''کیا تمہارے لیے تو لڑکے اور خدا کے لیے لڑکیاں؟''

میں اسی طرح کے جواب کا اشارہ کیا ہے کہ کیا وہ اپنے لیے تو ''ناقصات'' کو تجویز کرے گا اور تم کو ''کاملین'' عطا کرے گا۔

لہٰذا ہمارے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ وہ ذات جو فیصلے بھی ہم پر کرے ہم اس کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز تصور کریں اور یہ کہیں کہ یہ فیصلہ ایک حکیم اور دانا ذات کا فیصلہ ہے جس نے ہم سے اس کی حکمت نہیں ظاہر کی۔

اور یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کشتی توڑے جانے اور خوبصورت لڑکے کے قتل کی حکمت مخفی رکھی گئی تھی)۔ پھر جب حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے اس کی حکمتیں بیان کیں تب آپ کو یقین ہوا۔ لہٰذا انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کم از کم ویسا ہی تصور کرنا چاہیے جیسا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہوا۔

غور کرو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم دستر خوان پر قسم قسم کے عمدہ کھانے سجے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کاٹے جا رہے ہیں چبائے جا رہے ہیں اور معدہ میں پہنچا کر خراب کیے جا رہے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ ہم اس کی ایک باطنی اور مخفی مصلحت سے واقف ہیں۔ اس طرح کے افعال کو چھوڑنے اور ان پر نکیر کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال میں کوئی ایسی باطنی مصلحت نہ مانی جائے جس کو ہم نہ جان سکے ہوں؟

سب سے بڑا نادان وہ مملوک غلام ہے جو اپنے آقا کے راز پر مطلع ہونے کا مطالبہ کرے کیونکہ اس کی ذمہ داری تو بس فرمانبرداری ہے اس کو اعتراض اور سوال کا کیا حق؟

اگران آزمائشوں میں جن کو طبیعتیں ناگوار سمجھتی ہیں صرف یہی حکمت ہوتی کہ ان کی وجہ سے عقلوں کو خالق کا یقین دلا کر اس کے سامنے جھکایا جائے تو کافی ہوتا۔

میں نے ایک عجیب نکتہ سوچا اور ممکن ہے کہ موت سے مقصود یہی ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایسے غیب میں ہیں جس کو انسانی حواس محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ اب اگر یہ جسم موت کے ذریعے توڑا نہ جاتا تو انسان کو خیال ہو سکتا تھا کہ وہ بغیر کسی کے بنائے ہوئے خود بخود پیدا ہو گیا ہے لیکن جب اس پر موت طاری ہوئی تو اس نے اس روح کو پہچانا جس کو بدن میں رہنے کی وجہ سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ پھر روح کے کوچ کرنے کے بعد عجیب عجیب حالات کا مشاہدہ کیا' پھر جب دوبارہ روح بدن میں واپس کی جائے گی تو بداہتہً اس کو یقین ہو جائے گا کہ کوئی ایسی ذات موجود ہے جس نے یہ روح بدن میں واپس لوٹائی ہے پھر وہ دنیا میں اپنے حالات کو یاد کرے گا کیونکہ جیسے جسم دوبارہ بنائے جائیں گے دنیوی یادداشتیں بھی لوٹادی جائیں گی۔ تو ایک کہنے والا کہے گا:

اِنَّا کُنَّا قَبۡلُ فِیۡۤ اَہۡلِنَا مُشۡفِقِیۡنَ.

''اس سے قبل ہم اپنے گھرانہ میں ڈرنے والوں میں سے تھے۔''

پھر جب دنیا میں آخرت سے متعلق کیے گئے وعدوں کو پورا ہوتا دیکھے گا تب تو اسے پورا پورا یقین ہو جائے گا۔

اور یہ واقعہ ہے کہ یہ یقین دوسروں کی موت اور زندگی سے نہیں حاصل ہو سکتا تھا بلکہ اس کے حصول کے لیے اپنا مشاہدہ ضروری تھا۔

پھر جب انسان کو ذات خداوندی کے وجود کا یقین ہو جائے گا تب اس کے لیے ایسا جسم بنا دیا جائے گا جو ہمیشہ رہے گا اور ایسی جنت میں سکونت اختیار کرے گا جس کو ختم نہیں ہونا ہے۔

حاصل یہ کہ اس یقین اور اعتقاد کے ذریعے ہی وہ اس لائق ہو سکے گا کہ اس کو خدا تعالیٰ کی معیت نصیب ہو کیونکہ وہ اس کے وعدوں پر ایمان لایا تھا' اس کی آزمائشوں پر صبر کیا تھا' اس کے فیصلوں پر اعتراض کے بجائے سر جھکا دیا تھا اور دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی تھی۔ چنانچہ ایسے ہی انسان سے کہا جائے گا:

اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ.

''لوٹ جا اپنے رب کے پاس راضی اور پسندیدہ ہو کر پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

رہے شک کرنے اور انکار کرنے والے! تو ان کے لیے جہنم میں جانا اور رہنا ثابت ہو چکا ہے کیونکہ انہوں نے دلیلوں کو دیکھا مگر ان سے فائدہ نہیں اُٹھایا' خدائے دانا وحکیم سے مقابلہ کیا اور اس پر اعتراضات کرتے رہے۔ لہٰذا ان کے کفر کی نحوست نے ان کے قلوب کو بجھا دیا اور وہ اسی حالت پر رہ گئے جس پر تھے۔ پھر جب انہوں نے دنیا میں دلیلوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا تو موت اور دوبارہ اٹھائے جانے سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

چنانچہ ان کے دلوں میں خباثت کے باقی رہ جانے کی دلیل یہ ارشاد ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَانُهُوْا عَنْهُ.

''اور اگر وہ لوٹائے گئے تو پھر وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کیے گئے تھے۔''

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں ایسی عقل جو اپنی حد پر رہے اپنے خالق اور مؤجد پر اعتراض نہ کرنے لگے۔

بربادی ہو اعتراض کرنے والے کی! کیا اس کا اعتراض تقدیر کے فیصلوں کو ٹال سکتا ہے؟ پھر بھلا سوائے رسوائی اور ذلت کے کیا فائدہ ہوا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس شخص سے جس کو اس نے رسوا کر دیا۔

مصیبت کے بعد راحت

مجلس.... صاحب ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ بیماری یا موت کے خیال سے گھبرائے۔ اگرچہ طبیعت پر قابو نہیں چلتا ہے لیکن جتنا ہو سکے' صبر کی کوشش کرنا چاہیے خواہ یہ سوچ کر کہ مشقتوں پر اجر حاصل ہوگا اور خواہ تقدیر پر رضا کو حاصل کرنے کے لیے جبکہ مصیبت کیسی ہی ہو تھوڑے وقت کے لیے ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جو شخص کسی بیماری میں مبتلا رہ چکا ہو وہ صحت کے زمانہ میں ان گھڑیوں کو سوچے جن میں وہ تڑپتا تھا کہ آخر وہ تکلیفیں کہاں ہیں؟ مصیبت زائل ہو گئی ہے اور ثواب لکھا جا چکا ہے۔

جیسے حرام لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور ان کا گناہ باقی رہ جاتا ہے اور تقدیر پر ناراضگی کا زمانہ گزر جاتا ہے لیکن اس کا عتاب باقی رہ جاتا ہے۔

موت سوائے اس کے اور کیا ہے کہ تکلیفیں اتنی بڑھ جائیں جس کے تحمل سے انسان عاجز ہو جائے پھر وہ تکلیفیں بھی زائل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا بیمار کو یہ تصور کرنا چاہیے کہ روح کے نکل جانے کے بعد راحت ہو جائے گی تا کہ وہ بیماری جس میں وہ مبتلا ہے ہلکی ہو جائے جیسے کڑوی دوا پیتے وقت یہ تصور رکھتا ہے کہ اس کے بعد صحت حاصل ہو جائے گی۔

اور جسم کے سڑ گل جانے کو سوچ کر بھی گھبرانے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ سڑنا اور گلنا سواری کو پیش آوے گا سوار تو (باقی رہے گا' پھر) جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔

لہٰذا اس بات کا پورا اہتمام کرنا چاہیے کہ رکاوٹوں کے پیش آنے سے پہلے ہی فضائل اور درجات میں اضافہ کر لے کیونکہ نیک بخت وہی ہے جس کو عافیت کے زمانہ کی قدر کی توفیق مل جائے اور عافیت کے وقت میں افضل سے افضل عمل کو حاصل کرتا رہے۔

خوب سمجھ لو کہ یہاں جس قدر فضائل حاصل کیے جائیں گے جنت میں اسی کے بقدر مراتب حاصل ہوں گے جبکہ عمر تھوڑی ہے اور فضائل بہت ہیں لہٰذا جلد از جلد فضیلتوں کے حصول کی کوشش میں لگ جانا چاہیے۔

ہائے کس قصدر طویل ہوگی یہاں کی مشقتوں کے بدلہ میں وہاں کی راحت' ہائے کیا خوب ہوگی۔ یہاں کے غمزدوں کے لیے وہاں کی فرحت اور ہائے کس قدر زیادہ ہوگی یہاں کے مبتلاء آلام کے لیے وہاں کی مسرت!

جب کبھی خیال آ جاتا ہے کہ جنت میں ہر لذت ہمیشہ رہے گی نہ اس میں کوئی کدورت شامل ہوگی اور نہ کبھی ختم ہوگی تو پھر ہر مصیبت اور سختی ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

غفلت کی حقیقت

مجلس.... ایک دن ہم ایک ایسے نوجوان کے جنازہ میں شریک ہوئے جو اس دنیوی زندگی کی بہترین متاع تھا تو میں نے دیکھا کہ اس موت کی وجہ سے زیادہ تر حاضرین دنیا کی مذمت' دنیا میں لگ کر مطمئن ہو جانے والوں کی عیب گیری اور موت کی تیاری سے

غفلت کرنے والوں کی برائی میں مشغول ہیں تو میں نے کہا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھ سے وہ بات بھی سنو جو تم نے اب تک نہیں سنی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ سمجھدار آدمی کو جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ موت قریب آ چکی ہے تو اس کی عقل کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ عمل میں جلدی کرے اور خوف کی وجہ سے قلق میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو یہ حال پیش آیا تو حیران ہو کر صحراؤں میں نکل گئے کئی کئی دن فاقہ میں گزار دیئے' راتوں کو سونا چھوڑ دیا' قبرستانوں میں رہنے لگے' پھر بہت جلد ہلاک ہو گئے۔

اور خدا کی قسم! جس چیز سے ڈر کر انہوں نے ایسا کیا وہ ان افعال سے بھی زیادہ کی مستحق تھی لیکن وہی عقل جس کا تقاضا یہ قلق تھا اسی کو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کو ایسی بات سمجھاتی ہے جس سے سکون حاصل ہو۔ چنانچہ کہتی ہے کہ یہ بدن اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ روح کے لیے سواری کا کام کرے جیسے اونٹنی کہ اپنے سوار کو لیے رہتی ہے اور اونٹنی کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا ضروری ہونا ظاہر ہے تا کہ سفر مقصود طے ہو سکے۔ لہٰذا عقل کے نزدیک ہر دم جاگنا اور ہمیشہ قلق اور حسرت میں مبتلا رہنا پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس سے بدن کو نقصان پہنچے گا پھر مقصود کا بڑا حصہ فوت ہو جائے گا۔

بھلا کیونکر ایسا ہو سکتا ہے جبکہ آدمی کی تخلیق تو بہت لطیف اور نازک ہے اگر وہ چکنائی چھوڑ دے تو اس کا دماغ خشک ہو جائے گا' ہمیشہ جاگتا رہے تو خشکی غالب آ جائے گی اور ہر دم غمگین رہے تو دل بیمار ہو جائے گا' اس لیے بدن کے ساتھ مہربانی ہو' ایسی چیزیں استعمال کرے جو اس کو درست رکھیں اور دل کے ساتھ ایسی تدبیروں کا جو مضر غم اور حسرت کو دور کریں' ضروری ہے کیونکہ مضر چیز جب زیادہ دن رہ جاتی ہے تو ہلاکت جلدی لاتی ہے۔

پھر شریعت بھی وہی کہتی ہے جو عقل کا کہنا تھا۔ لہٰذا کہتی ہے:

ان لنفسک علیک حقا. وان لزوجک علیک حقا فصم وافطر وقم ونم

''بلاشبہ تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے لہٰذا روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو' رات میں عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی۔''

اور کہتی ہے: کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت.

''انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو لوگ اس کی پرورش میں ہوں ان کو ضائع کر دے۔''

اور نکاح کی ترغیب دیتی ہے حالانکہ ہمیشہ قلق اور حسرت میں رہنے اور دل و دماغ خشک ہو جانے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کی طرح چھوڑ دے۔ اسی طرح اس قلق کے ساتھ علم میں مشغولی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔

اور جسے بھی میری اس تقریر کی سچائی میں شبہ ہو اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خوف کی مقدار کی تعدیل کرتے تھے۔ لہٰذا مزاح بھی فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے' نکاح کی کثرت فرمائی اور بدن کی رعایت کرتے ہوئے رات کا رکھا ہوا (ٹھنڈا) پانی' گوشت اور شیرینی پسند فرماتے تھے۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر ایک قسم کی غفلت ساتھ میں نہ رہتی تو علماء تصنیف کا کام نہ کر سکتے' علوم یاد نہ کیے جاتے اور حدیثیں لکھی نہ جاتیں۔ اس لیے کہ جو یہ سوچے گا کہ ممکن ہے آج میں مر جاؤں' وہ کیسے لکھے گا کیونکر سنے گا اور کیا تصنیف کرے گا۔

لہٰذا موت سے غفلت اور بیداری میں کمی جو تم دیکھ رہے ہو اس سے گھبراؤ نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس کے ذریعے دنیا کا نظام قائم ہے اور دین کے معاملات درستگی سے چل رہے ہیں۔

البتہ اگر غفلت اس قدر بڑھ جائے کہ گناہ ہونے لگیں' نفس کا محاسبہ چھوٹ جائے اور اوقات توشۂ آخرت جمع کرنے کے علاوہ دوسرے کاموں میں ضائع ہونے لگیں تو بلاشبہ مذموم ہے کیونکہ غفلت جب بڑھ جاتی ہے تو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔

اور اگر اتنی ہی ہو جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے تو اتنی مقدار ضروری ہے لیکن اگر زیادہ ہو جائے تو کھانے کو زہر بنا دیتی ہے۔

حاصل یہ کہ غفلت تو اچھی چیز ہے جبکہ اتنی ہی ہو جس کو ہم نے بیان کیا۔ البتہ جب زیادہ ہو جائے تو یقیناً مذموم ہے پس جو میں نے بیان کیا اس کو خوب سمجھ لو اور یہ نہ کہو کہ فلاں بہت

بیدار ہے کہ رات بھر سوتا نہیں ہے اور فلاں غافل ہے کیونکہ رات کا اکثر حصہ سوتا رہتا ہے کیونکہ جس غفلت سے بدن اور دل کی درستگی حاصل ہوتی ہو وہ قابل مذمت نہیں ہوتی ہے۔ والسلام

اخلاص کبریت احمر ہے

مجلس....لوگوں کے ساتھ اجتماع وہی پسند کرسکتا ہے جو خالی ہو کیونکہ جس کا دل حق تعالیٰ میں مشغول ہوتا ہے وہ مخلوق سے بھاگتا ہے۔

اور جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے خالی ہو جاتا ہے تو مخلوق کے خیال سے بھر جاتا ہے پھر آدمی مخلوق ہی کے لیے عمل کرتا ہے مخلوق ہی کی وجہ سے کرتا ہے اور ریاء کے ذریعے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس حال میں کہ اسے اپنی ہلاکت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

میں جب ایسے بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں جو تصوف اور فقر کا لبادہ اوڑھے ہیں کہ باوجود بہت مالدار ہونے کے ایسے کپڑے پہنتے ہیں جو ایک دنیا دار کا بھی نہیں ہوتا حالانکہ اپنے نفس کے گھوڑے کو پسندیدہ کھانوں کے میدان میں چراتے ہیں اور تکبر اور جاہ پسندی کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا دنیا داروں کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اہل علم کی تحقیر کرتے ہیں اور علماء کے پاس جانے کے بجائے دنیا داروں سے ملنے جاتے ہیں اور نذرانوں کو محض اس وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں تاکہ ان کا زہد مشہور ہو۔ چنانچہ تم انہیں دیکھو گے کہ اپنی ناموس کی پرورش کرتے ہیں اس حال میں کہ مکر وفن میں لومڑی کی طرح ہوتے ہیں اور اپنی اغراض کی طرف لپکنے میں تیز رفتار کتے کی طرح۔

تو سوچتا ہوں کہ سبحان اللہ! ان کا سارا زہد کپڑوں میں ہے۔ بتاؤ کیا تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا؟

ان اللّٰہ یحب ان یریٰ اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ.

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندوں پر دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔''

اور پناہ مانگنے لگتا ہوں اللہ کی اپنے آپ پر نگاہ ڈالنے سے اور مخلوق پر نظر رکھنے سے کیونکہ جس نے اپنے آپ پر نگاہ کی وہ کبر میں مبتلا ہوا اور متکبر احمق ہوتا ہے کیونکہ انسان

جس چیز پر بھی تکبر کرتا ہے وہ دوسرے کے پاس اس سے زیادہ ضرور ہوتی ہے اور جس نے مخلوق پر نظر رکھی اور مخلوق سے دکھاوا کیا وہ بے خبری میں ان کی عبادت کر رہا ہے۔

رہا وہ بندہ جو اللہ عزوجل کے لیے عمل کرتا ہے تو وہ مخلوق سے دور رہتا ہے اور اگر مخلوق خود اس کے قریب آنا چاہے تو بظاہر کچھ ایسے کام کر کے اپنے حال کو چھپاتا ہے جن کی وجہ سے لوگ دور ہی رہیں۔ ہم نے بعض ریاکاروں کو دیکھا جو حقیقت سے بے خبر ہیں کہ بازار میں چلنے سے، دوستوں کی کثرت سے اور خود کسی چیز کے خریدنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ میں تو بازاری لوگوں کے اختلاط کو ناپسند کر رہا ہوں حالانکہ وہ اس سے عام لوگوں کے درمیان اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے کیونکہ اگر سب سے میل جول رکھتا تو اس کا مرتبہ گھٹ جاتا اور دست بوسی ختم ہو جاتی۔

جبکہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوافروش کی دکان پر مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سامان خود خریدتے تھے اور اس کو اُٹھا کر لے جاتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیر المؤمنین تھے آپ خود بازار میں آئے اور کپڑا خریدا۔

اور حضرت طلحہ بن مطرف جو اہل کوفہ کے بہت بڑے عالم تھے جب لوگوں نے آپ پر زیادہ ہجوم کیا تو آپ حضرت اعمش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پڑھنا شروع کر دیا (جب لوگوں نے یہ دیکھا) تو وہ حضرت اعمش کی طرف مائل ہو گئے اور حضرت طلحہ کو چھوڑ دیا۔

اس کو دیکھو خدا کی قسم یہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔ وہ اکسیر نہیں جس کو کیمیا میں اکسیر سمجھا تا ہے (بلکہ اصلی اکسیر یہی ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پس جس کی حالت اس کے برعکس ہے وہ مخلوق کی عبادت میں لگا ہے اور اپنے ظاہر سے لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے جبکہ حضرات سلف کے سوا اکثر لوگ اس آفت میں مبتلا ہیں۔

افدی ظباء فلاة ما عرفن بها مضغ الکلام و لا صبغ الحواجیب

''جنگل کے ہرنوں پر میں قربان ہوتا ہوں جو چبا چبا کر بات کرنے اور ابروؤں کے رنگنے کے ہنر سے ناواقف ہیں۔''

چند بدترین گناہ

مجلس.... گناہ تو سبھی برے ہیں لیکن بعض بعض سے زیادہ بدتر ہیں۔

چنانچہ زنا ایک بدترین گناہ ہے کیونکہ اس سے بیوی برباد ہو جاتی ہے اور نسب بدل جاتا ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا اس سے زیادہ برا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون گناہ سب سے بڑا ہے؟'' فرمایا ''اللہ کے لیے کسی کو شریک ٹھہرانا جبکہ اسی نے تجھ کو پیدا کیا ہے! میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا ''اس ڈر سے اپنے بچہ کو قتل کر دینا کہ وہ روزی میں تیرا شریک ہو جائے گا!'' میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: ''اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا''

اور امام بخاری نے اپنی التاریخ میں حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لان یزنی الرجل بعشر نسوة ایسر من ان یزنی بامرأة جارہ ولان یسرق من عشرة ابیات ایسر علیه من ان یسرق من بیت جارہ.

''آدمی کے لیے دس عورتوں سے زنا کر لینا آسان ہے بنسبت اس کے کہ پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے اور دس گھروں میں چوری کر لینا آسان ہے بنسبت اس کے کہ پڑوسی کے گھر میں چوری کرے۔''

اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کے ساتھ پڑوسی کے حق کو توڑنا ہے۔

انہی بدترین گناہوں میں سے بوڑھے کا زنا کرنا بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض الشیخ الزانی.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بوڑھے زنا کار سے نفرت فرماتے ہیں۔''

کیونکہ اس کی طبیعت کی شہوت ختم ہو چکی ہے یعنی شہوت میں اتنی قوت نہیں رہ گئی ہے جو اس کو مغلوب کر سکے اس کے باوجود وہ اس شہوت کو ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے لہٰذا اس کی نافرمانی سرکشی بن گئی ہے۔

ایسے ہی مرد کا ریشم پہننا اور سونا استعمال کرنا بھی ان گناہوں میں سے ہے جو سرکشی اور عناد کے مشابہ ہیں۔ خصوصاً بوڑھے مرد کا زینت کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا کیونکہ یہ ایک بے لذت کام ہے اور بدترین گناہ ہے۔

اسی طرح کے گناہوں میں مخلوق کے سامنے خشوع اور زہد کا اظہار اور ریا کاری کرنا بھی ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ سے نگاہ ہٹا کر گویا مخلوق کی عبادت کرنا ہے۔

ایسا ہی ایک گناہ جبکہ آدمی مالدار بھی ہو' صریح سود کا معاملہ کرنا ہے (کیونکہ محتاج تو اضطرار کا عذر بھی رکھتا ہے مگر غنی مالدار کو کیا اضطرار ہے؟)

اور برے حالات میں سے ایک حال یہ ہے کہ بوڑھے آدمی کی بیماری کا زمانہ طویل ہو جائے لیکن وہ گناہ سے توبہ نہ کرے' لغزش کی معذرت نہ کرے' دین اور قرض ادا نہ کرے اور حقوق کی ادائیگی کی وصیت نہ کرے۔

ایک بدترین گناہ یہ بھی ہے کہ چور یا ظالم توبہ کریں لیکن ظلم اور چوری کا مال واپس نہ کریں' زکوٰۃ اور نماز میں کوتاہی کرنے والے توبہ تو کریں لیکن قضا نماز اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔

ایک بدترین گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی بیوی کی طلاق کی قسم کھا کر اس کو توڑ دے پھر بھی بیوی کے ساتھ رہن سہن باقی رکھے۔ یہ چند گناہ ہیں جن کو میں نے ذکر کیا اسی پر اور گناہوں کو قیاس کر لو اور ان میں جو بدترین ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔

ان گناہوں میں اور دوسری قباحتوں سے قطع نظر بذات خود اللہ تعالیٰ سے عناد اور سرکشی کی قباحت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنے والا لعنت اور دائمی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ شراب پینا بھی اسی طرح کے (بے لذت اور عنادی) گناہوں میں داخل ہے کیونکہ شراب اپنی ذات میں خود مرغوب نہیں ہوتی ہے نہ اس کی بُو اچھی ہوتی ہے نہ مزہ (جیسا کہ لوگ ذکر کرتے ہیں) بلکہ اس کی لذت (جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے) تلخ گھونٹ اُتار لینے کے بعد ہی ملتی ہے۔ پھر ایسے گناہ پر اقدام جس کی طرف خود طبیعت نہ مائل ہوتی ہو بلکہ محض اس لیے کیا جائے تا کہ لذت تک پہنچ سکیں' سرکشی ہی ہو سکتا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا ایمان عطا فرمائیں جو اس کی نافرمانی اور

ہمارے درمیان رکاوٹ بن جائے اور ایسے کاموں کی توفیق دیں جو اس کو پسند ہوں کیونکہ ہمارا وجود اسی سے ہے اور اسی کے لیے ہے۔

کبر اور تواضع

مجلس..... میں نے اکثر علماء اور صوفیاء کو پرکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اندر کبر کا مرض رکھتے ہیں۔ چنانچہ کسی کی نظر اس پر ہے کہ یہ میرا مرتبہ ہے اور وہ مجھ سے اوپر جا رہا ہے اور کوئی اپنے کو برتر سمجھنے کی وجہ سے غریب بیمار کی مزاج پرسی سے پرہیز کر رہا ہے۔

حتیٰ کہ کچھ ایسے لوگوں کو جن کی طرف تعظیم کے اشارے کیے جاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ مجھ کو امام احمد بن حنبل کے چبوترے ہی میں دفن کیا جائے حالانکہ جانتا ہے کہ (وہ چبوترہ قبروں سے پُر ہے لہٰذا) اس میں مُردوں کی ہڈیوں کا ٹوٹنا لازم آئے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو اس صدارت کے مقام کا اہل بھی سمجھ رہا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مجھ کو میری اس مسجد کے پہلو میں دفن کرنا اس خیال سے کہ مرنے کے بعد اس کی قبر بھی حضرت معروف کرخی کے مزار کی طرح زیارت گاہ بن جائے گی۔

حالانکہ یہ کبر ایک نہایت مہلک خصلت ہے لیکن لوگ اس کو جانتے نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من ظن انه خير من غيره فقد تكبر.** ''جس کا یہ گمان ہوا کہ وہ دوسرے سے اچھا ہے وہ کبر میں مبتلا ہو گیا۔''

جب کہ میں نے کم ہی لوگوں کو دیکھا جو اپنے کو ایسا نہ سمجھتے ہوں حالانکہ اس شخص پر سخت تعجب ہے جو اپنے کو کچھ سمجھتا ہو بھلا بتاؤ کس بناء پر وہ اپنے کو ایسا سمجھتا ہے؟ اگر علم کی بناء پر تو بہت سے علماء علم میں اس پر سبقت لیجا چکے ہیں اور اگر عبادت پر ناز ہے تو اس سے بڑے عبادت گزار بھی گزر چکے ہیں اور اگر مال کی بناء پر ناز ہے تو مال اپنی ذات میں خود کوئی فضیلت کی چیز ہی نہیں ہے۔ اب اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا جان لیا ہے جتنا اس زمانہ میں دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا کوئی شخص مجھ سے آگے نہیں ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اے پورے قرآن کے حافظ! ہم تم سے یہ نہیں کہتے کہ تم اپنے کو حفظ میں آدھے حافظ کے برابر سمجھو۔ یا اے عالم! تم اپنے کو علم میں عامی کی طرح سمجھو بلکہ ہم تو تم کو اس سے بچانا چاہتے ہیں کہ تم اپنے درجہ کو کسی

بھی ایمان والے سے بہتر تصور کرو۔ اگر چہ اس کا علم تم سے کم ہو[1] کیونکہ درجہ کی بہتری ظاہری علم اور عبادت سے نہیں ہوتی بلکہ حقیقت اور باطن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

اور جو شخص بھی اپنی عادتوں، خصلتوں اور اپنے گناہوں کو دیکھے گا اسے اپنے گناہ اور اپنی کوتاہیاں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائیں گی جب کہ دوسرے کے متعلق ان کا یقین نہیں ہے صرف شک اور احتمال ہے (پھر کیسے اپنے کو بڑا سمجھنے کی حماقت کرتا ہے؟)

حاصل یہ کہ میرا مقصود اعجاب نفس سے بچانا اور آخرت کے معاملہ میں آگے بڑھنے پر نگاہ پہنچانا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سچا مؤمن ہمیشہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف میں دفن کریں گے تو آپ نے فرمایا ''مجھ کو شرک کو چھوڑ کر باقی تمام گناہوں میں آلودگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملنا زیادہ پسند ہے۔ اس کے مقابلہ میں کہ میں اپنے کو اس کا (حجرہ شریفہ میں مدفون ہونے کا) اہل سمجھوں۔''

اسی طرح ہم کو یہ روایت پہنچی کہ ایک راہب نے خواب میں دیکھا کہ ''فلاں اسکافی'' تجھ سے بہتر ہے تو وہ اپنے عبادت خانہ سے نکل کر اس اسکافی کے پاس پہنچا اور اس کے عمل کے متعلق پوچھا لیکن اس نے کوئی خاص عمل نہیں ذکر کیا۔ پھر اس راہب سے خواب میں کہا گیا کہ اس کے پاس واپس جاؤ اور پوچھو کہ یہ تمہارے چہرہ کی زردی آخر کس وجہ سے ہے؟ وہ آیا اور پوچھا تو اس نے کہا ''میں نے جب بھی کسی مسلمان کو دیکھا تو اس کو اپنے سے بہتر سمجھا'' تو اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے اسی وصف کی وجہ سے بلند ہو گیا ہے۔

مبتلاءِ غضب کے ساتھ برتاؤ

مجلس..... جب تم اپنے ساتھی کو دیکھو کہ غصہ میں نامناسب باتیں بکنے لگا ہے تو تم کو چاہیے کہ اس کی باتوں کا کچھ لحاظ نہ کرو اور ان باتوں کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ بھی نہ کرو کیونکہ اس کی حالت نشہ میں مست آدمی کی طرح ہو گئی ہے اب جو کچھ اس کی زبان پر آ رہا ہے اسے

---

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ ''اپنے کو اکمل سمجھنا کبر نہیں ہے بلکہ یہ تو حقیقت ہے البتہ افضل سمجھنا یہ کبر ہے کیونکہ فضیلت آخرت کا پتہ نہیں کہ کون افضل ہے۔'' ۱۲ حمزہ

اس کی خبر نہیں ہے بلکہ تم اس کے ابال پر صبر سے کام لو اور اس کو کچھ اہمیت مت دو کیونکہ اس پر شیطان غالب آ گیا ہے، طبیعت میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے اور عقل روپوش ہو گئی ہے۔

اور اگر تم بھی اس پر غصہ کرنے لگے یا اس کے برتاؤ کے مطابق جواب دینے لگے تو تمہاری مثال اس عقلمند کی طرح ہو جائے گی جو کسی پاگل کے منہ لگے یا اس صحت مند کی طرح ہوگی جو کسی بیہوش پر غصہ کرے۔ لہٰذا قصور تمہارا ہی ہوگا۔

تم کو تو چاہیے کہ اس پر ترس کھاؤ اور یہ دیکھو کہ کیسا اس پر تقدیر کا فیصلہ غالب ہوا ہے اور وہ طبیعت کا کھلونا بن گیا ہے اور اس کا یقین رکھو کہ جب ہوش میں آئے گا تو اپنے الفاظ اور برتاؤ پر شرمندہ ہوگا اور تمہارے صبر کی قدر کرے گا اور ترس کھانے کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ اس کو ایسے وقت میں اتنی دیر کے لیے چھوڑ دو جس میں وہ راحت پا جائے (یعنی جو کچھ وہ بک رہا ہے اس کو کہہ لینے دو یہاں تک کہ اس کا غصہ اُتر جائے)

باپ کے غصہ کے وقت بھی بیٹے کو اور شوہر کے غصہ کے وقت بیوی کو ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے کہ جو کچھ بھی کہے کہہ لینے دیا جائے تا کہ بھڑاس نکل جائے اس کو کچھ اہمیت نہ دی جائے پھر دیکھنا جلد ہی وہ شرمند ہو کر معذرت کرنے لگے گا۔

اور اگر اس کی حالت اور گفتگو کا مقابلہ کیا گیا تو دشمنی جگہ پا جائے گی پھر جو کچھ نشہ میں ہوا تھا اس پر ہوش کی حالت میں بدلہ لیا جائے گا۔

جبکہ اکثر لوگ اس معاملہ میں صحیح طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں جب کسی مبتلاء غضب کو دیکھتے ہیں تو جو کچھ وہ کرتا یا کہتا ہے اس کا جواب دینے لگتے ہیں حالانکہ یہ حکمت اور عقل کے تقاضے کے خلاف ہے۔ حکمت کا تقاضا تو وہی ہے جو میں نے ذکر کیا۔

وما یعقلها الا العالمون. (اور اس کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں)

تجربہ کی ایک بات

مجلس.... دنیا میں اس سے بڑا بیوقوف کوئی شخص نہیں ہے جو کسی کے ساتھ کوئی ایسا برا سلوک کرے جس کے بارے میں جانتا ہو کہ اس کی تکلیف اس شخص کے دل میں اتر گئی

ہے پھر دونوں بظاہر صلح کرلیں تو یہ شخص دل میں یہ سوچے کہ صلح کی وجہ سے اس بدسلوکی کا اثر مٹ گیا۔ خصوصاً بادشاہوں کے معاملہ میں (یہ سوچ کر مطمئن ہو جانا اول درجہ کی بیوقوفی ہے) کیونکہ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ان سے بلند نہ ہو سکے اور ان کی کوئی غرض اور خواہش ٹوٹنے نہ پاوے۔ لہٰذا جب اس طرح کا کوئی معاملہ ہوتا ہے تو (جب تک وہ بدلہ نہ لے لیں) ختم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں ابو مسلم خراسانی سے عبرت حاصل کرو کہ جب اس نے منصور کے حاکم بننے سے پہلے اس کی ناقدری کی تو یہ چیز منصور کے دل میں اُتر گئی چنانچہ حاکم بن کر اس کو قتل کرا دیا اور جو بھی تاریخ کا مطالعہ کرے گا اس کو بہت سے لوگوں کے متعلق اس طرح کا معاملہ مل جائے گا۔

لہٰذا جس نے کبھی کسی حاکم کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہو اس کو حتی الامکان اس کے ہاتھ میں پڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ پھر اگر چھٹکارا چاہے گا تو نہ پا سکے گا' اس وقت اس کو اپنے ترک اجتناب پر ندامت ہوگی اور اس وقت جو ذلت و رسوائی اور تکالیف پیش آدیں گی ان سے زیادہ تکلیف اس حسرت اور افسوس کی ہوگی کہ کاش کسی پیاسے کے ساتھ رہ لیتے لیکن اس سے محفوظ رہتے۔

اور یہی معاملہ برابر کے دوستوں کے درمیان بھی ہے کہ اگر تم نے ان میں سے کسی کو ستایا ہو اور اس کا اثر اس کے دل پر پڑا ہو تو پھر اس کی محبت پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ تم کو ستانا اور بدلہ لینا ہی اس کا نصب العین ہے۔ لہٰذا جب تک حیلہ کے ذریعے بدلہ نہیں لے لے گا اس کا دل صاف نہیں ہوگا۔ صرف انہی سے میل جول رکھو جن پر تم نے صرف احسان کیا ہو کیونکہ جب اس نے تم سے صرف خیر کا برتاؤ دیکھا ہے تو یہ بات اس کے دل میں بیٹھ جائے گی اور یہی معاملہ لڑکے' بیوی اور تمام معاملہ کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے (کہ اگر ان میں کوئی کسی کو ستائے تو اس کی ظاہری محبت سے دھوکہ نہ کھائے)

اور اسی نصیحت کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرو اور نہ کسی کے متعلق کوئی غیبت کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو حکومت مل جائے پھر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لے اور کبھی اس سے کوئی ضرورت پیش آجائے تو آدمی اسے پورا نہ کرا سکے۔

حاصل یہ کہ سمجھدار شخص وہی ہے جو ہر ممکن حالت کا تصور رکھتے ہوئے دل کی نفرت و

محبت کو چھپائے ہی رکھے (ظاہر کر کے کسی فتنہ میں نہ پڑے) بلکہ ایسے لوگوں کی مدارات کرے جو دل میں اس سے غصہ اور کینہ دبائے ہوئے ہیں۔

عقل کا یہی مشورہ ہے اگر قبول ہو جائے۔

پیش بینی

مجلس.... ''جو شخص انجام جانتا ہو لیکن پیش آنے والے حالات کے لیے تیاری نہ کرتا ہو اس کی عقل میں کمی ہے۔''

اور اس کو تمام معاملات میں دیکھو مثلاً جوانی سے دھوکہ میں ہے کہ گناہوں پر اصرار کیے جا رہا ہے اور توبہ کو ٹال رہا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ اچانک موت آ جائے اور کوئی آرزو پوری نہ کر سکے۔

اسی طرح اگر عمل میں علم کے یاد کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے کیونکہ اس سے سارا وقت گزر جائے گا اور مقصود حاصل ہونے سے رہ جائے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص کسی کارِ خیر کا یا اپنی کچھ زمین وقف کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے پھر اس کو ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ اچانک موت آ جاتی ہے۔

لہٰذا سمجھدار وہی ہے جس نے آئندہ پیش آنے والے حالات کی تصویر کشی میں احتیاط کے پہلو کو لیا پھر اس کے مطابق عمل کیا کیونکہ اگر موت نے مہلت دی تو کچھ نقصان نہیں ہوا اور اگر اندیشہ سچ ثابت ہو گیا تو وہ محفوظ رہے گا۔

اور دنیوی امور سے متعلق اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی حاکم کے قریب ہو کر اس بھروسہ پر کہ میں بادشاہ کا مقرب ہوں اس کے کسی ماتحت سے بدسلوکی کرے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ حاکم بدل گیا اور وہ دشمن غالب آ گیا۔ تب وہ اس سے انتقام لے لیتا ہے' ایسے ہی اپنے کسی دوست سے یہ سوچ کر دشمنی کر لینا کہ وہ مجھ سے کمتر ہے کیونکہ ممکن ہے اس کا مرتبہ اونچا ہو جائے۔

پھر وہ اس کی گزشتہ بدسلوکی کا پورا پورا بدلہ لے بلکہ زیادتی بھی کر دے اس لیے سمجھدار وہی ہے جو پیش آنے والے معاملات کو سوچ کر کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرے یعنی اگر دونوں کے درمیان کوئی موجب عداوت واقعہ پیش آ جائے تو اپنی دشمنی کو چھپا لے۔ پھر اگر حملہ کرنے پر پوری قدرت مل جائے تو اتنا انتقام لے لے جتنا شرعاً جائز ہو ورنہ معاف کر دینا دنیوی زندگی کے خوشگوار ہونے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اور اسی وجہ سے بیکار آدمی کو خادم بنانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر یہ کچھ کرے گا تو وہ کام مخدوم کا سمجھا جائے گا۔

میں نے پیش بینی کے چند نمونے ذکر کیے ہیں انہی پر تمام حالات کو قیاس کرلو۔

خلوت کی لذت

مجلس....انسان دنیا میں جتنی ترقی کرتا جاتا ہے آخرت میں اس کا مرتبہ اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

چنانچہ فرمایا: **واللّٰہ لاینال احد من الدنیا شیئًا الا نقص من درجاتہ عنداللّٰہ وان کان عندہ کریما.**

''خدا کی قسم آدمی دنیا سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا اتنا حصہ آخرت میں کم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو۔''

لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو قدر ضرورت پر قناعت کرلے کیوں کہ وقت کی قیمت اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ اس کو دنیا کی طلب میں ضائع کیا جائے۔ ہاں اگر پرہیزگاری کے ساتھ کمایا ہو اس نیت سے کہ اپنے کو لالچ سے بچائے' اہل خیر کی مدد کرے اور محتاجوں کو صدقہ دے سکے تو ایسے شخص کا کمانا اس کی بیکاری سے بہتر ہے۔

اور اگر مالی ترقی اس نیت سے ہو کہ حکمرانوں کے ساتھ ملنا جلنا ہوگا تو پھر ایسے شخص کا دین محفوظ رہ جانا بہت مشکل ہے۔ اگر بظاہر محفوظ نظر بھی آتا ہو تو انجام تو خطرناک ہی ہے۔ ابومحمد تمیمی نے کہا کہ جس دن ''قائم بامراللہ'' کی وفات ہوئی مجھے شریف ابوجعفر پر بہت رشک آیا کہ انہوں نے قائم بامراللہ کو غسل دیا پھر آستینیں جھاڑتے ہوئے نکلے اور بغیر کسی کی پرواہ کیے جا کر مسجد میں بیٹھ گئے جبکہ ہم لوگ گھبراہٹ میں مبتلا تھے کہ نہ جانے اب ہم لوگوں پر کیا مصیبت آوے۔ دیکھو یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ تمیمی بادشاہ سے متعلق تھے۔ اس کے لیے رسائل لکھتے تھے تو اب اس قرب کے انجام سے ڈر رہے تھے۔

اسی طرح بہت سے علماء کو دیکھا کہ انہوں نے حکمرانوں سے میل جول رکھا تو ان کا انجام برا ہوا۔ بھلا اس گوشہ نشین سے بڑھ کر بلند اور خوشگوار زندگی کس کی ہوگی جو نہ حکمرانوں

سے ملتا ہو اور نہ اس بات کی پرواہ کرتا ہو کہ اس کا کھانا عمدہ ہے یا نہیں کیونکہ اس کو بھی روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک پیالہ نصیب ہو ہی جاتا ہے (یعنی پیٹ بھر جاتا ہے) اور اس کے ساتھ وہ اس سے محفوظ بھی ہے کہ کوئی شخص اس کو تکلیف دہ فقرہ کہے یا شریعت یا مخلوق اس پر حکمرانوں کے پاس جانے کے سلسلے میں عیب گیری کرے۔

اگر دنیا سے علیحدگی کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل، ابن ابی داؤد اور یحییٰ بن اکثم کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دنیا کے عیش اور آخرت کی سلامتی کے درمیان فرق خوب واضح ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات فرمائی ''اگر یہ بادشاہ اور شہزادے زندگی کی اس لذت کو جان لیں جو ہم کو حاصل ہے تو ہم پر تلوار لے کر حملہ کر دیں۔''

بلاشبہ حضرت ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کیونکہ بادشاہ کچھ کھاتے وقت ڈرتا ہے کہ کہیں اس میں زہر نہ ملایا گیا ہو اور سوتے وقت یہ کہ کہیں دھوکہ سے قتل نہ کر دیا جاؤں، پھر بہت سی بندشوں اور حفاظتوں میں اس طرح قید رہتا ہے کہ تفریح کے لیے بھی نکلنے کی گنجائش نہیں ہوتی اور اگر کبھی نکلتا بھی ہے تو اپنے مقرب ترین شخص سے بھی ڈرتا رہتا ہے جو لذت بھی اس تک پہنچتی ہے بے مزہ ہو جاتی ہے نہ اس کو کھانے کی صحیح لذت مل پاتی ہے نہ نکاح کی کیونکہ جب کئی طرح کے کھانے سامنے آتے ہیں اور زیادہ کھا لیتا ہے تو معدہ خراب ہو جاتا ہے اور جب نئی نئی باندیاں پیش کی جاتی ہیں اور ان سے خلوت زیادہ کر لیتا ہے تو طاقت گھٹ جاتی ہے پھر ایک خلوت سے دوسری خلوت میں زیادہ مدت کا فاصلہ بھی نہیں ہوتا اس لیے زیادہ لذت بھی نہیں مل پاتی کیونکہ ہم بستری کی لذت میں جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ لذت ہوگی اور یہی حال کھانے کی لذت کا بھی ہے۔ پس اگر آسودگی کے وقت میں کھایا یا سچی شہوت کے بغیر ہم بستری کی تو وہ پوری لذت نہیں مل سکتی جو بھوکے فقیر کو کھانے میں اور عورتوں سے کنارہ کش کو عورت میں ملتی ہے۔ پھر فقیر کو دیکھو کہ رات میں کسی راستہ میں پڑ کر سو رہتا ہے جبکہ اس اطمینان اور امن کی لذت سے امراء محروم ہیں لہٰذا ان کی لذت ناقص ہے اور حساب زائد۔

خدا کی قسم! میں دنیا میں بلند رُتبہ زندگی گزارنے والوں میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے اس قدر لذت پائی ہوگی جتنی کہ علماء مخلصین مثلاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان

ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی اور سچے عبادت گزاروں مثلاً حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی کیونکہ علم (اور عبادت ومعرفت) کی لذت ہر لذت سے بڑھ کر ہے۔

رہا بھوک کے وقت میں ان حضرات کا فقر اور کسی تکلیف میں ان کی آزمائش تو یہ بھی ان کے درجات کو بلند کرنے کے لیے ہے۔

چنانچہ دیکھو کہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سب سے کٹ کر اپنے رب کے ساتھ خوشگوار زندگی اور مزیدار خلوت والے تھے۔ پھر تقریباً چار سو سال (اور اب تیرہ سو سال) ان کی وفات کو ہوگئے کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ ان کو قرآن پاک کے چند پارے ایصال ثواب نہ کیے جاتے ہوں کم از کم جو شخص قبر پر حاضری دیتا ہے سورہ اخلاص ہی پڑھ کر ثواب بخش دیتا ہے اور بادشاہوں کو دیکھو کہ عاجزی کے ساتھ آپ کی قبر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں یہ تو موت کے بعد (دنیا میں) ان کے ساتھ برتاؤ ہے جبکہ حشر کے دن آپ کی ایسی کرامات ظاہر کی جائیں گی (ان شاء اللہ) جو بیان نہیں کی جاسکتی اور یہی تمام سچے عبادت گزاروں کی قبور کا حال ہے۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ امراء وحکام کے اختلاط میں مبتلا ہوئے تو اس چیز نے ان کے احوال میں کدورت پیدا کردی۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”جب سے میں نے فلاں امیر کا کچھ مال استعمال کرلیا ہے اس فہم قرآن کی نعمت سے محروم ہوگیا ہوں جو مجھ کو حاصل تھی“ اور دیکھو یہ قاضی ابو یوسف ہیں کہ دو آدمی بھی ان کی قبر کی زیارت کو نہیں آتے[1]۔

لہٰذا امراء کے میل جول سے صبر کر لینے میں اگرچہ تنگی بھی پیش آوے لیکن بہت سی جہتوں سے زندگی خوشگوار گزرتی ہے جبکہ میل جول رکھتے ہوئے مقصود اصلی بھی فوت ہوجاتا ہے۔

”جس نے پختہ ارادہ کرلیا اس نے پرہیز کو لازم کرلیا۔“

حضرت ابوالحسن قزوینی صرف نماز کے وقت گھر سے نکلتے تھے۔ لہٰذا جب کبھی بادشاہ

---

[1] بہت ممکن ہے کہ علامہ کے زمانے میں کچھ ایسے حالات رہے ہوں مثلاً حکومت یا عوام کا مسلک امام ابو یوسف کے مسلک سے مختلف رہا ہو اس وجہ سے اس وقت امام صاحب کی قبر سے لوگوں کو دلچسپی نہ ہو ورنہ کون حنفی ایسا احسان فراموش ہوسکتا ہے کہ اپنے امام کی قبر پر حاضری نہ دے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ پھر حضرت امام ابو یوسفؒ تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ہزاروں محدثین کے بالواسطہ استاذ ہیں تو کیا ان حضرات کے متبعین پر کچھ حق نہیں ہے اور وہ اس کو ادا نہیں کرتے ہوں گے۔

مسجد آتا تو آپ کے انتظار میں بیٹھا رہتا تھا تاکہ آپ کو سلام کر سکے۔

اس موضوع پر زیادہ دراز نفسی ممکن ہے سامعین کو پریشان کر دے (اس لیے بات ختم کرتے ہوئے بس یہ کہتا ہوں کہ) "من ذاق عرف" جو چکھے گا وہی اس کا مزہ معلوم کر سکے گا۔

عام بے راہی اور خلوت کی ضرورت

مجلس..... جس نے اچھی طرح شریعت کا علم حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور حضرات سلف کے حالات کا مطالعہ کیا اسے معلوم ہوگا کہ اکثر لوگ صحیح طرز عمل سے دور ہیں۔

کیونکہ لوگ اپنی عادتوں کے مطابق عمل کرتے ہیں' ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو غیبت کرتے ہیں' ہر شخص اپنے بھائی کا عیب معلوم کرنا چاہتا ہے' اگر کسی کو نعمت ملتی ہے تو حسد کرتے ہیں اور اگر کسی پر مصیبت اترتی ہے تو خوش ہوتے ہیں کوئی ان کی خیر خواہی سے نصیحت کرے تو تکبر کرتے ہیں' دنیا کی معمولی چیز بھی حاصل کرنے کے لیے دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ دوسرا غلطیوں میں مبتلا ہو جائے۔

اور یہ سب اوصاف ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو تصوف میں لگے ہوئے ہیں پھر عام لوگوں کا کیا پوچھنا؟

لہٰذا جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی ہو شریعت کا علم حاصل کیا ہو اور حضرات سلف کے حالات کا مطالعہ کیا ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ سب سے کنارہ کش ہو جائے۔

اور اگر کسی عالم یا بزرگ سے ملنا ضروری ہو جائے تو احتیاط کا لباس پہن کر ملے اور اس سے زیادہ طویل گفتگو نہ کرے بلکہ فارغ ہو کر جلد از جلد اپنی ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جائے جو اس کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بنتی ہیں۔

معیار کمال

مجلس..... کمال نادر ہے اور اہل کمال کمیاب ہیں۔

کیونکہ کمال کا پہلا سبب یہ ہے کہ بدن کے اعضاء میں تناسب ہو اور باطن کے اخلاق اچھے

ہوں، بدن کی صورت کو خلق کہا جاتا ہے اور باطن کی صورت کو خُلق۔ بدن کی صورت کے کامل ہونے کی علامت طویل خاموشی اور ظاہری ادب کا برتاؤ ہے جبکہ باطن کی صورت کی علامت طبیعت اور اخلاق کی عمدگی ہے، طبیعت سے مراد پاک دامنی، صفائی، جہالت سے نفرت اور حرص سے بچنا ہے اور اخلاق کی مراد کرم، ایثار، عیبوں کی پردہ پوشی، نیکی میں پہل اور جاہلوں سے بربادی کرنا ہے۔

اب جسے یہ اوصاف عطا کر دیئے گئے وہ کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے اور اس سے اچھی عادتیں ہی سرزد ہوں گی جب کہ اگر کوئی اچھا وصف کم ہوا تو نقص پیدا ہو جائے گا۔

آزمائش ضروری ہے

مجلس.....دنیا میں اس سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اپنی تمام ضروریات پوری کرانا چاہے بھلا بتاؤ پھر آزمائش کیا ہوئی؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا (کہ تمام خواہشات پوری ہوتی جائیں) مرادوں کا اُلٹا، سوال کے جواب میں تاخیر ہونا اور چند دن دشمنوں کی تسلی ہونا تو ضروری ہے۔

اب جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ سلامت رہے، دشمنوں کے خلاف اس کی مدد ہوتی رہے بغیر کسی آزمائش کے عافیت میسر رہے تو گویا اس نے تکلیف کو جانا ہی نہیں اور تسلیم کا معنی سمجھا ہی نہیں۔

غور کرو کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر کے موقع پر نصرت نہیں ہوئی۔ پھر دیکھو احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا معاملہ پیش آیا؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے روکا نہیں جاتا تھا پھر دیکھو کہ غلبہ کے ساتھ لوٹائے جا رہے ہیں۔

لہٰذا اچھا اور خراب حال دونوں ساتھ ساتھ ہیں اچھا ہو تو شکر ضروری ہے اور خراب ہو تو سوال اور دعا کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔

پھر اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لو کہ امتحان مقصود ہے اور اپنے فیصلہ پر جھکانا چاہتے ہیں اور یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان ظاہر ہوتا ہے اور تسلیم کے سلسلے میں لوگوں کے جوہر ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ظاہر اور باطن دونوں ہی اعتبار سے تسلیم کا مظاہرہ ہو تو کامل کی شان یہی ہے اور اگر باطن میں فیصلہ کرنے والے سے نہیں صرف فیصلہ سے طبیعت کچھ متاثر ہو جائے (تو کوئی عیب نہیں) کیونکہ طبیعت تو تکلیف سے گھبراتی ہی ہے۔ البتہ یہ اس بات

کی علامت ہے کہ معرفت میں کچھ کمی ہے۔

اور اگر خدانخواستہ زبان سے بھی اعتراض کر بیٹھا تو یہ جاہلوں کا حال ہے، ہم ایسے حال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سخت امتحان اور صبر کی ضرورت

مجلس.... یہ بہت بڑی آزمائش ہے کہ آدمی کو اس کے مرتبہ سے فروتر مقام میں کھڑا کر دیا جائے۔ مثلاً ایک نیک اور صالح مرد خدا (جس کا مقام تو یہ ہے کہ وہ کسی غیر کے سامنے نہ جھکے لیکن) اس کو کسی ظالم حاکم کی مدارت اور اس کے پاس حاضری دینے کا محتاج بنا دیا جائے یا ایسے لوگوں سے میل جول رکھنے پر جن کے ساتھ رہنا مناسب نہ ہو یا ایسے کاموں پر جو اس کے لائق نہ ہوں یا ایسے معاملات پر جو اس کی خواہشات میں رکاوٹ بن جائیں مجبور کر دیا جائے۔

چنانچہ کبھی کسی عالم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں امیر کے وہاں حاضری دو ورنہ تمہارے خلاف اس کے (ناراض ہوکر) حملہ کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس خیال سے وہ عالم حاضری دیتا ہے پھر وہاں ناجائز امور دیکھتا ہے لیکن نکیر کرنے کی گنجائش نہیں پاتا یا مثلاً اسے کچھ دنیوی ضرورت پیش آتی ہے جبکہ وہ اپنے حق سے محروم بھی رہا ہو تو مجبور ہوکر اشارہ کنایہ میں یا کبھی صراحتہً اس کا ذکر کر دیتا ہے تاکہ اپنا کچھ حق وصول کر سکے اور ایسے وقت میں اسے ایسے لوگوں کی مدارات کرنی پڑتی ہے جن کی مدارات اس کو بہت شاق گزرتی ہے بلکہ ضرورتوں کے حصول کے لیے اس کی فکر بھی منتشر ہوکر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح اس کو ایسے معاملات پر مجبور کر دیا جاتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہوتے۔ مثلاً کمانے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لیے بازار میں جانا ضروری ہے یا ایسے نوکر مہیا کرنا جن کو تنخواہ دینا پڑے گی حالانکہ جو شخص اللہ کے مراقبہ میں مشغول ہو وہ ان چیزوں کا تحمل نہیں کر سکتا کیوں کہ ان میں طرح طرح کی کدورتیں شامل ہیں۔

یا مثلاً پرورش میں ایک خاندان ہے اور ہاتھ خالی ہے تو اب اس کو یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ بال بچوں کو بے نیاز اور خوشحال دیکھے پھر اس کے لیے اپنے نزدیک بڑے بڑے

مراحل طے کرنا چاہتا ہے۔

ایسے ہی کبھی کسی عزیز اور محبوب کی جدائی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے' کبھی جسم میں کوئی آفت آ جاتی ہے' کبھی مقاصد اُلٹ دیئے جاتے ہیں اور دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے لہٰذا وہ دیکھتا ہے کہ ایک فاسق اس کو دبا رہا ہے اور ایک ظالم اس کو رسوا کر رہا ہے اور یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی کو تلخ کرنے والی اور دل کو ہلا دینے والی ہیں۔

ان سب آزمائشوں میں صرف ایک راہ عمل ہے اور وہ یہ کہ فیصلہ خداوندی کے سامنے سر جھک جائے اور کشادگی کے سلسلے میں تقدیر کی پناہ پکڑی جائے۔

چنانچہ محتاط مؤمن ایسے سخت حالات میں ثابت قدم رہتا ہے یعنی اس کے دل کی حالت بدلنے نہیں پاتی اور زبان پر حرف شکایت آنے نہیں پاتا۔

دیکھو! کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑ گئی؟ "من یوارینی؟ من ینصرنی؟" (کون چھپائے گا؟ کون میری مدد کرے گا؟) اور کیا مکہ میں داخل ہونے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کافر کی پناہ نہیں لینی پڑی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اوجھڑی ڈالی جا رہی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی مارے جا رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کی مدارات فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوک میں مبتلا ہو رہے ہیں مگر ان سب کے ساتھ دل بالکل پُرسکون ہے ذرا بھی متغیر نہیں ہو رہا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا تھا کہ یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے یہاں اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندے کیسا معاملہ کرتے ہیں۔

البتہ اس تصور سے یہ مصیبتیں کچھ ہلکی ہو جائیں گی کہ بندہ ان پر اجر و ثواب کا یقین رکھے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اور منشاء یہی ہے۔ "بھلا اس زخم کی کیا تکلیف محسوس ہوگی جس کے نتیجے میں آپ کی رضا و خوشنودی میسر ہو۔"

مال کی محبت ایک عام مرض

مجلس.... اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی طبیعت میں مال کی محبت داخل ہے کیونکہ مال ہی ان جسموں کے باقی رہنے کا ذریعہ ہے لیکن بعض لوگوں میں مال کی محبت

اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وسیلہ کے بجائے بذات خود مقصد بن کر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ تم بخیل کو دیکھتے ہو کہ اپنی ذات پر طرح طرح کی مشقتیں جھیل جاتا ہے لیکن اپنے نفس کو لذتوں سے محروم کیے رہتا ہے بلکہ اس کو ساری لذت مال جمع کرنے میں ملنے لگتی ہے اور یہ صفت بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

مگر جاہلوں میں اس صفت کا پایا جانا زیادہ قابل تعجب نہیں ہے بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ صفت اہل علم حضرات میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ علماء حضرات طبیعت کی مخالفت اور مجاہدہ کر کے اس سے اپنے کو بچاتے خاص کر ایسے کاموں سے جو مال جمع کرنے کے راستہ میں پیش آتے ہیں۔

اب حال یہ ہے کہ ایک عالم ناجائز طریقوں سے مشتبہ لوگوں سے شدید حرص اور بے انتہا ذلت کے ساتھ مال کو جمع کر رہا ہے پھر (اس قدر مال رکھتے ہوئے) زکوٰۃ بھی وصول کر لیتا ہے حالانکہ صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا جائز ہی نہیں تھا پھر یہ بھی نہیں کہ اس سے نفع اُٹھائے بلکہ ذخیرہ کر کے رکھ لیتا ہے تو دیکھو یہی جانور پن ہے جو اس کو آدمیت کی صفت سے خارج کر رہا ہے بلکہ جانور پن تو کسی حد تک غنیمت ہے کہ مجاہدہ سے اس میں تبدیلی آ جاتی ہے لیکن یہ لوگ ایسے ہیں کہ ریاضت اور مجاہدہ نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی اور علم ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکا۔

وہ ابوالحسن بسطامی جو نہر عیسیٰ کے کنارے واقع ''سرائے بسطامی'' میں مقیم تھا جاڑا ہو یا گرمی صرف اون پہنتا تھا جبکہ لوگوں کے نزدیک محترم بزرگ بھی سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے جب اس کا انتقال ہوا تو چار ہزار دینار سے زیادہ ترکہ چھوڑا۔ اسی طرح ہم نے اپنے بعض مشائخ کو دیکھا جو ۸۰ اسی کے سن کو پہنچ چکے تھے اور ان کے بیوی بچے بھی نہیں تھے کہ بیمار ہوئے تو اپنے کو کسی دوست کے گھر میں ڈال دیا جو ان کے لیے اہتمام کر کے دوا اور دوسری مرغوبات کا انتظام کرتا تھا۔ جب انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ بہت کثیر مقدار میں مال چھوڑ گئے۔ اسی طرح صدقہ بن حسین کاتب کو دیکھا جو ہمیشہ زمانہ اور اہل زمانہ کی برائی کرتا تھا اور لوگوں سے مانگنے میں تیزی دکھلاتا تھا کہ بالکل لاغر ہو چکا تھا

اس کے باوجود مسجد میں تنہا رہتا تھا جہاں کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا جب مرا تو کہا جاتا ہے کہ تین سو دینار چھوڑ کر مرا ایسے ہی ہمارے ساتھ ایک صوفی ابو طالب بن مؤید رہا کرتے تھے' مال جمع کرنے کے عادی تھے' ایک مرتبہ تقریباً سو دینار (۱۰۰) ان کے چوری ہو گئے تو اتنے غمگین ہوئے کہ یہی غم ان کی موت کا سبب ہو گیا۔

لوگوں کا ایک حال یہ بھی ہے جو تم نے دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ سچے صوفیوں کی طرح خانقاہ میں بیٹھ کر ''فتوحات'' (ہدایہ و تحائف) طلب کرتے ہیں پھر انہیں اس سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے جس کے ذریعے صاحب نصاب ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود زکوٰۃ وصول کرنے اور ''فتوحات'' کی طلب سے باز نہیں آتے۔

یہی حال واعظوں کا بھی ہے کہ شہر جاتے ہیں اور نذرانے مانگتے ہیں پھر اچھا خاصا مال جمع کرنے کے بعد بھی مانگنے سے باز نہیں آتے۔

پس پاکی تو خدا ہی کو حاصل ہے تم بتاؤ علم نے ان بزرگوں کو کیا فائدہ پہنچایا؟ (میں تو سمجھتا ہوں کہ) ایسے لوگوں کے لیے جہالت زیادہ بہتر تھی۔

ان لوگوں کا ایک بدترین حال یہ ہے کہ یہ ایسے ایسے طریقے اختیار کیے رہتے ہیں جو ان کے لیے حصول دنیا کا سبب بنیں۔ مثلاً خشوع کا مظاہرہ' ظاہری عبادت' میل جول سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی حالانکہ یہ سب کے سب شریعت سے منحرف ہیں (یعنی جو کچھ کرتے ہیں محض دنیا کے لیے شریعت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا)

بلکہ میں نے ان میں سے بعض کا یہ حال دیکھا کہ وہ اپنے دوسرے ہم پیشہ پر اعتراض کرتے ہیں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ موقع ملے تو ہلاک بھی کر دے۔

پس بربادی ہو ان سبھوں کی کہ کس قدر کم فائدہ اُٹھا پاتے ہیں دنیا کے اسباب سے! جب کہ دلوں کو پھیرنے والی ذات نے مخلوق کے دلوں سے ان کی محبت بھی نکال دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل اہل اخلاص کی طرف پھیرتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے یہ دنیا سے بھی محروم ہیں کیونکہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے وہ صرف ظاہری ساز و سامان ہیں۔ (حقیقت کچھ بھی نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی عقل عطا فرمادیں جو ہماری دنیا کی بھی تدبیر کرے اور آخرت کو بھی درست کرے یقیناً دینے والا قدرت بھی رکھتا ہے۔

یہ زندگی تجارت کا موسم ہے

مجلس.... جس نے اپنے وجود کی عزت و شرف کو پہچان لیا اس کو چاہیے کہ موجودات میں افضل کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ زندگی تجارت کا زمانہ ہے اور تجارتیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں جبکہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ''ایسی تجارت کرو جس میں مشقت کم ہو اور آمدنی زیادہ ہو'' اس لیے بیدار طبیعت شخص کو قیمتی اور عمدہ تجارت کرنی چاہیے جبکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ نفیس اور کوئی چیز نہیں ہے۔

لہٰذا جن لوگوں نے راہ سلوک طے کر کے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہے ان میں سے بعض نے سفر کے راستہ ہی میں اپنا پورا مطلوب پالیا' بعض ایسے ہیں کہ ان کو اپنے نفع کی فکر لگی ہوئی ہے۔ بعض کی نظر محبوب کی خوشنودی پر ہے لہٰذا وہ اس کی خدمت و اطاعت کے شہر کی طرف سفر کر رہے ہیں اور مقبولیت کی قیمت پر خوش ہو رہے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ساری پونجی مل کر بھی اس کے اعزاز و اکرام کے حق کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔ البتہ بعض ایسے بھی ہیں جو کسی اور راستہ پر ڈال دیئے جانے کے بجائے اس راہِ سلوک میں لگا دیئے جانے پر شکر بھی کر رہے ہیں اور اپنے عجز کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔

اور ایک جماعت ان سب احوال سے بلند ہو کر محض اس توفیق خداوندی پر نگاہ رکھتی ہے جو ان کو اپنے احوال پر نگاہ ڈالنے سے بچا کر عمل میں لگائے ہوئے ہے۔

ایسے لوگ تعداد میں بہت کم ہیں اور یہ سچ ہے کہ ''بڑے مرتبے والے ''عنقاء''[1] سے بھی کم ہوتے ہیں۔''

اے معمر لوگو! کوچ کی تیاری شروع کردو

مجلس.... جب حاجی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مکہ سے کوچ کا وقت قریب ہے تو

[1] عنقاء ایک فرضی پرندہ ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہٰذا عنقاء سے بھی کم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہوتے ہی نہیں یا کم ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ ۱۲ حمزہ

زیادہ سے زیادہ طواف کرتا ہے۔ خصوصاً اگر بڑھاپے یا کمزوری کی وجہ سے دوبارہ واپسی کی اُمید بھی نہ ہو تو ایسے ہی جو عمر کی زیادتی کی وجہ سے موت کے ساحل کے قریب پہنچ چکا ہو اس کو بھی ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھنا اور مناسب ساز و سامان کے ساتھ موت کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ جوانی میں موت کی کمان میں تناؤ ہوتا ہے اور بڑھاپے میں کمان کے سرے سے تانت ڈھیلی ہو جاتی ہے لہٰذا کمان جھک جاتی ہے اور قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔

اب تو موت کے سپاہی کے سامنے جھکنا ہی ہے لہٰذا جلدی کرو اور طہارت کی طرف لپکو تا کہ حاضری طہارت اور پاک دامنی کے ساتھ ہو۔

اب دنیا میں کون سا عیش خوشگوار معلوم ہوگا ایسے شخص کو جس کے اچھے دن اس کو موت کی طرف بڑھا لیے جا رہے ہوں جس کی زندگی کی چڑھان اب اترنے پر مائل ہو اور جس کی طویل بقاء اب اس کی مدت حیات کو گھٹا رہی ہو۔ لہٰذا سامنے آنے والی منزل کو سوچو اور یہی فکر سب سے اہم چیز ہے۔

کیا صحیح حدیث میں نہیں آیا؟

مامنکم احد الا ویعرض علیه مقعده بالغداة والعشی من الجنة والنار فیقال هٰذا مقعدک حتّٰی یبعثک اللّٰه.

”تم میں سے ہر شخص کے سامنے صبح و شام اور جہنم میں ویسے ان کا ٹھکانا پیش کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ حشر میں اُٹھائے جانے تک یہی ہمارا ٹھکانا رہے گا۔“

پس اس شخص پر افسوس ہے جس کو دھمکی سنائی گئی لیکن اس کے باوجود اس نے تیاری نہیں کی اور کیا خوب ہوگا اس شخص کا خوشگوار عیش جس سے جنت کا وعدہ کر لیا گیا۔

جو شخص ستر (۷۰) کے سن کو پہنچ گیا اسے یقین کرنا چاہیے کہ سانس رُک رہا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی نصرت فرمائے جس نے اپنی زندگی کی گھاٹی۔

راضی برضا ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثالی کردار

مجلس.... اللہ جل جلالہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی حقیقت اور ان کا منشاء جو شخص معلوم کرنا چاہتا ہو اسے حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی پوری معرفت حاصل ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ وہ مالک ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے اور سمجھا کہ آپ حکیم ہے اور حکیم کوئی کام فضول اور بے فائدہ نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکیم و دانا کے آگے مملوک غلام کی طرح جھک گئے۔ یہی وجہ تھی کہ تقدیر کے عجیب عجیب فیصلے سامنے آتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اُف نہیں آسکا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ کاش ایسا ہو جاتا اور کاش یہ نہ ہوتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سخت طوفانی ہواؤں کے سامنے کوہ گراں بن کر ثابت رہی۔

غور کرو یہ سارے رسولوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) تن تنہا مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جبکہ ساری دنیا کفر سے بھری ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگے، دار خیزرا میں روپوش ہوئے اور جب اس سے نکلتے ہیں تو کفر کے نمائندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑی کو خون آلود کر دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اوجھڑی ڈالی جارہی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ زبان پر سکوت اور دل میں سکون لیے ہیں۔

ہر موسم میں نکل کر صدا لگاتے ہیں، کون مجھے ٹھکانا دینے کے لیے آگے بڑھتا ہے؟ کون میری مدد پر تیار ہے؟ پھر مکہ سے نکلے تو ایک کافر کی پناہ لیے بغیر دوبارہ مکہ نہیں آسکے لیکن طبیعت میں ذرا نفرت نہیں آئی اور دل میں کچھ بھی اعتراض نہیں کھٹکا۔ حالانکہ ایسے موقعہ پر کوئی دوسرا ہوتا تو کہہ دیتا اے میرے رب! آپ ساری مخلوق کے خالق ہیں اور میری نصرت پر قادر ہیں پھر میں کیوں ذلیل کیا جارہا ہوں؟ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہہ دیا ''کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ پھر اپنے دین کے سلسلے میں ہم معمولی شرائط پر کیوں راضی ہوں؟''

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ کا بندہ ہوں اور وہ مجھ کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں کلمات ان دونوں اصلوں کے جامع ہیں جن کو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ

کا یہ کہنا کہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں'' اپنے مملوک ہونے کا اعتراف تھا۔ گویا آپ نے یہ فرمایا کہ ''میں تو غلام ہوں وہ میرے ساتھ جو چاہے معاملہ فرمائے'' اور یہ کہنا کہ ''وہ مجھ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا'' اس کے حکیم ہونے کو بیان کرنا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ فضول نہیں کرتا ہے۔

پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک میں مبتلا کیے جا رہے ہیں اور پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہیں جبکہ زمین و آسمان کے خزانے خدا تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ اسی طرح آپ کے ساتھی قتل کیے جا رہے ہیں، آپ کا چہرہ مبارک زخمی کیا جا رہا ہے، اگلے دانت ٹوٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا (حضرت حمزہؓ) کا مثلہ کیا جا رہا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ زبان خاموش ہے۔ پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹا دیا گیا اور چھین لیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نواسوں سے دل بہلا رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جا رہی ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سکون حاصل کر رہے تھے تو ان پر تہمت لگائے جانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف مکدر کیا جا رہا ہے، معجزات کے اظہار میں مبالغہ فرما رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسیلمہ کذاب اسود عنسی اور ابن صیاد کو کھڑا کیا جا رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچائی اور امانت کی ناموس قائم فرما رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا اور جادوگر کہا جا رہا ہے، پھر بیماری میں دو مردوں کے برابر جھٹکا دیا جا رہا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم؟ ساکت اور پُرسکون ہیں۔

اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی خبر دی جائے تو صبر کرنا چاہیے۔

پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت میں سختی کی جا رہی ہے چنانچہ آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس حال میں نکالی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیوند لگی چادر اور موٹے کپڑے کی تہبند میں لیٹے ہوئے ہیں اور گھر والوں کے پاس اتنا تیل نہیں ہے کہ اس رات گھر میں چراغ جلایا جا سکے۔

یہ ایسے حالات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی بھی ایسے حالات میں اس درجہ صبر نہیں کر سکا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر فرشتے بھی ان حالات میں مبتلا کر دیئے جاتے تو صبر

نہ کر سکتے۔ دیکھو! یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ کے لیے صرف ایک درخت کے سوا باقی تمام جنت مباح کردی گئی لیکن آپ اس درخت سے اپنے کو روک نہ سکے جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مباح چیزوں کے متعلق فرماتے ہیں: "**ومالی وللدنیا**" مجھ کو دنیا سے کیا سروکار؟

اور یہ نوح علیہ السلام ہیں قوم کے ستانے سے غصہ ہو رہے ہیں اور اس غم سے جو آپ کو دیا گیا پکار کر کہتے ہیں "**لاتذر علی الارض من الکافرین دیّاراً**" روئے زمین پر کوئی کافر گھر والا نہ چھوڑیئے جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**اللّٰھُمَّ اھد قومی فانّھم لایعلمون**" (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما یقیناً وہ مجھ کو جانتی نہیں ہے)

یہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی تو فریاد کرتے ہوئے تقدیر کا حوالہ دیتے ہیں کہ "**ان ھی الافتنتک**" یقیناً آپ ہی کی آزمائش ہے اور جب موت کا فرشتہ آیا تو اس کی آنکھ نکال لیتے ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ کسی سے موت کو پھیر سکتے ہوں تو مجھ سے پھیر دیجئے جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت اور زندگی کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم "رفیق اعلیٰ" یعنی خدا تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام دعا کر رہے ہیں "**ربّ ھب لی ملکاً**" اے میرے رب! مجھ کو سلطنت عطا فرما اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کرتے ہیں "**اللّٰھم اجعل رزق آل محمّد قوتاً**" اے اللہ! محمد کے گھرانہ کا رزق گزارہ کے بقدر عطا فرما[1]۔

خدا کی قسم! یہ ایسے ہی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے وجود اور اپنے مؤجد کو پہچانا ہو پھر اپنی خواہشات کو بجھا کر اعتراضات کو ختم فرما کر اپنی مرضی کو تقدیر کے تابع کر دیا ہو۔

شہوت کا دھوکہ

مجلس.... حسی خواہشات میں سب سے زیادہ خواہش عورتوں کی ہوتی ہے۔

---

[1] انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان تفاضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے آپ نے فرمایا "لا تفضلونی علی یونس من متیٰ" رہا علامہ کا یہ مضمون تو اس کی توجیہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ "کبھی تیز رفتار گھوڑا ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے۔" ۱۲ حمزہ

آدمی کسی عورت کو اچھے کپڑے میں دیکھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ یہ میری بیوی سے زیادہ خوبصورت ہے یا اپنے تصور میں خوبصورت عورتوں کو لاتا ہے تو اس وقت صرف ان کے حسن ہی کا تصور کر پاتا ہے اس لیے ان سے نکاح کی کوشش شروع کر دیتا ہے (اور اگر باندی ہوئی تو) باندی بنانا چاہتا ہے لیکن جب مراد پوری ہو جاتی ہے (یعنی نکاح کر لیتا ہے) تو پھر اس کی نظر بیوی کے عیوب پر پڑنے لگتی ہے اس لیے جلدی ہی اُکتا کر دوسری کی طلب میں لگ جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ بظاہر اپنی خواہشات کا حصول کبھی اپنے اندر بڑی مشقتیں بھی رکھتا ہے مثلاً یہ کہ دوسری بیوی دیندار نہ ہو یا بے وقوف ہو یا اس کو شوہر سے محبت نہ ہو سکے یا گھر کے انتظام کا سلیقہ نہ رکھتی ہو کیونکہ ان سب صورتوں میں جتنا حاصل کیا اس سے زیادہ تو فوت ہو جائے گا۔

یہی شہوت کا وہ دھوکہ ہے جس نے زنا کاروں کو زنا میں مبتلا کر دیا اس لیے کہ وہ عورتوں کے پاس اس وقت میں بیٹھتے ہیں جبکہ ان کے عیوب پوشیدہ اور ان کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں تو اس وقت ان کو اس عورت سے لذت ملتی ہے پھر (جب عیوب ظاہر ہوتے ہیں تو) دوسری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا سمجھدار شخص کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اپنی خواہش کے مطابق پوری مراد کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ "**ولستم بآخذيه الا ان تغمضوا فيه**" دنیا کی عورتوں میں جو خاص عیب ہے اس کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے "**ولهم فيها ازواج مطهرة**" کہ اہل جنت کو جنت میں نہایت پاکیزہ بیویاں ملیں گی۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں عورتیں اس قدر پاکیزہ نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان میں کچھ ظاہری گندگی اور کچھ باطنی عیوب ہوتے ہیں تبھی تو جنت کی بیویوں کا یہ خاص وصف بیان کیا جا رہا ہے جب کہ غیرت دار شخص میل سے بھی نفرت کرتا ہے اور باطنی عیب سے بھی۔

لہٰذا ایسی بیوی پر قناعت کرو جس کے باطن میں دینداری ہو اور ظاہر میں پردے کا اہتمام اور قناعت پسندی ہو تا کہ خوشگوار اور پرسکون زندگی گزرے اور جو آدمی بیویوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہے وہ ایسے شخص کا اضافہ کرنا چاہتا ہے جو اس کے دل کو مشغول کر لے اور دین کی لطافت کو ختم کر دے۔

تقسیم کار

مجلس.... کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ہر شخص کو الگ الگ کام میں لگا دیا تا کہ دنیا میں لوگ چین کی نیند سو سکیں۔

چنانچہ علوم میں دیکھو کہ ایک کو قرآن محبوب بنایا گیا' دوسرے کو حدیث اور تیسرے کو نحو' یہ اسی لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سارے علوم کی حفاظت نہ ہو پاتی۔

اسی طرح معاش حاصل کرنے والوں میں ایک کے دل میں ڈالا کہ نان بائی بن جائے۔ کسی کو حلوہ فروش بنایا کسی کو جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام دیا اور کسی کو صفائی ستھرائی کا تا کہ سب لوگ ایک دوسرے سے جڑے رہیں ورنہ اگر اکثر لوگوں کے دل میں نان بائی بن جانے کا خیال ڈال دیتا تو روٹیاں باسی ہو کر خراب ہو جاتیں یا زیادہ تر لوگ حلوہ فروش ہو جاتے تو حلوے خشک ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے وہ کسی کو نان بائی بناتا ہے اور کسی کو حلوہ فروش تا کہ دنیا اور آخرت کا نظام ٹھیک رہے۔

اور بہت کم نادر لوگ ایسے ہیں جن کے اندر کمال اور افضلیت کی طلب پیدا کرے علم اور عمل کی جامعیت اور دلوں کے معاملات کو درست کرنے کا خیال پیدا کرے جبکہ ایسے لوگ بھی مختلف درجات کے ہوتے ہیں۔ پس کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو پیدا کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے جس کو چاہتی ہے ہم اس سے معافی کا سوال کرتے ہیں اگر اس کی رضا نہ حاصل کر سکے اور سلامتی کی دُعا کرتے ہیں اگر اپنا معاملہ درست نہ کر سکے۔

سنت میں تحریف

مجلس.... درحقیقت علم حدیث ہی شریعت ہے کیونکہ وہ قرآن کی مراد کو واضح کرتا ہے' حلال وحرام کی توضیح کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی سیرت کو بیان کرتا ہے لیکن بہت سے لوگوں نے حدیث میں جھوٹی حدیثیں بھی ملا دی ہیں اور منقولات میں ہر طرح کی ناپسندیدہ چیزیں داخل کر دی ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی صوفی یا واعظ صاحب توفیق ہو تو وہ تو صرف انہیں روایات کو بیان کرتا ہے

جن کی صحت پر اس کو یقین ہو اور اگر صاحب توفیق نہیں ہوا تو صوفی ہر اس حدیث پر عمل کرنے لگتا ہے جس کو سنتا ہے کیونکہ وہ راویوں سے حسن ظن رکھتا ہے اور واعظ ہر وہ مضمون جس کو جاہل لوگ درست سمجھتے ہوں بیان کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کے حالات خراب ہو گئے اور وہ بے خبری میں راہ ہدایت سے منحرف ہو گئے۔ یہ بات کیوں نہ کہی جائے جبکہ زہد پر دلالت کرنے والی اکثر حدیثیں صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہوتیں۔ مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت کہ ''جو مسلمان شخص کسی چیز کی خواہش کرے پھر اپنی خواہش کو دبا کر دوسرے کو ایثار کر دے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔'' حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے جو آدمی کو اس مباح سے روک رہی ہے جس کے ذریعے وہ عبادت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے اور جیسے ''من وضع ثیابا حسانا'' کی روایت۔ ایسے ہی وہ روایت بھی ہے جس کو یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو سالن پیش کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک پیالہ میں دو سالن؟ (لیجاؤ) مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے فضول دنیا کے بارے میں سوال کر لیں'' جبکہ صحیح روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ساتھ ککڑی نوش فرمائی ہے۔ غرض اس طرح کی ساقط روایات اگر تلاش کی جائیں تو بہت سی ملیں گی تو چونکہ ان لوگوں نے اپنے عمل کی بنیاد فساد اور خرابی پر رکھی اس لیے واعظین اور سامعین دونوں کے حالات خراب ہو گئے کیونکہ واعظ اپنی تقریر کو ایسی ہی غلط اور ناممکن باتوں سے تیار کرتا ہے۔

اور (جاہل) صوفیوں کی ایک جماعت ایسی ہی روایات اور حکایات پر عمل کرتی تھی جو صحیح سند سے ثابت نہیں تھیں اس لیے ان کے اوقات غیر مشروع عمل میں ضائع ہوتے تھے پھر وہ ان علماء پر نکیر بھی کرتی تھی جو مباحات کو برتتے تھے اور اس جماعت کا خیال یہ تھا کہ جسم کو خشک کر لینا ہی سارا دین ہے ایسے ہی واعظین کا گروہ بھی ایسی روایات بیان کرتا ہے جو نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے منقول ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے۔ لہٰذا موضوع اور غلط روایات ہی ان کے نزدیک شریعت بن گئیں۔

پس کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اس شریعت کی ان اچھے لوگوں کی روایات

کے ذریعے حفاظت فرمائی ہے جو غلو پسندوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی کتر بیونت کو شریعت سے صاف کرتے رہتے ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایات

مجلس.... مجھ سے ایک محدث نے پوچھا کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ''مسند'' میں کچھ روایات غیر صحیح بھی ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔

(جب اس کی اطلاع عام ہوئی) تو یہ بات ان لوگوں کو گراں گزری جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منسوب تھے (مجھ کو معلوم ہوا) تو میں نے ان کے بارے میں یہ سوچ لیا کہ یہ عام لوگ ہیں اور یہی سوچ کر ان کی فکر چھوڑ دی لیکن کچھ ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے استفتاء کیا تو اس کے جواب میں خراسان کے علماء نے جن میں ابوالعلاء ہمدانی رحمہ اللہ بھی تھے میرے اس قول کو ناگوار سمجھتے ہوئے اس کی تردید کی اور ایسا کہنے والے کو برا بھلا لکھا تو مجھ کو تعجب کے ساتھ حیرت بھی ہوئی اور میں نے جی میں سوچا کہ افسوس! علم کی طرف منسوب حضرات بھی عام لوگوں کی طرح ہو گئے ہیں۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے حدیث سنی لیکن صحیح اور ضعیف کی تحقیق نہیں کی اور گمان یہ باندھ لیا کہ جو شخص بھی یہ بات کہہ رہا ہے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ روایات میں عیب نکالنا چاہتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور، عمدہ اور ضعیف ہر طرح کی روایات نقل کی ہے پھر انہوں نے خود ہی اپنی بہت سی روایات کو رد بھی کر دیا کہ نہ اس کے قائل ہوئے اور نہ اس کو اپنا مذہب بنایا۔ کیا نبیذ سے وضو والی حدیث کے بارے میں انہوں نے خود ہی نہیں فرمایا کہ ''مجہول'' ہے؟

اور جو شخص بھی ابوبکر خلال کی تصنیف ''کتاب العلل'' کا مطالعہ کرے گا وہ اس میں بہت سی ایسی احادیث دیکھے گا جو مسند امام میں موجود ہیں اور خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ان میں طعن کیا ہے اور میں نے قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین الضراء کی تحریر سے مسئلہ نبیذ کے متعلق نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام روایتیں جو لوگوں میں مشہور تھیں روایات کر دی ہیں۔ انہوں نے صحیح اور ضعیف کا اہتمام نہیں

کیا اور اس پر یہ واقعہ دلیل ہے کہ عبداللہ بن امام احمد نے بیان کیا کہ میں نے اپنے ابا جان سے عرض کیا کہ آپ ''ربعی بن حراس'' کی اس روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو انہوں نے حذیفہ سے روایت کی ہے؟ آپ نے پوچھا کیا وہ روایت جس کو عبداللہ بن داؤد روایت کرتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو فرمایا کہ بہت سی حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس کو اپنی مسند میں ذکر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ''میں نے اپنی مسند میں مشہور روایات جمع کرنے کا قصد کیا ہے کیونکہ اگر میں یہ ارادہ کر لیتا کہ صرف وہی روایت لکھوں گا جو میرے نزدیک صحیح ہو تو پھر میں اس مسند میں بہت کم ہی روایات ذکر کر پاتا۔ لیکن اے میرے بیٹے! حدیث کے سلسلے میں تم میرا طریقہ جانتے ہو کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی معارض روایت نہیں ہوتی ہے تو میں ضعیف حدیث کی بھی مخالفت نہیں کرتا ہوں۔''

قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ دیکھو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی مسند کے بارے میں اپنے طریقے کار کو بتلا رہے ہیں تو اب جو شخص حدیث کے صحیح ہونے کے لیے مسند کو معیار قرار دیتا ہے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے طریق کی مخالفت کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس وقت مجھ کو یہ غم ہو رہا ہے کہ علماء بھی علم میں کوتاہی کی وجہ سے عوام کی طرح ہو کر رہ گئے ہیں کہ جب ان کے سامنے کوئی موضوع روایت پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو مروی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمتوں کی کمی اور پستی پر رونا چاہیے ''**ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**''

نفس کی پیروی اور بے غیرتی

مجلس.... گزشتہ زمانہ کے ایک فاسق کا یہ جملہ مجھ تک پہنچا کہ وہ کہتا تھا:

ما اریٰ العیش ان تتبع النفس ھواھا فمخطئًا او مصیبًا.

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی اسی کا نام ہے کہ آدمی اپنی خواہش کی پیروی کرے خواہ اسے خطا کار کہا جائے یا نیکوکار۔ میں نے اس شخص کے حال کو سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس کا دل مردہ ہو چکا تھا کہ نہ اس کو اپنی آبرو پر غیرت رہ گئی تھی نہ عار کا اندیشہ۔ حالانکہ آدمیوں کی کھال میں کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ انسان تو قتل کا اقدام محض اس لیے کر بیٹھتا ہے کہ

اسے بزدل نہ کہا جائے، بہت سا بوجھ اُٹھالیتا ہے تا کہ کہا جائے کہ اس نے کوتاہی نہیں کی اور عار سے ڈرتا ہے لہٰذا فقر و فاقہ کی ہر مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور اس کو لوگوں سے چھپاتا ہے تا کہ حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔ یہاں تک کہ اگر کسی جاہل کو بھی جاہل کہہ کر پکار لیا جاتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے اور وہ چور جو حرام کام کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں جب ایک چور سے دوسرے نے کہا کہ تم بات نہ کرو کیونکہ تمہاری بہن ایسا ویسا کرتی ہے تو اس کو غیرت آ گئی اور اس نے بہن کو قتل کر ڈالا اور جس کو غیرت ہوتی ہے وہ تہمت کے موقع پر نہیں ٹھہرتا ہے تا کہ اس کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ ہو جائے۔

لہٰذا وہ شخص جسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ اس کو نشہ میں دیکھ لیا جائے گا اور اس کی فکر نہ ہو کہ لوگوں کے درمیان اس کا گناہ مشہور ہو جائے گا اور لوگوں کا اس کے متعلق برائی سے تذکرہ کرنا اس کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو تو وہ انسان کی کھال میں کوئی جانور ہے۔

ورنہ بھلا اس شخص کے لیے کون سی مستی ہے جو شراب پیئے پھر پکڑ لیا جائے اور کوڑے کھائے۔ پھر یہ خبریں لوگوں میں پھیل جائیں کیا یہ سب ذلتیں اس لذت کے برابر ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اس سے کئی گنا بڑھی ہوئی ہیں اور کون سی لذت ہے اس شخص کے لیے جو سستی اور کاہلی سے کام لے جبکہ وہ دیکھتا ہو کہ اس کے ہم عصر علم میں اس سے بڑھ رہے ہیں اور وہ جاہل کا جاہل رہ گیا ہے یا تجارت کر کے مال دار ہو رہے ہیں اور وہ فقیر محتاج رہ گیا ہے تو کیا آرام اور کاہلی کی لذت کا کچھ فائدہ ہوا؟

بلا شبہ اگر زنا کار اس افسانہ کو سوچ لے جو اس کے متعلق مشہور ہو گا یا شرعی سزا کا تصور کر لے تو بڑھتا ہوا ہاتھ روک لے مگر بات یہ ہے کہ وہ بجلی کی طرح چمک جانے والی ایک لمحہ کی لذت کو دیکھتا ہے (اور ہمیشہ کی ذلت سے غافل ہو جاتا ہے) ہائے ہمیشہ کے غم کی وہ نحوست جو اس لذت کے بعد حاصل ہو گی اور یہ سب چیزیں دنیا سے متعلق ہیں ورنہ آخرت میں تو عذاب کی تلخی دائمی ہو گی۔ "والذین آمنوا مشفقون منہا"

اللہ تعالیٰ ہم کو رذائل سے نفرت اور فضائل کی ہمت عطا فرما دیں۔ بلا شبہ وہ قریب ہے اور دعائیں سنتا ہے۔

گناہوں کا انجام

مجلس.....سزائیں کبھی فوراً مل جاتی ہیں اور کبھی خدا تعالیٰ کا حلم ان کو مؤخر کر دیتا ہے۔

لہٰذا سمجھ دار وہی شخص ہے کہ جب کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے ورنہ کتنے لوگ جو دوسرے گنہگاروں کی مہلت کو دیکھ کر دھوکہ میں تھے خود ان کو مہلت نہیں مل سکی۔

اور ایسے گناہ جن کی سزا بہت جلد ملتی ہے وہ ہیں جو بے لذت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ممانعت کو فراموش نہ ہونے دیں کیونکہ (یہ گناہ جن میں کوئی لذت نہ ہو) سرکشی اور مقابلہ کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اگر ایسا گناہ ہو جس سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض یا اس کی کبریائی میں شرکت ثابت ہوتی ہے تو پھر تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جبکہ یہ گناہ ایسے شخص سے صادر ہوں جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو کیونکہ ایسے شخص کی معافی بہت نادر ہے۔

حضرت عبدالمجید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خراسان میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جس نے تین دن میں پورا قرآن شریف لکھا تھا تو اس سے ایک آدمی ملا اور پوچھا کہ کتنے دن میں لکھا؟ اس نے تین انگلیوں (وسطیٰ، سبابہ، ابہام) سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تین دن میں! اور ساتھ میں یہ آیت بھی پڑھ دی "وما مسّنا من لغوبٍ" (اور ہم کو کچھ تھکاوٹ نہیں پہنچی) تو اس بے ادبی کی وجہ سے اس کی تینوں انگلیاں خشک ہو گئیں پھر وہ ان سے کچھ کام نہیں کر سکا۔

فائدہ: یہ آیت اس موقع پر آئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ہم کو تھکاوٹ نہیں آئی تو اس شخص نے اپنے کارنامہ کے بعد اس آیت کو پڑھ کر بظاہر اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر لیا، یہی بے ادبی ہے۔۱۲)

اسی طرح ایک نہایت فصیح و بلیغ شخص کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ قرآن کے مثل کلام پیش کر سکتا ہے۔ لہٰذا لوگوں سے کہا کہ مجھ کو تین دن کی مہلت دو یہ کہہ کر بالا خانہ میں گیا اور دروازہ بند کر لیا، جب تین دن کے بعد لوگ اس کے بالا خانہ پر پہنچے تو دیکھا کہ قلم ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور ہاتھ خشک ہو چکا ہے اور اس شخص کی جان نکل چکی ہے۔

حضرت عبدالحمید نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس حالت حیض میں بھی جاتا تھا تو خود اس کو خون آنے لگا جب بیماری حد سے بڑھ گئی تو اس نے

توبہ کی تب خون بند ہوا۔ اور اسی طرح کے گناہ میں (جن کی سزا جلد مل جاتی ہے) یہ ہے کہ آدمی کسی انسان کو اس کے کسی فعل پر عار دلائے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ گناہ ہے کہ ایسی بات سے شرم دلائے جو اس کے اختیار کی نہ ہو مثلاً کہے اے اندھے! یا اے بدصورت! چنانچہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے ایک شخص کو اس کے غریب ہونے پر عار دلادی تو (مجھے اس کی سزا یہ ملی کہ) میں ایک قرض کے سلسلے میں جیل میں ڈال دیا گیا۔

اور سزا کا حال یہ ہے کہ کبھی دیر سے ملتی ہے اور آخر عمر میں پہنچتی ہے۔ پس افسوس! بڑھاپے کی ان تکلیفوں پر جو جوانی کے گناہوں کی سزائیں پہنچتی ہیں۔

لہٰذا گناہوں کے انجام اور نتائج سے بچنے کی کوشش کرو اور توبہ کے ذریعے ان کو مٹانے کے لیے لپکو کیونکہ گناہوں کا نتیجہ برا ہی ہوتا ہے خواہ فوراً ملے یا بہت سے گناہوں کے بعد میں آئے۔ **"نعوذ باللّٰہ منھا"**

جمعیت قلبی کے لیے مال کی ضرورت

مجلس..... یہ سمجھ لو کہ آدمی ایک بڑے کام کے لیے یعنی اپنے خالق کو دلیلوں سے پہچاننے کے لیے نہ کہ تقلیداً ماننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو فکری اطمینان حاصل رہے۔ اسی طرح اس سے فرائض کی ادائیگی اور حرام کاموں سے بچنے کا بھی مطالبہ ہے۔ اب اگر اس کے لیے وہ علم کی طلب میں لگتا ہے تو فکری و قلبی اطمینان کی مزید ضرورت ہوگی (اور یہ اطمینان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ بقدر ضرورت مال موجود ہو) لہٰذا وہ شخص بہت خوش قسمت ہے جس کے پاس بقدر کفایت روزی موجود ہو نہ کہ وہ شخص جو لوگوں کے صدقات و عطایا پر قناعت کر کے بیٹھا ہو اور اگر اس کے پاس بقدر کفایت روزی نہیں ہوگی تو اس کی وہ فکر (جس کا ان کاموں میں مطمئن ہونا ضروری تھا) منتشر ہو جائے گی اور روزی حاصل کرنے کی فکر میں لگ جائے گی پھر عمر اس چیز کے حاصل کرنے میں خرچ ہوگی جو خود مقصود نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے دوسری چیز مقصود تھی اور خود آدمی کی زندگی کا مقصود فوت ہو جائے گا اور اس صورت میں کم رُتبہ لوگوں کا محتاج بھی ہونا پڑتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

حسبی من الدھر ماکفانی　　　یصون عرضی عن الھوانی
مخافۃ ان یقول قوم　　　فضل فلان علی فلان

''مجھ کو اتنی روزی جو بقدر کفایت ہو کافی ہے جو ذلت سے میری آبرو کی حفاظت کر سکے، یعنی لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں نے فلاں پر احسان کیا ہے۔''

لہٰذا سمجھ دار آدمی کو چاہیے کہ جب اسے بقدر کفایت روزی ملے یا پہلے سے کچھ پونجی موجود ہو تو اس کو حفاظت سے رکھے تاکہ اس کا دل مطمئن رہے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ جلدی جلدی اُڑا ڈالے کیونکہ پھر محتاج ہو جائے گا تو اس کی فکر منتشر ہو جائے گی (فطری بات ہے کہ) نفس جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو مطمئن رہتا ہے۔

اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو صرف بقدر کفایت کمائے زیادہ غلو نہ کرے تاکہ دل کا اطمینان بھی حاصل ہو جائے اور ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

(دوسری بات یہ ہے کہ) قناعت بھی اختیار کرے کیونکہ اگر زائد مال کی طرف دل متوجہ ہوا تو پھر وہی انتشار کی خرابی پیدا ہو جائے گی۔ پہلی صورت میں تو انتشار مال نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور یہ انتشار زائد مال کی لالچ کی وجہ سے ہوگا پھر عمر ضائع ہو کر رہ جائے گی۔

ومن ینفق الایام فی حفظ مالہ　　　مخافۃ فقر فالّذی فعل الفقر

''جو شخص فقر کے اندیشہ سے اپنے مال کی حفاظت میں زندگی گزارے تو خود اس کا یہ فعل ہی فقر و احتیاج ہے۔''

پس فضیلتوں کی طلب میں لگے ہوئے اے صاحب ہمت! معاملہ کو سمجھو جب تک تم بچوں کی غذا ان کو نہیں دے دو گے وہ تم کو پریشان کرتے رہیں گے جبکہ تمہاری طبیعت بھی بچہ کی طرح ہے۔ لہٰذا مال کی مدد سے اپنی فکر کو خالی کر لو اور اس مال کا شرف پہچانو جو تمہارے دل کے اطمینان کا سبب بنتا ہے اور مخلوق سے تمہاری آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔

دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ سخاوت سے مجبور ہو کر سب مال خرچ کر ڈالو پھر اس فقیر کی طرح جو تم سے مانگتا ہے دوسرے سے مانگنے پر مجبور ہو جاؤ۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فقر کا اثر محسوس کیا جب اس نے درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال عطا فرمایا۔ اسی دوران دوسرا غریب آیا تو پہلے والے نے ایثار کرتے ہوئے اس کو اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کروایا اور اس شخص کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

"قدر ضرورت پر اکتفا اور فضول کی طرف میلان کو چھوڑ دینا ہی سب سے بڑی اصل ہے۔"

چنانچہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کو لوگوں کے ہدیوں اور عطیوں سے مایوس کرلیا تو آپ کو جمعیت حاصل ہوگئی اور آپ کا تذکرہ مشہور رہا۔ اس کے برخلاف ابن مدینی وغیرہ نے جب اپنے کو لالچ دلائی تو ان کا ذکر کم ہوگیا۔ پھر یہ دیکھو کہ لالچ بھی کن لوگوں سے؟ ظالم بادشاہ سے یہ احسان جتانے والے صاحب نصاب سے یا دے کرناز کرنے والے دوست سے؟

حقیقت یہ ہے کہ عزت ہر لذت سے بڑھ کر لذیذ ہے اور دوسروں کے احسانات کے پھندے سے نکلنا اگرچہ ڈھول پھانک کر ہو بہتر ہے۔

بدحالی کے اظہار سے پرہیز

مجلس.... انسانی طبیعتوں میں یہ بات داخل کردی گئی ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں پر اپنی بڑائی پسند کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کا درجہ دوسروں سے زیادہ رہے۔

لہٰذا جب کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو اس کو دوسروں کے مرتبہ سے گھٹانے والا ہو تو اس حادثہ اور مصیبت کو چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے، مانگنے سے پرہیز کرنے والا غریب اپنا حال چھپائے تاکہ اس کو ترس کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور بیمار اپنا حال چھپائے تاکہ صحت مند دشمن خوشی نہ منائے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو اپنے اصحاب سے جن کو بخار ہونے کی وجہ سے کمزوری آگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہیں کفار مکہ سعی میں کمزوری دیکھ کر خوش نہ ہوں اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے گا جو اپنے جسم سے طاقت کا مظاہرہ کرے گا۔ لہٰذا سب لوگ "رمل" کرو۔ رمل کے معنی ہیں تیز دوڑنا۔ پھر اگرچہ وہ سبب ختم ہوگیا لیکن حکم باقی رہ گیا ہے تاکہ سبب کو یاد کرکے اس کا معنی سمجھا جائے۔

اسی طرح جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں تھے لوگوں نے ملنے کی اجازت چاہی تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھ کو بٹھا دو۔ چنانچہ ٹیک لگا کر قاعدہ سے بیٹھ گئے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ عافیت سے ہیں پھر جب عیادت کرنے والے حضرات واپس ہو گئے تو آپ نے پڑھا:

و تجلدی للشامتین اریهم ان لریب الدهر لا اتضعضع

''میں اپنی قوت کا مظاہرہ دشمنوں کے سامنے کر کے ان کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میں گردش زمانہ کے آگے جھکنے والا نہیں ہوں۔''

واذا المنية انشبت اظفارها الفيت كل تميمة لاتنفع

''جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو میں نے دیکھا کہ کوئی تعویذ کام نہیں کرتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ سمجھ دار اور عقل مند حضرات مصیبتوں' بلاؤں اور احتیاج کے وقت اپنی خوش حالی ہی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں تا کہ ان مصیبتوں کے ساتھ دشمنوں کی خوشی کی مصیبت بھی نہ برداشت کرنی پڑے کیونکہ یہ ہر مصیبت سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا سمجھدار فقیر مالداری اور سمجھ دار بیمار عافیت ہی کا اظہار کرتا ہے۔

اب یہاں یہ نکتہ سمجھنے کے قابل ہے (کہ جس طرح مصیبت کا چھپانا مصلحت کی بات ہے اسی طرح نعمتوں کا بھی زیادہ اظہار مناسب نہیں ہے) کبھی انسان اپنے مال کی کثرت اور نعمتوں کو ظاہر کر دیتا ہے تو اس کا دشمن نظر لگا دیتا ہے ایسے وقت میں نعمتوں کے اظہار سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ نعمتوں کے مصیبتوں سے بدل جانے کی مصیبت کی برابری نہیں کر سکتی ہے جبکہ یہ اصول ہے کہ نظر اسی نعمت پر لگتی ہے جو پسندیدہ اور خوبصورت ہو اور محض یہ خوبصورتی ہی کافی نہیں ہے بلکہ نظر لگانے والے کا حاسد ہونا ضروری ہے اور حاسد بھی وہ جو طبیعت کا برا ہو۔ لہٰذا جب یہ تینوں صفتیں جمع ہو جائیں گی تب نظر بد کا اندیشہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ انسان کو اتنی مقدار میں اخفاء حال ضروری ہے جس پر نظر لگنے کا ڈر نہ رہے اور وہ مامون رہے۔ پس نعمتوں کا زیادہ مظاہرہ نہ کرے کیونکہ ایسے وقت میں نظر کا خطرہ ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی تھی:

"لاتدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقة"
(تم لوگ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا)
دیکھو! آپ نے بیٹوں پر نظر ہی لگ جانے کا خوف تو کیا اس فصل کو خوب سمجھ لو یقیناً یہ ان لوگوں کے لیے بہت نفع بخش ہے جو غور کریں۔

دنیوی زندگی آخرت کا مکتب ہے

مجلس.....ہم لوگ اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں تا کہ اپنے خالق کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی گزار سکیں۔ اس طرح کہ اس کی معرفت بھی حاصل رہے اس سے گفتگو کا شرف بھی ملتا رہے اور اس کا دیدار بھی نصیب ہوتا رہے لیکن پہلے ہم کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ دنیا کی مثال ایک مکتب اور مدرسہ کی سی ہے جس میں ہم لکھنا پڑھنا سیکھ رہے ہیں تا کہ بچہ کے اندر بالغ ہونے کے وقت مرتبوں کے حصول کی اہلیت موجود رہے۔

اب بعض بچے غفلت زدہ بچے دیر تک مکتب میں رہ کر نکلتے ہیں پھر بھی انہوں نے کچھ سمجھا نہیں ہوتا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنے وجود کو نہیں جانتے اور وجود کا مقصد نہیں سمجھ سکے۔

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ذہنی غفلت فہم کی قلت اور پڑھنے لکھنے کی محنت نہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے بچوں کو ستاتے بھی ہیں ان کو تکلیف دیتے ہیں' کھانے پینے کا سامان چرا لیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے بچے شکایت اور فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو یہ وہ بچے ہیں جنہوں نے نہ کچھ صلاحیت پیدا کی نہ کچھ سمجھا اور نہ شرارت ہی سے باز رہے۔ یہ شرارت کرنے اور ستانے والوں کی مثال ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے تھوڑا سا لکھنا پڑھنا سیکھ لیا لیکن کام کی صلاحیت بہت کم اور کتابت بہت خراب ہوتی ہے تو یہ اس حال میں فارغ ہوئے کہ بس اپنے معاملہ کا حساب کتاب کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے کچھ سمجھا تو لیکن درجات وفضائل سے محروم رہ گئے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے لکھنا تو عمدہ سیکھ لیا لیکن حساب نہیں سیکھا اور ادب و

سلیقہ کے مضامین میں حفظ تو کر لیے لیکن ان کو عمل میں نہیں لائے تو ایسے بچے بادشاہ کے منشی بن سکتے ہیں لیکن ہمیشہ اس خطرہ میں رہیں گے کہ کہیں بدسلیقگی اور اندر کا لالچ نہ اُبھر آئے۔

اور بعض ایسے بچے ہوتے ہیں جن کی ہمت ان کو تمام بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے تو یہ اپنے مکتب میں سب سے آگے اور اپنے استاذ کے نائب ہوتے ہیں پھر اپنی عزت نفس میں، باطن کے سلیقہ اور ادب میں اور ظاہری آداب کے فن میں مہارت کی وجہ سے سب طلبہ سے فوقیت لے جاتے ہیں۔ ان کے دل میں ایک جذبہ ہوتا ہے جو انہیں جلدی جلدی علم کی اور ہر طرح کی فضیلت کی تحصیل پر ابھارتا رہتا ہے کیونکہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ مکتب خود مقصود نہیں ہے بلکہ اس میں اس لیے داخلہ ہوا ہے تاکہ یہاں رہ کر سلیقہ حاصل کر لیا جائے اور مردانگی اور کام کی قوت پیدا کر لی جائے۔ لہٰذا ہر فضیلت کے سلسلے میں اپنے اوقات کی قدر کرتے ہیں تو یہ مثال اس مؤمن کامل کی ہے جو آزمائش کے دن اپنے ہم عصروں پر سبقت لے جائے گا اور جس کے عمل کی تختی خوبصورت تحریر سے چمک رہی ہوگی اور وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوگا "ھآؤم اقرؤا کتابیہ" (لو میرا اعمال نامہ پڑھو)

جیسے یہ مکتب کے بچے مختلف استعدادوں کے ہیں ایسے ہی اہل دنیا بھی مختلف ہوتے ہیں کہ بعض ہلاکت میں ہیں اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں اور یہ کافروں کا حال ہے اور بعض تھوڑے سے ایمان کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہیں تو ان کو سزا ملے گی پھر انجام کار جنت میں جائیں گے۔ بعض گناہ سے محفوظ ہیں لیکن عمل میں کوتاہ ہیں اور کچھ عمل میں آگے ہیں لیکن اپنے آگے والوں سے پیچھے ہیں تو وہ آگے والوں کی بنسبت کوتاہ ہیں۔

پس اے سمجھ دار لوگو! ڈرو اور عمل کی طرف لپکو کیونکہ یہ دنیا تو وطن کی طرف لے جانے والا ایک پل ہے اور یہ زندگی اصل ٹھکانہ کی طرف سفر ہے اور بادشاہ مطلق کی ہم نشینی و قرب کا ایک راستہ ہے۔ لہٰذا بادشاہ کی ہم نشینی کے لیے تیاری کر لو اس سے گفتگو کا سلیقہ پیدا کر لو اور اس کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنے کی مشق کر لو تاکہ دربار میں قرب کے اہل بن سکو۔

ایسا نہ ہو کہ سستی بدن کو لاغر کرنے میں رکاوٹ بن جائے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ مقابلہ کے دن کی یاد تم کو کوشش پر آمادہ کر دے خوب سمجھ لو کہ مؤمنین کو اپنے خالق کا قرب دنیا سے

پرہیز ہی کے بقدر ملے گا اور مرتبے حیثیت کے بقدر لہٰذا تیلی کا درجہ دربان کے برابر نہیں ہوگا اور دربان وزیر کے مقام کو نہیں پاسکتا' دو جنتیں ایسی ہیں جن میں جو کچھ ہے سب سونے کا ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں جن کا برتن وغیرہ ہر سامان چاندی کا ہے جبکہ فردوس اعلیٰ دوسروں کے لیے ہے اور جو لوگ جنت کے نچلے طبقہ میں ہوں گے وہ اوپر والے درجات کو ایسے دیکھیں گے جیسے روشن ستارہ دیکھا جاتا ہے (دور اور اوپر)

لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل مال زکوٰۃ امین کے حوالے کرنے کی لذت کو سوچے اور مقابلہ کے دن مدح کی شیرینی کا تصور کرے۔ اسی طرح دوڑ کا مقابلہ کرنے والا ایسی کوتاہی سے بچنے کی کوشش کرے جس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور اس عیب سے ڈرے جس کا برا تذکرہ ہمیشہ باقی رہ جائے گا۔ یہ دیکھو ''جہنمیوں'' جو خدا تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں ان کو خواہشات کی پیروی نے عیب دار کر دیا تھا پھر عافیت ملی تو کافی مدت کے بعد نجات پائے۔ لہٰذا نصیحت حاصل کرو اور خواہشات سے صبر کرلو' زندگی کے ایام تو بہت تھوڑے ہیں۔

فقراء مال داروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا کوشش کرو اور جلدی قدم بڑھاؤ کیونکہ علامت ظاہر ہو چکی ہے۔ خصوصاً اس شخص کے سامنے جس نے وادی کو دیکھ لیا ہو اپنے اس علم کے ذریعے جو راستہ بتلانے والا ہے یا اس بڑھاپے کے ذریعے جو کوچ کی علامت ہے اور یہی وہ منزل ہے جس کی آرزو کرتے ہیں کوشش کرنے والے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح نکلنے کے وقت میں تلاوت کر رہے تھے ان سے پوچھا گیا کہ اس وقت میں بھی؟ تو فرمایا میرا اعمال نامہ لپیٹا جا رہا ہے تو جلدی جلدی اس میں اضافہ کر رہا ہوں۔ اب آخر میں یہ سن لو کہ جو خدا تعالیٰ کا ''مراد'' ہوتا ہے اسے توفیق سے نوازا جاتا ہے اور جو ''مطلوب'' ہوتا ہے اس کی مدد ہوتی ہے اور جب وہ تمہارے لیے خیر کا ارادہ کرلیں گے تو پھر تم کو اس کے لیے تیار بھی کر دیں گے۔

مقابلہ کا میدان اور ہمتوں کا فرق

مجلس..... میں نے ایک عجیب نکتہ پر غور کیا۔ وہ یہ کہ وہ اہل جنت جو نچلے درجے میں ہوں گے اپنے سے اوپر والوں کے مقابلہ میں بہت پستی میں ہوں گے اور وہ اوپر والوں

کا فضل بھی پہنچانتے ہوں گے۔ تو اگر نیچے والوں نے ان فضیلتوں کو سوچا جو ان سے چھوٹ گئی ہیں تو ان کو بہت حسرت ہونی چاہیے۔

مگر ایسا ہوگا نہیں کیونکہ جنت میں ایسی لذتیں اور اتنا خوشگوار ماحول ہوگا کہ اس کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور جنت میں غم نہیں پھٹکے گا بلکہ ہر شخص ان نعمتوں پر جو اس کو ملیں گی دو وجہ سے خوش رہے گا۔ ایک یہ کہ اس کو اس بات کا گمان ہی نہیں ہوگا کہ کوئی دوسرا اس سے بڑی نعمتوں میں ہے۔ اگر چہ اس کا درجہ اوپر ہی ہو (مطلب یہ کہ درجات کا فرق تو ظاہر ہوگا لیکن نعمتوں کے فرق کی طرف خیال نہیں جائے گا۔۱۲)

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہی نعمتیں اس کو محبوب کر دی جائیں گی۔ جیسا کہ بدصورت اور بدخلقت بیٹا محبوب بنا دیا جاتا ہے تو آدمی اس کو خوبصورت اجنبی پر ترجیح دینے لگتا ہے۔

لیکن اس کے تحت ایک لطیف حقیقت ہے وہ یہ کہ ہمتیں دنیا میں فضیلتوں کے حصول سے قاصر بنائی گئی ہیں پھر اس قصور کے مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ کچھ ایسے ہیں جو قرآن پاک کا بعض حصہ یاد کر کے چھوڑ دیتے ہیں اس کی تکمیل کا شوق نہیں رکھتے ہیں' کچھ ایسے ہیں جو حدیث کے کچھ حصے سن کر چھوڑ دیتے ہیں' کچھ فقہ کا تھوڑا سا حصہ حاصل کیے ہوئے ہیں' کچھ وہ ہیں جو ہر چیز میں تھوڑے تھوڑے پر راضی ہیں' کچھ صرف فرائض پر اکتفاء کیے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ رات میں صرف دو رکعت پر قناعت کیے بیٹھے ہیں حالانکہ اگر ان کی ہمتیں بلند ہوتیں تو ہر فضیلت کے حصول کی کوشش کرتیں' کمی اور کوتاہی سے نفرت کرتیں اور بدن کو تھکا ڈالتیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ولکل جسم فی الفحول بلیة ۔۔۔ وبلاء جسمی من تفاوت ھمتی

''تمام لوگوں کے جسم میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہوتی ہے اور میرے جسم کی مصیبت میری ہمت کی بلندی ہے۔''

اور ہمتوں کے فرق پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ بہت سے لوگ قصہ کہانی کے لیے تو راتوں کو جاگ لیتے ہیں لیکن تھوڑی دیر جاگ کر قرآن پاک سننا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حشر کے میدان میں جب انسان اُٹھایا جائے گا تو ساتھ میں اس کی وہ ہمت بھی

موجود ہوگی پھر جب اسے دنیا میں محنت کے بقدر درجہ دیا جائے گا تو جیسے اس کی ہمت نے دنیا میں کمال کا شوق نہیں کیا اور کمی پر راضی رہ گئی اسی طرح آخرت میں بھی کم درجہ پر راضی رہ جائے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی عقل سے سوچتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بدلہ عمل کے بقدر ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھتا ہے وہ ایک ہزار رکعت پڑھنے والے کے ثواب کی اُمید نہیں رکھتا ہے۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ یہ تصور کیسے ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنے سے اوپر والے کا مرتبہ نہ چاہے (یعنی مرتبہ کی خواہش کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟) میں کہتا ہوں کہ اگر اپنے سے اوپر والے کا مرتبہ پانے کا تصور نہ ہوسکے تو اس کے فوت ہونے پر غم ضرور ہوگا لیکن یہ بتاؤ کیا تم نے کوئی ایسا عالم دیکھا ہے جس کو علم کے فوت ہونے پر ایسا غم ہوا ہو جو قلق میں مبتلا کردے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ علم کے حصول میں لگ جاتا۔

حاصل یہ کہ ان کے پاس ایسی ہمت نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے انہیں افسوس ہو بلکہ وہ اپنی نعمتوں پر راضی رہیں گے۔ پس جو کچھ میں نے بیان کیا اس کو سمجھو اور جلدی کرو کیونکہ یہ مقابلہ کا میدان ہے۔

یہود و نصاریٰ کو باقی رکھنے میں راز

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے یہود و نصاریٰ کے ہمارے درمیان باقی رہنے اور ان سے جزیہ وصول کرنے کی حکمت پر غور کیا تو اس میں عجیب حکمتیں نظر آئیں۔

ایک تو وہی حکمت ہے جو بیان کی جاتی ہے کہ اسلام پہلے ضعیف تھا تو ان کے جزیہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ان کی ذلت سے اسلام کی عزت ہے۔

مگر میرے دل میں ایک عجیب نکتہ آیا وہ یہ کہ ان کا وجود ان کی عبادت اور اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی حفاظت یہ سب چیزیں اس پر دلیل ہیں کہ پہلے بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام اور شریعتیں رہ چکی ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے اور پہلے نبی نہیں تھے۔ جیسا کہ جب جنات اکٹھا ہوئے جو خدا تعالیٰ کو مانتے اور پچھلے رسولوں کا اقرار کرتے تھے تو معلوم ہوگیا کہ ہم نے کوئی ایسا دین نہیں ایجاد کیا جو پہلے نہیں تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے باطل پر ثابت قدم ہیں اور جزیہ دینا برداشت کررہے ہیں تو

پھر ہم حق پر ثابت قدم کیوں نہ رہیں جبکہ حکومت ہماری ہے؟

اور ان کے باقی رہنے سے اس دین کا احترام بھی ہے جو پہلے صحیح رہ چکا ہے۔ لہٰذا اصحاب بصیرت اس پر غور کریں اور اصحاب فکر اس کو سوچیں۔

جامعیت اور کمال پیدا کرو

مجلس.... علم کا شرف اور اس کی فضیلت دلیل سے ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن طلباء علوم مختلف جہتوں میں تقسیم ہو گئے یعنی ہر ایک کے نفس نے اس کو کسی خاص علم یا فن کی طرف مائل کر دیا۔

چنانچہ بعض نے اپنی عمر فن قرأت میں گزار دی حالانکہ یہ علم کے متعلق کوتاہی کی بات ہے کیونکہ اس کو مشہور قرأت پر اعتماد کرنا چاہیے تھا نہ کہ شاذ قرأت پر۔ ایک قاری کے لیے یہ بات کتنی بری ہے کہ اس سے فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ نہ جانے حالانکہ اس کو فقہ حاصل کرنے سے صرف اسی بات نے روکا ہے کہ وہ فن قرأت میں صرف کثرت طرق میں مشغول رہا۔

اسی طرح بعض صرف فن نحو اور اس کی توجیہات میں مشغول رہ جاتے ہیں۔ بعض صرف لغت میں اور بعض حدیث لکھتے ہیں اور اسی میں زیادتی کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن لکھی ہوئی حدیث کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ خود ہم نے اپنے محدث اساتذہ میں بعض کو دیکھا کہ جب ان سے نماز کا کوئی مسئلہ پوچھ لیا جاتا تو نہیں سمجھ پاتے تھے کہ کیا کہیں؟ یہی قراء کا حال ہے اور ایسے ہی اہل لغت اور اہل نحو بھی ہیں۔

مجھ سے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ فقیہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن المنصوری نے بیان کیا کہ ہم اپنے والد کے ساتھ محمد بن خشاب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمد بن خشاب نحو اور لغت میں امام تھے۔ حاضرین نے فقہ کے مسائل میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے فرمایا ''تم لوگ مجھ سے جو چاہو پوچھو'' اس پر ایک شخص نے پوچھا کہ اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ نماز میں تکبیر کے وقت ہاتھوں کا اُٹھانا کیا ہے؟ تو ہم کیا جواب دیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رکن ہے' یہ سن کر سارے لوگ ان کی فقاہت کی کمی پر حیرت زدہ رہ گئے۔

اس لیے سمجھ دار طالب علم کو چاہیے کہ ہر علم سے کچھ کچھ حاصل کرے پھر فقہ میں اہتمام

سے لگ جائے پھر سارے علوم کے مقصود پر بھی نظر ڈالے اور وہ ہے اللہ سے صحیح تعلق اس کی معرفت اور اس کی محبت۔ وہ کتنا بے وقوف ہے جو ساری زندگی علم نجوم میں گنوا دے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس فن کے تھوڑے سے حصہ کو حاصل کرتا یعنی منازل وغیرہ پہچان لیتا تاکہ اس کے ذریعے اوقات کا علم حاصل ہو جاتا۔ رہا یہ سوچ کر اس میں لگنا کہ اس سے خدا تعالیٰ کا فیصلہ اور تقدیر کا حال معلوم ہو جائے گا تو یہ محض جہالت ہے کیونکہ خدا کے فیصلہ اور تقدیر کا حال صحیح طور سے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے اور مدعی کی جہالت ظاہر ہو چکی ہے۔ ہاں کسی وقت میں صحیح بات معلوم بھی ہو جاتی ہے لیکن کسی حادثہ کا پہلے سے علم ہو جانے میں سوائے اس کے کہ ابھی سے غم شروع ہو جائے اور کیا فائدہ ہے؟ اگر کوئی کہے کہ اس حادثہ کو دفع کرنے کی تدبیر کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ جب وہی مقدر ہے تو پھر اس کے متعلق کسی تدبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ایسے ہی ان لوگوں سے بڑھ کر وہ شخص بیوقوف ہے جو ''کیمیا'' کے فن میں مشغول ہوتا ہے کیونکہ یہ صرف بکواس ہے۔ کھلی بات یہ ہے کہ جب سونا تانبا نہیں ہو سکتا ہے تو تانبا بھی سونے سے کیسے بدل سکتا ہے؟ اس کے باوجود یہ کام کرنے والا اگر کسی درجہ میں کامیاب بھی ہو گیا تو یہ پیسوں کے جمع کرنے میں لوگوں کو دھوکہ دینے والا ہے۔

اور علم کے طالب کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نیت درست کرے کیونکہ اخلاص کے نہ ہونے سے اعمال میں قبولیت کی شان نہیں پیدا ہو پاتی اور علماء کی مجالس میں شرکت کرے مختلف اقوال میں غور کرتا رہے، کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ کوئی کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہوتی اور زیادہ توجہ مضامین یاد کرنے میں رکھے۔ لہٰذا جب حفظ سے تھک جائے تبھی مطالعہ میں مشغول ہو۔

بادشاہوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وتابعین کے طریقہ کو پیش نظر رکھے اور نفس کے مجاہدہ اور علم پر عمل کی پوری کوشش کرے اور یہ حقیقت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے اس کو ان چیزوں کی توفیق بھی دیتے ہیں۔

عقل کا پردہ

مجلس.....مجھ کو ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جن کے اندر ذلت سے نفرت اور حد سے زیادہ کبر موجود ہو۔ خاص طور پر وہ اہل عرب جو ایک جملہ سے ناراض ہو کر جنگ چھیڑ دیتے تھے خواہ انہیں قلت اور ذلت ہی برداشت کرنی پڑ جائے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا تو کہنے لگے "ہم رکوع اور سجدہ کیسے کریں کیونکہ پھر ہمارے سرین ہم سے اوپر اُٹھ جائیں گے" تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**لاخیر فی دین لیس فیه رکوع ولا سجود**" اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں رکوع سجدہ نہ ہو لیکن یہ لوگ اپنے اس تکبر کے باوجود ایسے معبودوں کے سامنے جھکتے تھے جن سے بہتر خود تھے۔ چنانچہ کسی کو دیکھو کہ پتھر کو پوجتا ہے اور کوئی لکڑی کو پوج رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ تو گھوڑوں اور گائیں کی عبادت کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ ابلیس سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ابلیس نے دعویٰ کمال کی وجہ سے اپنے سے کمتر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا "**انا خیر منه**" میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں اور فرعون کو کسی بھی چیز کی عبادت کرنے سے عار آئی۔ اس لیے ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے کہ جو کہنے کو متکبر اور اکڑ والے ہیں لیکن پتھر اور لکڑی کے سامنے جھکتے اور ذلیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ کم رُتبہ لوگ اہل کمال کے سامنے جھکیں اور اسی کی طرف اس آیت میں بتوں کی مذمت کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا ہے۔

"**الهم ارجل یمشون بها ام لهم ایدیبطشون بها ام لهم اعین یبصرون بها**"

(کیا ان کے پاس پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس تو ادراک کرنے والے ایسے آلات اور اعضاء ہیں ان کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا کامل کیسے اپنے سے ناقص کے آگے جھک جاتا ہے؟ مگر اصل سبب یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش اور اپنی

طرف سے گھڑے ہوئے مذہب کی شیرینی نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لیے وہ حقیقت کو نہیں سوچ سکے۔ پھر ان پر حسد کا غلبہ ہو گیا جس کی وجہ سے حق کو پہچان لینے کے باوجود بھی اس کو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ امیہ بن صلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سچ سمجھتا تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے لیکن پھر واپس ہو گیا اور کہنے لگا" میں اس رسول پر ایمان نہیں لاؤں گا جو قبیلہ ثقیف کا نہ ہو" اور ابو جہل کہا کرتا تھا کہ "خدا کی قسم محمد نے کبھی جھوٹ نہیں کہا لیکن کعبہ کی خدمت اور دربانی تو بنو ہاشم میں تھی ہی اب نبوت بھی اسی میں ہو گی تو ہمارے لیے کیا بچے گا؟" اور ابو طالب معجزات کو دیکھ کر کہا کرتے تھے "مجھ کو یقین ہے کہ تم حق پر ہو لیکن اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھ کو عار دلائیں گی تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا" (یعنی ایمان قبول کر لیتا)

ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں حسد کی ظلمت سے، کبر کی غفلت سے اور ایسی خواہش کی حماقت سے جو عقل کے نور پر پردہ ڈال دیتی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ہدایت اور حق کے تقاضوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بندگی کی حقیقت

مجلس.... ہم نے صلحاء کی ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ انہوں نے اللہ رب العزت سے سلامتی محبت اور لطف کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا اس لیے کہ ان کی طبیعت کسی دوسرے برتاؤ کی متحمل نہیں تھی۔

چنانچہ پہلی اُمتوں میں ایک عبادت گزار "برخ" نامی تھے بارش کی دعا کے لیے نکلے تو مناجات کرتے ہوئے کہا یہ کیسا معاملہ ہے جس کی ہم آپ سے امید نہیں رکھتے تھے؟ ابھی ہم کو سیراب کیجئے؟ یہ کہتے ہی بارش ہو گئی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت انس بن نضیرؓ تھے انہوں نے کہہ دیا کہ "خدا کی قسم! ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا" تو ایسا ہی ہوا بھی (کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا گیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرما چکے تھے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انّ من عباد اللّٰہ لو اقسم علی اللّٰہ لا برہ" اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔

دراصل یہ وہ حضرات ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے لطف ومہربانی کے تصور کا غلبہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ لطف کا معاملہ فرمایا اور ان کے اعتقاد کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

لیکن ایسے موقع پر ان سے بھی بلند مرتبہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مانگتے ہیں تو محروم کر دیئے جاتے ہیں اس کے باوجود وہ اس محرومی پر خوش رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو ناز نہیں ہوتا بلکہ خوف ان کو لگام دیئے رہتا ہے اور احتیاط ان کے سروں کو جھکائے رکھتی ہے اور یہ لوگ اپنی زبانوں کو ناز اور مستی کے لائق بھی نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کی انتہائی آرزو معافی اور درگزر کی ہوتی ہے۔

اور اگر کبھی ان میں کا کوئی کسی چیز کے سوا میں ناز کا معاملہ کر بیٹھا پھر قبولیت کا اثر نہیں دیکھا تو اپنے ہی کو زجر وتوبیخ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "تیرے جیسے شخص کی دُعا قبول نہیں کی جاسکتی" اور کبھی کہتا ہے کہ یقیناً مصلحت محرومی میں ہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ خدا کے مرد ہیں کیونکہ وہ بڑا بیوقوف ہے جو اپنے کو اس بات کا اہل سمجھے کہ اس کی دعا سن ہی لی جائے گی اور اگر نہ سنی گئی تو باطن میں کمی محسوس کرے۔ گویا وہ اپنے عمل کی اجرت مانگ رہا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت سے نفع پہنچایا ہو۔ سچا بندہ تو وہی ہے جو اپنے خالق کے فیصلہ پر راضی رہے۔ اگر سوال کرے اور سوال سن لیا جائے تو اس کو فضل سمجھے اور اگر نہ سنا جائے تو اس کو مالک کا تصرف سمجھے اور اس کے دل میں کسی طرح کا بھی اعراض وبے رُخی راہ نہ پائے۔

علم نافع کی حقیقت

مجلس.... میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کی نافرمانی کرتی ہے اور سمجھتی یہ ہے کہ علم ان کی طرف سے دفاع کرے گا حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ علم ہی ان کا فریق ومدعی بنے گا اور یہ کہ عالم کے ایک گناہ کی مغفرت سے پہلے پہلے جاہل[1] کے ستر گناہ

---

[1] جاہل سے مراد یہ ہے کہ اس گناہ کے گناہ ہونے سے کسی عذر معقول کی وجہ سے جاہل رہ گیا ہو یہ نہیں کہ جس نے درس نظامی سے فراغت حاصل کرلی تو یہ عالم ہے بقیہ سب جاہل اور پکڑ میں سختی صرف ان ہی بیچاروں سے ہوگی جنھوں نے درس نظامی پڑھ لیا باقی سب جاہل ہیں آزاد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لیے کہ جاہل نے اللہ تعالیٰ سے کوئی تعرض نہیں کیا جب کہ عالم (جو اس فعل کا گناہ ہونا جانتا تھا) نے اللہ کے حکم کا لحاظ نہیں کیا۔

بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ ''میں نے تو اپنی درانتی دو کٹائی کے درمیان ڈال دی اور سو گیا'' یہ کہہ کر ناجائز کاموں میں مبتلا ہو گئے۔ تو میں نے سوچا کہ ''علم جو نام ہے حقائق کی معرفت بزرگان دین کی سیرت کے مطالعہ' حضرات صوفیہ کے طریقہ کو اپنانے (یعنی آداب شریعت سے آراستہ ہونے) اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آپ کے احکام کے پہچاننے کا'' وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں ہے بلکہ ان کے پاس الفاظ کی صورتیں ہیں جن سے یہ حلال حرام پہچان لیتے ہیں حالانکہ علم نافع اتنے ہی کا نام نہیں ہے۔

حقیقی نافع علم تو اصول دین کی فہم' معبود حقیقی کی اور اس کے حقوق کی معرفت وعظمت' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سیرتوں کا مطالعہ' ان حضرات کے آداب سے آراستگی اور جو کچھ ان کے متعلق منقول ہے اس کو سمجھنا یہی ہے وہ علم نافع . ء کو اپنے نزدیک اس قدر حقیر کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو جاہلوں سے بھی بدتر خیال کرنے لگتے ہیں۔

میں نے ایک صوفی کو دیکھا جنہوں نے ایک مدت تک عبادت کی تھی' پھر سست پڑ گئے' ان کے متعلق مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے کہا ''میں نے تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی ہے جیسی کسی نے نہ کی ہو گی لیکن اب میں ضعیف ہو گیا ہوں'' تو میں نے کہا کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ کلمہ ہی ان کی سب عبادتوں کے ضائع ہونے کا سبب نہ بن جائے کیونکہ ان کی نگاہ اس پر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں ''کچھ'' کیا ہے پھر طلب درجات کے ذریعے نجات کا سوال کرنے لگے تو اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے عمل اپنے ہی لیے کیا تھا لہٰذا ان کی مثال اس شخص کی طرح سے ہو گی جو کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے حالانکہ ایسے شخص کو اپنے دینے والے پر احسان جتلانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

دراصل اس ناز کا سبب حقائق سے ناواقفیت ہے ورنہ ان اصحاب نسبت بڑے علماء کے مقابلہ میں اس شخص کی کیا حیثیت ہے جن میں حضرت حلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ایک شخص گناہ کا گناہ ہونا اور اس پر وارد وعیدوں کو جہ نتا۔ ت وہ اس کا عالم ہے اور جو کسی عذر کی بناء پر نہیں جان سکا وہ اس کا جاہل ہے۔ جاہل اور عالم کا معیار یہ ہے۔ ۱۲ حمزہ

ہیں جن کی ہیبت سے درندے جانور بھی ڈر کر بھاگتے تھے حالانکہ اخیر رات میں تہجد کے وقت وہ کہا کرتے تھے ''اے میرے رب مجھ کو جہنم سے پناہ میں رکھئے کیا بھلا میرے جیسا آدمی جنت کی طلب کرسکتا ہے؟''

اوراس سے زیادہ بلیغ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے: ''میں چاہتا ہوں کہ برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ کچھ ملے نہ کچھ چھنے'' اور وفات کے وقت حماد بن مسلمہ سے حضرت سفیان کا یہ جملہ بھی کہ ''کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ میرے جیسا گناہ گار جہنم سے چھٹکارا پا جائے گا؟'' اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلمہ کہ ''ابھی نہیں''

لہٰذا! میں اللہ رب العزت کی اس بات پر حمد کرتا ہوں کہ میں علم کی علامت لگانے والے علماء کی جہالت سے جن کی میں نے مذمت کی ہے اور زہد کی صورت اختیار کرنے والوں کی نادانی سے جن پر میں نے نکتہ چینی کی ہے چھٹکارا پا گیا ہوں کیونکہ مجھ کو خالق کی وہ عظمت معلوم ہے اور محققین کے ایسے حالات معلوم ہیں جو زبان ناز کو گنگ اور اپنے افعال پر نظر کو بند کر دیتے ہیں۔

بھلا میں کیونکر اپنے پسندیدہ فعل پر نظر ڈالوں جبکہ اس نے مجھ کو اس کام کی توفیق دی اور ایسے علم پر مطلع کیا جو دوسروں سے مخفی رہا تو کیا وہ علم مجھ کو خود سے حاصل ہو گیا یا اس کے لطف سے؟ اور میں کیسے اس پر شکر ادا کرسکتا ہوں کہ اس نے مجھ کو خود شکر کی توفیق عطا فرمائی۔

پھر اس پر غور کرو کہ کون ایسا عالم ہے جو گزشتہ علماء کے علوم کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ لگائے پھر اس کے سامنے اپنے کو حقیر نہ تصور کرے جبکہ یہ گفتگو علوم ظاہری کے متعلق ہے علوم باطنی کی بات ہی چھوڑو۔ اسی طرح کون سا عبادت گزار ایسا ہے جو گزشتہ عبادت گزاروں کا حال سن کر ان کی ظاہری عبادات میں ہی مقابلہ کرسکتا ہو باطنی حالات کا ذکر ہی چھوڑو۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم کو ایسی معرفت نصیب فرمائے جس سے ہم اپنی حیثیت پہچان لیں تاکہ اپنے علوم وعبادات کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے عجب وناز کا ہمارے دلوں میں کوئی اثر نہ رہ جائے اور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ایسی معرفت کا ذریعہ بن جائے جو زبانوں کو ناز کے بول بولنے سے گونگا کردے۔

ہم کو اس کے فضل سے اُمید ہے کہ ایسی توفیق عطا فرمائے گا جس کے ذریعے ہم اپنے

اعمال کی ان آفتوں اور خرابیوں کو دیکھ سکیں گے جن کے نہ دیکھنے کی وجہ سے کبر و ناز میں پڑ جاتے ہیں تا کہ اعمال کے عیوب کو دیکھنے سے اپنے اعمال پر شرمندگی ہو (نہ کہ ناز و عجب ہو) بلاشبہ وہ قریب ہے دعائیں سنتا ہے۔

آخرت کی لذتیں بہتر اور دائمی ہیں

مجلس....زندگی کا عیش مکدر ہو جانے کا اصل سبب وقتی لذتوں سے محرومی ہے اور دنیا میں سوائے اس عارف کے جس کو محبوب کی خوشنودی اور آخرت کے سفر کی فکر مشغول کیے رکھتی ہے کسی کو بھی ہمیشہ کا عیش نہیں میسر آ سکتا ہے جبکہ عارف کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اگر اسے دنیا میں کوئی راحت ملی تو اس کو بھی طلب آخرت کے کام میں لاتا ہے اور اگر تنگی یا سختی پہنچی تو بھی آخرت کے ثواب کے لیے اس پر صبر کر لیتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے متعلق ہر فیصلہ پر خوش رہتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تصور کرتے ہوئے اس کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مرضی اس وقت یہی ہے جیسا کہ ایسے ہی عارفوں میں سے کسی نے کہا ہے:

ان کان رضاکم فی سھری　　　فسلام اللّٰہ علیٰ وسنی

''اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ میں جاگوں تو پھر اپنی نیند کو سلام''

رہا وہ شخص جو دنیا میں لذت کا طالب ہو وہ ہمیشہ اپنی مراد کے فوت ہونے کے وقت رنجیدہ اور خواہشات سے محرومی کی وجہ سے غمگین رہتا ہے محتاج ہو گیا تو دل کی حالت بدل گئی اور اگر ذلیل ہو گیا تب دل بدل گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل اپنی خواہشات اور اغراض میں اٹکا ہوا ہے۔

حصری نے کتنا اچھا جملہ کہا ''مجھ پر کون سی نعمتیں میری وجہ سے ہیں؟ اور کون سا کمال میرا اپنا ہے؟'' دیکھو! یہ ایک عارف کا کلام ہے کیونکہ انسان اگر اپنے ملکہ پر نظر رکھتا ہے تو اس کی حقیقت ایک غلام کی سی ہے جس میں اس کے مالک کا تصرف نافذ ہے۔ لہٰذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے پھر انسان کا یہ چاہنا کہ میری مرضی کے مطابق معاملہ ہو یہ تو مالک اور اس کے مملوک کے درمیان دخل اندازی ہے اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنا مالک ہوں تو وہ تو اپنے ہاتھ سے اسی دن نکل چکا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ''ان اللّٰہ اشتریٰ'' (بلاشبہ اللہ نے مؤمنین کو خرید لیا ہے)

بھلا کیا خریدار کو بکری ذبح کرتے دیکھ کر بیچنے والا ناراض ہوتا ہے۔ یا اس کے دل میں کوئی اعتراض آتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر مالک سبحانہ وتعالیٰ کہہ دیتے کہ ''میں نے تم لوگوں کو اس لیے پیدا کیا تاکہ اپنے وجود پر استدلال کروں پھر تم سب کو فنا کردوں گا دوبارہ زندہ نہیں کیا جانا ہے'' تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے حضرات بول اُٹھتے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور مان لیا۔ بتاؤ ہمارے اندر کون سی چیز ہماری اپنی ہے کہ ہم بولنے کی مجال بھی کریں؟ پھر یہ جواب اس وقت کیوں نہ دیں جبکہ ہم سے بڑے انعام کا اور ہمیشہ کی نہ ختم ہونے والی نعمت کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے میں مشقتوں پر صبر کی ضرورت پڑتی ہے لیکن جب حرم نظر آجاتا ہے اس وقت راستہ کے تعب اور تکان کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا اے راہ خدا کے مبتدی! صبر سے کام لے منزل سامنے ہے اور خوش ہو جا اے متوسط! خیمے لگائے جارہے ہیں اور مستی سے اتراؤ اے عارفو! تم تو بشارتوں سے نوازے جارہے ہو دور ہوگئے خدا کی قسم! تم سے اعمال کے بوجھ کیونکہ مجاہدہ کے تلخ گھونٹ کے بعد تم کو خدا کی معرفت کی حلاوت نصیب ہوگئی ہے جس کی وجہ سے منہ میں تلخی کا اثر نہیں رہ گیا ہے۔

تصور کرو جلدی ملنے والی مناجات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لذت کا اور خوشنودی کے پیالوں کے پانے کا کیونکہ دنیا کا سورج ڈوبنے لگا ہے۔

ما بيننا له الا اتصر ما هذه السبع البواقي
حتّٰى يطول حديثنا بصنوف ما كنا نلاقي

''ہمارے اور اس کے درمیان انہیں سات دنوں کا فاصلہ ہے، پھر ہماری گفتگو دراز ہوگی، ہمارے طرح طرح کے اعمال کے متعلق۔''

محرومی کی حکمت

مجلس.... ایک بار میں نے شیبان چرواہے کی اس بات کو سوچا جو اس نے حضرت سفیان سے کہی تھی کہ ''اے سفیان اللہ کے نہ دینے کو بھی عطیہ سمجھو کیونکہ اس نے کسی بخل کی

وجہ سے تم کو محروم نہیں کیا ہے بلکہ لطف و مہربانی ہی کی وجہ سے نہیں دیا'' تو میں نے محسوس کیا کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جس نے حقائق کو پہچانا ہے کیونکہ انسان کبھی نہایت خوبرو عورتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن قدرت نہیں پاتا اور اس کی یہ عاجزی ہی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ اگر قدرت پالیتا (اور نکاح کر لیتا) تو ان کی حفاظت کی فکر میں یا ان کے (زائد مطالبہ کے لیے) کمانے کی فکر میں دل کا اطمینان رخصت ہو جاتا اور اگر ان سے عشق ہو جاتا تو اسی میں عمر ضائع ہو جاتی اور آخرت کا خیال ان کے تصور سے بدل جاتا اور اگر کہیں وہ عورتیں اس کو ناپسند کر دیتیں تب تو ہلاکت ہی لکھی تھی۔ اسی طرح اگر اتنا خرچ مانگنے لگیں جس کی وسعت نہ ہو تو اس کی وجہ سے مروت اور آبرو خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ یا انہوں نے ہمبستری کی خواہش کی اور یہ پورا نہ کر سکا تو یا تو اس کو برباد کر دیں گی یا خود زنا میں مبتلا ہو جائیں گی اور اگر اتفاقاً خود مر گئیں تو افسوس میں یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ لہٰذا جو شخص بہت حسین عورت ڈھونڈتا ہے وہ ناواقفی میں اپنے ذبح کے لیے چھری ڈھونڈ رہا ہے۔

اسی طرح بقدر کفایت روزی بھی خدا کی نعمت ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"اللّٰھُمَّ اجعل رزق آل محمّد قوتًا"** (اے اللہ! محمد کی اولاد کا رزق بقدر کفایت ہی رکھیے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زیادہ ہوگا تو فکر میں انتشار کا سبب ہوگا۔)

پس سمجھ دار وہی ہے جس نے جانا کہ یہ دنیا عیش و آرام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے پھر زندگی کے گزارہ کے لیے ہر طرح کے حال پر قناعت کر لی۔

عملی کوتاہی میں تقدیر کا بہانہ

مجلس.... کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ تقدیر کا بہانہ بناتے ہیں۔ لہٰذا بعض کہنے والے کہتے ہیں کہ ''اگر مجھ کو توفیق دی جاتی تو میں ایسا کرتا'' حالانکہ یہ فضول بہانہ اور حکم کو ٹالنے کی کوشش ہے۔ بلکہ ایسا کہنے والا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام شریعتوں کو جھٹلا رہا ہے کیونکہ اگر کوئی کافر مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا کہ ''اگر خدا مجھ کو توفیق دیتا تو میں اسلام ضرور لاتا'' تو آپ اس کے سوا کیا جواب دیتے کہ اس کو قتل کروا دیتے۔

یہ تو وہی بات ہوئی جو خوارج نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہی تھی کہ ''ہم لوگ

آپ کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں'' آپ نے فرمایا ''**كلمة حق اريد به الباطل**'' بات تو سچی ہے لیکن اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے اور زکوۃ سے انکار کرنے والوں نے بھی ایسا ہی جملہ کہا تھا۔ ''**انطعم من لو يشاء الله اطعمه**'' کیا ہم ان کو کھلائیں جن کو اللہ چاہتا تو خود ہی کھلاتا۔ خدا کی قسم توفیق ہی سب اعمال کی بنیاد ہے لیکن ہے مخفی چیز جبکہ کرنے کا حکم کھلا ہوا ہے تو خفی (پوشیدہ) کا ذکر کر کے جلی (کھلا ہوا) کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ویسے اس بہانہ کی تردید کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ اس کہنے والے سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جس چیز کا بھی مکلف بنایا ہے اس کے ذرائع تم کو دیئے ہیں اور اس کی قدرت بھی عطا کی ہے۔ لہٰذا اگر قدرت نہ ہو اور ذرائع و آلات نہ حاصل ہوں تو نہ کوئی حکم ہے نہ تکلیف۔ ہاں اگر ذرائع و آلات ہوں اور تم ان سے اپنی خواہشات و اغراض کے حصول کی کوشش کرتے ہو پھر فرائض کی ادائیگی میں بھی ان کے ذریعے کوشش کرو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ تم نفع کے حصول کے لیے سفر کرتے رہتے ہو لیکن جب حج کے لیے کہا جاتا ہے تو نہیں کرتے ہو رات میں (تہجد اور نماز فجر کے لیے) جاگنا تم پر گراں ہوتا ہے لیکن عیدگاہ جانے کے دن سحری کے وقت اُٹھ جاتے ہو۔ کسی ضرورت کے لیے دوست کے ساتھ بات کرتے گھنٹوں کھڑے رہ جاتے ہو لیکن جب نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو جلدی کرتے ہو۔ ذرا دیر کھڑا رہنا تم پر بار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا! خبردار، خبردار کبھی ایسی بات نہ کہو جس کی دلیل نہ رکھتے ہو۔ پھر یہ دیکھو کہ تمہارا حصہ گھٹ رہا ہے اور تمہارا نفع ضائع ہو رہا ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے ہی متحرک ہوا اور تمہارے ہی نفع کے لیے ابھرا۔ لہٰذا آگے بڑھو جلدی کرو کیونکہ دوسرا آگے بڑھ رہا ہے اور یہ چیز تمہاری سستی کو دور کرے گی (اگر تم غور کرو گے) کہ تم جدوجہد کرنے والوں کا وہ بدلہ سوچو جو تم سے فوت ہو گیا ہے۔ یقیناً کوتاہی کرنے والے کے لیے سب سے بڑی تنبیہ اسی میں ہے اگر اس کے اندر زندگی ہو اور اگر ہمت مردہ ہو چکی ہو تو پھر مردہ کو کسی بھی زخم کی تکلیف نہیں پہنچا کرتی ہے۔

تیرا کیا حال ہو گا جب تو قبر سے اُٹھے گا اور دیکھے گا کہ کچھ لوگوں کو نجات کے خالص پروانے ملے ہیں اور تو لغزش کھا گیا ہے اور نیکوکاروں کے قدم پل صراط پر تیزی سے چلے

ہیں اور تو لڑکھڑا گیا؟ افسوس اس بیکاری کی لذت گزر گئی اور حسرت کی تلخی باقی رہ گئی ہے کسل کے کٹورہ کا پانی خشک ہوگیا ہے اور شرمندگی کی تری باقی رہ گئی ہے۔ بھلا سوچو تو کہ آخرت کی مقدار کے مقابلہ میں دنیا میں تمہیں کتنے دن رہنا ہے؟ پھر دنیا میں بھی تمہاری عمر کتنی ہے جس کا آدھا حصہ بھی سونا ہے اور باقی غفلت؟

لہٰذا اے حور جنت کو پیغام نکاح دینے والے! (جس کے پاس عزیمت کا ایک پیسہ بھی نہیں ہے) عبرتوں کی روشنی میں فکر کی نگاہ کھولو تا کہ تم اپنے خطاب کے مواقع دیکھ سکو۔ پھر اگر باطن سے کوئی رکاوٹ دیکھو تو مہربان مددگار سے فریاد کرو اور سحر کے وقت جاگو تا کہ منافع کا قافلہ دیکھ سکو اور استغفار کرنے والوں کی قطار میں شامل ہو جاؤ۔ اگر چہ چند قدم ہی کے لیے سہی اور جدوجہد کرنے والوں کے مقام میں داخل ہو اگرچہ چھوٹی سی منزل ہی میں سہی۔

حقیقت کے بجائے رسم

مجلس.... میں نے حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ دیکھا کہ ''آج کل میں اسلام کی نشانیوں میں سے صرف قبلہ کو پہچانتا ہوں'' (باقی تمام اوصاف وعلامات مٹ چکے ہیں) تو میں نے سوچا کہ ہائے تعجب! اگر وہ ہم کو اور ہمارے اس دور کو دیکھتے تو کیا کہتے جبکہ ہمارے پاس صرف شریعت کی رسوم رہ گئی ہیں۔

شریعت تو ایک راستہ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے معلوم ہوگا یا اقوال سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے انحراف یا تو جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے۔ لہٰذا آدمی کبھی طبیعت اور عادت کے مطابق عمل شروع کر دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریعت کے خلاف کسی عمل کو اپنا طریقہ بنالیتا ہے۔

اب یہ دیکھو کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنے کانوں سے سنا تھا اس لیے ان میں سے کوئی شخص بھی جادۂ نبوی سے منحرف نہیں ہوا لیکن ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طبیعتوں کے میلان کی وجہ سے ذرا سا تغیر محسوس کیا تو چیخ پڑے حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی درست طریقہ

کو جانتے ہوئے بھی طبیعت کے میلان کی وجہ سے ذرا سا مائل ہو جاتا ہے۔

پھر رفتہ رفتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی احادیث اور آثار کا مطالعہ اور ان پر عمل کم ہوتا گیا یہاں تک کہ ہمارے اس زمانے میں تو ان سے بالکل ہی بے رُخی برتی جانے لگی' صرف چند ہی روایت لوگوں کے علم میں رہ گئیں اور شریعت کے برخلاف بہت سے طریقے بنا لیے گئے' لوگوں کی عادتیں غالب آ گئیں اور یہی عادت اور خود ساختہ طریقے شریعت کی پیروی کے مقابلہ میں زیادہ سہل ہو گئے۔

اور جب کہ اکثر اہل علم ہی حضرات نے علوم شریعت سے اعراض شروع کر دیا ہے تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا[1]۔

پھر جب اکثر علماء نے منقولات یعنی قرآن وسنت سے رُخ موڑ لیا تو اس کے نتیجہ میں لامحالہ عقائد اور مسائل میں بدعت کے مرتکب ہو گئے۔ چنانچہ عقائد میں بحث کرنے والے علم کلام میں مشغول ہوئے تو اس کو فلاسفہ اور مناطقہ سے اخذ کیا' جزئیات فقہ کی تحقیق کرنے والوں نے اس میں حصہ لیا تو جدل وجدال میں پھنس گئے اور اس حدیث کو نظر انداز کر دیا جس پر وہ حکم دائر تھا۔

پھر واعظوں نے دیکھا کہ شہرت کا سکہ نفاق سے چلتا ہے اس لیے کچھ لوگوں نے تصوف کا مکر شروع کر دیا حالانکہ ان کا مقصود دنیا تھی اور اکثر نے یہ دیکھا کہ لوگ گانوں کی طرف بہت مائل ہوتے ہیں اس لیے وعظ کی مجالس میں خوش الحان قاریوں کو بلانے لگے اور خود بھی غزل کے اشعار پڑھنا شروع کر دیا۔ حدیث اور سنت کا بیان چھوڑ دیا اور عوام کو سود سے' زنا سے اور دوسرے فرائض وواجبات کے ترک سے منع کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اسی طرح ان میں تقریر کرنے والا پوری مجلس لیلیٰ ومجنوں طور وموسیٰ ابوزید وحلاج کے تذکرہ میں اور بالکل فضول بکواس میں ختم کر دیتا ہے (دین ونصیحت کی بات ذرا بھی نہیں کرتا ہے)۔

---

[1] بریلوی مکتب فکر کے علماء حضرات اس پر خاص توجہ فرمائیں۔ اگر چہ نصیحت عام ہے اور سب کے لیے سرمہ بصیرت ہے لیکن محض بزرگوں کے ملفوظات اور اعمال ہی کو شریعت اور خود ساختہ عبادات ہی کو مذہب بنا لینے والوں کے لیے خاص طور پر یہ مضمون بصیرت افروز اور چشم کشا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ شریعت ہوگا یا بعد کے بزرگان دین جن میں بہت سے مجذوب اور مغلوب الحال حضرات بھی ہوئے ہیں ان کو اسوۂ بنایا جائے گا۔ ۱۲ حمزہ

اور کچھ لوگ تصوف اور خلوت کے بہانہ سے مخلوق سے کنارہ کش ہوئے تو بیماروں کی عیادت اور لوگوں کے درمیان چلنے سے پرہیز کرنے لگے' خشوع کا مظاہرہ شروع کر دیا' مجاہدات اور قلت طعام پر کتابیں لکھیں اور شریعت اپنے نزدیک ابویزید' شبلی اور دوسرے صوفیاء "رحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة لانهم حفظوا جواهر الاعمال الدينية' فجزاهم الله تعالىٰ جزاء حسنا ايضا ۱۲ حمزه)" کے ملفوظات واقوال ہی کو بنالیا۔ حالانکہ یہ بات متعین ہے کہ جو شخص شریعت کی گہرائی میں اترے گا وہ شریعت میں ان (اشغال واعمال مخصوصہ) میں سے کوئی چیز بھی نہ پائے گا[1]۔

یہی حال امراء اور حکام کا ہے کہ عادتوں پر عمل کر رہے ہیں اور جو کچھ دست درازیاں شریعت کے خلاف کرتے ہیں اس کو سیاست سے تعبیر کر دیتے ہیں اور ان میں سے بعد میں آنے والا پہلے والے کے نقش قدم پر چلتا ہے تو بتاؤ شریعت محمدیہ کہاں ہے؟ اور قرآن و سنت سے بے رخی کے ساتھ اس کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہنے اور بدعات ورسوم کو مٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ قدرت والا ہے۔

حرص اور شہوت کی کوئی انتہا نہیں

مجلس.... میں مشہور واعظ علی بن حسین کا یہ جملہ جو تو تقریر کے دوران منبر پر کہتے تھے سنا کرتا تھا کہ "خدا کی قسم! کل رات میں اپنے نفس کی وجہ سے بہت رویا" تو سوچتا تھا کہ آخر ان کے نفس نے کیا کر دیا کہ رونے پر مجبور ہو گئے۔

یہ تو ایسا شخص ہے جس کے پاس بہت سی ترکی باندیاں موجود ہیں اور مجھ کو یہ خبر بھی ملی ہے کہ اس نے اندر اندر بہت سی عورتوں سے نکاح کر رکھا تھا اس کی عام غذا حلوہ اور مرغ

---

[1] یعنی تصوف کے وہ مخصوص اعمال ومجاہدات واشغال جونص شریعت سے ثابت نہ ہوں ان کو بحیثیت دین و شریعت کے شریعت میں نہ پاوے گا اور جو ان کو شریعت سمجھے یا شریعت میں ان کے موجود ہونے کا دعویٰ کرے فعلیہ البیان باقی جو شخص ان اعمال واشغال مخصوصہ کو شریعت اور دین نہ تصور کرے محض وسیلہ اصلاح قلب اور معین کسر نفس تصور کر کے ان کو برتے تو اس پر کوئی اشکال بھی نہیں ہے اشکال تو صرف ان کو دین بنا لینے پر ہے خوب سمجھ لو اور تفصیل کے لیے "حقيقة الطريقة اور التكشف عن مهمات التصوف کا مطالعہ کرو" ۱۲ حمزه

ہوتی تھی۔ اسی کے ساتھ اس کے پاس کثیر آمدنی، بہت سا مال، بہت زیادہ جاہ اور لوگوں پر اس کے احسانات بھی تھے اور اس نے کچھ علم بھی حاصل کر رکھا تھا اور بہت سے علماء کو اپنے احسانات سے غلام بنا رکھا تھا۔ غرض اس کے ہاتھ بہت کھلے ہوئے تھے پھر آخر کون سی چیز تھی جس کے لیے اسے رونا پڑتا تھا؟

میں نے اس پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ نفس کسی بھی حد پر ٹھہرتا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ایسی لذتوں کا طالب رہتا ہے جن کی کوئی انتہاء نہ ہو۔ لہٰذا جب کوئی لذت حاصل ہو جاتی ہے تو بے مزہ ہو جاتی ہے اور وہ دوسری کی طلب میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح عمر فنا ہوتی ہے، بدن کمزور ہوتا ہے، نقص آتا رہتا ہے، جاہ گھٹتی رہتی ہے لیکن مراد حاصل نہیں ہو پاتی۔

دنیا میں اس شخص سے بڑا کوئی بے وقوف نہیں ہے جو دنیا میں لذتوں کی انتہاء کا طالب ہو جبکہ دنیا میں درحقیقت لذت ہے بھی نہیں یہاں کی لذت کیا ہے کسی تکلیف دہ چیز سے پہنچنے والی تھوڑی سی راحت اور بس (یعنی جتنی لذتیں ہیں وہ کسی مضر اور تکلیف دہ چیز ہی سے ذرا سی حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً نکاح، کھانا، کپڑا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کے حصول میں اور نبھانے میں جو تکلیف اور مشقتیں اور نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں ان کے مقابلے میں ایک لمحہ کی لذت کی کیا حقیقت ہے۔ ۱۲ حمزہ)

لہٰذا نیک بخت وہی شخص ہے کہ جب اسے کوئی ایسی بیوی یا باندی مل جائے جس کی طرف دل مائل ہو اور وہ بھی اس کی طرف مائل ہو اور اس کے پردہ اور دینداری کو دیکھ لے تو پھر اسی کی رفاقت پر گرہ باندھ لے اور اس کی محبت باقی رکھنے کا سب سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرے کیونکہ جب نگاہ آزاد ہوگی تو دوسری عورت کی بھی طمع ہوگی پھر نئی کی خواہش پرانی کے ساتھ لطف و مہربانی کو مکدر اور اس کے ساتھ میل جول کو کم کر دے گی اور پرانی کے عیوب کو چھپائے گی نہیں۔ لہٰذا نفس دور سے نظر آنے والی اجنبی کی طرف لپکے گا اور قریب رہنے والی بیوی کے ساتھ لطف کر کرا ہو جائے گا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

والمرء مادام ذاعين يقلبها   في اعين الحور موقوف على الخطر

يسر مقلته ماضر مهجته   لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

''آدمی جب تک اپنی نگاہ عورتوں کی نگاہوں پر ڈالتا رہتا ہے خطرہ میں پڑا رہتا ہے اس کی نگاہ ایسی چیز سے خوش ہوتی ہے جو روح کے لیے مضر ہے ایسی خوشی سے کیا فائدہ؟ جو نقصان دہ ثابت ہو۔''

پھر دوسری بھی پہلی کی طرح ہوجائے گی اور نفس تیسری کی طرف لپکے گا۔ حاصل یہ کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے لہٰذا پسندیدہ عورتوں سے نگاہ نیچی رکھنا اور خوبصورت عورتوں سے نفس کو مایوس کر دینا ہی زندگی کو خوشگوار کرسکتا ہے۔

جس نے اس نصیحت کو نہیں مانا وہ خواہشات کے راستوں میں لغزش کھائے گا اور جلد ہی ہلاک ہوجائے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ خود ہی اپنے کو ہلاک کرنے کی کوشش کر ڈالے یا رسوائی میں مبتلا کرلے کیونکہ اکثر خوبصورت عورتیں پاکدامن نہیں ہوتی ہیں اور رسوائی کے ساتھ پوری لذت جمع نہیں ہوسکتی ہے جبکہ مال میں فضول خرچی ہوتی ہیں اور بعض شوہر سے نفرت کرتی ہیں اور شوہر ان سے کسی بت کے پجاری کی طرح محبت کرتا ہے۔ (غرض ہر طرح سے تکلیف دہ ہیں)

سب سے بڑا احمق وہ سن رسیدہ بوڑھا ہے جو کم سن عورت چاہتا ہو حالانکہ کھلی بات ہے کہ سچی لذت تو کم عمری ہی میں ملتی ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے:

''فَعَلَّتْ بنفسی النساء الصغار'' (پس میرے جی کو کم سن عورتوں نے بہلایا)

جب تک عورت کم سن ہوگی یعنی بالغ نہ ہوئی ہوگی تب تک لذت کامل انہیں ملے گی اور جب بالغ ہوجائے گی تو خواہش زیادہ کرے گی اور بوڑھا اس کی قدرت نہ پاوے گا۔ اب اگر اپنے اوپر زبردستی کرلے گا تو بھی عورت کی مراد پوری نہیں کرسکے گا۔ البتہ خود بہت جلد ہلاک ہوجائے گا۔ خبردار! اپنی خواہش نفس سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ اس کی خواہش (جھوٹی فجر) فجر کاذب کی طرح ہوتی ہے (کہ نکلی پھر فوراً غائب ہوگئی)

ہم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ اس نے ایک باندی خریدی تھی پھر اس کے ساتھ رات گزاری تو صبح مردہ پایا گیا۔ اسی طرح ایک نوجوان جو دو مہینہ تک ہسپتال میں داخل رہ چکا تھا اس کے پاس اس کی بیوی آئی، نوجوان نے ہمبستری کرلی تو (سہار نہ سکا) مرگیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے پاس کچھ خون اور منی کی مقدار تھی جب وہ ختم ہوگئی تو روح کا سہارا ختم ہوگیا اس

لیے روح چلی گئی اور اگر بوڑھا ہمبستری نہ کرے صرف یونہی لذت اُٹھائے تو جوان عورت تو صبر نہیں کرسکتی ہے اس لیے وہ دشمن ہوجائے گی۔ پھر جب اس پر شہوت غالب ہوگی تو یا تو زنا میں مبتلا ہوجائے گی یا پھر شوہر کو قتل کرنے کی تدبیر سوچے گی۔ خصوصاً وہ باندیاں جو زیادہ تر کافروں کے ملکوں سے آئی ہیں کیونکہ ان میں سخت دلی ہوتی ہے۔

بہت برا ہے اس شخص کے لیے جو ساٹھ کے سن کو عبور کرچکا ہو کہ وہ زیادہ عورتوں سے تعلق رکھے۔ لہٰذا اگر کوئی دیندار اور جوان عورت مل جائے تو اس کو قبول کرلے پھر رہن سہن میں اس کی رعایت و دلجوئی کرے اور اپنی کمی کو کبھی خرچ میں زیادتی کرکے اور کبھی اچھے برتاؤ کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ کثرت سے اس کو نیک اور پاک باز عورتوں کے حالات سنائے' قیامت اور دنیا کی مذمت کا ذکر زیادہ کردے اور اس سے عرب کی محبت کا اظہار کرے (یعنی یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ میں تم سے اہل عرب کی طرح محبت کرتا ہوں) کیونکہ اہل عرب عشق کرتے ہیں لیکن عشق میں محبوب سے ہمبستری نہیں کرنا چاہتے۔ جیسا کہ ایک عاشق نے کہا ہے:

انما الحب قبله — وغمز کف و عضد

انما العشق هکذا — ان نکح الحب فسد

''محبت تو ایک بوسہ ہے اور ہاتھوں و بازوؤں کا اشارہ' عشق تو بس یہی ہے اگر نکاح ہوگیا تو عشق بگڑا۔''

اور اگر اس کو حمل یا اولاد میں مشغول کرسکتا ہو تو ایسا کردے تاکہ اس کی مشغولی کے زمانہ میں اپنی قوت کو حاصل کرسکے اور اگر ہمبستری کرے تو انزال سے اپنے کو روکے رہے تاکہ اپنی قوت باقی رہے اور اس کا حق پورا ہوجائے۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نکاح کیوں نہیں کیا؟ تو فرمایا کیا میں کسی مسلمان عورت کو دھوکہ دیتا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف''

وہ شخص بہت بھولا بھالا ہے جس نے کسی کام سے دخل اندازی سے پہلے اس کے انجام کو

نہ سوچ لیا اور دانہ دیکھ کر لپک گیا لیکن پروں کے نوچے جانے اور ذبح کے منظر کو بھول بیٹھا۔

میری ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نگاہ کی حفاظت کی جائے، نفس کو دوسری اور تیسری کے حصول سے مایوس کر دیا جائے، موجود پر قناعت کی جائے خصوصاً جبکہ شوہر سن رسیدہ ہو اور جانتا ہو کہ کم سن عورت دشمن ہو جاتی ہے اور بوڑھے شوہر کی ہلاکت کی آرزو رکھنے لگتی ہے اور بوڑھا شوہر کم سن عورت کو دوسروں کے لیے پالنے والا بن جاتا ہے (کیونکہ خود اس کی ضرورت پوری نہیں کر پاتا ہے اس لیے وہ زناکار ہو جاتی ہے)

میری بعض نصیحتیں ایسی بھی ہیں جو عقل مند آدمی کو ان آفتوں میں پڑنے سے روک دیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے اس کی توفیق عطا فرمائیں اور عقل و شریعت کے تقاضا پر چلائیں۔ بلاشبہ وہ قریب ہے دعائیں قبول فرماتا ہے۔

ٹال مٹول نادانی ہے

مجلس.... انسان کا اپنی سلامتی پر مغرور ہونا اور اصلاح حال کو آئندہ کے لیے مؤخر کر دینا عجیب ہے حالانکہ نہ اس تاخیر کی کوئی انتہاء ہے اور نہ اس غرور کی کوئی حد۔

لیکن جب اس کی صبح و شام سلامتی کے ساتھ گزر جاتی ہے تو اس کا دھوکہ بڑھ جاتا ہے اور آرزو دراز ہو جاتی ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر کیا نصیحت ہوگی کہ تم ساتھیوں کے گھروں کو بھائیوں کے حالات کو اور محبوب رشتہ داروں کی قبروں کو دیکھ رہے ہو اور تم کو یقین ہے کہ چند دن بعد تم بھی انہیں کی طرح ہو جاؤ گے مگر تم کو تنبیہ نہیں ہو رہی ہے حتیٰ کہ ایک دن تم ہی دوسروں کے لیے تنبیہ اور عبرت بن جاؤ گے جبکہ خدا کی قسم یہ احمقوں کی شان ہے (کہ دوسروں کے لیے عبرت اور خود عبرت ہوں حاصل نہ کریں) جس کے پاس عقل ہو وہ اس راستہ پر چل ہی نہیں سکتا۔

ہاں سمجھدار آدمی سلامتی کے زمانہ میں جلدی کرتا ہے۔ لہٰذا دوسرے اوقات کے لیے ذخیرہ کر لیتا ہے اور توشہ کے حصول پر قدرت کے زمانہ میں حسرت و تنگی کے وقت کے لیے توشہ جمع کر لیتا ہے۔ خصوصاً جو شخص یہ جانتا ہو کہ آخرت کے درجات عمل کے بقدر ہی بلند ہوتے ہیں اور فوت کے بعد تلافی ممکن نہیں ہے۔

فرض کرلو کہ گنہگار معاف کردیا جائے گا لیکن اس کو عمل کرنے والوں کے مراتب کہاں میسر ہوسکیں گے؟ جو شخص اپنے دل میں جنت کی یاد بسالے گا جس میں نہ موت ہوگی نہ بیماری، نہ نیند ہوگی نہ غم بلکہ اس کی ہر نعمت دائمی اور نہ ختم ہونے والی ہوگی بلکہ یہاں کی کوشش کی زیادتی کے بقدر زیادہ ہوتی رہے گی تو وہ اپنے اوقات پر جھپٹے گا۔ لہٰذا ضرورت ہی کے بقدر سوئے گا اور ایک لحہ کے لیے بھی تعمیر سے غافل نہیں ہوگا۔

جس نے اس پر غور کیا کہ گناہ کی لذت گزر گئی اور اس کی آفتیں باقی رہ گئیں تو یہی چیز اس کو گناہ سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ خصوصاً ایسے گناہ جن کے آثار ہمیشہ رہ جاتے ہیں مثلاً کسی شوہر والی عورت سے زنا کرنا جس سے وہ حاملہ ہوجائے اور وہ حمل شوہر کا مان لیا جائے کیونکہ پھر میراث میں اہل کا حصہ کم ہوجائے گا اور نااہل کو حصہ مل جائے گا۔ اسی طرح نسب خراب ہوتا ہے، عورت برباد ہوجاتی ہے اور یہ سب چیزیں ہمیشہ رہتی ہیں اور یہ سب کچھ صرف ایک گھڑی کی لذت کی نحوست ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو ایسی توفیق عطا فرمائے جو سیدھا راستہ دکھائے اور بربادی سے روک دے۔ یقیناً وہ قریب ہے دعا قبول فرمالیتا ہے۔

اللہ اپنی ذات وصفات کے آئینہ میں[1]

مجلس.... میں نے سوچا کے عقائد میں گڑ بڑی کس وجہ سے ہوئی؟ تو اندازہ ہوا کہ محسوسات کی طرف میلان اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔

چنانچہ کچھ لوگوں پر محسوسات کا غلبہ ہوا تو جب اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرسکے تو اس کا انکار کر بیٹھے اور یہ بھول گئے کہ وہ اپنے افعال سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جاری ہونے والے تمام فیصلے اور افعال کے لیے کسی کرنے والے کا ہونا تو ضروری ہی ہے کیونکہ کوئی بھی ذی ہوش آدمی جب کسی ویران صحراء سے گزرتا ہے پھر کچھ دنوں بعد اس میں لگے ہوئے درخت اور بنی ہوئی عمارت دیکھتا ہے تو یقین کرلیتا ہے کہ ان کا لگانے والا اور بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے کیونکہ درخت خود سے نہیں اُگ آتے اور عمارت خود سے نہیں کھڑی ہوجاتی ہے۔

---

[1] یہ پوری فصل عام آدمی کیلئے نہیں ہے صرف علماء حضرات کے لیے ہے۔ لہٰذا عوام اس کا مطالعہ ہرگز نہ کریں۔ ۱۲ حمزہ

پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے انہوں نے صانع کے وجود کو ثابت کیا لیکن اس کو اپنے احوال پر قیاس کر کے اپنے سے مشابہ سمجھ لیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ "ینزل الی السمآء" کا مطلب ہے کہ وہ منتقل ہوتا ہے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اہل عرب نزول کے معنی انتقال ہی بتلاتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کی صفات کے متعلق گمراہ ہو گئے جس طرح کہ بہت سے اس کی ذات کے بارے میں گمراہی میں پڑے۔ لہٰذا کچھ لوگوں نے جب سنا کہ وہ غصہ ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے تو سمجھ لیا کہ وہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں کوئی صفت حادث نہیں ہے اسی طرح بہت سے لوگ اس کے افعال اور فیصلوں کے متعلق بھٹکنے لگے ان کی توجیہ اور علت تلاش کرتے یہاں تک کہ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کے فیصلوں کو حکمت کے خلاف بھی کہنے لگے۔ (نعوذ باللہ)

اب میں جو کچھ بیان کرنے جا رہا ہوں جس کو توفیق ہو حضور دل کے ساتھ سنے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ سبحانہ کی ذات دوسری کسی بھی ذات کے مشابہ نہیں ہے اور نہ اس کی صفات کسی کی صفات کے مشابہ ہیں۔ اسی طرح اس کے افعال کو مخلوق کے افعال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس کی ذات کا معاملہ تو یہ ہے کہ ہم جو ذات بھی جانتے ہیں وہ جسم ہوتی ہے اور جسم کے لیے پہلے ترکیب ضروری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے کیونکہ وہ خود ہی سب کو ترکیب دینے والا ہے۔ پھر یہ کہ ذات یا تو جوہر ہو گی اور جوہر کے لیے چیز ضروری ہے اور اس کے لیے امثال بھی ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے یا عرض ہو گی اور عرض خود سے قائم نہیں ہوتا ہے بلکہ قیام میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند ہے۔

اس لیے لامحالہ ایک ایسی ذات کو ثابت مانیں گے جو قدیم ہو اور ان خرابیوں اور عیبوں سے پاک ہو، پھر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صفات بھی ذات کے تابع ہوں۔ لہٰذا ہمارے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ اس کی صفات کو اپنی قیاس اور عقل کے مطابق ثابت مانیں بلکہ ہم کو جیسی وہ وارد ہوئی ہیں اسی طرح ان پر ایمان لانا اور ان کو تسلیم کر لینا ضروری ہے۔

ایسے ہی اس کے افعال کا معاملہ بھی ہے کیونکہ ہم میں سے جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے نہ کوئی نفع حاصل کرے نہ کسی نقصان کو دفع کرے تو اس کو فضول اور

عبث میں مشغول کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنے کسی نفع کے لیے یا ضرر کو دفع کرنے کے لیے نہیں وجود بخشا ہے کیونکہ منافع وہاں تک نہیں پہنچتے ہیں اور نقصان دہ چیزیں اس کی طرف راستہ نہیں پاتی ہیں اور اگر کوئی کہے کہ مخلوق کو اس لیے پیدا کیا تا کہ ان کو نفع پہنچائے ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ اس نے بہت سے لوگوں کو کفر کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کو عذاب دے گا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جانوروں اور بچوں کو مبتلائے الم کرتا ہے اور نقصان دہ چیزیں پیدا کرتا ہے حالانکہ ''اس پر قادر ہے کہ ایسا نہ کرے اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ان باتوں پر ثواب دیتا ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر تکلیفوں کے بھی ثواب دے دے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کسی فقیر کو مالدار بنانا چاہے تو پہلے اس کے زخم لگائے پھر مال و دولت عطا کرے تو اس کو ملامت کی جائے گی اس لیے کہ وہ بغیر زخم لگائے بھی مالدار بنا سکتا تھا۔''

پھر دیکھا جاتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام پر بھوک اور قتل کے کیسے کیسے حالات پیش آئے حالانکہ نصرت کرنے والی ذات کو قدرت حاصل تھی اسی طرح دیکھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے سلسلے میں دعاء مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہو رہی ہے حالانکہ اگر ہم انسانوں میں سے کسی سے اس طرح کی دعا کی جاتی تو ہم اس سے پوچھتے کہ ایسی دعا کیوں نہیں قبول کر لیتے جس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو مگر بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو انسانوں کے افعال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کی سب توجیہات و علتیں نہیں معلوم کی جا سکتیں، ہمارے اوپر تو جو چیز واجب ہے وہ یہ کہ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عقل سے بالا ہے کیونکہ اس کی حکمت عقلوں پر فیصلے نافذ کرتی ہے عقلیں اس کی حکمت پر نہیں۔

لہٰذا جس نے بھی اس کے افعال کو ہمارے افعال پر قیاس کیا اس نے کھلی غلطی کی۔ چنانچہ معتزلہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کیونکہ انہوں نے کہا کہ '' کیسے وہ کسی ایسی بات کا حکم دیتا ہے جس کے راستہ میں رکاوٹیں بھی کھڑی کر دیتا ہے؟ حالانکہ اگر کوئی انسان ہم کو اپنے گھر بلائے اور گھر کے دروازہ پر ایسی رکاوٹ کھڑی کر دے جو اندر جانے سے روک دے تو

اس شخص پر عیب لگایا جائے گا۔

بلا شبہ مثال انہوں نے ٹھیک پیش کی ہے لیکن وہ ذات جس کے افعال کی علت نہیں معلوم کی جاسکتی اور جسے کسی موجود پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے تو کھلی بات ہے کہ ہم اس کی حکمت کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر کوئی کہے کہ میرے لیے یہ بات کیسے ممکن ہے کہ میں عقل کو خلاف عقل بات پر مطمئن کردوں؟ میں کہتا ہوں کہ عقل کے خلاف کوئی بھی فیصلہ نہیں ہے اس لیے کہ عقل نے واضح دلیلوں سے یقین کرلیا ہے کہ وہ حکمت والا ہے اور مالک ہے اور یہ مسلم ہے کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ البتہ ہر حکمت تک انسانی عقل کا پہنچ جانا ضروری نہیں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی اور ایک لڑکے کو قتل کردیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم شریعت کی روشنی میں اس پر نکیر کی اور ان کے فعل کی حکمت نہیں جان سکے پھر جب انہوں نے اس کی حکمت ظاہر کی تب یقین کرلیا۔ پھر اللہ کی شان تو کہیں برتر و اعلیٰ ہے۔

لہٰذا خبردار! اس کے افعال میں سے کسی فعل کو یا صفات میں سے کسی صفت کو یا اس کی ذات کو کسی بھی مخلوق پر قیاس نہ کرنا اگر تم نے ایسا کرلیا تو اس عقیدہ تشبیہ سے محفوظ رہو گے جس میں وہ لوگ مبتلا ہو گئے جنہوں نے ''استواء'' کو اعتماد اور ''نزول'' کو انتقال سمجھ لیا اور اس اعتراض سے نجات پا جاؤ گے جس نے بہتوں کو کفر میں مبتلا کردیا۔ اس بناء پر کہ وہ حکمت میں عیب نکالنے لگے تھے اور ان میں سب سے پہلا شخص ابلیس ہے کیونکہ اس نے یہ گمان باندھ لیا کہ مٹی کو آگ پر فضیلت دینا حکمت کے خلاف ہے اور یہ بھول گیا کہ جس ''فہم'' سے اس نے یہ گمان باندھا ہے وہ بھی اسی کی عطا کردہ ہے اور جس ''عقل'' کو حجت بنا رہا ہے وہ اسی کا عطیہ ہے اور کھلی بات ہے کہ دینے والا اپنی دی ہوئی چیز کی حقیقت کو زیادہ جانتا ہے۔

''اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ''

''کیا انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ قوت میں ان سے بہت زیادہ ہے۔''

میں نے خود دیکھا ہے کہ ''ابن الرومی'' نے ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے جو جہنم میں کفار

کے ہمیشہ رہنے کے قائل ہیں۔اس نے لکھا ہے کہ ''سزا کا دوام جرم سے زیادہ ہے اور عقل اس کا انکار کرتی ہے حالانکہ وہی بات قبول کرنی چاہیے جس کو عقل تسلیم کر لے جبکہ تھوڑی سزا کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ بعض کی تردید کل کی تردید سے بہتر نہیں ہے اور کفار کو ہمیشہ کے لیے سزا دینے میں نہ معذب کا کوئی فائدہ ہے نہ معذب کا اس لیے خلود جائز نہیں ہے۔''

میں نے سوچا کہ اس شخص پر بہت تعجب ہے جو عقل کا مدعی ہے اور خود اس کے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے سب سے پہلا سوال اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے خلود کی جو خبر دی ہے وہ تمہارے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہو گے کہ وہ خبر صحیح نہیں ہے تو پہلے گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن پاک کی صحت پر ہونی چاہیے اصل کے انکار کے ساتھ فرع کے متعلق گفتگو کا کیا فائدہ ہے؟

اور اگر کہتے ہو کہ خبر میرے نزدیک صحیح ہے تو پھر تم کو مفہوم سمجھنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنا چاہیے۔اعتراض اور مقابلے کے لیے کھڑے ہونے کا کیا مطلب؟

پھر یہ کہ خلود کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو اس معاملہ کو موجود پر قیاس کرے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دوسری ذاتوں کے مثل اور اس کی صفات دوسری صفات کے مثل نہیں ہیں اور اس کے افعال کی علت اور حکمت معلوم نہیں کی جا سکتی ہے۔

اس کے باوجود اگر وہ خلود نار کی وجوہات پر غور کرتا تو بہت سی وجوہات ظاہر ہو جاتیں کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی سزا کا دوام دھمکی کو سچ کرنے کے لیے ہو کیونکہ اس نے فرمایا ہے ''جس نے میرا انکار کیا میں اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دوں گا'' جبکہ کفر سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے اور ہمیشہ آگ میں جلانے سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے۔لہٰذا وہ سزا اس لیے ہمیشہ دے گا تاکہ اس کی دھمکی سچ ثابت ہو جائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خلود مؤمنین کی نعمت میں تکمیل کے لیے ہو کیونکہ وہ کافروں کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بھی ہے۔

''**ویشف صدور قوم مؤمنین**'' (اور تا کہ اہل ایمان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں)

سوچو کہ کتنا غصہ اور گھٹن ہے سینوں میں ابوجہل کے خلاف اس کے کارناموں پر اور کتنا

غم اور تکلیف ہوگی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کافروں کے مظالم کی وجہ سے۔ لہٰذا ان کی دائمی سزا اہل ایمان کے غصہ کے لیے ٹھنڈک کا سامان ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو ہمیشہ کی سزا ان کے ہمیشہ کے اعتراض اور خدا تعالیٰ کو ناپسندیدہ الفاظ سے یاد کرنے کی وجہ سے ہو کیونکہ جیسے جیسے ان پر عذاب بڑھے گا ان کا کفر اور اعتراض بھی بڑھے گا۔ لہٰذا وہ اسی کی وجہ سے ہمیشہ عذاب دیئے جائیں اور ان کے کفر کی دلیل یہ آیت ہے: "**ویحلفون له کما یحلفون لکم**" (اور یہ لوگ اس سے ویسی ہی قسم کھائیں گے جیسی تم لوگوں سے کھاتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کفر ابھی ختم نہیں ہوا اور خدا تعالیٰ کی معرفت ان کو حاصل نہیں ہوئی بلکہ شر اور فتنہ ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے اور سزا اس پر واقع ہو رہی ہے۔ "**ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه**" (اور اگر یہ لوٹا دیئے جاتے تو دوبارہ وہی کام کرتے جن سے منع کیا گیا تھا)

خداوندی افعال اور فیصلوں کے بارے میں صحیح طرز عمل

مجلس.... جب گزشتہ فصل کا مطالعہ کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتراض نہ کرے نہ دل میں نہ زبان سے اور اس کے تمام افعال کی علت معلوم کرنے کی فکر نہ کرے کیونکہ متکلمین نے حدیثوں اور آثار سے بے رُخی کر کے عقائد کے سلسلے میں اپنی رائے سے گفتگو کی تو ان کے لیے گھاٹ صاف ستھرا نہیں رہ گیا جس کی دلیل ان کا آپس کا اختلاف ہے۔ اسی طرح اپنے قیاس کو دخل دینا بھی مضر ہے کیونکہ جب انہوں نے قیاس کو دخل دیا تو حدیثوں میں خلط ہو گیا۔

درست راہ عمل یہ ہے کہ جس فعل کی حکمت کا سمجھنا آسان ہو اس کو بیان کرو اور جس کی حکمت مخفی ہو وہاں سر جھکا دو۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ سے دعاء کا معاملہ بھی ہے کہ جب مؤمن دعا کرے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے تو سر جھکا دے، معاملہ اس کے حوالہ کر دے اور نہ دینے کی تاویل سوچ لے۔ مثلاً اس طرح کہے کہ کبھی نہ دینا زیادہ مفید اور مناسب ہوتا ہے، ہوسکتا ہے یہ رکاوٹ میرے گناہوں کی وجہ سے ہو، ہوسکتا ہے تاخیر میں بہتری ہو، ہوسکتا ہے دینا خلاف مصلحت ہی ہو اور اگر کوئی

تاویل نہ سمجھ میں آوے تو بھی دل میں کسی قسم کا اعتراض نہ کھٹکنے دے بلکہ یہ سمجھے کہ میں نے تو مانگ کر بندگی کا تقاضا پورا کیا ہے اگر وہ انعام کر دیتا ہے تو اس کا فضل ہے اور اگر نہیں کرتا ہے تو وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

جبکہ ہماری زیادہ تر دعائیں دنیا ہی کے ایسے ساز و سامان کے متعلق ہوتی ہیں کہ اگر وہ نہ دیئے جائیں تو یہی زیادہ مناسب ہے۔

لہٰذا سمجھدار اور ہوش مند کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے اور اس کی تدبیر وانتظام پر راضی رہے۔ اگرچہ بظاہر وہ تیرے ساتھ سختی سے پیش آئے اور جب بھی اس کی طرف متوجہ ہو تو اپنی اصلاح کے لیے ہو۔

اور اگر تم نے پہچان لیا ہو کہ وہ کریم ہے تو اس کی پناہ میں چلے جاؤ پھر سوال نہ کرنا جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر تم اس کی طاعات میں لگے رہو گے تو یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی کاریگر عمدگی کے ساتھ دل لگا کر کام کرے پھر اسے مزدوری نہ دی جائے۔

ساری تلخیاں عمر کا سورج ڈھلنے تک ہیں

مجلس.... خدا کی قسم! جب میں تصور کرتا ہوں کہ جنت میں داخلہ ہوگا وہاں ہمیشہ کی زندگی ملے گی نہ اس میں بیماری ہوگی نہ گندگی، نہ نیند آوے گی نہ کوئی آفت طاری ہوگی بلکہ صحت ہی صحت رہے گی اور خواہشات سب پوری ہوتی رہیں گی جن میں کوئی کدورت نہ ہوگی، ہر لمحہ نعمت میں جدت ہوتی رہے گی اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا تو میں جوش میں آ جاتا ہوں اور طبیعت اس کو سچ تسلیم کر لینے سے (کہ کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ راحت ہی راحت ہو کوئی تکلیف نہ پہنچے) تنگ ہو جاتی ہے۔ اگر شریعت نے اس کی ضمانت نہ لے لی ہوتی (تو انکار ہی کر دیتی) یہ بات تو معلوم ہے کہ یہ درجات دنیا میں محنت اور کوشش کے بقدر ہی ملیں گے پھر اس پر بہت تعجب ہے جو دنیا کا ایک لمحہ بھی ضائع کر دے۔ چنانچہ دیکھو کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے جنت میں ایسا درخت لگتا ہے جس کے پھل اور سائے ہمیشہ رہیں گے۔

لہٰذا اے درجات کو کھو دینے کی وجہ سے ڈرنے والے! اپنے دل کو اُمید و رجاء کے ذریعے مضبوط کر اور اے موت کی یاد سے گھبرانے والے تلخ گھونٹ کے بعد حاصل ہونے

والی عافیت اور آرام کو سوچ کیونکہ جان تو ایک لمحہ میں نکل جائے گی نہیں بلکہ جان کے نکلنے سے پہلے ہی ٹھکانے روشن کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا منزل کی لذت کی وجہ سے بلائے جانے والے مہمان کا سفر آسان ہو جائے گا پھر تمام روحیں پرندے کے پنجروں میں ہوں گی جو جنت کے درختوں میں لٹکے ہوں گے۔

یہ سارا خوف اور ساری آفتیں زندگی کے دن ہی میں ہیں جبکہ عمر کا سورج زرد ہو چکا ہے پس سورج کے غروب ہونے سے پہلے دوڑ لگا دے اور جلدی کر لے۔

اور اس راہ میں تیرا معاون و مددگار صرف تیری فکر ہے جبکہ عقل کے ساتھ بیٹھ کر انجام کو سوچے اور جب یہ مجلس پوری ہو جائے تو پھر اہل طلب و اہل کوشش کی سیرتوں کا مطالعہ کیونکہ یہ فکر کے سامنے اعلیٰ درجات کے حصول کو روشن کرتا ہے جبکہ توفیق ہی اصل ہے کیونکہ وہ جب تیرے متعلق ارادہ کر لے گا تو پھر تجھ کو اس کے لیے تیار بھی کر دے گا۔

رہا ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جن کو صرف دنیا کی فکر ہے تو یہ سمجھ کی خرابی اور عقل کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب ہے۔ گوشہ نشینی برائی سے پرہیز ہے اور پرہیز عافیت اور شفاء کا سبب ہے۔

معرفت سبب راحت ہے

مجلس.... میں نے دیکھا کہ تمام فکر و غم کا سبب اللہ تعالیٰ سے بے رخی اور دنیا کی طرف میلان ہے کیونکہ جب بھی دنیا کا کوئی مقصد فوت ہوتا ہے تو اس پر غم ہونے لگتا ہے۔

لیکن جو شخص اللہ کی معرفت سے حصہ پائے ہوئے ہے وہ ہر حالت میں راحت میں رہتا ہے کیونکہ وہ تقدیر پر راضی رہنے کی وجہ سے دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب بھی کوئی فیصلہ نافذ ہوا وہ اس پر راضی ہو گیا۔

اگر دعا کی قبولیت کا اثر نہیں پایا تو اس کے دل میں اعتراض نہیں کھٹکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک مدبر مالک کا غلام ہے۔ لہٰذا اس کی توجہ خالق کی خدمت اور طاعت ہی میں رہتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس کی طبیعت مال اکٹھا کرنے اور مخلوق سے میل جول میں دلچسپی لینے یا شہوات و خواہشات سے لطف اندوزی میں مشغول نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ اگر وہ معرفت میں کوتاہ ہوا تو بھی محض عبادت میں لگا رہتا ہے اور دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے تا کہ

آخرت میں حاصل کر سکے اور اگر معرفت کا ذوق رکھتا ہوگا تو پھر وہ کل کو چھوڑ کر کل کے مالک میں مشغول ہو جائے گا۔ لہٰذا تم اس کو دیکھو گے کہ خلوت میں اس کے ساتھ باادب ہے' اس کی مناجات سے انس حاصل کر رہا ہے' مخلوق کے میل جول سے وحشت زدہ ہے اور اپنے متعلق فیصلوں پر راضی ہے۔ اس وقت اس کی زندگی ایسے محب اور عاشق کی زندگی کی طرح ہو جاتی ہے جو اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں ہو کہ نہ دوسرے کی طلب رہ جائے اور نہ غیر کی فکر۔

رہا وہ شخص جسے ان میں سے کچھ حصہ نہ ملا ہو تو وہ ہمیشہ گھٹن اور بربادی عیش میں مبتلا رہتا ہے اس لیے کہ دنیا کا ہر مطلوب حاصل کرنے پر قدرت نہیں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حسرتیں باقی رہ جاتی ہیں جبکہ اس کے ساتھ بدعملی کی وجہ سے آخرت کے درجات کا فوت ہونا بھی شامل ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنے لائق بنالے۔ بلاشبہ طاعت کی قوت اور معصیت سے پرہیز اس کی توفیق ہی پر ہے۔

اصل راحت جنت ہی میں ہے

مجلس..... میں نے اپنے بارے میں سوچا تو اندازہ ہوا کہ میں ہر چیز سے مفلس ہوں۔ اگر بیوی پر بھروسہ کروں تو وہ ویسی نہیں ہے جیسی میں چاہتا ہوں اگر اس کی صورت اچھی ہو تو اخلاق کامل نہیں ہیں اور اگر اخلاق پورے نہ ہوں تو بھی وہ اپنی غرض کی طالب ہے میرے لیے کچھ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ وہ میرے مرنے کا انتظار کرتی ہو اور اگر لڑکے پر بھروسہ کروں تو اس کا بھی یہی حال ہے' خادم اور مریدوں کا معاملہ بھی میرے حق میں یہی ہے کہ اگر ان کو مجھ سے فائدہ نہ پہنچے تو وہ مجھ کو چھوڑ دیں۔

رہ گیا دوست! تو وہ یہاں ہے ہی نہیں اور اللہ کے لیے بھائی! تو وہ عنقاء (نادر بلکہ ناممکن) ہے جبکہ احباب ختم ہوتے جارہے ہیں اور اہل خیر معدوم اب میں تنہا رہ گیا ہوں۔

پھر میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا...... جبکہ وہ بھی میرے ساتھ مخلص نہیں ہے اور اس کا حال بھی ٹھیک نہیں ہے...... تو اندازہ ہوا کہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات باقی رہ گئی ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر اس کے انعام پر بھروسہ کروں تو اس کی آزمائش سے اطمینان نہیں ہو سکتا ہے اور اگر اس کے عفو و کرم کی اُمید باندھوں تو اس کی سزا سے امن نہیں ہوتا ہے پس ہائے افسوس! نہ

اطمینان وسکون ہے اور نہ چین وقرار۔ ہائے میرا قلق اور ہائے میری جلن! خدا کی قسم عیش اور ٹھاٹھ جنت ہی میں مل سکتا ہے جبکہ رضا پر یقین ہوجائے گا اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہن سہن ہوگا جو نہ خیانت کریں گے نہ تکلیف دیں گے، رہ گئی دنیا تو وہ کامل اطمینان کا محل نہیں ہے۔

ہوشیاری کی بات

مجلس.....جو شخص کسی بادشاہ یا امیر کا ہم نشین ہو اسے اپنا ظاہر اور باطن یکساں رکھنا چاہیے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ اس کا حال معلوم کرنے کے لیے کوئی جاسوس بھیج دیتا ہے تو پھر یہ آزمائش میں پڑ کر رسوا ہوجاتا ہے۔

بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں کہ جب وہ کسی ہمنشین کو مقرب بنانا چاہتے تھے تو اپنے محل میں اس کے لیے ایک کمرہ تجویز کردیتے تھے پھر اس کی بے خبری میں اس کے باطن کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔ لہٰذا اگر اس سے کوئی نامناسب کام سرزد ہوجاتا تو نکال دیتے تھے۔

چنانچہ کسریٰ پرویز نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کا امتحان لیا تھا کہ اس کے پاس اپنی ایک باندی کو جس کے ساتھ بہت سے تحفے تحائف بھی تھے بھیجا اور کہا کہ یہ اس کو دے آؤ لیکن اس کے پاس بیٹھنا مت، باندی سب سامان لے کر گئی اور پہنچا کر آ گئی۔ پھر دوبارہ اس کو بھیجا اور کہا کہ اس مرتبہ سامان دینے کے بعد تھوڑی دیر آرام سے بیٹھنا بھی، باندی نے ایسا ہی کیا تو اس شخص نے بھی باندی کی طرف توجہ کی۔ پھر تیسری مرتبہ اس کو بھیجا اور کہا کہ اس بار دیر تک بیٹھنا اور بات بھی کرنا۔ چنانچہ باندی نے دیر تک گفتگو کی جس کی وجہ سے اس شخص نے بھی باندی کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا، باندی نے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہیں بادشاہ کو اس کی اطلاع نہ ہوجائے لیکن یہ معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو میں کوئی تدبیر کرلوں گی یہ کہہ کر گئی اور بادشاہ کو تفصیل سے آگاہ کردیا۔

بادشاہ نے پھر دوسری باندی کو تحفے تحائف کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ آئی تو اس نے پوچھا کہ وہ فلاں باندی کہاں رہ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ بیمار ہوگئی ہے تو غم کی وجہ سے ان صاحب کا رنگ اُڑ گیا۔

پھر دوسری باندی نے بھی پہلی کی طرح چکر چلایا (تو یہ اس کے دام میں گرفتار ہوگئے) چنانچہ اس نے کہا کہ بادشاہ اپنے باغ میں جانے والا ہے اور کچھ دن وہیں قیام کرے گا تو

اگر وہ تم کو بھی ساتھ لے جانا چاہے تو کہہ دینا کہ تم بیمار ہو۔ پھر اگر تم کو اپنے گھر جانے اور یہاں محل میں رہنے کے درمیان اختیار دے تو یہیں ٹھہرنے کو اختیار کر لینا اور کہہ دینا کہ تم حرکت پر قادر نہیں ہو (اس لیے یہیں رہنا چاہتے ہو) اگر بادشاہ نے اس کو قبول کر لیا تو جب تک وہ یہاں سے غائب رہے گا میں ہر رات تمہارے پاس آتی رہوں گی یہ شخص اس کی گفتگو سے بہت مطمئن ہو گیا۔ اُدھر باندی گئی اور جا کر بادشاہ کو ساری تفصیل بتلا دی۔

اس واقعہ کے تین دن کے بعد بادشاہ نے اس کو بلوایا تو اس نے کہلا دیا کہ میں بیمار ہوں۔ جب قاصد نے واپس آ کر بادشاہ کو خبر دی تو مسکرایا اور کہا کہ یہ پہلا اشر ہے۔

پھر بیماروں والی پالکی بھیج کر اس کو بلوایا جب آیا اور پرویز نے اس کو پالکی میں لیٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ پالکی دوسرا اشر ہے۔ پھر جب اس کے سر پر پٹی بندھی دیکھی تو کہا کہ پٹی تیسرا اشر ہے۔ غرض بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم کو کیا پسند ہے اپنے گھر جانا چاہتے ہو جہاں عورتیں تمہاری تیمارداری کر سکیں یا میری واپسی تک یہیں قیام کرو گے؟ اس نے کہا یہیں قیام کرنا میرے لیے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ میں زیادہ حرکت نہیں کر سکتا ہوں۔ بادشاہ مسکرایا اور کہا کہ ''اپنے گھر کی بنسبت تم یہاں زیادہ ہی ''حرکت'' کرو گے'' پھر حکم دیا کہ اس کو زنا کاروں والا وہ عصا لگایا جائے جس سے زنا کار کو داغا جاتا تھا۔ تب جا کر اس شخص کو معاملہ کی حقیقت سمجھ میں آئی۔

اور یہ بھی حکم دیا کہ اس کا پورا واقعہ حرفاً حرفاً لکھا جائے اور جب سب لوگ جمع ہوں تو پڑھ کر سنایا جائے اور اس شخص کو ملک سے باہر کر دیا جائے اور وہ ''عصا'' بھی (جس سے اس کو داغ لگایا گیا تھا) ایک نیزے کے سرے میں باندھ کر اس کے ساتھ کر دیا جائے تاکہ جو شخص اس کو نہ پہچانتا ہو وہ اس ''عصا'' کی وجہ سے اس سے دور رہے۔

چنانچہ جب اسے شہر بدر کر دیا گیا تو اس نے ایک سپاہی سے چھری لے کر اپنا عضو تناسل کاٹ ڈالا اور کہا کہ ''جس نے بھی اس چھوٹے سے عضو کی تابعداری کی وہ اپنے تمام اعضاء کو برباد کر بیٹھے گا اور اسی وقت مر گیا۔''

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح بہت سے حکام لباس بدل کر نکلتے ہیں اور عوام سے اپنے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر وہ عام آدمی کوئی نامناسب بات کہہ جاتا ہے تو اس کو محفوظ

کر لیتے ہیں۔ پھر اس پر جاسوس بھی مقرر کر دیتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بے تکلف کچھ جملے بول جاتا ہے اور اس کو کوئی درمیانی شخص صاحب معاملہ تک پہنچا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بولنے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حاکم کو دیکھا کہ نماز بہت پڑھتا ہے تو اس کو جانچنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اس نے جا کر اس حاکم سے پوچھا کہ اگر میں تمہارے لیے فلاں صوبہ کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لوں تو تم مجھ کو کیا دو گے؟ اس نے کہا کہ اتنا اتنا مال دیں گے!

(جاسوس نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حاکم سے فرمایا کہ تم نے اپنی نماز سے ہم کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا!

اسی طرح مجھ کو یہ واقعہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے بات چیت کی، عورت نے منظور کر لیا، پھر اس کو اپنے گھر بلایا، جب وہ داخل ہوا تو اس کے قتل پر آمادہ ہو گئی تو اس حکایت سے یہ بات روشن ہو گئی کہ کسی بھی عورت یا مرد کی بات سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے ممکن ہے کہ جاسوس ہو یا امتحان لینا چاہتا ہو۔

ایسے ہی جن چیزوں کا چھپانا بہتر ہوتا ہے ان کو ظاہر نہ کرنا چاہیے مثلاً مال و دولت یا مذہب و مسلک یا کسی شخص کی برائی کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی قریبی موجود ہو۔

اسی طرح ایسی دوستی پر اعتماد نہ کرے جس کی کوئی اصل نہ ہو کیونکہ اکثر اس میں آفت اور فتنہ چھپا ہوتا ہے اور ہر ایسے معاملہ سے جس میں فتنہ کا احتمال ہو احتیاط کرے۔ مثلاً ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی جملہ اپنے دوست سے کہتا ہے اور وہ دوست دوسرے کے سامنے اس کو نقل کر دیتا ہے تو اگرچہ اس دوست کی نیت ایذاء رسانی کی نہیں ہوتی لیکن وہ جملہ کسی طرح صاحب معاملہ تک پہنچ جاتا ہے اور ایذاء کا سبب ہو جاتا ہے۔

بہت سے ایسے لوگ جو اظہار محبت کرتے ہیں اور اس میں حد سے گزر جاتے ہیں وہ اسی حد تک ہوتے ہیں کہ اپنی غرض پوری کر لیں۔

لہٰذا کسی شخص پر بھی اطمینان کرنے کے معاملہ میں بہت محتاط رہو۔ خصوصاً ایسے دشمن پر جس کو تم نے کبھی ستایا ہو یا اس کے کسی رشتہ دار کو قتل کیا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حسن سلوک کو

تیرے شکار کے لیے جال بنا رہا ہو۔ جیسا کہ ''زباء'' کا قصہ ہوا[1]۔

بڑھاپے کی فریاد

مجلس.... میں نے اندازہ کیا کہ بڑھاپے میں نفس کی آرزوئیں اور حرص بڑھ جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے۔ ''یشیب ابن آدم و یشب منہ خصلتان الحرص والامل'' (آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں لالچ اور آرزو)

اور زیادہ تر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ دنیا سے خالی ہو جاتے ہیں جبکہ بال بچوں کی کثرت ہوتی ہے اور ضرورت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ مقصد کے حصول کے لیے ایسے کام میں لگے جو اس کی آبرو کو برباد کر دے۔

یہ سوچ کر میں نے کہا؟ اے خدا! کیا عرفات کے پہاڑ نظر آ جانے کے بعد بھی میں بھٹک جاؤں گا؟ کیا حرم کے قریب پہنچ کر بھی بدوی قزاق مجھے گرفتار کر لیں گے؟ ہائے افسوس! کیا ''نحر'' کی فجر طلوع ہو جائے گی جبکہ ابھی میں عرفات نہیں پہنچا ہوں اور کیا زندگی کا سفر برباد ہو جائے گا اور مقصود نہیں حاصل ہو سکے گا۔

قد کنت ارجوک لنیل المنٰی والیوم لا اطلب الا الرضٰی

''پہلے میں تیری آرزو اپنی تمناؤں کے لیے کیا کرتا تھا لیکن اب میں صرف تیری رضا وخوشنودی کا طلبگار رہ گیا ہوں۔''

پھر میں نے کہا اے نفس! تیرے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تو روئے

---

[1] زباء اور قصیر کے قصہ کا حوالہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے اس لیے مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔ جذیمہ اور ملیح بن براء میں جنگ تھی۔ جذیمہ نے ملیح کو قتل کر دیا اور اس کے ملک کو تہ و بالا کر دیا۔ ملیح کی ایک بیٹی تھی زباء نہایت خوبصورت اور باہمت اس نے لشکر جمع کر کے جذیمہ کو پیچھے ہٹایا، پھر دونوں میں صلح ہوگئی، پھر جذیمہ نے زباء کو نکاح کا پیغام دیا اس نے منظور کر لیا۔ جب جذیمہ محل میں داخل ہوا تو زباء نے اس کو قتل کرا دیا۔ اُدھر جذیمہ کا ایک نہایت وفادار سمجھ دار غلام تھا قصیر، اس نے آقا کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور نہایت چالاکی سے زباء کی ملازمت حاصل کی۔ پھر اس کا اعتماد بھی حاصل کیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر زباء کو گرفتار کر لیا اور ملک پر جذیمہ کے بھائی کو قبضہ دلا دیا۔ پورا واقعہ بہت طویل اور پُر لطف ہے۔ کتاب الاذکیاء کے ترجمہ لطائف علمیہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

گڑگڑائے اور ڈوبنے والے کی طرح فریاد کرے، پکارے، پھر اگر تجھ پر رحم ہو گیا تو کیا کہنا ورنہ کتنی حسرتیں مٹی کے نیچے مدفون ہو کر رہ گئی ہیں۔

سن رسیدہ حضرات کی رغبت کا علاج

مجلس.... مجھ سے ایک معمر آدمی نے شکایت کی اور کہا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور قوت کمزور پڑ چکی ہے لیکن نفس کا تقاضا ہے کہ کم عمر باندیاں خریدو! جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ نکاح کرنا چاہیں گی اور مجھ میں اتنا دم نہیں ہے اور نفس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ گھر کی مالکہ (یعنی پہلی بیوی) پر قناعت نہیں کر رہا ہے اس لیے کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔

میں نے کہا کہ میرے پاس اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب تو عام ہے وہ یہ کہ میں کہوں کہ اب تم کو موت کی یاد اور آخرت کی فکر (جو کہ تمہارے سامنے ہے) مشغول ہونا چاہیے۔ لہٰذا ایسی باندی خریدنے سے احتیاط کرو جس کے حق کی ادائیگی پر تم کو قدرت نہیں رہ گئی ہے کیونکہ پھر وہ تم سے نفرت کرے گی۔ اگر تم نے حق ادا کرنے کی زبردستی کوشش کی تو جلد ہی اپنے کو ہلاک کر لو گے اور اگر اپنی طاقت کی حفاظت کرنا چاہو گے تو پھر وہ غضبناک ہو گی جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بوڑھا جیسا بھی ہو جوان عورت اس کو پسند نہیں کر سکتی ہے۔

مجھ کو علی بن عبید اللہ نے سنایا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد تمیمی نے یہ اشعار سنائے:

افق یا فؤادی من غرامک واستمع　　　مقالة محزون علیک شفیق

''اے دل! اپنے عشق سے افاقہ حاصل کر اور غور سے سن ایسے غمگین کی نصیحت جو تیرا خیر خواہ ہے۔''

علقت فتاة قلبها متعلق　　　بغیرک فاستو ثقت غیر وثیق

''تو ایسی نوجوان لڑکی میں لگا ہے جس کا دل دوسرے نوجوان سے متعلق ہے۔ لہٰذا تو ایسے کی قید میں جا رہا ہے جو آزاد ہے۔''

واصحبت موثوقا و ارحت طلیقة　　　فکم بین موثوق و بین طلیق

''اب تو قیدی ہو گیا ہے اور وہ آزاد ہے پس سوچ لے کہ قیدی اور آزادی میں کیا رابطہ ہو سکتا ہے۔''

لہٰذا یہ خوب سمجھ لو کہ وہ تمہارے دن گنے گی اور تم سے زائد خرچ مانگ کر دوسرے کے لیے تیاری کرے گی بلکہ ممکن ہے تمہارے قتل کا ارادہ کر لے۔ لہٰذا احتیاط بھی کرو جبکہ سلامتی اس خیال کو

ترک کر دینے ہی میں ہے اور ایسی بیوی پر قناعت کر لو جس کے ذریعے کسی طرح یہ زندگی گزر جائے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میں کہوں کہ دو صورت ہو سکتی ہے یا تو کسی وقت ہمبستری پر تم کو قدرت ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اگر قدرت نہ ہو تو مذکورہ وجوہ کی بناء پر صبر کی کوشش کر لینا ہی بہتر ہے۔ اگرچہ محتاط اور سمجھدار شخص اچھے اخلاق اور خرچ میں اضافہ کے ذریعے بیوی کی دلداری کر سکتا ہے مگر بہر حال خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

اور اگر قدرت ہو اور تم اپنے اندر شدید خواہش بھی محسوس کرتے ہو تو ایسی باندیاں خریدو جو بلوغ کے قریب ہوں کیونکہ انہوں نے اب تک نکاح کو نہیں جانا ہوگا اور ہمبستری کی خواہش نہیں کر سکی ہوں گی پھر ان کی حفاظت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ خرچ سے اور اچھے اخلاق سے ان کو مسحور کیے رکھو، عورتوں سے میل جول نہ رکھنے دو۔

اور جب ہمبستری کا اتفاق ہو تو انزال سے اتنی دیر صبر کیے رہو کہ وہ اپنی خواہش پوری کر لے ان سب کے ساتھ اس کو آخرت کی یاد دلاؤ وعظ و نصیحت کرتے رہو اس کے سامنے ایسے عاشقوں کا ذکر کرو جنہوں نے نکاح نہیں کیا (بلکہ دور دور رہے) ہمبستری کی برائی دل میں بٹھاتے رہو اس کے دل کو صالحین کے تذکرہ کی طرف موڑ دو اور خبر دار! خوشبو، زینت کے سامان، سمجھداری کے برتاؤ، دلداری اور زیادہ خرچ کے سلسلے میں تمہارا نفس بخل نہ کرنے پاوے کیونکہ یہ چیز کبھی اونٹنی کو (سلامتی کے احتمال کے ساتھ) چلنے کے لیے حرکت میں لے آتی ہے۔

انجام پر نظر

مجلس....وہ شخص سب سے بڑا احمق ہے جو صرف موجودہ حالت پر نظر رکھے کہ نہ اس کے بدلنے کا تصور کرے نہ آئندہ پیش آنے والے حالات کو دل میں جگہ دے۔

مثلاً کوئی شخص حاصل شدہ حکومت پر غرور کرتا ہے۔ لہٰذا اپنی سلطنت اور اختیار کل کے تقاضوں پر عمل کرنے لگتا ہے پھر جب حالت بدلتی ہے تو ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی اپنے کو حاکم یا بادشاہ کا ہمنشین سمجھ کر لوگوں سے دشمنی کا برتاؤ کرتا ہے لیکن جب حال

بدلتا ہے تو پھر تلافی نہ کر سکنے کی وجہ سے شرم اور پچھتاوے کے مارے ہاتھ کاٹتا ہے۔

ایسے ہی جس کے پاس مال ہوتا ہے تو اس کے موجود ہونے پر اطمینان کر کے فضول خرچی شروع کر دیتا ہے اور مال کے ختم ہو جانے کا زمانہ بالکل بھولا رہتا ہے۔

یہی حال اس کا بھی ہے جو خواہشات کے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ ہر طرح کی چیزیں کثرت سے کھاتا پیتا رہتا ہے، کئی کئی نکاح کر لیتا ہے یہ سمجھ کر کہ فی الحال عافیت ہے حالانکہ ان کے بعد جو امراض اور آفتیں وجود میں آتی ہیں ان کو بھول جاتا ہے۔

اس طرح کا ایک دلچسپ اور عجیب حال یہ ہے کہ آدمی کسی باندی سے محبت کرتے ہوئے اس کو آزاد کر دیتا ہے اور اس کو کچھ جائیداد وغیرہ بھی دے دیتا ہے یا بیوی سے مطمئن اور خوش ہو کر جائیداد اس کے نام کر دیتا ہے پھر چند دن بھی نہیں گزرتے کہ اس کو چھوڑنا پڑ جاتا ہے یا دوسری کی طلب ہو جاتی ہے لیکن چھٹکارہ کا راستہ نہیں پاتا ہے کیونکہ اگر یہ اس کو چھوڑ دے تو سارا مال غنیمت وہ لے جائیں گی پھر جتنی لذت نہیں اٹھائی تھی اس سے زیادہ تکلیف اور گھٹن برداشت کرنا پڑتی ہے۔

لہٰذا کسی عورت یا کسی انسان کی محبت پر اتنا اعتماد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آدمی کسی عورت سے محبت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے جدائیگی کی نوبت نہ آئے گی یہ سوچ کر خوب فراخدلی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اچانک جدائیگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کسی اور سے محبت ہو جانے کی وجہ سے پہلی کی طرف توجہ ہٹ جاتی ہے لیکن اس کے لیے پہلی سے چھٹکارہ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سمجھدار وہی شخص ہے جو کسی چیز میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اس سے نکلنے کی تدبیر نہ سوچ لے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی حالت پر نہیں رہتی ہے، محبت اور دوستی بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتی ہے، تغیر اور تبدل ہر حال میں پیش آتا ہے۔

ایسا ہی یہ معاملہ بھی ہے کہ اپنا سارا مال اولاد کو دے کر خود اس کے بھروسہ پر رہ جائے کہ پھر اولاد اس کی موت کی تمنا کرنے لگتی ہے اور بسا اوقات خرچ میں تنگی کر دیتی ہے۔ اسی طرح دوست پر اعتماد کر کے اس کو اپنے راز سے آگاہ کر دینا بھی بیوقوفی ہے کیونکہ کبھی وہ

دوست کوئی راز افشاء کر دیتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی یہ معاملہ بھی ہے کہ انسان اپنی سلامتی پر مغرور ہو کر موت کے آنے کو بھولا رہتا ہے پھر موت اچانک ہی آ جاتی ہے اور یہ مبہوت رہ جاتا ہے کیونکہ تلافی کا موقع ختم ہو گیا اور پچھتاوا باقی رہ جاتا ہے۔

لہٰذا سمجھدار وہی شخص ہے جس کی نگاہ انجام پر رہتی ہو جو حالات پیش آ سکتے ہوں ان سے محتاط ہو ہر حال میں احتیاط کا راستہ اختیار کرتا ہو مال اور راز کی حفاظت کرتا ہو بیوی بچوں اور دوستوں پر اعتماد نہ کرتا ہو کوچ کے لیے تیار ہو اور جانے کے لیے آمادہ ہو یہی محتاط اور سمجھدار لوگوں کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور فیصلے

مجلس....ایک عجیب ترین معاملہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے فیصلوں کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر و جستجو میں لگ جاتا ہے حالانکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا صرف اجمالی معرفت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ متکلمین نے بہت کوشش کی لیکن کچھ پا نہیں سکے۔ یہاں تک کہ سمجھدار متکلمین نے لوٹ کر تسلیم و عاجزی کو اپنا لیا۔ ایسے ہی اہل رائے کا حال ہوا کہ انہوں نے قیاس سے کام لینا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ بہت سی چیزیں مراد کے خلاف پیش آئیں تو پھر تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہیں پایا۔ لہٰذا عقل و قیاس کے خلاف جس چیز کو پایا اس کو ''استحسان'' سے تعبیر کیا۔

لہٰذا فقیہ اور سمجھدار وہی ہے جو ممکن چیزوں کی توجیہ کرے اور جس وقت توجیہ سے عاجز ہو جائے تو سر تسلیم خم کر دے، یہی غلاموں کی شان ہے۔

رہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ بادشاہ کے راز پر مطلع ہونے کی جسارت کر رہا ہے حالانکہ دو وجہ سے اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی حکمتوں کو مخلوق سے چھپا رکھا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کے ادراک کی سکت اور صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا معترض کے پاس سوائے ایسے اعتراض کے جو اس کو کفر کی طرف

لے جائے کچھ باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

"فليمدد بسبب الى السمآء ثم ليقطع فلينظر هل يذهبن كيده ما يغيظ"

''تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس وحی کو موقوف کرا دے تو پھر غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر ناگواری کی چیز کو موقوف کر سکتی ہے؟'' (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے افعال اور فیصلوں پر راضی ہو تو وہ ٹھیک ہے باقی جس کو میرے فیصلوں پر اعتراض ہو وہ غصہ میں خود ہی اپنا گلا گھونٹ ڈالے کیونکہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔

اس دور میں خلوت کی ضرورت

مجلس.... جس کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے اور حضرات سلف کے حالات کے مطالعہ کی توفیق بخشی ہے وہ محسوس کرے گا کہ سارا عالم تاریک ہے' دنیا کے اکثر افراد سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان سے میل جول نقصان دہ ہے نافع نہیں ہے۔ لہٰذا اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ طبیعت دوسروں کے اخلاق کو چراتی ہے' میل جول سے پرہیز نہیں کرتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ آدمی علم و عمل میں اپنے سے زیادہ اور برتر کے ساتھ رہے تاکہ اس سے استفادہ کر سکے۔ باقی نیچے والوں سے ملنے میں نقصان ہی پہنچتا ہے۔ الا یہ کہ کوئی عامی استاذ سے سیکھنے کے لیے آوے تو پھر اس کے ساتھ (احتیاط کرتے ہوئے) اختلاط کر لینا بہتر ہے۔

اس دور میں اگر عوام سے اختلاط ہوتا ہے تو وہ دلوں کو مکدر کر دیتے ہیں۔ گویا سراپا تاریکی ہیں اس لیے اگر کوئی عالم عوام سے اختلاط کرنے پر مجبور ہو جائے تو احتیاط کا لباس پہن کر ملے اور ان کے پاس صرف نصیحت و تادیب ہی کے لیے بیٹھے۔

اور اگر علماء سے اختلاط ہو تو یہ سمجھ لو کہ اکثر علماء راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مقصود علم کو بنا لیا ہے نہ کہ عمل کو۔ لہٰذا تم انہیں آخرت کی یاد اور اس کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے ان کا عام مشغلہ غیبت' دوسروں پر غلبہ پانے کی فکر اور دنیا کا حصول ہے اور ان سب سے بڑھ کر اپنے ہم رُتبہ علماء سے وہ جلن اور حسد ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اگر امراء و حکام سے میل جول رکھا جائے تو یہ دین کو برباد کرنے کی کوشش ہوگی کیونکہ

اگر ان کے لیے دنیاوی منصب قبول کیا تو پھر اس کے لیے ظلم ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان پر عادت کا غلبہ ہے اور شریعت سے بے رُخی ان کا شیوہ ہے اور اگر کوئی دینی منصب مثلاً قضاء کا عہدہ قبول کیا تو پھر بھی وہ ایسی باتوں کا حکم دیں گے جن سے معذرت نہیں کی جاسکے گی اور اگر کی بھی گئی تو قبول نہیں کریں گے بلکہ اکثر لوگ تو اپنے عہدے کے چھن جانے کے خوف سے خود ہی ان کے بتائے ہوئے کام انجام دے ڈالتے ہیں۔ اگر چہ انہیں اس پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اس زمانہ میں تو میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ قاضی یا گواہ بننے کے لیے رشوت دیتے ہیں اور مقصد صرف عہدہ اور بلندی کی خواہش ہے۔

پھر اکثر گواہ جن کو نہیں جانتے ان کے متعلق بھی گواہی دے ڈالتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص ''نیک'' ہے حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ ''جھوٹا'' ہے مگر اس لیے نیک بتلا دیا کہ اس سے ''کچھ'' حاصل کرلیں گے۔ کتنا ایسا ہوتا ہے کہ اصل ملزم کے بجائے دوسرے پر گواہی دے دیتے ہیں یا کسی مجبور اور بے بس شخص پر۔

ایسے ہی اگر اہل تصوف سے اختلاط رکھا جائے تو ان میں سے اکثر اپنی روش پر نہیں رہ گئے ہیں بلکہ علم کے خلاف راستہ اپنا لیا ہے، اپنے لیے کچھ ناموس کا خیال باندھ لیا ہے اس لیے نہ مسکرا سکتے ہیں نہ بازار جاسکتے ہیں بلکہ حد سے زیادہ خشوع کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ یہ سب نفاق ہے۔

ان میں بہت سے ایسے ہیں جو کپڑے کے نیچے اونی لباس بھی پہنے رہتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی آستین اُٹھا کر ہلاتے ہیں تا کہ وہ اونی لباس سامنے والے کو نظر آ جائے۔ حضرت طاہر بن حسینؒ کی حکایت ہے کہ انہوں نے اسی طرح کے ایک صوفی سے پوچھا کہ ''تم عراق میں کب سے ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ میں بیس سال پہلے عراق میں داخل ہوا تھا اور میں تیس سال سے روزہ سے ہوں' آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو تم سے ایک سوال کیا تھا لیکن تم نے دو جواب دیئے۔

صوفیاء کی کوٹھڑیاں سرائے ہوتی ہیں۔ گویا وہ مسجد سے الگ مستقل عبادت خانے ہیں بلکہ یہ کہو کہ وہ نہایت ناپسندیدہ دکانیں ہیں جن میں ایسے لوگ بیٹھتے ہیں جو قدرت کے باوجود کسب و محنت سے کاہل ہوتے ہیں پھر بیٹھ کر صدقات وزکوٰۃ وصول کرتے اور ظالموں کے احوال کے متعلق بحث کرتے ہیں جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو علم کے حصول و تکرار کی مشقت سے بھی

راحت میں کر رکھا ہے۔ ان میں سے اکثر تو نفل بھی نہیں پڑھتے اور نہ رات میں اُٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ بس ساری توجہ کھانے پینے اور رقص کی طرف رکھتے ہیں ان لوگوں نے شریعت کے خلاف کچھ طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بغیر کسی فقر واحتیاج کے یہ لوگ پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ ان کے پاس تصوف کی علامتوں میں سے صرف یہی "معمولی کپڑے" ایک علامت رہ گئی ہے۔ چنانچہ ان کے کپڑے اور لباس پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہم لوگ "صوفی" ہیں ورنہ باقی اندرونی افعال وکردار اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو رسوا کن ہیں۔ چنانچہ دیکھو کہ مطبخ چلتا رہتا ہے، غسل خانے آباد ہیں، حلوہ اور شیرینی کثرت سے ہے، خوشبو اور اسباب راحت مہیا ہیں اور ان سب کے ساتھ اس صورت سے کبر بھی حاصل ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن فضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پراگندہ حال دیکھا تو دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں، مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے مال سے نوازا ہے، تو آپ نے فرمایا:

فان الله عزوجل اذا انعم علی عبد نعمة احب ان تریٰ علیه

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر کوئی انعام فرماتے ہیں تو اس پر اس کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ان صوفیوں کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو علم سے نفرت دلاتے ہیں، کہتے ہیں کہ وسائل کی کیا ضرورت ہے؟ مقصود تو "قلب" ہے اور "رب" ہے اسی طرح اور بھی ان کے بہت سے منکر اقوال وافعال ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں ذکر کیا ہے[1]۔

کاش! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور میں موجود ہوتے تو ہر روز ان کو سو کوڑے لگواتے نہیں بلکہ ان "خوارج" کے لیے تلوار استعمال کرتے۔ اب دیکھو یہ سب شہر کے اندر موجود ہیں لیکن علماء کو ان کے اوپر کچھ اختیار نہیں ہے اس لیے کہ ان کے بارے میں علماء کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب بھی ترجمہ ہو کر دیو بند سے شائع ہو چکی ہے "تلبیس ابلیس اردو" کے نام سے دستیاب ہے۔ شیطانی دھوکوں اور ہر طبقہ کے افراد کی غلطیوں کی نشاندہی اور علاج میں بہت مفید اور مؤثر کتاب ہے۔ اسی طرح ایک اور کتاب بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی ترجمہ کردہ "شیطانی دھوکے" جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الغرور" کا ترجمہ ہے۔ نہایت مفید اور مؤثر ہے اور ادارہ اشاعت السنہ ممبئی سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ حمزہ

حاصل یہ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حضرات سلف کی سیرتوں کے مطالعہ کی توفیق عطا کی ہے اوران کی پیروی نصیب کی ہے وہ اسی بات کو ترجیح دے گا کہ ساری مخلوق سے کنارہ کش ہو جائے، کسی سے میل جول نہ رکھے کیونکہ جس نے لوگوں سے اختلاط کیا اس نے نقصان اُٹھایا اور جس نے بھی عوام کی مدارات کی وہ مداہنت اور دین میں سستی سے محفوظ نہیں رہ سکا کیونکہ آج کل نصیحت وخیر خواہی قابل قبول نہیں ہے۔

ناصحامت کر نصیحت! جی مرا گھبرائے ہے　　میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

دشمن کیساتھ برتاؤ

مجلس..... بے بیوقوفی کی بات ہے کہ تم اپنے کسی دشمن یا حاسد کے ساتھ فوراً لڑ بیٹھو! کرنا یہ چاہیے کہ اگر اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جس کی وجہ سے آپس میں صلح اور سلامتی رہے۔ اگر وہ معذرت کرے تو اس کا عذر قبول کرلو اور اگر لڑائی کا ارادہ رکھتا ہو تو بے رُخی کر جاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ آپس کے تعلقات ٹھیک ہیں کوئی دشمنی نہیں ہے پھر اس کی طرف سے محتاط بھی رہو، کسی حال میں بھی اس پر بھروسہ نہ کرو، بظاہر میل جول رکھو لیکن حقیقت میں اس سے کنارہ کش رہو۔

پھر جب تمہاری خواہش ہو کہ اس کو ستاؤ اور تکلیف پہنچاؤ تو سب سے زیادہ اس کو اس بات سے تکلیف پہنچے گی کہ تم اپنے حالات درست کرلو اور اس کی کوشش میں لگ جاؤ کہ تمہاری جو کمزوریاں اس کے علم میں ہیں ان کا علاج کر ڈالو۔

ویسے اس کے حق میں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کردو۔ لہٰذا اگر وہ برا بھلا کہنے میں آگے بڑھے تو تم اعراض اور معاف کرنے میں آگے بڑھ جاؤ تو پھر عوام تمہاری طرف سے اس کی گالیوں کا بدلہ لیں گے اور علماء تمہاری بردباری پر تعریف کریں گے۔

پھر یہ کہ اس طرح کے اوصاف سے اس کو ستانا اور غم پہنچانا (جبکہ اس کے علاوہ دوسرے طریقے دل میں ہوں) یقیناً اس تکلیف دہ جملہ سے بہتر ہی ہے جو تم اس کو کہو پھر اس کا کئی گنا اس سے سنو اور یہ بات بھی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے ذریعے ظاہر کردو گے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ لہٰذا وہ اپنے بچاؤ کا سامان کر کے آزادی کے ساتھ زبان درازی کرے گا جبکہ معافی اور

اعراض کی وجہ سے وہ تمہارے دل کے ارادوں سے ناواقف رہے گا تو پھر تمہارے لیے اپنا بدلہ لے کر دل ٹھنڈا کرنے کا موقع ممکن ہوگا۔ ہاں اگر تم اس سے کوئی ایسا برتاؤ کرو جو تمہارے دین کے لیے نقصان دہ ہو (مثلاً غیبت کر و یا ظلم کر بیٹھو وغیرہ) تو پھر اسی کا دل ٹھنڈا ہوگا۔

یاد رکھو! وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جو گناہ سے ہار گیا ہو' کامیابی کے لیے خوبصورتی کے ساتھ اعراض اور بے رُخی ہی سب سے بہتر ہتھیار ہے۔

لیکن یہ سب وہی کرسکتا ہے جو یقین رکھے کہ دشمن کا مسلط ہونا یا تو کسی گناہ کی سزا کی وجہ سے ہے یا آزمائش کے ذریعے درجات کی بلندی کے لیے کیونکہ پھر وہ شخص دشمن پر نگاہ نہیں رکھے گا بلکہ تقدیر کا فیصلہ سمجھے گا۔

دُعا اور آدابِ دعا

مجلس..... جب تم کسی ایسی آزمائش میں پڑ جاؤ جس سے چھٹکارا پانا دشوار معلوم ہو تو پھر تمہارے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ پہلے گناہوں سے توبہ کرو پھر اللہ کی پناہ پکڑو اور دُعا مانگو۔

پہلے توبہ اس لیے ضروری ہے کہ لغزشیں ہی سزا کا سبب بنتی ہیں۔ لہٰذا جب توبہ کے ذریعے لغزشیں مٹ جائیں گی تو سزا بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر جب توبہ کرلو اور دعاء مانگ لو لیکن قبولیت کا اثر نہ پاؤ تو اپنی توبہ کا پھر سے جائزہ لو ممکن ہے توبہ صحیح نہ ہوئی ہو لہٰذا اس کو صحیح کر کے پھر سے دعاء مانگو' دعاء مانگنے سے اُکتاؤ مت! کیونکہ کبھی تاخیر ہی سے قبول کرنے میں مصلحت ہوتی ہے بلکہ کبھی قبول نہ کرنے میں ہی مصلحت ہوتی ہے۔ پس تم کو تو ثواب ملے گا اور ایسی چیز سے نواز دیئے جاؤ گے جس میں تمہارا نفع ہو۔

اور یہ بھی ایک طرح کا نفع ہے کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو وہ نہ دے کر اس کے بدلہ میں کوئی بہتر چیز دیدی جائے۔ اب اگر شیطان آوے اور کہے کہ تم کتنی مدت سے دعا کر رہے ہو لیکن قبولیت کا اثر نہیں دیکھ رہے ہو تو اس سے کہہ دو کہ میں دعاء کے ذریعے بندگی اور غلامی کا اظہار کر رہا ہوں اور مجھے اس کا یقین ہے کہ دعاء کا جواب ضرور ملے گا۔ مگر یہ کہ کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میرا مطلوب مناسب وقت میں مجھ کو مل جائے گا اور اگر بالفرض نہ بھی ملا تو بندگی اور عاجزی تو حاصل ہو ہی گئی۔

خوب سمجھ لو کہ جب بھی کوئی دعا مانگو تو اس میں بہتری اور خیر کا سوال ضرور کرو کیونکہ دنیا کے بہت سے مطلوب کا حصول ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔

بھلا جب تم دنیاوی معاملات میں مشورہ کے پابند بنائے گئے ہوتا کہ تمہارا ساتھی وہ رُخ واضح کردے جس کی طرف تمہارا ذہن نہیں جا سکا ہے اور تم سمجھ لو کہ تمہاری رائے درست نہیں ہے تو پھر اپنے رب سے کیوں نہیں خیر اور بھلائی کا سوال کرتے ہو جبکہ وہ تمام مصلحتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے؟ جبکہ ''استخارہ بہترین مشورہ ہے''

بگاڑ ہر طبقہ میں ہے

مجلس.... میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ان کے دو طبقے ہیں۔ ایک علماء کا طبقہ ہے دوسرا جہلاء کا۔ جاہلوں کو دیکھا کہ وہ بھی کئی تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان جاہلوں میں سے بادشاہ بھی ہے جس کی جہالت ہی میں پرورش ہوئی ہے' ریشم پہنتا ہے' شراب پیتا ہے اور لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حکام بھی اس کی طرح ہیں۔ لہٰذا یہ سب لوگ خیر اور بھلائی سے علیحدہ ہیں' انہی جاہلوں میں تاجرین بھی ہیں جن کی ساری فکر کمانے اور مال جمع کرنے کی ہوتی ہے اور اکثر کا حال یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں اور سود سے نہیں پرہیز کرتے ہیں لہٰذا یہ لوگ صرف آدمی کی صورت رکھتے ہیں۔

انہی جاہلوں میں اور دوسرے ارباب معاش بھی ہیں جو ناپنے میں کمی بیشی کرتے ہیں' ترازو میں ڈنڈی مارتے ہیں' لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور سودی لین دین کرتے ہیں' سارا دن بازار میں گزارتے ہیں لیکن ان کو اپنے پیشے اور کام کی فکر کے سوا اور کسی چیز کا دھیان نہیں رہتا ہے۔ پھر جب رات آتی ہے تو سونے کے لیے بستر پر اس طرح گرتے ہیں جیسے نشہ میں مست ہوں۔ ان کو صرف کھانے کی اور لذت کے حصول کی فکر ہوتی ہے' نماز کی کچھ خبر نہیں رکھتے۔ اگر اتفاقاً کوئی نماز پڑھتا بھی ہے تو جلدی جلدی یا دو دو وقت کی نماز اکٹھی کر کے پڑھتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ جانوروں کے شمار میں ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے تمام معاملات میں کم تر پیشہ والے ہیں۔ چنانچہ دیکھو یہ جھاڑو لگانے والا ہے' وہ کوڑا اُٹھانے والا ہے' یہ آٹا چالنے والا ہے' وہ

پاخانہ صاف کرنے والا ہے، تو یہ قوم کے سب سے رذیل اور کم رُتبہ لوگ ہیں۔

ان جاہلوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو لذتوں کے طالب اور خواہش مند ہیں لیکن جب معاش کافی نہیں ہوتا ہے تو ڈاکہ زنی کے لیے نکل پڑتے ہیں قوم میں یہ سب سے احمق طبقہ ہے کیونکہ ان کو زندگی اور ٹھاٹھ کچھ بھی میسر نہیں ہے اگر کسی وقت میں تھوڑی دیر کے لیے کھانے پینے کے سامانوں سے لذت اُٹھانا چاہتے ہیں تو اگر اس وقت ہوا سے کوئی تنکا ہلتا ہے تو یہ بادشاہ کے خوف سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں پھر انکی زندگی بھی بہت مختصر ہوتی ہے (پکڑے جاتے ہیں) پھر قتل ہوتے ہیں، سولی پر چڑھا دیئے جاتے ہیں اور آخرت کا گناہ الگ سے ساتھ میں رہتا ہے۔

انہی میں وہ دیہاتی بھی ہیں جن کو جہالت گھیرے ہوئے ہے، اکثر ان میں نجاست سے پرہیز نہیں کرتے ہیں۔لہٰذا یہ گائے بیل کی طرح ہیں۔

پھر میں نے عورتوں کے حالات پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ چنانچہ ان میں جو خوبصورت ہے وہ زنا کرتی ہے۔کچھ ایسی ہیں جو شوہر کے مال میں خیانت کرتی ہیں، بہت سی ایسی ہیں جو نماز نہیں پڑھتی ہیں اور دین کی کچھ خبر نہیں رکھتی ہیں۔پس یہ سب جہنم کی زائد ایندھن ہیں۔

جب یہ کوئی نصیحت سنتی ہیں تو اس طرح جیسے وہ نصیحت کسی پتھر کو کی گئی ہو اور جب ان کے سامنے قرآن کے مضامین نقل کیے جاتے ہیں تو اس طرح سنتی ہیں جیسے قصہ کہانی سن رہی ہوں۔

اب رہ گئے علماء تو جو ان میں مبتدی ہیں ان میں سے اکثر بری نیت رکھنے والے ہیں یعنی علم کے حصول سے عمل کے قصد کے بجائے فخر و مباہات کی نیت رکھتے ہیں اور اس گمان پر کہ علم ان کی طرف سے دفاع کا کام کرے گا گناہ کی طرف مائل رہتے ہیں حالانکہ یہی علم ان کے خلاف حجت بنے گا۔

اور جو علماء متوسط اور مشہور ہیں تو ان میں سے اکثر بادشاہوں کے یہاں حاضری دیتے ہیں اور منکر پر نکیر سے سکوت کرتے ہیں۔

''بہت کم ہی علماء ایسے ہیں جن کی نیت درست ہو اور قصد اچھا ہو۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے خیر کا ارادہ فرما لیتے ہیں اس کو علم کی طلب میں ''حسن نیت'' عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا وہ علم اس لیے حاصل کرتا ہے تا کہ خود نفع اُٹھائے اور دوسروں کو نفع پہنچائے اور ایسے کام

کی پرواہ نہ کرے جس کی طرف اس کا علم رہبری نہ کرے۔

ایسے عالم کو تم دیکھو گے کہ دنیاداروں سے کنارہ کش رہتا ہے، عوام کے میل جول سے پرہیز کرتا ہے اور اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں زیادہ کے حصول کی فکر میں دنیا میں نہ مبتلا ہو جائے تھوڑے پر قناعت کر لیتا ہے اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ آخرت کے لیے اس سے بہتر کوئی مذکر نہیں ہے۔

یہ سمجھو کہ عالم کے لیے بادشاہوں کے ہاں حاضری سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عالم کو دنیا خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے اور منکرات کی حیثیت گھٹ جاتی ہے کبھی کوئی عالم منکرات پر ٹوکنا چاہتا ہے لیکن اس کو موقع نہیں مل پاتا ہے تو اس وقت اگر خود اس کو قناعت حاصل نہ ہو اور دنیا کے حصول کے لیے نفس غالب ہو گیا ہو تو پھر ان منکرات سے اپنے کو بچانا دشوار ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ انہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ رہا ہے جو ان منکرات میں مبتلا ہیں۔

جب حال یہ ہے کہ ایک آدمی تھوڑی دیر بازار میں چلتا ہے تو بازار کی رونق اور ناپسندیدہ چیزوں کو دیکھ کر اپنے علم و تقویٰ کو بھولنے لگتا ہے تو پھر جب مال داروں کے پاس بار بار جانا ہو اور ان کی دولت کی حرص بھی ہو تو کیوں نہ اثر پڑے گا۔

رہی تنہائی اور گوشہ نشینی تو بلاشبہ وہ دل کے رجوع اور فکری اطمینان کا سبب ہے تنہائی میں آدمی انجام کو سوچتا ہے، سفر آخرت کی تیاری کرتا ہے اور توشہ جمع کرنے کی فکر میں لگتا ہے پھر اس خلوت کے ساتھ قناعت بھی جمع ہو جائے تو نہایت پسندیدہ احوال حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس لیے اس دور میں صرف ایسی کتابوں کی ہم نشینی اختیار کرنی چاہیے جو تمہارے سامنے حضرات سلف کے احوال کو بیان کریں رہا علماء کے پاس بیٹھنا تو یہ خطرہ سے خالی نہیں ہے[1] کیونکہ وہ عام طور پر آخرت کے ذکر پر نہیں آتے ہیں اور عوام کی ہم نشینی تو سراسر دین کے لیے فتنہ ہے مگر یہ کہ (اگر کوئی عالم اختیار کرے تو) احتیاط کے ساتھ بیٹھے اور ان کو بولنے اور بات کرنے سے منع کر دے یعنی خود کلام کرے اور ان کو سننے کا پابند کرے (تو البتہ بچ سکتا

---

[1] اس سے مراد ظاہر ہے کہ وہی علماء ہیں جو آخرت سے غافل اور دنیا میں منہمک ہیں ورنہ علماء جو صلحاء بھی ہوں یعنی جن کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ اور آخرت کی یاد بڑھتی ہو اور دنیا کی محبت گھٹتی ہو ان کی صحبت نہ صرف یہ کہ اختیار کرنا مناسب ہے بلکہ ضروری اور بمنزلہ فرض کے ہے۔ ''کما قال به التهانوی'' کیونکہ اس کے بغیر دین کا صحیح مزاج اور ذوق حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہزارہا افراد اُمت کے تجربات و مشاہدات اس کی دلیل ہیں۔ ۱۲ احمزہ

ہے) لیکن پھر بھی ان سے دور رہنے کے لیے بالکل تیار رہے۔

اور یہ سمجھ لو کہ عوام سے پوری کنارہ کشی جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ آدمی لالچ ختم کر دے اور لالچ کے ختم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ تھوڑے پر قناعت اختیار کرے یا کچھ تجارت بھی کرے یا کوئی عمارت ہو جس کو کرایہ پر اُٹھا دے کیونکہ جب کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو فکر منتشر ہونے لگتی ہے۔

پھر جب کوئی عالم مخلوق سے لالچ ختم کر کے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گیا اور آخرت کی یاد میں مشغول ہو گیا تو سمجھ لو کہ یہی وہ عالم ہے جو اپنے علم سے نفع اُٹھا رہا ہے اور نفع پہنچا بھی رہا ہے۔ "واللہ الموفق"

جنت کی قیمت اور اس کے راستہ کا چراغ

مجلس..... جس شخص نے فکر کی نگاہ سے یہ سوچا کہ جنت میں ہمیشہ رہنا ہوگا بغیر کسی کدورت کے نہایت صاف ستھری زندگی حاصل ہوگی' لذتوں میں کبھی انقطاع نہ ہوگا' نفس کی ہر خواہش پوری اور ہر مطلوب حاصل ہوگا اور نعمتوں میں وہ اضافہ ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا' نہ ان نعمتوں میں تبدیلی ہوگی اور نہ زوال ہوگا اس لیے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنت ایک لاکھ سال تک رہے گی اور نہ کروڑ سال کی حد ہو سکتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص ہزاروں سال تک ہزاروں کی گنتی شمار کرتا رہے تو بھی اس کے ایام ختم نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی کوئی انتہاء ہوگی۔ لہٰذا آخرت کی بقاء ایسی ہے کہ اس کو کبھی ختم نہیں ہونا ہے۔

مگر یہ کہ وہ (طویل اور خوشگوار زندگی) اس عمر کی پونجی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے جبکہ عمر کی مقدار کیا ہے؟ اس کی انتہائی مدت سو سال ہو سکتی ہے۔ جس میں پندرہ سال بچپن اور نادانی کا زمانہ ہے اور ستر کے بعد والے تیس سال...... اگر حاصل ہو جائیں تو...... ضعف اور عجز کا زمانہ ہے۔ باقی درمیانی مدت میں بھی آدھی میں سونا اور کچھ میں کھانا پینا اور کمانا ہے اسی طرح عبادات کے لیے بہت کم وقت بچتا ہے۔

اب بتاؤ! کیا اس تھوڑی سی مدت کے بدلہ وہ ہمیشہ رہنے والی طویل مدت خریدی جا سکتی ہے؟ یقیناً جو شخص اس خرید و فروخت سے بے رُخی برتے اس کی عقل میں کھوٹ ہے

اور وعدوں پر ایمان میں خلل ہے (ورنہ کون بیوقوف ہوسکتا ہے جو اس قدر عظیم طویل اورلذیذ نعمت کومختصر اور حقیر سی زندگی کے عوض خریدنے میں تامل کرے سوائے اس کے کہ عقل سے کورا ہو یا پھر اسے جنت اور جنت کے اسباب پر یقین نہ ہو۔۱۲)

اس موقع پر علم ہی وہ واحد روشنی ہے جو جنت کے راستہ کو روشن کرتی ہے اس راہ کے لیے مناسب زادراہ کو بتلاتی ہے اور اس کی مشکلات سے بچاتی ہے لیکن صوفیوں کے ایک گروہ میں شیطانوں نے کچھ آفات پیدا کردی ہیں جن میں سے بڑی آفت یہ ہے کہ ان کا رُخ علم سے پھیر دیا ہے۔ دراصل اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ چراغ کو بجھا دے پھر تاریکی میں اطمینان سے چوری کرسکے۔ چنانچہ بڑے بڑے اہل علم حضرات کو پکڑلیا اور اس طریقہ سے انہیں ایسے راستوں پر لے کر چلا جن سے ان کا علم روکتا تھا۔

میں نے ابو حامد طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ دیکھا جس کو انہوں نے کسی کتاب میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: ''میں نے صوفیاء میں سے ایک بڑے اور قابل اتباع صوفی سے مشورہ کیا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت مسلسل پابندی سے کرتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے مجھ کو اس سے منع کردیا اور فرمایا کہ راہِ سلوک یہ ہے کہ تم اپنے تمام علائق دنیوی سے علیحدہ ہوجاؤ' اس طرح کہ تمہارا دل نہ بیوی کی طرف متوجہ ہو نہ لڑکے کی طرف اور نہ مال کی طرف نہ علم کی طرف بلکہ ایسی حالت حاصل کرو کہ تمہارے لیے ان چیزوں کا وجود اور عدم برابر ہوجائے۔ پھر ایک گوشہ میں تنہائی میں بیٹھ جاؤ اور عبادت میں سے صرف فرائض اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کرو' دل کو فارغ کرلو اور اللہ اللہ کا ذکر کرتے رہو' یہاں تک کہ یہ حالت ہوجائے اگر تم زبان کو حرکت دینا چھوڑ دو پھر بھی محسوس کرو کہ ذکر تمہاری زبان پر جاری ہے۔ اگر ایسا کرلیا تو پھر تم دیکھو گے کہ ایسے معانی اور مقامات تم پر کھلیں گے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ پر کھل چکے ہیں۔''

میں یہ کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھ کو ان وصیت کرنے والے شیخ پر تعجب نہیں ہوا میں تو ان صاحب پر تعجب کررہا ہوں جنہوں نے اپنے (مسلم) علم وفہم کے باوجود اس مشورہ کو قبول کرلیا[1]۔

---

[1] (واقعہ کا ظاہر عوام کے لیے موحش تھا اس لیے علامہ ابن الجوزیؒ نے سدللباب یہ طرز اختیار فرمایا ہے ورنہ کیا علامہ (اپنی بے نظیر فہم کے باوصف) اتنا نہیں سمجھ سکے ہوں گے کہ صوفی صاحب نے تلاوت قرآن سے روکا نہیں بلکہ علاجاً چند دنوں کے لیے مؤخر کیا ہے کیا بیمار کو بعض مقویات سے روکا نہیں جاتا ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھلا بتاؤ! کیا تلاوت قرآن پاک سے اعراض کر کے راہ سلوک طے کی جا سکتی ہے؟ اور کیا حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو معانی کھلے وہ ان کے مجاہدات و ریاضات کی وجہ سے کھولے گئے؟ اور کیا اس طرح سے جو معانی حاصل ہوں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ پھر بتاؤ وہ معانی کیا ہوں گے کیا غیب پر اطلاع ہوگی یا وحی[1]؟

(یہ سب کچھ نہیں ہے) بس شیطان کا اس قوم کے ساتھ کھیل ہے اور جو کچھ ان کے خیالات اور تصورات میں متخیل ہوتا ہے کبھی مالیخولیا کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی ابلیس کی طرف سے[2]۔

لہٰذا تم علم کو تھام لو اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرو اور بتاؤ! کیا ان میں سے کسی نے اس طرح کی بات کی؟ یا کسی کو ایسا مشورہ دیا؟ وہ تو ہمیشہ قرآن وسنت اور علم میں مشغول رہے تو علم ہی نے ان کو دل کی اصلاح اور امراض باطن کے ازالہ کی طرف متوجہ کیا۔ ہم دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا علم نافع عطا فرمائیں جو دشمن (شیطان) کی چال سے روکنے والا ہو۔ بلاشبہ وہ ذات قادر ہے۔

محبت بھی چھپانی چاہیے

مجلس..... جو شخص کوئی محبوب منتخب کرنا چاہتا ہو تو یہ سمجھ لے کہ محبوب دو طرح کے ہوں گے یا تو کوئی عورت ہوگی جس سے حسن صورت مطلوب ہوتا ہے یا پھر کوئی دوست ہوگا جس سے حسن سیرت مطلوب ہوتا ہے۔

لہٰذا جب تم کو کسی عورت کی صورت پسند آوے تو دل لگانے سے پہلے ایک طویل مدت تک اس کی باطنی صفات و عادات کو معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ اگر جیسی تم چاہتے ہو ویسی ہی پاؤ جب کہ ان صفات میں سب سے مقدم دین ہونا چاہیے جیسا کہ حضور اکرم صلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ساری زندگی تلاوت نہیں کی؟ ان سے زیادہ عبادت اور تلاوت کرنے والا کون ہوگا؟ بلکہ احیاء العلوم میں خود انہوں نے تلاوت کی ترغیب بھی ذکر فرمائی ہے۔ ۱۲ احمزہ)

[1] کھلی بات ہے کہ نہ وحی ہوں گی نہ علوم غیب بلکہ شریعت کے وہ اسرار و رموز اور حکمتیں مراد ہیں جو صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہی پر کھل سکیں اور اتنی بات خود علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی سمجھتے ہیں لیکن موقع کی رعایت میں یہ لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے۔ ۱۲ احمزہ [2] یہ بھی کرامتوں کا انکار نہیں ہے بلکہ وہ ہی عوام کو جھوٹے پیروں کی بکواس اور خلاف شریعت اقوال سے بچانا ہے۔ ۱۲ احمزہ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "علیک بذات الدین" (دیندار عورت کو اختیار کرو) تو پھر اس کی طرف مائل ہو اور اس سے اولاد حاصل کرو۔

لیکن پھر بھی اپنے میلان میں اعتدال پر رہو۔ یہ بات غلط ہے کہ تم محبوب کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر دو کیونکہ وہ پھر تم پر غصہ کرے گا اور تم کو اس سے تکلیف، سرکشی، جدائیگی اور زیادہ خرچ کا مطالبہ برداشت کرنا پڑے گا۔ اگر چہ وہ بھی تم سے محبت کرے گی لیکن یہ سب اس لیے ہوگا کہ ناز اور عاشق پر غلبہ کی خواہش یہی سب کراتی ہے۔

اور اس جگہ ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ کبھی ایسا ہوگا کہ تم وقتی حال کے مطابق کوئی معاملہ کرنا چاہو گے اور وہ محبت کے تقاضا کو دیکھے گی تو یہ چیز تم سے نبھے گی نہیں لہٰذا تم مغلوب اور مقہور ہو کر رہ جاؤ گے اور چھٹکارہ مشکل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ وہ محبت کے ناز میں تمہارا راز معلوم کرنا چاہے یا زیادہ مال حاصل کر کے لے جائے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھا وہ واقعہ ہے جو مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی خلیفہ کی ایک باندی تھی جو خلیفہ سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھی لیکن کبھی اس کے سامنے اظہار نہیں کرتی تھی۔ اس سے پوچھا گیا کہ آخر کیوں تم نے چھپایا؟ تو اس نے کہا: اگر میں ظاہر کر دیتی تو وہ مجھ پر جفا کرتا اور میں ہلاک ہو جاتی۔ شاعر کہتا ہے:

لاتظهرن مودة لحبيب فترئ بعينک منه کل عجيب

"محبوب سے اپنی محبت کا اظہار کبھی نہ کرو تا کہ اس کی عجیب عجیب اداؤں کو آنکھوں سے دیکھ سکو۔"

اظهرت يوماً للحبيب مودتي فاخذت من هجر انه بنصيبي

"ایک دن میں نے اپنے محبوب سے اظہار محبت کر دیا تو پھر میرے حصہ میں اس کا فراق ہی آیا۔"

ایسے ہی اولاد سے بھی کچھ محبت چھپانی چاہیے ورنہ پھر وہ تم پر غالب آ جائے گی، تمہارا مال ضائع کرے گی، ناز میں حد سے آگے بڑھ جائے گی اور تعلیم و تعلم سے محروم رہ جائے گی۔

اسی طرح جب تم کوئی دوست منتخب کرو اور اس کو جانچ پرکھ لو تب بھی اپنی ہر بات اس کو نہ بتا دو بلکہ احسان کے ذریعے اس کی حفاظت کرو جیسے درخت کی حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ جب درخت کی جڑ مضبوط ہوتی ہے تو نگرانی سے اچھا پھل حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس

سے بھی احتیاط کے ساتھ رہو کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

احذر عدوک مرة احذر صدیقک الف مرة

''دشمن سے ایک مرتبہ بچو اور دوست سے ہزار احتیاط کرو۔''

فلربما انقلب الصدیق فکان ادریٰ بالمضرة

''کیونکہ جب دوست دشمن ہو جاتا ہے تو نقصان پہنچانے کے طریقوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔''

چھپانے کی چیزیں

مجلس.... کسی شخص کی وجہ سے اگر تم اس سے نفرت کرتے ہو تو اپنی نفرت کو ظاہر نہ کرو کیونکہ پھر تم اس کو اپنے سے محتاط کردو گے اور مقابلہ کی دعوت دیدو گے پھر وہ تم سے جنگ اور تمہارے خلاف سازشیں شروع کردے گا۔

اس لیے مناسب یہ ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کو سابقہ تعلقات پر واپس لانے کی کوشش کرو یہاں تک کہ تمہاری دشمنی سے شرمندہ ہو کر اس کی مخالفت اور دشمنی ٹوٹ جائے اور اگر تم سے نہ ہو سکے تو خوش اسلوبی سے علیحدہ ہو جاؤ یعنی کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اس کو تکلیف پہنچے بلکہ جب بھی اس کی طرف سے کوئی نامناسب اور سخت کلمہ سنو تو اس کا جواب اچھے کلمہ سے دو کیونکہ اس سے اس کی زبان بند ہو جائے گی۔

اور یہی معاملہ ان تمام چیزوں میں ہونا چاہیے جن کے اظہار میں کوئی اندیشہ ہو۔ لہٰذا خبردار! ایسی کوئی بات نہ بولو کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل گیا جس سے بادشاہ کی بے عزتی ہوتی ہو اور وہ جملہ بادشاہ تک پہنچ گیا تو پھر بولنے والے کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے یا کسی دوست کے متعلق کوئی جملہ نکل گیا اور اس سے دشمنی کا سبب ہو گیا یا اس کو کوئی ایسا شخص جو اظہار سے ڈرتا ہوا اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے (جس کا نتیجہ بعد میں ظاہر ہوتا ہے) لہٰذا احتیاط کی بات یہی ہے کہ دوستی اور دشمنی چھپائی جائے۔

اسی طرح اپنی عمر بھی چھپاؤ بلاوجہ لوگوں سے بتاتے نہ پھرو کیونکہ اگر عمر زیادہ ہوگی تو لوگ تم کو بیکار بوڑھا بنادیں گے اور اگر کم ہوئی تو حقیر سمجھیں گے۔

ایسے ہی مال کی مقدار بھی چھپانے کی چیز ہے کیوں کہ اگر زیادہ ہوا تو پھر تمہارے خرچ میں بخل کا عیب نکالیں گے اور اگر کم ہوا تو پھر تم سے نجات چاہیں گے۔

یہی مذہب کا معاملہ بھی ہے اگر ظاہر کرو گے تو اس سے مطمئن مت ہو کہ تمہارا کوئی مخالف اس کو سن لے اور تم پر کفر کا فتویٰ لگا دے۔ ہم کو "محمد بن عبدالباقی بزار" نے یہ اشعار سنائے:

احفظ لسانک لا تبح بثلاثة   سن و مال ما استطعت و مذهب

فعلی الثلاثة تبتلی بثلاثة   بمموه و مخرف و مکذب

"زبان کی حفاظت کرو، خصوصاً تین چیزیں ظاہر مت کرو، عمر، مال اور مذہب جہاں تک تم سے ہو سکے کیونکہ ان تینوں کی وجہ سے تین الزام میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ ملمع سازی، عقل کی خرابی اور شریعت کی تکذیب میں۔"

بادشاہوں کی ہم نشینی

مجلس.... مجھ کو ہمیشہ اس شخص پر تعجب ہوا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود بادشاہوں کی خدمت کو اختیار کرتا ہے حالانکہ ان کے کھلے ہوئے مظالم کا روزمرہ مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ تعجب ہے آخر ان کی کیا چیز اس کو اچھی لگ رہی ہے؟

اگر کوئی دنیوی ضرورت کے لیے جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کو اس اللہ کا نام یاد دلایا جائے جس کی طرف وہ اپنے کو جھوٹ موٹ منسوب کرتا ہے۔

یہ شخص بادشاہ کی ہمنشینی سے یہ چاہتا ہے کہ اس کو مجلسوں میں صدارت حاصل ہو اور اپنے ہم عمروں پر کبر کی وجہ سے گردن اونچی کر سکے۔ رشوت اور ظلم کا مال وصول کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ کبھی خود ہی رشوتوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔

پھر دیکھو کہ کبھی اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا غالب آ جاتا ہے اور یہ معزول کر دیا جاتا ہے تو پھر حکومت کے زمانہ کی ایک ایک حلاوت اور لذت، تلخی اور کڑواہٹ سے تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر معاملہ زیادہ نہیں بگڑا تو بھی مغلوبیت کے زمانہ میں احتیاج اور فقر کی نوبت آ جاتی ہے، پھر مدح کرنے والی زبانی مذمت کرنے لگتی ہیں۔

اگر فرض کر لو کہ ان سب صورتوں سے محفوظ رہا تو بھی اپنے رقیب اور اس کی عداوتوں

کے اندیشے سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟ گویا اس کی مثال سمندر کے سوار کی سی ہے کہ اگر اس کا بدن ڈوبنے سے محفوظ رہ جاتا ہے تو بھی کم از کم دل خوف اور اندیشہ سے تو نہیں بچ سکتا۔

اور اگر یہ ہم نشینی اختیار کرنے والا دیندار ہو تو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے حواشی اکثر اوقات میں اس کو دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیں گے بلکہ واجبات کے ترک کرنے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنے پر مجبور کریں گے جس کی وجہ سے بہت جلد اس کا دین برباد ہو جائے گا جبکہ آخرت کا عذاب تو بہت تکلیف دہ ہوگا۔

خودداری اور عزت نفس

مجلس.....اس شخص پر بہت تعجب ہے جو ذلت سے نفرت کرتے ہوئے بھی خشک روٹی کے ٹکڑوں پر صبر نہیں کر پاتا ہے اور کمتر درجہ کے لوگوں کے احسان اُٹھالیتا ہے۔

بتاؤ! کیا وہ جانتا نہیں ہے کہ اب کوئی صاحب مروت نہیں رہ گیا ہے؟ اگر کسی بخیل سے مانگو تو اولاً تو دیتا نہیں ہے اور اگر کچھ معمولی سا عطیہ دیا بھی تو اس کی وجہ سے ساری زندگی غلام بنائے رکھنا چاہتا ہے۔

پھر وہ معمولی عطیہ بھی جلد ہی فنا ہو جائے گا جبکہ احسان، شرمندگی اور اپنے اوپر حقارت کی نگاہ کیونکہ اس نے سوال کیا ہے باقی رہ جائے گی جبکہ دینے والے کی طرف ہمیشہ عظمت کی نگاہ اُٹھے گی۔

پھر اس کی وجہ سے دینے والے کی غلطیوں پر سکوت بھی کرنا پڑے گا اور اس کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت میں لگنا بھی پڑے گا۔

اور اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ جو شخص شریفوں کو تھوڑی سی فنا ہو جانے والی دنیا دے کر غلام بنا سکتا ہو وہ اس میں کوتاہی کرے جبکہ کوئی شریف اور آزاد شخص احسان ہی سے خریدا جا سکتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تفضل علٰی من شئت واعن بامرہٖ فانت ولو کان الامیر' امیرہٗ

''احسان کر جس پر تو چاہے اور اس کا کام پورا کر دے تو پھر اگرچہ وہ امیر اور سردار ہو لیکن تو اس کا امیر ہو جائے گا۔''

وکن ذاغنی عن من تشآء من الوریٰ ولو کان سلطانًا فانت نظیرہٗ

"اور مخلوق میں سے جس سے تو چاہے بے نیاز ہو جا' پھر وہ خواہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو تو اس کے برابر ہے۔"

ومن کنت محتاجاً الیه و واقفا علیٰ طمعم منه فانت اسیرهٗ

"اور جس کا تو محتاج ہو گیا اور کسی لالچ کے ساتھ اس کے پاس حاضر ہوا تو پھر تو اس کا قیدی ہے۔"

جوانوں کو نصیحت

مجلس....لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اس کو زیادہ ہم بستری سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ یہ احتیاط بڑھاپے میں کام آئے کیونکہ بڑھاپے تک پہنچنا ممکن ہے اور ممکن کے لیے تیاری کر لینا احتیاط اور حزم کی بات ہے۔

پھر جبکہ بڑھاپا عام طور پر ملتا ہی ہے تو کیوں نہ احتیاط کی جائے؟ جیسے کہ جاڑے کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کی جاتی ہے۔

جب آدمی قدرت کے وقت "حاصل قوت" کو ختم کر دیتا ہے تو فاقہ کے وقت ضرورت کی وجہ سے تکلیف اُٹھاتا ہے۔

دیندار اور سمجھ دار شخص کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ لذت محبوب سے قرب کے بقدر ملتی ہے اور قرب بوسے اور لپٹانے سے حاصل ہوتا ہے' پھر قرب سے محبت بڑھتی ہے' محبت ہی سے لذت ملتی ہے جبکہ ہم بستری محبت کو گھٹاتی ہے۔ جس کی وجہ سے لذت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اہل عرب عشق و محبت میں محبوب سے ہمبستری کے قائل نہیں تھے۔

چنانچہ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے:

"ان نکح الحب فسد" "اگر محبوب سے نکاح ہو گیا تو محبت برباد ہو گئی۔"

درحقیقت محض ہم بستری سے لطف اندوز ہونا' جانوروں کا طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ ہم نے ہم بستری کے مقصود کو سوچا تو اس کے سلسلے میں ایک عجیب حقیقت سمجھ میں آئی جو بہت سے لوگوں پر مخفی رہ جاتی ہے' وہ یہ کہ جب کسی سے عشق ہوتا ہے تو طبیعت اس کا قرب چاہتی ہے اس لیے آدمی لپٹاتا اور بھینچتا ہے کیونکہ اس میں قرب بہت ہے' پھر اس قرب میں اضافہ کرتا ہے تو رخسار کا بوسہ لیتا ہے۔ پھر روح کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہونٹ کا

بوسہ لیتا ہے، پھر اس سے بھی آگے بڑھتا ہے تو محبوب کی زبان چوستا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گود میں لے کر بوسہ لیتے تھے اور زبان منہ میں لیتے تھے۔

پھر جب طبیعت اس سے بھی آگے بڑھ کر روح تک قرب چاہتی ہے تو ہم بستری پر آمادہ ہوتی ہے تو یہ اس کا حقیقی راز ہے لیکن ان سب سے صرف حسی لذت ہی حاصل ہو پاتی ہے۔

عوام کے حق میں کلامی بحثیں

مجلس.... عوام کے لیے علم کلام کی بحثوں سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کو کلامی بحثوں کے سننے اور اس میں غور وفکر سے ڈرانا چاہیے۔ جیسا کہ بچوں کو ڈوبنے کے اندیشے سے دریا کے کنارے جانے سے ڈرایا جاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عام آدمی یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ مجھ کو ان مباحث کے سمجھنے کی قوت حاصل ہے حالانکہ اس کا خیال غلط ہوتا ہے۔ ان مباحث میں تو علماء کی ایک جماعت لغزش کھا گئی ہے، پھر بھلا عوام کیا سمجھ سکیں گے؟

میں نے اپنے زمانہ کے عام واعظین سے زیادہ احمق کوئی جماعت نہیں دیکھی کہ ان کے پاس بھولے بھالے عوام پہنچتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان کو شراب و زنا اور غیبت سے روکتے، نماز کے ارکان اور بندگی کے طریقے سکھلاتے، تمام اوقات کو "استواء" کے ذکر اور صفات خداوندی کی تاویل میں، اور اس بیان میں کہ "کلام" قائم بالذات ہوتا ہے، ضائع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے صاف اور سادہ دل لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

عام آدمی پر تو بس اتنی ذمہ داری ہے کہ ان پانچ اصولوں کو اللہ، اس کے فرشتے، اس کی کتابیں، اس کے تمام رسول اور آخرت کے دن کو دل سے مان لے اور جو کچھ حضرات سلف فرما گئے ہیں اس پر اکتفاء کرے یعنی یہ کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کا استواء علی العرش حق ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔ (ہم کو معلوم نہیں ہے)

خوب سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی بدوؤں کو ایمان محض کے علاوہ اور

کسی چیز کا پابند نہیں کیا[1] اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ''جوہر'' اور ''عرض'' کی فلسفیانہ بحثیں نہیں فرمائیں۔ لہٰذا جو شخص حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر اس دنیا سے گیا وہ مؤمن اور بدعت سے محفوظ گیا۔

اور جس نے اچھی طرح تیراکی سیکھے بغیر ساحل سمندر پر قدم رکھا تو اس کا ڈوب جانا ظاہر ہے۔

لذت کی حقیقت اور اس کے نتائج

مجلس.....سب سے بڑا نادان وہ شخص ہے جو لذتوں میں منہمک رہے۔

لذتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جو مباح ہوں اور دوسری وہ جو ناجائز اور حرام ہوں۔ مباح کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی مباح لذت بھی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ دین کے کسی اہم حصہ کو ضائع نہ کیا جائے اور جب اس طرح کوئی ایک دانہ ملتا ہے تو اس کے ساتھ فکر اور پریشانی کا بھی ایک ڈھیر ساتھ میں آتا ہے۔ پھر وہ خود بھی خالص اور صاف ستھرا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں بھی ہزاروں مکدرات و تکالیف موجود ہوتی ہیں۔

اور جب یہ تصور کیا جاتا ہے کہ لذت ختم ہوگئی اور اس کی ہزاروں تکلیفیں باقی رہ گئی ہیں تو یہ صورت حال خواہش نفس کے لیے کانٹا اور طبیعت کے لیے سبب غم بن جاتی ہیں۔

پس اگر تم کو غیرت حاصل ہے تو تم ہمیشہ کے لیے غلام بنانے والے افسوس سے نفرت کرو گے اور سمجھ لو گے کہ یہ ایسی لذت ہے جو بیوقوف کو دھوکہ دیتی ہے' زندگی کو ڈھاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے غم کا سامان کرتی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ طالب لذت جب ایک سے آسودہ ہو جاتا ہے تو پھر ویسی ہی دوسری چاہتا ہے جبکہ وہ پہلی کی کمزوری اور خیانت سے واقف ہو چکا ہوتا ہے حالانکہ یہ عقل کا مرض اور طبیعت کی بیماری ہے' پھر اس طرح دوسری سے تیسری کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اچانک موت آ جاتی ہے اور وہ ندامت کے ایسے بستر پر گر جاتا ہے جہاں تلافی کا موقع نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا اس شخص پر بہت تعجب ہے جو عمر کی مدت کے کم ہونے کے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ عقائد میں ان سے صرف ایمان کا مطالبہ فرمایا۔ ایمان کی حقیقت و کیفیت اور عقائد کی دوسری کلامی تفصیلات کو سمجھنے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے کا مکلف نہیں کیا۔ ۱۲ حمزہ

باوجود لذتوں کی فکر میں رہتا ہو اور اس آخرت کی فکر نہ کرتا ہو جس کی لذتیں ہر طرح کی کدورتوں اور ملاوٹوں سے صاف اور ہر طرح کے عیوب سے پاک ہوں گی اور ہمیشہ حاصل رہیں گی لیکن یہ سمجھ لو کہ آخرت کی نعمتیں دنیاوی لذتوں کو دور کرنے ہی سے قریب ہوں گی اور جنت کی آبادی' دنیا کی تخریب پر موقوف ہے۔

ہائے تعجب! اس باتدبیر' ذی رائے' صاحب ہوش عقل مند پر جو ان چیزوں میں غور نہیں کر سکا اور ان دونوں نعمتوں کے درمیان تمیز نہیں کر سکا۔

اور اگر لذت' گناہ اور معصیت ہو تو مذکورہ چیزوں کے ساتھ دنیاوی عار' مخلوق کے درمیان رسوائی' شرعی سزاؤں کی عقوبت' آخرت کا عذاب اور حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

خدا کا واسطہ (سوچو تو سہی) کہ وہ مباحات جو صرف فضیلتوں کے حصول سے محرومی کا سبب بنتے ہیں' احتیاط کے پیش نظر ان کی مذمت کی گئی تو پھر ان حرام کاموں کا کیا معاملہ ہو گا جو بذات خود تمام رذائل کی غایت اور بنیاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی بیداری عطا فرمائیں جو ہم کو اپنے منافع کی طرف لے چلے اور دھوکہ کی چیزوں سے ہماری حفاظت کرے' بلاشبہ وہ قریب ہے۔

عمل میں کوتاہی کے تین اسباب

مجلس.....میں نے عام لوگوں کے بارے میں سوچا تو ان کو ایسی عجیب حالت میں پایا جس کے ہوتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ عقل کی خرابی ہے۔

وہ یہ کہ انسان وعظ و تقریر سنتا ہے اور جب اس کے سامنے آخرت کا ذکر کیا جاتا ہے تو مان لیتا ہے کہ کہنے والا سچ کہہ رہا ہے۔ لہٰذا روتا ہے' کوتاہیوں پر پچھتاتا ہے اور تلافی کا پختہ ارادہ کرتا ہے لیکن پھر اپنے ارادہ کے مقتضیٰ پر عمل میں سستی کرتا ہے۔

اس وقت اگر اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم کو آخرت کے وعدہ وعید میں شبہ ہے تو کہے گا: ''خدا کی قسم ہرگز نہیں!'' کہا جائے کہ ''پھر عمل کرو'' تو اس وقت عمل کی نیت کر لیتا ہے لیکن عمل سے باز رہتا ہے بلکہ بسا اوقات ممانعت اور حرمت کو جانتے ہوئے بھی کسی حرام

لذت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

ان تین صحابیوں کا معاملہ بھی یہی تھا جو جنگ میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے کہ ان کو کوئی عذر نہیں تھا اور وہ پیچھے رہ جانے کی خرابی کو جانتے تھے اور یہی حال ہر گنہگار اور کوتاہ عمل کا ہوتا ہے۔

جب میں نے اس کے سبب پر غور کیا کہ باوجود اس کے کہ عقیدہ درست ہے پھر عمل کیوں سست ہے؟ تو اس کے تین اسباب معلوم ہوئے:

ایک تو فوری لذت اور خواہش کی طرف نظر کرنا کیونکہ لذت پر نظر غلطی کو سوچنے سے روک دیتی ہے۔

دوسرا سبب: توبہ میں ٹال مٹول ہے حالانکہ اگر عقل سے کام لے تو تاخیر کے نقصانات سے بچ جائے کیونکہ کبھی موت اچانک آ پڑتی ہے اور توبہ حاصل نہیں ہو پاتی۔

اس شخص پر تعجب ہے جو اس بات کو ممکن سمجھتا ہو کہ اسی گھڑی موت آ سکتی ہے پھر بھی احتیاط پر عمل نہ کرے مگر بات دراصل یہ ہے کہ خواہشات مدت کو بڑھا کر پیش کرتی ہیں حالانکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صل صلوٰۃ مودع"

"ہر نماز اس طرح پڑھو جیسے کوئی دنیا سے جانے والا پڑھتا ہے۔"

واقعی اس مرض (توبہ میں ٹال مٹول) کی سب سے بڑی دوا یہی ہے کیونکہ جس نے یہ گمان باندھ لیا کہ وہ اگلی نماز تک باقی نہیں رہے گا' وہ کوشش اور محنت میں مشغول ہو جائے گا۔

اور تیسرا سبب رحمت کی امید ہے۔ چنانچہ گنہگار سوچتا ہے کہ "میرا رب رحیم ہے" اور یہ بھول جاتا ہے کہ وہ سخت عذاب والا بھی ہے۔ اگر وہ یہ سمجھ لیتا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت دل کی رقت اور نرمی سے نہیں ہے کیونکہ اگر رقت سے ہوتی تو کسی چڑیا کو بھی ذبح نہ کراتا اور بچوں کو تکلیف میں نہ ڈالتا اور یہ کہ اس کی سزا سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے پانچ درہم کے بقدر چوری کرنے پر معزز ہاتھ کے کاٹے جانے کا حکم دے دیا ہے تو وہ ضرور عمل کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا اور توبہ کرتا۔

پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی احتیاط عطا فرمائے جو ہمارے منافع کو یقینی بنا دے۔

عجب وخود بینی

مجلس.....ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس روایت پر میری نگاہ پڑی کہ ایک دن آپ نے انگوٹھی پہنی۔ پھر اس کو اتار کر پھینک دیا یعنی اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اپنے کو اس زیور سے آراستہ دیکھیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک شخص بالوں میں کنگھی کیے اپنے جوڑے میں اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا' اب وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔'' تو میں نے سمجھا کہ کسی بھی مؤمن کے لیے ایسا کپڑا پہننا کہ جس سے عجب پیدا ہو یا زینت کی کوئی چیز اختیار کرنا پسندیدہ نہیں ہے اس لیے کہ اس سے نفس کی طرف عجب کی نگاہ اُٹھتی ہے حالانکہ نفس اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار ہی بہتر ہے۔

بنی اسرائیل کے پرانے لوگوں میں سے ایک عالم عصا لے کر چلتے تھے تا کہ چال میں کبر کی جھلک نہ ظاہر ہونے پائے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک قمیص پہنی تو آپ کو عجب ہونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: ''اس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر نہیں کریں گے۔'' اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی چادر زیب تن فرمائی جس میں پھول بنے ہوئے تھے' تو فرمایا ''اس نے مجھ کو نماز میں غفلت میں ڈال دیا۔''

یہ سب چیزیں اسی پر دلالت کر رہی ہیں کہ زینت سے اعراض کیا جائے اور ہر اس چیز سے پرہیز کیا جائے جو فخر وغرور اور عجب کا سبب ہو اور ریشم بھی اسی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر میں کہتا ہوں کہ پھر وہ پیوند لگے کپڑے جن میں صوفی لوگ اپنی لاغری اور بیماری دکھاتے ہیں' کبھی ان سے بھی' کبر پیدا ہونے لگتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ اپنی ذات میں اچھے معلوم ہوتے ہیں یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے پہننے والے کے صوفی اور زاہد ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ کی انگوٹھی' آستینوں کی لمبائی اور کھڑاؤں چپلیں بھی عجب وناز کا سبب بن جاتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں بلکہ

میرا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان چیزوں سے بھی کبرو ناز پیدا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا سمجھدار شخص کو چاہیے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس کی روشنی میں ہر طرح کی خرابی اور ہر قسم کے مرض سے ہوشیار رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عمدہ اونٹ پر سوار ہوئے تو اس کی سواری میں ناز محسوس ہوا تو فوراً اتر آئے اور فرمایا: "اے نافع! اس کو لے جا کر دوسرے جانوروں میں چھوڑ آؤ۔"

دل کی اصلاح کیلئے لوگوں سے اختلاط کا ترک ضروری ہے

مجلس.....جو شخص چاہتا ہو کہ فکر میں انتشار نہ ہو اور دل کی اصلاح کرے اس کو اس زمانہ میں لوگوں کے میل جول سے سخت پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ پہلے لوگ جو اکٹھا ہوتے تھے تو ایسی چیزوں کا تذکرہ کرتے تھے جو مفید ہوں لیکن اب صرف وہی باتیں ہوتی ہیں جو نقصان دہ ہوں۔

خود میں نے اپنے اوپر بارہا اس کا تجربہ کیا ہے کہ جب میں گوشہ نشین ہوتا ہوں تو فکر مجتمع اور دل پرسکون رہتا ہے اور اگر اس کے ساتھ حضرات سلف کی سیرتوں کے مطالعہ کا اضافہ کرلیا جائے تو پھر میرا خیال ہے کہ گوشہ نشینی پرہیز ہے اور حضرات صوفیہ کی سیرتوں کا مطالعہ دوا جبکہ بدپرہیزی سے اجتناب کے ساتھ ہی دوا کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

اور جب اپنے کو لوگوں کی ہم نشینی اور ان سے ملاقات کے لیے آمادہ کرتا ہوں تو پُرسکون دل منتشر ہو کر رہ جاتا ہے جن امور کا میں اہتمام کرتا تھا' ان سے غفلت ہونے لگتی ہے' دل میں وہ نقش بیٹھنے لگتا ہے جس کو آنکھ دیکھتی ہے' ضمیر میں وہ تصورات جمنے لگتے ہیں جن کو کان سنتا ہے اور نفس میں حصول دنیا کی خواہش بیدار ہونے لگتی ہے جبکہ اکثر مخاطبین اہل غفلت ہوتے ہیں اور ان کی ہم نشینی سے اپنی طبیعت ان کی عادات کو چراتی رہتی ہے۔

اس کے بعد دوبارہ جب میں اپنے دل کو تلاش کرتا ہوں تو ملتا نہیں ہے اور اس کو حاضر کرنا چاہتا ہوں تو کھویا رہتا ہے۔ پھر کئی دن تک لوگوں سے ملاقات کے اثر میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی خواہش نفس دب جائے تو میں سوچتا ہوں کہ آخر بنی بنائی عمارت کو توڑنے کے لیے پیش کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

یہ سمجھ لو کہ گوشہ نشینی ایک ''عمارت'' ہے اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ اس کو اونچا اُٹھاتا رہتا ہے۔ پھر جب اختلاط ہو جاتا ہے تو ایک مدت میں تعمیر ہونے والی عمارت ایک لمحہ میں فنا ہو جاتی ہے جبکہ اس کی تلافی دشوار ہے اور دل کمزور ہے۔

جس شخص کو سمجھ حاصل ہوتی ہے وہ اپنے دل کے امراض کو پہچانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دل کس طرح اپنے مالک سے بے رُخی کرنے لگتا ہے اور پنجرہ سے نکلنے کے لیے یہ پرندہ کس طرح پھڑ پھڑاتا ہے۔ حالانکہ دل کے اس مریض کے لیے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کا یہی مرض (اختلاط) اس کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہو جائے اور وہ قیدی پرندہ یہاں سے نکل کر کسی کے جال میں پھنس جائے۔

دراصل دل کی بیماری کا سبب یہ ہے کہ پہلے وہ اختلاط سے محفوظ تھا' علم کی غذا پاتا تھا اور سیرتوں کے مطالعہ سے پیٹ بھرتا تھا' پھر جب اختلاط ہوا تو اس کا مزاج اس بد پرہیزی کا تحمل نہیں کر سکا' اس لیے بیمار ہو گیا۔

لہٰذا کوشش کرو کوشش!! یہی چند ایام باقی ہیں۔ اب ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی کسی کو سکھاتا ہو یا کسی سے علم حاصل کیا جاتا ہو یا کوئی ایسا موجود ہو جس کی ہم نشینی نافع ہو۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ ایک دو مل جائیں جن کو ہم جانتے نہیں۔

مافی الصحاب اخو وجد نطارحهٔ   حدیث نجد ولاخل نجاریه

''دوستوں میں کوئی ایسا وجدی نہیں رہ گیا جس سے ہم نجد کی باتیں کریں اور نہ کوئی دوست رہ گیا جس سے دوڑ میں مقابلہ کریں۔''

خلوت کو تھام لو اور جتنے سانس باقی رہ گئے ہیں ان کی نگرانی رکھو اور جب بھی نفس مخلوق سے ملنے کے شوق میں افسردہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ مخلوق کی ہم نشینی تکلیف اور کدورت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا نفس کو دباؤ تاکہ لوگوں سے ملاقات اس کو ناپسند ہو جائے۔

یقیناً اگر اس کو خالق کے ساتھ مشغولی ہوتی تو بھیڑ بھاڑ نہ پسند کرتا۔ جیسا کہ جو شخص اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں ہو تو وہاں دوسرے کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے۔...... بھلا اگر کسی کو یمن کے راستہ سے عشق ہو تو وہ شام کی طرف رُخ کیوں کرے گا؟

ہدایت اوراصلاح کا سرچشمہ وہی ذات بے نیاز ہے

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے سوچا کہ ہدایت پانے والوں کی ہدایت اور خواب غفلت سے بیدار ہونے والوں کی بیداری کا اصل سبب کیا ہے؟ تو میں نے دیکھا کہ سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس شخص کو منتخب کر لیتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے:

اذا ارادک لِامْرٍ ھیّئاکَ لہٗ.

''جب تم کو کسی کام کے لیے چاہ لیں گے تو پھر اس کے مطابق تم کو تیار بھی کر دیں گے۔''

چنانچہ کبھی تو محض عقل کے استعمال اور فکر کی کاوش ہی سے بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسان اپنے وجود کو سوچتا ہے اور اس پر غور کرتا ہے تو یقین کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور ہے۔ جس نے ہم سے اپنی حق کا مطالبہ اپنی نعمتوں پر شکر اور اپنی مخالفت و نافرمانی سے خوف کا حکم دیا ہے اور یہ سب کچھ کسی ظاہری سبب ہدایت کا ممنون نہیں ہوتا۔

چنانچہ اہل کہف کو یہی معاملہ پیش آیا۔

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

''جب اُٹھے تو کہا ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دل میں ایک ''بیداری'' پاتا تھا اور کہتا تھا کہ ضرور ان تمام مخلوقات کے لیے کوئی ''خالق'' ہوگا۔ پھر جب کفر سے احتیاط کی آگ روشن ہوئی اور دل کا کرب اور طبیعت کی بے چینی بڑھ گئی تو صحرا کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ اس طرح بغیر کسی پہلے سے طے شدہ وعدہ کے سب لوگ اکٹھے ہوگئے تو ہر ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ تم کو کون سی چیز یہاں لائی؟ آخر سب نے ایک دوسرے کی تصدیق کی اور ساتھی بن گئے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی فکر و نظر کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی ظاہری سبب بنا دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی نصیحت سن لی یا عبرت کی بات دیکھ لی تو پھر یہ ظاہری سبب ان کی باطنی فکر کو اُبھار دیتا ہے۔

پھر یہ بیدار ہونے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں: بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی

خواہش غالب آجاتی ہے اور طبیعت پہلے جس چیز کی عادی تھی اس کا تقاضا کرنے لگتی ہے تو وہ الٹے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور یہ بیداری ان کے کچھ کام نہیں آتی تو ایسے لوگوں کی بیداری ان کے خلاف حجت میں زیادتی کا سبب بنتی ہے۔

اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو جہاد کے میدان میں دونوں صفوں کے درمیان کھڑے رہتے ہیں۔ایک طرف عقل ہوتی ہے جو تقویٰ کا حکم کرتی ہے اور دوسری طرف خواہشات ہوتی ہیں جو شہوتوں کا تقاضا کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان میں سے بعض تو طویل مجاہدات کے بعد مغلوب ہو کر شر کی طرف چلے جاتے ہیں اور اسی پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔(نعوذ باللہ) اور بعض کبھی غالب ہوتے ہیں اور کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں تو ان کے جسموں پر زخم کے نشانات رہتے ہیں۔اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتی ہیں جو دشمن کو مغلوب کر کے قید خانہ میں ڈال دیتے ہیں۔لہٰذا پھر ان کا دشمن سوائے وسوسوں کے کوئی اور تدبیر نہیں کر پاتا ہے۔

(۲) اور کچھ منتخب حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب بیدار ہو گئے تو پھر سوتے نہیں اور جب چل پڑے تو ٹھہرتے نہیں، چڑھائی اور ترقی انہیں اُبھارتی رہتی ہے۔ پھر جب ایک مقام کو عبور کر کے دوسرے مقام پر پہنچتے ہیں تو پہلے مقام کے نقص کو دیکھ کر استغفار کرتے ہیں۔

(۳) جب کہ بعض تو مجاہدہ کی ضرورت بھی نہیں رکھتے ہیں۔خواہ اس وجہ سے کہ طبیعت کے تقاضوں کی پستی کو دیکھ کر ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے یا اس وجہ سے کہ ان کا مطلوب ایسا عظیم ہوتا ہے جس کی وجہ سے کسی رکاوٹ کی طرف ان کو التفات نہیں ہو پاتا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے پیروں سے نہیں، دلوں سے طے کیے جاتے ہیں اور دنیاوی شہوتیں راہزن ہیں جبکہ راستہ تاریک رات کی مانند ہے۔لہٰذا ایسے تاریک راستے میں صاحب توفیق کی نگاہ گھوڑے کی نگاہ کی طرح ہوتی ہے جو تاریکی میں بھی ویسے ہی دیکھتا ہے جیسے روشنی میں۔

صدق طلب ایک مینارہ ہے جہاں بھی ہوگا سیدھے راستے کی رہنمائی کرے گا اور جس نے اخلاص نہیں پیدا کیا، وہ پھسل جائے گا اور اخلاص سے محروم وہی شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کا مطلوب و مراد نہ ہو۔"ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔"

جسم اور روح

مجلس..... مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی صورت پر ناز کر کے اکڑتا ہوا چلتا ہے اور ابتدائی حالت کو بھولا رہتا ہے۔

انسان کی ابتداء تو وہ لقمہ ہے جس کے ساتھ پانی کا ایک گھونٹ ملا دیا گیا ہو۔ اگر تم چاہو تو یہ کہہ لو کہ روٹی کا ایک ٹکڑا جس کے ساتھ کچھ پھل ہوں، گوشت کی ایک بوٹی ہو، دودھ کا ایک پیالہ ہو، پانی کا ایک گھونٹ اور ایسی ہی کوئی چیز اور بھی ہوگی، ان سب کو جگر نے پکایا تو اس سے منی کے چند قطرے بنے جو مرد کے فوطوں میں ٹھہرے، پھر شہوت نے ان کو حرکت دی تو ماں کے پیٹ میں جا کر ایک مدت تک رہے، یہاں تک کہ صورت مکمل ہوئی پھر اس بچہ کی شکل میں نکلے جو پیشاب کے کپڑوں میں لتھڑتا ہے۔

''یہ تو اس کی ابتداء ہے اب انتہاء یعنی انجام دیکھو:

مٹی میں ڈال دیا جائے گا، جسم کو کیڑے کھا ڈالیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گا، پھر تیز ہوائیں اِدھر اُدھر اڑاتی پھریں گی جبکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ بدن کی مٹی نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دی جاتی ہے۔ پھر مختلف حالات میں بدلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن لوٹے گی اور اکٹھا کی جائے گی۔

یہ بدن کا حال ہوا جبکہ وہ روح جس کے ذمہ عمل ہے اس کا حال یہ ہے کہ اگر ادب سے آراستہ ہوئی، علم سے درست کی گئی، اپنے صانع کو پہچانا اور اس کے حقوق کو ادا کرتی رہی تو سواری (یعنی بدن) کی کمی اور کوتاہی اس کے لیے نقصان دہ نہ ہوگی اور اگر اپنی جہالت کی صفت پر باقی رہ گئی تو وہ بھی مٹی کے مشابہ ہے بلکہ اس سے بدتر حالت میں ہے۔

پُرسکون زندگی

مجلس..... دنیاوی کاروبار میں لگ کر فکر کا جمع رہنا اور دل کا پرسکون ہونا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً اس تنگدست نوجوان کے لیے جو احتیاج میں مبتلا ہو کیونکہ جب نکاح کرے گا اور دنیا ہاتھ میں نہ ہوگی تو کمانے یا لوگوں سے مانگنے کی فکر میں لگے گا جس کی وجہ سے فکر منتشر ہو جائے گی۔ پھر

اولاد کے پیدا ہونے کے بعد معاملہ اور بگڑ جائے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں رخصت پر عمل کرتے کرتے حرام میں مبتلا ہو جائے ...... وہ ایسی ضرورتوں میں قید ہو جاتا ہے جن کو پانے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ساری فکر اسی میں رہتی ہے کہ خود کیا کھائے گا اور بیوی کو کیا کھلائے گا اور اتنا نفقہ اور کپڑا کہاں سے لائے گا جس پر بیوی راضی ہو سکے۔ تو بتاؤ! کیسے اس کا دل پُرسکون ہوسکتا ہے؟ اور کیونکر فکر جمع ہو سکتی ہے؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا کی قسم! دل مطمئن نہیں ہوسکتا ہے جبکہ نگاہیں لوگوں کو دیکھ رہی ہوں، کان ان کی باتیں سن رہے ہوں، زبان ان سے گفتگو کر رہی ہو اور دل ضروریات کی فراہمی میں ''بارہ بانٹ'' ہو کر رہ گیا ہو۔

اگر کوئی پوچھے کہ پھر میں کیا کروں؟ تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو بقدر کفایت دنیا اور معاش حاصل ہو تو اسی پر قناعت کرلو۔ جب موقعہ ملے مخلوق سے کنارہ کش ہو کر خلوت میں بیٹھ رہو۔ اگر نکاح کرو تو ایسی غریب عورت سے جو تھوڑے پر راضی رہے اور تم بھی اس کی صورت اور غربت پر صبر کرلو۔ اپنے نفس کو آزاد نہ چھوڑو کہ وہ ایسی عورت کا مطالبہ کرنے لگے جس کے لیے زائد خرچ کی ضرورت ہو۔

اگر تم کو ایسی نیک اور پاک باز عورت مل جائے جو فکر کی جمعیت کا سبب بنے تو بہت بڑی نعمت ہے (شکر کرو) ورنہ پھر صبر سے کام لینا (یعنی نکاح نہ کرنا) خطرہ میں پڑنے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

خبردار! خوبصورت عورتوں کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ خوبصورت عورت کا شوہر اگر محفوظ بھی رہ جائے تو بت کے پجاری کی طرح ہوتا ہے۔

جب تم کو کوئی چیز حاصل ہو تو اس میں سے کچھ خرچ کرو اور باقی کل کے لیے جمع رکھو تاکہ اس باقی کو محفوظ دیکھ کر دل کے انتشار سے بچ سکو۔

اس زمانہ سے اور اہل زمانہ سے بہت دور رہو کیونکہ اب کوئی غم گسار اور صاحب ایثار نہیں رہ گیا ہے نہ کسی کو اس کی فکر ہے کہ وہ کسی کی ضرورت پوری کردے نہ کوئی ایسا ہے جس سے مانگا جائے تو عطا کرے اور اگر کوئی دیتا بھی ہے تو جھڑکی اور ٹال مٹول کے ساتھ، پھر ایسا

احسان رکھ دیتا ہے جس کی وجہ سے ساری زندگی غلام بنائے رکھتا ہے۔ جب دیکھتا ہے تو کوئی تکلیف دہ جملہ کہہ دیتا ہے یا اپنی خدمت اور بار بار کی حاضری پر مجبور کرتا ہے۔

حالانکہ گزشتہ زمانہ میں ابوعمرو بن نجید جیسے لوگ ہوتے تھے جنہوں نے ابوعثمان مغربی کو ایک دن منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''میرے اوپر ایک ہزار اشرفی قرض ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہوگیا ہے۔'' یہ سن کر ابوعمرو رات میں ان کے پاس گئے اور ایک ہزار اشرفی پیش کر کے کہا کہ اس سے اپنا قرض چکا دیجئے۔

اگلے دن ابوعثمان آئے اور منبر پر بیٹھے تو کہا کہ ''ہم ابوعمرو کے شکر گزار ہیں کیونکہ انہوں نے مجھ کو بہت راحت پہنچائی ہے اور میرا قرض ادا کرتا ہے۔'' تو فوراً ابوعمرو کھڑے ہوئے اور کہا کہ ''اے شیخ! وہ اشرفیاں میری والدہ کی تھیں اور ان کو میرا یہ فعل بہت ناگوار گزرا ہے اس لیے اگر آپ اس کو واپس لے سکتے ہوں تو لے کر واپس کر دیجئے۔''

پھر جب رات ہوئی تو ابوعثمان کے پاس گئے اور کہا کہ ''آپ نے ہمارا نام کیوں ذکر کر دیا؟ میں نے آج جو کچھ کہا ہے وہ صرف لوگوں کے خیال سے کہا ہے (تاکہ لوگوں کی توجہ میری طرف سے ہٹ جائے) آپ وہ رقم اپنے پاس رکھئے اور میرا ذکر کسی سے نہ کیجئے:

ماتوا و غيب في التراب شخوصهم　　والنشر مسک والعظام رميم

''بہت سے لوگ مر گئے اور ان کی لاشیں مٹی میں چھپا دی گئیں لیکن ان کی پھیلنے والی شہرت مشک کی طرح پھیل رہی ہے جبکہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں۔''

لہٰذا ایسے لوگوں سے بہت دور رہو جن کی ساری فکر دنیا ہو کیونکہ ان کو ایثار کرنے سے پہلے یہ خیال ہوگا کہ پہلے اتنا حاصل کر لو پھر ایثار کرنا۔

اب جسے بھی دیکھو گے وہ دل سے دشمن ہوگا' ظاہر میں دوست ہوگا' نقصان پر خوش ہوگا اور نعمت پر جلے گا۔

لہٰذا خلوت کو اس کی قیمت دے کر خرید لو کیونکہ جو شخص دل رکھتا ہو پھر بازاروں میں چلے تو جب گھر لوٹے گا تو دل کی حالت بدل چکی ہوگی' پھر اگر کسی نے اس کو دنیا کی طرف میلان پر ابھار دیا ہو تو اس کا حال مت پوچھو۔

قلبی سکون حاصل کرنے کے لیے مخلوق سے دوری اختیار کرو تا کہ دل تنہا رہ کر انجام اور آخرت کو سوچ سکے اور بصیرت کی نگاہ کوچ کے خیموں کو دیکھ سکے۔

اگر کوئی کامل شیخ نہ ملے تو کیا کرے؟

مجلس.... گزشتہ دور میں جب کسی مرید کے دل میں ظلمت آ جاتی یا عقل وفہم میں خرابی آتی تھی تو کسی صالح شیخ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ تاریکی یا بیماری دور ہو جاتی تھی۔

مگر آج کے زمانہ میں جب کسی مرید کو صدق کا کوئی حصہ ملتا ہے تو وہ اس کو خلوت کی کوٹھری میں لے جاتا ہے جہاں اس کی روح کو عافیت کی بادِ نسیم ملتی اور دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے پھر جوں ہی فکر میں سکون اور انتشار میں کمی شروع ہوتی ہے وہ کسی ایسے شخص سے ملاقات کر لیتا ہے جس کی طرف علم یا تصوف کے سلسلے میں اشارے کیے جاتے ہوں۔ (یعنی علم یا تصوف میں مشہور ہو) پھر وہاں کچھ بیکار لوگوں کو دیکھتا ہے جن کے ساتھ بیٹھ کر یہ شیخ بے فائدہ بکواس کی باتیں کرتا ہے اور خود اس کی صورت بھی کسی مکار کی طرح ہوتی ہے اور اوقات کو ضائع کر دینا اس کے لیے بہت آسان کام ہوتا ہے۔ یہ سب دیکھ کر وہ مرید جب اس جگہ سے لوٹتا ہے تو دل میں ایک ظلمت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ارادہ میں انتشار سا ہونے لگتا ہے اور آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دل کا بیمار ہو کر لوٹتا ہے پھر اپنی پچھلی حالت پر لوٹنے کے لیے اس کو بہت دنوں تک مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنی پچھلی حالت پر لوٹ نہیں پاتا کیونکہ اس کے اندر ضعف زیادہ ہو جاتا ہے۔

اور کبھی تو فتنہ میں بھی پڑ جاتا ہے کیونکہ جب ایک تجربہ کار عارف شیخ کو دیکھتا ہے کہ وہ بیکاری کو ترجیح دیئے ہوئے ہے تو اس سے مامون نہیں ہو سکتا کہ اس کی طبیعت بھی اس شیخ کی پیروی کرے۔

لہٰذا اس زمانہ میں مرید کے لیے بہتر یہی ہے کہ صرف قبرستانوں میں جائے (اور قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے) اور ان کتابوں کی صحبت اُٹھائے جو حضرات صوفیاء کی خوبیوں کو جمع کیے ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مرضیات پر چلنے میں مدد مانگے کیونکہ جب وہ کسی کو

اپنی مرضیات کے لیے منتخب کر لیتے ہیں تو اس کے لیے تمام اسباب مہیا کر دیتے ہیں۔

برگزیدہ بندے

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور قرب خاص کے لیے منتخب فرمایا ہے جبکہ ان کے اوصاف کو سنا اور اپنے گمان کے مطابق ایسے لوگوں میں سے کچھ کو دیکھا بھی تو میں نے اندازہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی شخص کو منتخب کرتے ہیں جو صورت کے اعتبار سے کامل ہو یعنی نہ اس کی صورت میں کوئی عیب ہو اور نہ خلقت میں کوئی کمی بلکہ تم اس کو دیکھو گے کہ خوبصورت چہرے اور معتدل جسم والا ہے اور جسم کے ہر عیب سے محفوظ ہے۔ پھر باطن کے اعتبار سے بھی کامل ہوتا ہے یعنی سخی، فیاض، عقل مند نہ کہ مکار، دھوکہ باز، کینہ پرور اور حاسد۔ غرض اس میں باطنی عیب بھی نہیں ہوتا ہے۔

پس یہی وہ شخص ہے جس کی تربیت اللہ تعالیٰ بچپن سے کرتا ہے۔ چنانچہ اس کو بچپن میں ہی دیکھو گے کہ بچوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا ہے جو عیوب سے نفرت کر رہا ہے اور کمیوں کوتاہیوں سے گھبرا رہا ہے، پھر اس کی ہمت کا درخت نشو ونما پاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کا پھل جوانی کی شاخوں پر لٹکنے لگتا ہے جس کی وجہ سے وہ علم کا حریص، عمل میں منہمک، زمانہ کی حفاظت کرنے والا، اوقات کی رعایت کرنے والا، فضائل کے حصول میں کوشاں اور نقائص کے پیدا ہونے سے ترساں رہتا ہے۔

اور جب تم یہ دیکھتے ہو کہ توفیق اور خدائی الہام اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں تو اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہو گے کہ جب وہ پھسلتا ہے تو توفیق کس طرح اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور جب غلطی کا وسوسہ ہوتا ہے تو کس طرح اس کو الہام ربانی روک دیتا ہے، پھر فضیلتوں کے حصول میں اس کو لگائے رکھتا ہے اور اس کے اعمال کو خود اس کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیتا ہے تاکہ اس کی نظر اپنے عمل پر نہ جائے۔

ایسے اصحاب توفیق کی چند قسمیں ہیں: بعض تو ایسے ہیں جنھوں نے زہد اور عبادت کے راستہ میں تفقہ حاصل کیا اور بعض نے علم اور اتباع سنت میں مہارت پیدا کی۔ ان میں سے ایسے بہت کم ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ سارے کمالات عطا فرما کر ''کاملین'' کے مرتبہ تک ترقی دیتے ہیں۔

جب کہ علم وعمل میں درجہ کمال تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ عالم دین اللہ سے تعلق اور اس کی محبت میں بالکل فنا ہو کر تمام فضائل کو جمع کرنے کی کوشش کرے اور ہمت کی بلندی کو ہر ممکن کمال کی طلب اور حصول میں لگادے۔اس طرح کہ اگر نبوت کو بھی کسب سے حاصل کرنا مقصود ہوتا تو اس کو بھی اپنے ارادہ میں شامل کر لیتا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے انتخاب کے مراتب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا نادرالوجود موتی ہے جو صدیوں میں کسی سیپ کے پیٹ میں اتارا جاتا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کی دوری اور دھتکار سے پناہ مانگتے ہیں۔

عوام کا حال

مجلس.... اکثر عوام کی طبیعتیں ایسی فاسد ہوتی ہیں کہ ان کو ریاضت اور مجاہدہ بھی درست نہیں کرسکتا ہے۔ جانتے ہی نہیں کہ کیوں پیدا کیے گئے؟ اور ان سے کیا مقصود ہے؟

ان کی ہمت کی انتہا یہ ہے کہ ان کی غرض اور مطلوب حاصل ہو جائے حالانکہ حصول کے وقت یہ نہیں پوچھتے کہ اس کے ساتھ کتنی مذمت بھی حاصل ہوئی؟ غرض نہیں چھوڑ سکتے' ''آبرو'' خرچ کر دیتے ہیں۔ ایک گھڑی کی لذت کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ اس سے ایک مدت تک کے لیے بیماری حاصل ہو جائے۔

تجارت کے وقت ''حیلہ بازوں کا لباس'' پہن لیتے ہیں اور متکبرین کا طریقہ اپنا لیتے ہیں' معاملات میں دھوکہ سے کام لیتے ہیں اور سامان کی اصل حالت کو چھپاتے ہیں اگر کماتے ہیں تو شبہ کی کمائی ہوتی ہے اور اگر کھاتے ہیں تو شہوت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں' رات بھر سوتے ہیں۔ (اگر چہ حقیقت کے اعتبار سے دن میں بھی سوتے ہیں) لیکن سونا تو اسی صورت سے ہوتا ہے پھر جب صبح کو اُٹھتے ہیں تو (بجائے عبادت وغیرہ کے) ''شہوات'' کے حصول میں لگ جاتے ہیں' سور کی حرص' کتے کی چاپلوسی' شیر کے حملہ' بھیڑیے کی لوٹ اور لومڑی کی مکاری کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ پھر موت کے وقت افسوس کرتے ہیں' تقویٰ کی کمی پر نہیں بلکہ خواہشات کی کمی کی وجہ سے۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم!!

بھلا بتاؤ! وہ شخص کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جو بصیرت سے نظر آنے والی چیزوں پر آنکھ سے نظر آنے والی چیزوں کو ترجیح دیتا ہو اور جس کا خیال یہ ہو کہ آنکھ سے نظر آنے والی چیزیں بصیرت سے نظر آنے والی چیزوں سے بہتر ہیں۔

خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اپنے کان کھول لیتے تو یہاں قیام کے زمانہ میں کوچ کے پیغامبر کی یہ آواز ضرور سن لیتے جو دنیا کے میدانوں میں آواز لگاتا پھر رہا ہے:

تلمحوا تقویض خیام الاوائل ۔ ''دیکھو گزشتہ لوگوں کے خیموں کی بربادی اور ہلاکت کو۔''

مگر جن پر جہالت کا نشہ چھایا ہوا ہے وہ ''حد[1]'' کے بغیر ہوش میں نہیں آئیں گے۔''

مال حرام کا مصرف

مجلس.... میں نے ایک گزشتہ عالم کا فتویٰ دیکھا' ان سے پوچھا گیا کہ جو حاکم یا بادشاہ حلال وحرام ہر طرح کا مال وصول کرتا رہا ہو پھر وہ مسجد یا خانقاہیں تعمیر کرائے تو کیا اس کو کچھ ثواب ملے گا؟ تو انہوں نے ایسا جواب دیا جس سے خرچ کنندہ حاکم کا دل خوش ہو' لکھا کہ ''ہاں! آدمی جس مال کا مالک نہ ہو' اس کو کسی مصرف خیر میں خرچ کر دینا ایک طرح کی نیکی ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کو پہچانتا نہیں ہے جن سے وصول ہوا ہے کہ ان کو واپس کر سکے۔''

میں نے کہا'' ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہے جو شریعت کے اصول بھی نہیں جانتے اور فتویٰ دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ان عالم صاحب کو سب سے پہلے خرچ کنندہ پر نگاہ ڈالنی چاہیے تھی۔ اگر وہ بادشاہ ہو تو (ظاہر ہے کہ بیت المال سے خرچ کرے گا) لہٰذا جو کچھ بیت المال سے دیا جاتا ہے اس کے مصارف معلوم ہیں۔ پھر کیسے اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے اصل مستحقین کو محروم کر کے ایسے مصرف میں خرچ کرے جو مفید نہیں ہے یعنی مدرسہ[2] اور خانقاہ کی عمارتوں میں لگا دے۔''

---

[1] ''حد'' اسلامی سزا کو کہتے ہیں۔ مثلاً شراب پینے کی سزا ''اسی کوڑے'' ہیں تو اس کو ''حد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۲ حمزہ

[2] اس دور کے مدرسہ کو اس دور کے مدارس ومکاتب پر قیاس نہ کیا جائے' گزشتہ دور میں جبکہ اسلامی حکومت ہوتی تھی' مدرسوں میں بیت المال سے وظیفے اور حکومت کی طرف سے تنخواہیں مقرر تھیں۔ لہٰذا ان کے اکثر مدرسین اور طلبہ کا حال وہی ہوتا تھا جو سرکاری ملازموں کا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے علم کے سچے طلبگار مدرسوں کا رخ کرنے کے بجائے انفرادی طور پر علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اصل تعلیم یہی ہوا کرتی تھی۔ اب تو انفرادی مجالس ختم ہو گئیں اور تعلیم صرف درسگاہوں اور مدرسوں کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے۔ ۱۲ حمزہ

اور اگر وہ کوئی امیر یا نواب ہوتو اس کے لیے ضروری ہے کہ جس رقم کو بیت المال کو واپس کرنا تھا وہ بیت المال کو واپس کرے کیونکہ اس کے لیے بیت المال میں اتنا ہی حق تھا جو اس کے لیے مناسب ہوتا۔ لہٰذا اگر اس نے حق سے زیادہ وصول کرلیا تو اس کو اس کا حق نہیں تھا اور اگر بادشاہ نے اجازت بھی دی ہوتو یہ اجازت بھی جائز نہیں تھی۔ اسی طرح جو جائیداد وغیرہ اس کے عمل اور تنخواہ سے الگ اس کو دی گئی وہ بھی مسلمانوں کے مال میں سے ناحق طور پر اس نے وصول کی ہے اور جس نے اس کی اجازت دی اس پر بھی گناہ ہوگا۔

یہ جواب اس وقت ہے جبکہ سب کا حرام ہونا یقینی نہ ہو اور اگر سب حرام یا غصب کا مال ہوتو پھر اس میں ہر تصرف حرام ہے بلکہ اس کو اس شخص کو یا اس کے ورثہ کو لوٹانا ضروری ہے جس سے وصول کیا ہے اور اگر وہ شخص معلوم نہ ہو سکے تو پھر بیت المال میں جمع کر دے تاکہ عام مسلمین کے کاموں میں خرچ ہو جائے یا صدقہ میں دے دیا جائے مگر اس صورت میں بھی گناہ سے نہیں بچ سکتا۔

ہم کو احمد بن حسن بن البناء نے محمد بن علی زجاجی، عبداللہ بن محمد اسدی، علی بن حسن، ابوداؤد، محمد بن عون طائی، ابوالمغیرہ اور اوزاعی کے واسطوں سے بتلایا کہ موسیٰ بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت قاسم بن مخیمرہ کو کہتے ہوئے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من اکتسب مالاً من مأثم فوصل رحمًا او تصدق بہٖ او انفقہٗ فی سبیل اللّٰہ جمع ذٰلک جمیعًا فقذف بہٖ فی جھنّم.

"جس شخص نے گناہ کے طریقہ سے مال حاصل کیا، پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا خیر خیرات کی، یا اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تو ان سب کو جمع کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

البتہ اگر عمارت بنوانے والا ایسا تاجر ہو، جو حلال کماتا ہو، وہ اگر کوئی مسجد بنوا دے یا طلبہ کے لیے کوئی عمارت وقف کر دے تو یہ ہے ثواب کی بات۔ اگرچہ یہ بات مشکل ہے کہ جو حلال کماتا ہو اس کو اتنی آمدنی ہو جس سے اتنی مقدار فاضل بچ جائے یا جو شخص پوری زکوٰۃ نکالتا ہو، پھر بھی اس کا دل بخوشی اس طرح کی عمارت اور ایسے خرچ پر آمادہ ہو جائے کیونکہ ایسی عمارتوں کا

مال زکوٰۃ سے بنوانا تو جائز ہی نہیں ہے اور نیت کی سلامتی اور دل کا اخلاص اب کہاں رہ گیا ہے؟

پھر یہ بھی ہے کہ اس دور میں مدرسوں کی تعمیر خطرہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر طلبہ بحث ومباحثہ میں منہمک ہو کر علوم شریعت سے اعراض کرنے لگے ہیں۔ مساجد کے درسوں کو چھوڑ دیا ہے' مدرسوں اور القاب پر اکتفا کرلیا ہے۔ رہی خانقاہوں کی تعمیر تو وہ بالکل فضول ہے اس لیے کہ اکثر صوفیاء جہالت اور کاہلی میں مبتلا ہیں۔ ان کا مدعیٔ محبت اور قرب کا دعویٰ کرتا ہے اور علم کے شغل کو ناپسند کرتا ہے جب کہ ان لوگوں نے حضرت سری سقطی اور حضرت جنید بغدادیؒ کے طریقوں اور سیرتوں کو چھوڑ دیا ہے' صرف فرائض پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں اور پیوند پر راضی ہوگئے ہیں۔ لہٰذا ان کی بیکاری اور راحت پسندی میں ان کی اعانت درست نہیں ہے اور اس میں کوئی ثواب نہیں رہ گیا ہے۔

اخلاص

مجلس..... مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو لوگوں کے سامنے تصوف کی بناوٹ کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دل سے اپنے کو قریب کر سکے اور یہ بھولا رہتا ہے کہ لوگوں کے دل اس ذات کے قبضہ میں ہیں جس کے لیے وہ عمل کر رہا ہے اور جس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اس کے عمل سے راضی ہوگیا اور اس کو خالص پایا تو دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیتا ہے اور اگر خالص نہ پایا تو پھیر دیتا ہے۔

اور جب بھی عمل کرنے والے کی نظر لوگوں کے میلان کی طرف ہوئی تو گویا اس کی نیت میں شرک پیدا ہوگیا۔ اس لیے صرف اسی ذات پر نظر رکھنی چاہیے جس کے لیے عمل کر رہا ہے۔

لہٰذا اخلاص کے لیے یہ ضروری ہوا کہ دلوں کے میلان کا قصد نہ شامل ہو کیونکہ دلوں کا میلان اپنے قصد سے نہیں بلکہ اس کی پسندیدگی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور انسان کو یہ سمجھے رہنا چاہیے کہ اس کے تمام اعمال کا علم مخلوق کو حاصل ہو جائے گا۔ اگرچہ ان کو اطلاع نہ دی جائے۔ چنانچہ لوگوں کے دل نیک آدمی کی نیکی کی گواہی دینے لگتے ہیں۔ اگرچہ اس کی نیکی کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔

رہا وہ شخص جو اپنے عمل سے مخلوق کی طرف متوجہ ہو تو اس کے اعمال رائیگاں ہو رہے

ہیں کیونکہ وہ نہ خالق کے وہاں مقبول ہیں، نہ مخلوق کے وہاں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل کو بھی پھیر دیتے ہیں۔ لہٰذا عمل ضائع ہوا اور عمر اکارت گئی۔

ہم کو ابن الحصین نے ابن المذہب، احمد بن جعفر، حسن بن موسیٰ، ابن لہیعہ، دراج، ابوالہیثم کے واسطوں سے خبر دی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لو ان احدکم یعمل فی صخرة صمّاء لیس لها باب ولا کوة لخرج للنّاس عملهٗ کائنا ما کان.

"اگر تم میں سے کوئی شخص ایسے پتھر کے اندر بیٹھ کر عمل کرے جس میں نہ کوئی دروازہ ہو نہ کوئی روشندان، تو بھی اس کا عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا جیسا بھی عمل ہو۔"

لہٰذا بندے کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور ایسی ذات کا قصد رکھنا چاہیے جس کا قصد مفید ہو اور اس شخص کی مدح و تعریف میں نہ مشغول ہو جو تھوڑی سی تعریف سے کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔

ننگِ علماء

مجلس.....ہمارے پاس عجم کے ملکوں سے ایک فقیہ آئے جو اپنے شہر کے قاضی بھی تھے تو میں نے ان کی سواری پر دیکھا کہ سونا لگا ہوا ہے اور ساتھ میں چاندی کے برتن اور دوسری حرام چیزیں بھی تھیں تو سوچا کہ آخر علم نے اس شخص کو کیا فائدہ پہنچایا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ خدا کی قسم! اس پر حجت بڑھ گئی ہے۔

دراصل اس کی سب سے بڑی وجہ حضرات سلف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتوں اور سنتوں کے متعلق معلومات کی کمی ہے۔ یہ لوگ سنتوں سے ناواقف اور بحث مباحثہ کے علم میں منہمک رہتے ہیں۔ معرفت کی بے مغز باتوں کے ذریعے سبق چاہتے ہیں۔ حدیث کے سننے سے ان کو کوئی مطلب نہیں اور حضرات سلف کی سیرتوں پر کچھ نظر نہیں۔

بادشاہوں سے ملتے ہیں اس لیے ان کو ان کی شکل وصورت بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر کبھی تو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ یہ حالت درست نہیں ہے اور کبھی خیال نہیں ہوتا تو اس

وقت خواہشات بغیر کسی رکاوٹ کے غالب رہتی ہیں اور جو خیال آتا بھی ہے تو کہتے ہیں کہ پکڑے جانے کا احتمال تو ہے مگر جب ہم علم میں مشغول ہیں تو مغفرت بھی ہو جائے گی۔

پھر دیکھتے ہیں کہ دوسرے علماء کچھ دنیا کے حصول کے لیے ہمارے اکرام و تعظیم کر رہے ہیں مگر ان کو اس سے روکتے نہیں ہیں۔

میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو عالم کہے جاتے ہیں لیکن اپنے ساتھ بے ریش لڑکوں کو رکھتے ہیں اور ایسے ہی غلام خریدتے ہیں حالانکہ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو آخرت سے مایوس ہو چکا ہو' حیرت تو یہ ہے کہ بہت سے علماء جو اسی (۸۰) کے سن کو پہنچ چکے ہیں وہ بھی اس حالت میں مبتلا ہیں۔

لہٰذا اے وہ شخص! جو اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اللہ سے ڈر اور اس کا لحاظ رکھ! فضول تاویلات اور غالب خواہشات کو چھوڑ دے کیونکہ اگر تو نے ایک معاملہ میں سستی کی (اور گناہ پر عمل کر لیا) تو پھر وہ تجھ کو باقی گناہوں کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ پھر خواہشات کے جال سے نہیں نکل سکے گا کیونکہ طبیعت ان سے مانوس ہوتی ہے۔ لہٰذا میری نصیحت مان' روٹی کے ایک ٹکڑے پر قناعت کر لے اور اہل دنیا سے دوری اختیار کر اور جب بھی خواہش بھڑکے تو اس کو روک اور اس کی بات نہ مان۔

ممکن ہے کہ کبھی خواہش نفس تجھ سے کہے کہ فلاں عمل میں کچھ گنجائش ہے لہٰذا کر لو مگر تو ایسا نہ کر کیونکہ اگرچہ اس میں کچھ گنجائش نکل بھی آوے لیکن وہ دوسرے حرام تک پہنچانے کا سبب بن سکتا ہے۔ پھر تلافی دشوار ہو جائے گی۔ لہٰذا صبر سے کام لے اور زندگی کی تنگیوں اور اہل خواہش سے کنارہ کشی پر جما رہ کیونکہ اس کے بغیر دین کامل نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب رخصت پسندی پر عمل ہوگا تو یہ دوسرے گناہ کی طرف لے جائے گا جیسے سمندر کا کنارہ بھنور تک پہنچا دیتا ہے۔ رخصت پسندی کیا ہے؟ یہی کہ ایک حلال کو چھوڑ کر دوسرا حرام کھانا' ایک لباس کو چھوڑ کر دوسرا لباس اختیار کرنا اور خوبصورت چہروں کو تلاش کرنا حالانکہ یہ سب کچھ صرف چند دن کا عیش ہے۔

عقل کی حدود

مجلس.... جس نے اللہ کی عظمت پر غور کیا (اور اس کے لیے اس کی ذات کا تصور کرنا چاہا) تو اس کی عقل حیرت زدہ رہ جائے گی کیونکہ اس کو ایسی ذات موجود ماننا پڑے گی جس سے پہلے کوئی وجود نہ ہو حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس کو حواس سے معلوم کرنا ناممکن ہے بلکہ اس کا اقرار صرف عقل ہی کر سکتی ہے۔

پھر وہ اس اقرار کے بعد حیرت میں پڑ جاتی ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے ایسے افعال دیکھتی ہے جو اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں پھر اس کے ایسے فیصلے سامنے آتے ہیں جن کو دیکھ کر اگر اس کے وجود پر دلائل نہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا وجود نہیں ہے۔

مثلاً وہ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑتا (اور ان کو درمیان سے صحیح و سالم گزار دیتا) ہے۔ اب یہ ایسا واقعہ ہے جس پر سوائے خالق کے اور کسی کو قدرت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی ہے اور جادوگروں کی ساری رسیاں اور لاٹھیاں کھا جاتی ہے پھر وہ اس کو لاٹھی بنا دیتا ہے جبکہ اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہوتا ہے تو بتاؤ! کیا اس کے بعد بھی اس کے وجود پر کسی دلیل کی ضرورت ہے؟ پھر دیکھو کہ جب جادوگر ایمان لائے تو ان کو فرعون کے ساتھ چھوڑ دیا جس نے ان کو سولی پر لٹکا دیا مگر اس نے روکا نہیں۔ اسی طرح حضرات انبیاء بھوک میں اور قتل میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو چیرا جا رہا ہے' حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ایک زنا کار عورت قتل کر رہی ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کہہ رہے ہیں:

من یؤوینی؟ ومن ینصرنی؟

''کون ہے جو مجھ کو ٹھکانہ دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟''

یہ سب دیکھ کر اللہ کے وجود سے جاہل شخص کہنے لگتا ہے کہ اگر اللہ موجود ہوتا تو ضرور ان دوستوں کی مدد فرماتا۔

لہٰذا اس سمجھدار شخص کو جس کے نزدیک خدا تعالیٰ کا وجود کھلے ہوئے ظاہری دلائل سے

ثابت ہو چکا ہو کبھی بھی اپنی عقل کو اس کے افعال اور فیصلوں پر اعتراض اور ان کی علت کی تلاش کا موقع نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ مالک ہے اور حکمت والا ہے۔ تو جب ہم پر اس کی حکمت کی وجہ ظاہر نہ ہو سکے گی تو اس کو ہم اپنی فہم و عقل کی کمزوری کی طرف منسوب کریں گے اور کیوں نہ کریں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ نبی کشتی کے توڑے جانے اور لڑکے کو قتل کیے جانے کی حکمت نہیں سمجھ سکے، پھر جب ان کے سامنے اس ظاہری فساد کی حکمت ظاہر ہو گئی تو انہوں نے تسلیم کر لیا۔ معلوم ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ کے تمام افعال کی حکمت بالکل ظاہر ہوتی تو عقل کو انکار کی گنجائش نہ ہوتی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ انکار کا معاملہ کیا۔

لہٰذا جب تم دیکھو کہ عقل ''کیوں'' کا سوال کرنے لگے تو اس کو چپ کراؤ اور کہو کہ اے عاجز! جب تو خود اپنی حقیقت سے بے خبر ہے تو تجھ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مالک پر اعتراض کرے۔

ہوسکتا ہے کہ کبھی عقل پوچھے کہ آخر ابتلاء و آزمائش میں کیا فائدہ ہے جبکہ وہ بغیر کسی آزمائش کے بھی بدلہ دینے پر قادر ہے؟ اسی طرح اہل جہنم کو عذاب دینے سے کیا غرض ہے جبکہ خدا تعالیٰ کو بھڑاس نکالنا مقصود نہیں ہے؟ تو اس سے کہو کہ اس کی حکمت تیرے مرتبہ سے بلند ہے۔ لہٰذا جو کچھ تو نہیں جانتی ہے اس کو تسلیم کر لے کیونکہ سب سے پہلے جس نے اپنی عقل کے ذریعے اعتراض کیا وہ ابلیس ہے۔ اس نے سوچا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل ہے اس لیے سجدہ سے انکار کر بیٹھا۔

ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور بہتوں سے سنا کہ وہ حکمت پر اعتراض کرتے ہیں اور وجہ وہی ہے کہ وہ اپنی عقلوں کو حکم بنا کر اپنی عقل کے مطابق فیصلوں کو مانتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خالق کی حکمت عقلوں سے ماوراء ہے۔

پس خبردار! کبھی بھی اپنی عقل کو علت ڈھونڈنے یا اپنے کو اس کے اعتراض کا جواب تلاش کرنے کی گنجائش نہ دو بلکہ اس سے کہو کہ جھک جا اور تسلیم کر لے ورنہ تو سمندر کی گہرائی معلوم کرنے سے پہلے ہی غرقاب ہو کر ختم ہو جائے گی۔

یہ بڑی بنیادی بات ہے جب آدمی اس کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو اعتراض کفر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

ہر شخص بجائے خود عبرت ہے

مجلس.... تعجب ہے اس شخص پر جو یہ کہتا ہے کہ میں قبروں پر جا کر سڑگل جانے والے جسموں سے عبرت حاصل کرتا ہوں حالانکہ اگر سمجھ سے کام لیتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ وہ خود ایک قبر ہے اور خود اپنے اندر جو عبرت کے مواقع موجود ہیں وہ دوسری چیزوں سے عبرت حاصل کرنے سے بے نیاز کرنے والے ہیں۔ خاص کر وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو چکی ہو کیونکہ اس کی شہوت کمزور ہو گئی ہے' طاقت اور قوت گھٹ گئی ہے' حواس سست پڑ چکے ہیں' نشاط ختم ہو چکا ہے اور بال سفید ہو چکے ہیں۔

لہٰذا اس کو چاہیے کہ خود اپنی ہی کھوئی ہوئی چیزوں سے عبرت پکڑے اور کھو جانے اور ختم ہو جانے والے افراد سے بے نیاز ہو جائے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسروں پر نظر ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اہل عقل کی بے نصیبی

مجلس.... جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو دنیاوی لذتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پھر جسم لاغر ہو جاتا ہے' بیماری بڑھ جاتی ہے اور غم زیادہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ عقل جب نتائج کو دیکھتی ہے تو دنیا سے رُخ پھیر لیتی ہے اور نظر آنے والے منظر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اس کو وقتی کسی بھی چیز سے لذت نہیں ملتی۔

لذت تو وہ لوگ اُٹھاتے ہیں جو آخرت سے غافل ہیں۔ بھلا ان کو کیا لذت جن کی عقل کامل ہے؟ یہی وجہ ہے کہ عقل مند آدمی لوگوں سے میل جول کی سکت نہیں رکھتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کو غیر جنس معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

مافی الدیار اخو وجد نطارحهٗ　　حدیث نجد ولاخل نجاریه

''شہروں میں اب کوئی ایسا صاحب وجد نہیں رہ گیا جس سے ہم ''نجد'' کی باتیں کریں اور نہ کوئی ایسا دوست جس کی ہم نشینی اختیار کر سکیں۔''

موت کے بعد دوبارہ زندگی برحق ہے

مجلس.... فطرت پسندوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام موجودات کا مادہ پانی' مٹی' آگ اور ہوا ہے اور قیامت کے دن یہ چاروں عناصر فنا ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس روحانی حیات کو دوبارہ لوٹائیں گے تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ خدا کی قدرت سے تھی نہ کہ عناصر اور کلیات کی تاثیر سے۔

میں کہتا ہوں کہ جس نے دوبارہ زندگی کے بارے میں کوئی شک وشبہ ظاہر کیا تو گویا اس نے اللہ کی حکمت میں شبہ کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ روح عرض ہے تو گویا اس نے دوبارہ زندگی کا انکار کرنا چاہا کیونکہ عرض مستقل قائم اور موجود نہیں رہ سکتا جبکہ سارے اجسام مٹی ہو جائیں گے۔ لہٰذا اب اگر قیامت میں کوئی معاملہ ہوگا تو وہ پھر سے ابتداء ہوگی (نہ کہ اسی روح اور جسم کا اعادہ)

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ بعینہ اسی انسان کو اور اس کی روح اور جسم کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے جس کی دلیل یہ ہے کہ انسان اسی دنیا کی باتیں وہاں دہرائے گا۔ قَالَ قَائِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ کَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ. ''ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک دوست تھا۔''

خدائے پاک کی عزت کی قسم! بچپن میں اس کی مہربانیاں کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ آدمی کا انجام کیا ہونا ہے۔ دیکھو کہ اس نے والدین کو والہ وشیدا بنایا' ماں کے سینے میں دودھ اتارا' غذائیں پیدا کیں اور عقل کو انجام سوچنے والا بنا دیا تو اب بتاؤ کہ کیا اس تدبیر وانتظام کو دیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا مناسب ہے کہ موت کے بعد یہ سارا عالم فنا ہو جائے گا اور کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

تم ہی بتاؤ کہ جو ذات یہ چاہتی ہو کہ اس کو پہچانا جائے اسی لیے اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہو۔ چنانچہ کہتا ہے: **کنت کنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف**. ''میں مخفی خزانہ تھا جس کو کوئی جاننے والا نہ تھا' تو میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں۔ (اس لیے سب کو پیدا کیا)''

کیا وہ ذات اس کو پسند کر سکتی ہے کہ ساری مخلوق کو فنا کر دے اور اس کی ذات غیر معروف ہی رہ جائے۔

یقیناً پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر دلوں کو معرفت سے اندھا کر رکھا ہے۔

سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ مخفی

مجلس.... نہایت پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق کے سامنے اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی اور خفا باقی نہیں ہے اور اس قدر مخفی ہے کہ گویا اس کا وجود اور ظہور ہی نہ ہو۔ بھلا ان مصنوعات سے بڑھ کر کون سی چیز ظاہر ہے جو سب کی سب اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ ہمارا ایک بنانے والا ہے۔ جس نے ہمیں بنایا ہے اور ہم کو حکمت کے قانون کے مطابق ترتیب دیا ہے۔

خصوصاً یہ آدمی جس کو ایک قطرہ سے بنایا ہے پھر ایک عجیب نقشہ عطا فرمایا ہے۔ جس کو فہم، ذہانت، بیداری اور علم کی دولت سے نوازا ہے۔ جس کے لیے زمین کا فرش بچھایا ہے۔ جس کے لیے پانی اور ہوا کو جاری فرمایا ہے۔ جس کے لیے کھیتی اُگائی ہے۔ جس کے لیے آسمان بلند کیا ہے، پھر اس میں دن کے لیے سورج کا چراغ روشن کیا ہے اور سکون حاصل کرنے کے لیے تاریکی اور رات بنائی ہے اور اس کے علاوہ بے شمار چیزیں جو کسی صاحب فہم کے نزدیک پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ سب فصیح اور صاف زبان سے بتلا رہے ہیں کہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ ان چیزوں کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی ذات بالکل ظاہر ہے۔ جس میں کوئی خفا نہیں ہے۔

اسی طرح اس نے رسولوں کو بھیجا جو دنیا کے اعتبار سے تنگدست اور کمزور جسم والے تھے مگر ان کے سامنے بڑے بڑے جابروں کو مغلوب کر دیا۔ ان کے ہاتھوں پر ایسے معجزات کو ظاہر کیا جو کسی انسانی اور بشری طاقت سے ماوراء تھے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کے وجود کو بتلا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں کے ذریعے بندوں کے سامنے بالکل ظاہر ہو گئی ہے۔

اسی طرح دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر تک پہنچے تو سمندر پھٹ جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس میں ذرا بھی شک نہیں رہ جاتا کہ خالق نے ہی اس کام کو انجام دیا ہے اور دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردہ سے بات کرتے ہیں تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ابابیل پرندے آ کر خدا کے گھر کی حفاظت کر رہے ہیں اور آنے والا لشکر ہلاک ہو رہا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن کا ذکر طویل ہوگا۔ حاصل یہ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تجلی اور ظہور پر بغیر کسی خفاء و پوشیدگی کے دلالت کر رہے ہیں۔

پس جب خدا کا وجود اور ظہور اہل عقل کے نزدیک بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہو گیا تو پھر پہلے ہی کی طرح ایسے واقعات بھی ہوئے جو گویا اس "ظاہر" کو "باطن" اور مستور کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً دشمنوں کو اولیاء وانبیاء پر غلبہ دے دینا وغیرہ۔

پھر جب خدا تعالیٰ کا ظہور ایسے دلائل سے ثابت ہو گیا جن میں تاویل کا احتمال نہیں ہے تو یہ بات یقینی ہوگئی کہ اس خفا اور پوشیدگی میں ضرور کوئی ایسا راز ہے جس کو ہم جانتے نہیں ہیں۔ لہٰذا عقل کے لیے ضروری ہے کہ حکیم ودانا کے سامنے سر تسلیم خم کر دے کیونکہ جس نے سر جھکا دیا وہ محفوظ رہا اور جس نے اعتراض کیا وہ برباد ہو گیا۔

گمراہی کی بنیاد

مجلس..... یہ حقیقت ہے کہ ہر مذہب والے سیدھے راستے کی تلاش کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ اکثر اہل مذاہب اللہ تعالیٰ ہی کا قصد رکھتے ہیں۔ عیسائی راہب کو عبادت کرتا اور بھوکا رہتا دیکھو گے اور یہودی کو ذلت کیساتھ "جزیہ"[1] دیتے ہوئے پاؤ گے۔

جبکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ہر طرح کا ظلم وستم برداشت کر لیتا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ ہدایت اور ثواب کا طالب ہے لیکن اس کے باوجود عقل یقین کے ساتھ جانتی ہے کہ اکثر افراد گمراہ ہیں۔ یہ مسئلہ ذرا حل طلب ہے اس لیے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہدایت کو اس کے اسباب کے ذریعے طلب کرنا چاہیے اور کوشش واجتہاد کو اس کے ذرائع سے حاصل کرنا چاہیے کیونکہ جس نے ہدایت کے طریقوں کو چھوڑ دیا وہ اجتہاد وکوشش کے بعض ذرائع سے محروم رہ گیا تو اس کو مجتہد نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اب دیکھو کہ یہود ونصاریٰ کے علماء نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو پہچان کر صرف اس لیے انکار کر دیا تا کہ اپنی سرداری باقی رہ جائے۔ لہٰذا یہ لوگ معاند ہو گئے اور جو ان کے مقلد تھے، وہ اپنی عقل کو استعمال نہیں کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ مہمل ہوئے کیونکہ وہ اصل بنیاد یعنی عقل کو بیکار بنا کر عبادت گزاری کر رہے تھے اور یہ کچھ مفید نہیں ہے۔ اسی طرح جو عقل رکھتے بھی تھے وہ اچھی طرح غور وفکر سے کام نہیں لے رہے تھے۔ چنانچہ کہتے

---

[1] جزیہ غیر مسلم رعایا، اسلامی حکومت کو اپنی جان ومال کی حفاظت کے عوض جو مال ادا کرتی ہے اس کو "جزیہ" کہا جاتا ہے۔ ۱۲ حمزہ

تھے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارا دین منسوخ نہیں ہوگا حالانکہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ احکام وجزئیات کا بدلنا بالکل حق ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ نسخ نہیں ہوسکتا اور فرق پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ ان کو چاہیے تھا کہ خوب غور وفکر سے کام لیں۔

ایسے ہی خوارج کی عبادت گزاری بھی تھی کہ اپنے معمولی علم پر اکتفاء کر بیٹھے تھے یعنی کہتے تھے:

"لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" (فیصلہ کرنے کا حق تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے)

اور یہ نہیں سمجھ سکے کہ کسی انسان کو فیصل اور حکم بنالینا یہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ثابت ہے اور پھر اسی گمان فاسد کی بناء پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی اور آپ کو شہید کر ڈالا۔

ایسے ہی جب مسلم بن عقبہ نے مدینہ میں لوٹ مار کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا تو کہا کہ اگر اس حملہ کے نتیجہ میں میں جہنم میں داخل کیا گیا تو میں یقیناً بہت بد بخت ہوں۔

(مطلب یہ تھا کہ میں اس حملہ اور جنگ میں حق پر ہوں' لہٰذا جہنم میں نہیں ڈالا جاؤں گا) کیونکہ اس نے اپنی جہالت سے یہ سمجھ لیا کہ اہل مدینہ نے جب یزید کی بیعت کو توڑا اور اس کی مخالفت کی ہے تو پھر ان کا قتل جائز اور ان کا مال مباح ہوگیا ہے۔

سو برا ہو اس کم علم جاہل کا جو کسی مسئلہ میں اپنے کو متہم نہیں سمجھتا اور اپنے سے بڑے عالم سے رجوع نہیں کرتا بلکہ اپنے گمان پر اعتماد کر کے اقدام کر بیٹھتا ہے۔

یہ ایسی بنیادی بات ہے جس کو قاعدے سے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ برباد ہوگئے۔ چنانچہ ہم نے بہت سے عوام کو دیکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو اس کے متعلق فتویٰ نہیں معلوم کرتے۔

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً.

"بہت سے چہرے اس روز جھکے ہوں گے' کام سے تھکے ہوں گے' دہکتی آگ میں گر جائیں گے۔"

مدارزندگی

مجلس..... انسانی جسم کے لیے کچھ ذخیرہ ہوتے ہیں' مثلاً خون' منی اور دوسری وہ چیزیں جن سے جسم کو قوت پہنچتی ہے جب یہ ذخیرہ ختم ہوجاتے ہیں اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا تو انسان ختم ہوجاتا ہے۔

انہی ذخیروں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال اور جاہ اور دوسری فرحت بخش چیزوں سے قوت حاصل کی جائے کیونکہ جب مال ختم ہوجاتا ہے اور آدمی خوددار و باعزت ہوتا ہے تو بڑی تنگی میں پڑ جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو خوف دامن گیر ہوجاتا ہے جبکہ اس کے پاس امید و رجاء کا اتنا ذخیرہ نہیں ہوتا جو اس خوف کا مقابلہ کرسکے تو آدمی ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کبھی خوشی کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ غم اس کا مقابلہ نہیں کرپاتا تب بھی انسان ختم ہوجاتا ہے۔

لہٰذا ان ذخیروں کی حفاظت کی کوشش کرو' خاص کر بوڑھا شخص تو ضرور اس کا اہتمام کرے کہ راحت حاصل کرنے کے لیے خون[1] نہ نکلوائے اور شہوت کے وقت منی نہ خرچ کرے۔ البتہ اگر تقاضا حد سے زیادہ ہوجائے تو پھر ہر وقت تکلیف دینے والی منی یا خون کو (بقدر ضرورت) نکلوادے اور تکلیف دہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ نکلتے وقت راحت کا احساس ہو ورنہ اگر کمزوری کا احساس ہوا تو سمجھ لو کہ اس کا نکلنا ہی نقصان دہ اور تکلیف دہ تھا۔

اسی طرح خوددار شخص کو چاہیے کہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کرے یعنی ایسی جگہ نہ جائے جہاں جانے کی وجہ سے اس پر عیب گیری کی جائے کیونکہ وہ اپنی عزت اور خودداری کے ذخیرہ سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اب اس کے خلاف کسی چیز کا پایا جانا طبیعت کو ناگوار ہوگا۔

ایسے ہی اپنی اخیر عمر کے لیے کچھ مال کا ذخیرہ بھی رکھنا چاہیے۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں احتیاج پیش آوے تو پھر یا تو ذلت اُٹھانی پڑے گی یا پھر ایسے وقت میں کمانے کی کوشش کرنا پڑے گی جبکہ تمام اعضاء سست پڑ چکے ہوں گے۔

"بلاشبہ دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی دشمن کے لیے مال و جائیداد چھوڑ جائے۔"

خبردار! ان لوگوں کی بات نہ سنو جو مال کی برائی بیان کرتے ہیں (اور یہ چاہتے ہیں کہ آدمی سارے مال سے دستبردار ہوکر محتاج بن کر ایک گوشہ میں بیٹھ رہے) کیونکہ یہ لوگ نہایت درجہ احمق اور جاہل ہیں اور راحت کی روٹی پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں۔ کاہلی اور سستی کو

---

[1] یہ اس زمانہ اور اس ماحول کی تحریر ہے جب عام طور پر صحت کا یہ حال ہوتا تھا کہ خون ضرورت سے زائد ہونے کی وجہ سے تکلیف دہ ہوجاتا تھا اور نکلوادینے سے راحت ملتی تھی۔ اب تو جس کو دیکھیے خون کی کمی کی شکایت میں مبتلا ہے۔ ۱۲ احمزہ

اچھا سمجھتے ہیں' صدقات کے کھانے سے ان کو کوئی جھجک نہیں ہوتی ہے اور نہ مانگنے سے شرماتے ہیں جبکہ ہر نبی معاش کی تدبیر خود کرتا تھا اور حضرات صحابہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے (یعنی ان میں سے بہت سے حضرات نے) اپنے بعد بہت زیادہ مال چھوڑا۔

لہٰذا اس اصل کو سمجھو اور جاہلوں کی بات کی طرف التفات نہ کرو۔

آج کل کے پیروں فقیروں کا حال

مجلس.... میں نے اپنے زمانہ کے اکثر صوفیوں کو دیکھا کہ ان میں تکبر' ناموس کی حفاظت اور مخلوق کے دلوں میں مرتبہ حاصل کرنے کی اتنی خواہش ہے کہ جس کو دیکھ کر مجھ کو یقین سا ہو گیا ہے کہ یہ ریاء کار اور منافق ہیں۔

چنانچہ تم دیکھو گے کہ ایسا کپڑا پہنتا ہے جس کو صوفیوں کا لباس سمجھا جائے (یعنی معمولی) حالانکہ غذائیں عمدہ اور بہترین کھاتا ہے' اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرتا ہے' مالداروں سے دوستی کرتا ہے' غریبوں سے دور بھاگتا ہے' آقا اور مولیٰ کا خطاب چاہتا ہے' دربان کے ساتھ چلتا ہے' بکواس میں اپنے اوقات ضائع کرتا ہے اور لوگوں سے خدمت اور سلامی لینے کو اپنی غذا بناتا ہے۔

حالانکہ اگر وہ ایسا کپڑا پہن لیتا جس کو دیکھ کر عالم معلوم ہونے لگے تو اس کی جاہ ختم ہو جاتی اور کوئی شخص اس سے تعلق نہ رکھتا۔

پھر یہ کہ اگر اس کے افعال' اس کے لباس سے مطابقت رکھتے (یعنی اعمال بھی سچے صوفیوں والے ہوتے) تو بات کچھ ٹھیک بھی ہو جاتی لیکن ان سبھوں کا حال یہ ہے کہ راہ راست پر نہیں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ان کے حالات مخلوق میں سے بہت سے لوگوں کے سامنے پوشیدہ نہیں ہیں تو پھر خالق سبحانہ وتعالیٰ کا کیا ذکر؟

معاش کی تدبیر بھی دین ہے

مجلس.... میں یہ مضمون مختلف پیرایوں سے اس کتاب میں دہراتا رہا ہوں کہ مؤمن کو اپنے معاش کا انتظام خود کرنا چاہیے اور خرچ میں احتیاط کا معاملہ رکھنا چاہیے۔

کیونکہ پہلے تو علماء کے لیے بیت المال سے وظیفے جاری ہوتے تھے۔احباب کی طرف سے تحفے آتے تھے اور عوام تعاون کرتے تھے لیکن اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔اس لیے علم یا عبادت میں لگنے والے حضرات مسکین ہو کر رہ گئے ہیں۔خصوصاً وہ شخص جس کے ذمہ خاندان کا بھی خرچ ہو۔

یقیناً ہم نے ایسا برا زمانہ کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ اب کوئی ایسا شخص نہیں رہ گیا ہے جس کے متعلق کہا جا سکے کہ وہ مدد کر دے گا یا قرض دے دے گا۔لہٰذا مؤمن ایسے راستوں پر پڑ جاتا ہے جو اس کے لیے مناسب نہیں ہوتے اور ایسے کاموں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس کے لائق نہیں ہوتے۔

اس لیے یہی بہتر ہے کہ خاندان زیادہ نہ بڑھائے' غذا بقدر کفایت کھائے اور کپڑوں کو پیوند لگا لگا کر پرانا کیا جائے۔

ہاں اگر معاش کی کوئی تدبیر ممکن ہو تو پھر زائد علم کے حصول اور مزید عبادت کے شغل کے مقابلہ میں اس میں مشغول ہونا بہتر ہے ورنہ تو پھر نامناسب راستوں پر پڑ کر یا دست سوال دراز کر کے اپنے دین کو برباد کرے گا۔

احتیاط اور پرہیز

مجلس.....سمجھدار آدمی کو حتی الامکان احتیاط کرنا چاہیے۔پھر اگر احتیاط کے باوجود تقدیر کا فیصلہ غالب آ جائے تو کوئی ملامت کی بات نہیں ہے اور احتیاط ہر ایسے خطرہ سے کرے جس کا واقع ہو جانا ممکن ہو بلکہ اس کے لیے پہلے سے تیاری رکھنا ضروری ہے اور خطرات ہر معاملہ میں ہو سکتے ہیں۔چنانچہ ایک شخص نے ناخن تراشا جس میں کچھ زیادتی ہو گئی تو اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھ سڑ گئے اور وہ مر گیا۔

ہمارے استاذ حضرت احمد حربی سوار ہو کر ایک تنگ جگہ سے گزرے تو سواری کی زین پر اتنا جھکے کہ ان کا دل سکڑ گیا جس کی وجہ سے بیمار ہو گئے' پھر وفات ہو گئی۔

یحییٰ بن نزار معمر آدمی تھے' میری مجلس میں آیا کرتے تھے' ایک مرتبہ ان کے کان میں ثقل پیدا ہو گیا تو کان صاف کرنے والے کو بلوایا' اس نے کان کو اس زور سے دبایا کہ پانی

بہنے لگا' پھر وہ مر گئے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کو دیکھو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے قریب سے گزرے تو تیزی سے وہاں سے ہٹ آئے۔

ایسے ہی یہ احتیاط جوانی میں کمانے کے معاملہ میں بھی ہونی چاہیے یعنی بڑھاپے کے لیے ذخیرہ حاصل کر لینا چاہیے۔

یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آدمی کسی معاملہ کرنے والے پر بغیر کسی وثیقہ (یعنی تحریری سند) کے اعتماد کر لے' وصیت میں بھی جلدی کرے' اس اندیشہ سے کہ کہیں موت نہ آ جائے' دوست سے بھی احتیاط کرے چہ جائیکہ دشمن سے' ایسے شخص کی محبت پر بھروسہ نہ کرے جس کو کبھی ستا چکا ہو کیونکہ دلوں سے کینے کم ہی ختم ہو پاتے ہیں' بیوی سے بھی احتیاط برتے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اس کو اپنا راز بتانے کے بعد طلاق دے دیتا ہے تو پھر عورت کی حرکتوں سے تکلیف پہنچتی ہے۔

ایک شاعر ابن افلح' مسترشد باللہ کے دور خلافت میں کسی سردار سے خط و کتابت کرتا تھا اس کے دربان کو علم ہو گیا وہ دروازہ سے نکلا اور جا کر بادشاہ سے چغلی کر دی۔ بادشاہ نے ابن افلح کا گھر توڑ ڈالا۔

یہ مذکورہ واقعات چند مثالیں ہیں جو غیر مذکورہ معاملات میں بھی تنبیہ کے لیے کافی ہیں اور سب سے اہم احتیاط کا موقع یہ ہے کہ آدمی تیاری اور سچی توبہ کے ذریعے احتیاط برتے' اس سے پہلے کہ موت آ جاوے اور کاہل وسستی کے چور سے بھی احتیاط کرے کیونکہ وہ حیلہ سازی سے اوقات کو چراتا ہے۔

مادی اور روحانی لذتیں

مجلس.... میں نے غور کیا' بادشاہوں کی جنگوں' تاجروں کی حرص و لالچ اور پیروں' فقیروں کے نفاق کے بارے میں تو میں نے ان میں سے اکثر کو مادی لذتوں میں مبتلا پایا حالانکہ اگر کوئی عقل مند اس کو سوچے تو اس کو معلوم ہو گا کہ مادیات کا معاملہ وقتی ہوتا ہے' چند

لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مادیات کی انتہاء کو حاصل کرنا بھی ناممکن ہے اور اگر کوئی شخص اس کی کوشش میں لگ بھی جائے تو اپنے کو تکلیف میں ڈال دیتا ہے' پھر اس کو جتنی لذت نہیں ملتی اس سے کئی گنا تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے جیسے کوئی شخص زیادہ کھالے یا کئی نکاح کر ڈالے' لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو اپنے دین کی حفاظت کا اہتمام کرے اور مادی لذتیں بقدر ضرورت ہی حاصل کرے۔

ہائے تعجب اس لباس کو دیکھو کہ درمیانی ہوتا ہے تو بھی خدمت لیتا ہے اور اگر اعلیٰ درجہ کا ہوا تو کیا پوچھنا؟ پھر اگر پہننے والے کو عجب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نگاہ بھی نہیں فرماتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: **بینما رجل یتبختر فی بردتہٖ خسف بہٖ.** ''اس دوران کہ ایک شخص اپنی عمدہ چادر میں اکڑتا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔''

اور مشروب کو دیکھو اگر حرام ہوا تو اس کی سزا' اس کی لذتوں سے کئی گناہ زیادہ ہوگی جبکہ لوگوں کے درمیان رسوائی ایک مستقل سزا ہے اور اگر مباح ہوا تو اس کی حرص بدن کے لیے مضر ہوتی ہے ایسے ہی منکوح پر نظر ڈالو کہ خوبصورت بیوی کی دلجوئی ہر تکلیف سے بڑھ کر مصیبت ہے اور بدصورت کو برداشت کرنا بھی سخت تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا درمیانی کو اختیار کر لو۔

پھر بادشاہوں کے حالات پر نظر ڈالو کہ کس طرح ظلماً قتل کر دیئے گئے جبکہ کتنے حرام کا ارتکاب کر چکے تھے حالانکہ وہ مادی لذتوں میں سے تھوڑی ہی لذت پا سکے گویا فوت ہو جانے والے فضائل کی حسرتوں اور حاصل ہونے والی سزاؤں سے زندگی کا بادل چھٹ گیا ہے۔

لہٰذا دنیا میں اس گوشہ نشین سے زیادہ خوشگوار زندگی والا کوئی نہیں ہے جو علم کا حامل ہو اور علم اس کا غم خوار و ہم نشین ہو جو اتنے مباحات پر قانع ہو جس سے اس کا دین محفوظ رہے۔ یعنی مباحات کے حصول میں تکلف اور دین کی بربادی سے محفوظ ہو' جو دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنی عزت کو سنبھالے ہوئے ہو اور جو زیادہ پر قدرت نہ ہونے کے وقت تھوڑے پر قناعت کیے بیٹھا ہو' یہ سمجھ کر کہ اسی احتیاط اور استغناء سے دین اور دنیا دونوں محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اور جس کو علم کی مشغولی فضائل کے حصول پر آمادہ کر رہی ہو اور علم و عمل کے باغوں میں سیر کرا رہی ہو تو یہی وہ شخص ہے جو اپنی گوشہ نشینی کے ذریعے شیطان سے' سلطان سے اور

جاہل عوام کے شرور سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

البتہ یہ خلوت اور گوشہ نشینی صرف علماء ہی کے لیے مناسب ہے کیونکہ اگر جاہل گوشہ نشین ہوگا تو علم سے محروم ہو جائے گا' پھر اِدھر اُدھر بھٹکے گا۔

پڑھنے سے زیادہ سمجھنا

مجلس.... میں نے سوچا کہ طالب علموں میں ایک مرض ایسا پیدا ہو جاتا ہے جوان کو مقصود سے غافل کر دیتا ہے اور وہ یہ کہ ان کو مضامین لکھنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ خصوصاً حدیث کے طالب علموں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ سارے وقت کو اسی لکھنے کے شغل میں خرچ کر دیتے ہیں' یاد کرنے اور سمجھنے سے غافل رہتے ہیں' پھر زندگی گزر جاتی ہے مگر علم کا معمولی سا حصہ یاد ہو پاتا ہے۔

حالانکہ جس کو توفیق ہوئی کہ وہ اپنے زیادہ اوقات کو تکرار و حفظ میں لگائے اور جب تکرار سے تھک جائے تو راحت کے وقت میں لکھنے کا کام کرے تو اسی کو مقصود حاصل ہو پاتا ہے۔

یقیناً وہ طالب علم صاحب توفیق ہے جو اہم علوم کو حاصل کرے کیونکہ زندگی کی مدت سارے علوم کے حصول سے عاجز ہے جبکہ سارے علوم میں سب سے اہم علم ''فقہ'' ہے۔

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو علم تو حاصل ہوا لیکن وہ اس کے تقاضوں پر عمل سے غافل رہے تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے انہوں نے کچھ بھی حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو محرومی سے پناہ میں رکھے۔ (آمین)

غور و فکر اور انجام بینی

مجلس.... جب کوئی اہم معاملہ پیش آئے تو مہلت کے ساتھ غور و فکر سے زیادہ قابل اعتماد کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ آدمی جب کسی معاملہ میں بغیر انجام کو سوچے سمجھے عمل کرتا ہے تو عام طور پر شرمندگی پیش آتی ہے اسی لیے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ انسان کو ٹھہر کر کام کرنے کی وجہ سے زیادہ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے جس میں وہ تمام پہلوؤں کو سامنے لا سکتا ہے' تو گویا اس نے خود ہی سے مشورہ کر لیا۔

کہا گیا ہے: **خمیر الرأی خیر من فطیرہ.**

''گوندھی ہوئی رائے بے گوندھی رائے سے بہتر ہے۔ (یعنی سوچی سمجھی بات بے سوچی بات سے بہتر ہے)''

سب سے زیادہ کوتاہی اس شخص سے ہوتی ہے جو کسی معاملہ میں بغیر انتظار و مہلت کے اور بغیر کسی سے مشورہ کے فوراً عمل کر بیٹھتا ہے' خصوصاً ایسے معاملہ میں جس میں غصہ کا دخل ہو کیونکہ آدمی طیش میں آ کر اپنی ہلاکت کا سامان کر لیتا ہے یا پچھتاوے اور شرمندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے غصہ میں آ کر قتل کر دیا یا مار بیٹھے پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو ساری زندگی پچھتاوے اور غم اور رونے دھونے میں گزاری۔ چنانچہ اکثر قاتلین دنیا اور آخرت دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی وہ شخص ہے جس کو شہوت کا تقاضا ہو جائے تو وہ اس کے حصول میں جلد بازی سے کام لے اور اس کا انجام بھولا رہے۔ چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہوئے کہ پھر ساری زندگی ندامت کا گھونٹ حلق سے اتارتے رہے جبکہ مرنے کے بعد عتاب اور عقاب بھی پیش آنا ہے۔

اور یہ سب کچھ محض ایک لمحہ کی لذت کی وجہ سے ہے جو بجلی کی طرح گزر جاتی ہے۔ لہٰذا تمام معاملات میں انجام کو سوچنے اور سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانے کا اہتمام کرو اور اللہ سے ڈرو۔ خصوصاً اس غصہ کے وقت جو فوراً مقدمہ کھڑا کر دیتا ہے یا فوراً طلاق کا سبب بن جاتا ہے۔

عقل کے فتنہ سے بچنے کیلئے عقل ہی استعمال کرو

مجلس.... مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ کسی دانا کا مقولہ ہے:

من لم یحترز بعلقہٖ ھلک بعقلہٖ.

''جس نے اپنی عقل سے احتیاط نہیں کی' وہ اپنی عقل ہی سے ہلاک ہو جائے گا۔''

اس مقولہ کا کیا مطلب ہے؟ ...... پہلے تو ایک زمانہ تک مجھ پر اس کا مطلب واضح نہ ہو سکا' پھر سمجھ میں آ گیا:

وہ یہ کہ جب تم اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کرنا چاہو گے تو وہ

محسوسات کی طرف مائل ہوگی۔ لہٰذا عقیدہ تشبیہ[1] پیدا ہو جائے گا جو عقل کے ذریعے عقل سے احتیاط کا مطلب یہ ہے کہ عقل سے سوچے کہ خدا تعالیٰ کے لیے جسم ہونا یا کسی مخلوق کے مشابہ ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ (ظاہر ہے کہ عقل اس کا انکار ہی کرے گی)

اسی طرح جب عقل مند آدمی اللہ تعالیٰ کے افعال کو دیکھتا ہے تو اس کو ایسے افعال نظر آتے ہیں جو عقل کے مطابق نہیں سمجھ میں آتے۔ مثلاً جانوروں کو ذبح کرانا اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا کرنا، روکنے کی قدرت کے باوجود اپنے اولیاء پر دشمنوں کو مسلط کرنا، نیک بندوں کو فاقہ میں مبتلا کرنا، گناہ پر اس سے نکل جانے کے بعد سزا دینا اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہیں۔

جن کو عقل تدبیر کے اعتبار سے عادت خداوندی کے خلاف پاتی ہے تو یہ سمجھتی ہے کہ اس میں کوئی حکمت ظاہر نہیں ہو سکتی تو اب عقل کے ذریعے عقل سے احتراز کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کہا جائے ''کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہو چکی ہے کہ وہ مالک اور حکیم ہے اور یہ کہ وہ کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے؟'' ظاہر ہے کہ عقل کہے گی کہ ہاں! بالکل یہ بات ثابت ہو چکی ہے تو اس سے کہا جائے کہ تب پھر ہم تیرے اس دوسرے اعتراض سے اجتناب کرتے ہیں جبکہ تیرے نزدیک پہلے اس کا حکیم و مالک ہونا ثابت ہو چکا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ بات رہ گئی کہ اس کے فعل کی حکمت تجھ پر مخفی رہ گئی ہے تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ حکیم ہے تو پھر سر جھکا دینے کے علاوہ کیا چارہ ہے؟ اس وقت عقل کو یقین حاصل ہوگا اور کہے گی کہ میں نے سر جھکا دیا۔

بہت سے لوگوں نے عقل کے پہلے ہی خیال (یعنی خدا کے افعال کا خلاف عقل ہونا) پر نظر رکھی تو اعتراض کر بیٹھے حتیٰ کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ کیسے اس نے میرے خلاف برے انجام کا فیصلہ کر دیا؟ کیوں میرا رزق تنگ کیا؟ اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مجھ کو مبتلا کرنے میں آخر کیا حکمت ہے؟ حالانکہ اگر وہ اس پر نگاہ رکھتا کہ وہ مالک اور حکیم ہے تو پھر مخفی حکمتوں کے سامنے سر جھکا دیتا۔

بہت سے بڑے لوگ بھی عقل کے پہلے ہی خیال سے مانوس ہو گئے جن میں سب

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کی طرح ہاتھ پاؤں، چہرے اور جسم والا تصور کرنا، اس میں غلط عقیدہ کا حامل ایک فرقہ رہ چکا ہے۔ ۱۲ احمزہ

سے پہلا ابلیس ہے کہ اس نے سمجھا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل ہے اس لیے اعتراض کر دیا۔ چنانچہ ہم نے بہت سے علم کی طرف منسوب علماء کو دیکھا کہ وہ اس باب میں لغزش کھا گئے ہیں اور اعتراض کر بیٹھے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی حکمت نہیں ہوتی ہے اور وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ عقل کی عام عادت اور اپنے پہلے خیال سے مانوس ہونا اور خدا تعالیٰ کے افعال کو مخلوق کے افعال پر قیاس کرنا۔

حالانکہ اگر یہ لوگ باطنی عقل کو کام میں لاتے یعنی سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام کمالات ثابت ہو چکے ہیں اور تمام نقائص سے وہ پاک ہے اور اس کا یقین کرتے کہ حکیم کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے تو ضرور نہ سمجھ میں آنے والے افعال کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔

اس کو اس طرح سمجھو کہ جب خضر علیہ السلام نے کچھ ایسے کام کیے جو عام عادت سے ہٹ کر تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکیر کی اور یہ بھول گئے کہ خضر علیہ السلام ان کو یہی دکھانا چاہتے تھے کہ جو نتائج آپ نہیں جانتے میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔

تو جب نتائج کی مصلحت ایک مخلوق کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر پر مخفی رہ گئی تو پھر حکیم مطلق کے افعال کی حکمتوں کا ہم پر مخفی رہ جانا کیا بعید ہے؟

یہ ایسی اصل ہے جو اگر انسان محفوظ نہ رکھ سکے تو کفر اور اعتراض کی طرف نکل جائے اور اگر سمجھ لے تو ہر مصیبت کے نزول کے وقت راحت میں رہے۔

احسانات وانعامات کا وسیلہ

مجلس.....مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی سخی سے ایک شخص نے کچھ سوال کیا تو اس طرح کہا کہ میں وہی ہوں جس پر آپ نے فلاں دن اتنا اتنا احسان کیا تھا تو اس نے کہا "خوش آمدید ایسے شخص کو جو ہمارے ہی احسان کو ہم تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔" یہ کہہ کر اس کی ضرورت پوری کر دی۔

تو میں نے اس سے ایک اشارہ نکال کر مناجات شروع کی اور عرض کیا:

"یاالٰہی! تو نے ہی مجھ کو بچپن کے زمانہ سے ہدایت دی' گمراہی سے حفاظت کی' بہت سے گناہوں سے بچایا' علم کی طلب کا الہام کیا جبکہ بچپن کی وجہ سے علم کے مرتبہ کی سمجھ بھی نہیں

تھی اور والد کی خواہش بھی شامل نہ تھی کیونکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا' علم میں تفقہ حاصل کرنے اور تصنیف کرنے کے لیے فہم سے نوازا۔ علم کے حصول کے اسباب مہیا کیے' بغیر میری محنت کے میرے رزق کا انتظام کیا۔ اس طرح کہ مخلوق سے مانگنے کی ذلت بھی نہیں اُٹھانا پڑی' دشمنوں سے حفاظت کی' لہٰذا کوئی ظالم میری طرف نہ بڑھ سکا' اتنے علوم میرے اندر اکٹھا کیے جو عام طور پر ایک شخص کے اندر جمع نہیں ہو پاتے جبکہ اکثر لوگوں کو یہ نعمت نہیں ملی ہے پھر ان کے ساتھ مزید انعام یہ کیا کہ میرے دل کو اپنی معرفت ومحبت سے متعلق کر لیا' اپنی طرف رہنمائی کے لیے عمدہ اور خوبصورت تحریر کا سلیقہ عطا فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں مقبولیت رکھ دی جس کی وجہ سے لوگ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں' میری نصیحت کو قبول کرتے ہیں' اس میں کچھ شک نہیں کرتے' میری تقریر کے مشتاق رہتے ہیں اور اس سے اُکتاتے نہیں ہیں' پھر تو نے مجھ کو نامناسب لوگوں کے اختلاط سے محفوظ رکھا اور خلوت کی توفیق سے نوازا اور خلوت میں بھی کبھی علم سے انس پیدا کیا اور کبھی اپنی مناجات کو انس کا سبب بنایا۔ غرض اگر میں ان انعامات واحسانات کو شمار کرنے بیٹھوں جو تو نے کیے ہیں تو دسویں کا دسواں حصہ بھی نہ شمار کر سکوں۔''

وان تعدو انعمة اللّٰه لاتحصوها.

''اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ شمار کر سکو گے۔''

پس اے میری طلب سے پہلے ہی مجھ پر احسانات کرنے والے کریم! اب جبکہ میں مانگ رہا ہوں تو اپنی ذات سے وابستہ امیدوں کے متعلق مجھ کو محروم نہ کر کیونکہ میں تیرے گزشتہ انعامات ہی کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

مال و دولت کے بندے

مجلس.... پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر لوگوں کو اعتدال کے کناروں پر رکھا کیونکہ معتدل افراد تو بہت نادر ہیں۔

چنانچہ بعض اس قدر غضبناک ہوتے ہیں کہ قتل کر ڈالتے ہیں اور مار پیٹ کر بیٹھتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ علم و بردباری کی زیادتی کی وجہ سے بالکل بودے ہو جاتے ہیں'

پھر گالی بھی اثر نہیں کرتی ہے۔ بعض اس قدر حریص ہوتے ہیں کہ ہر خواہش کی چیز کھالیتے ہیں اور بعض ایسے زاہد ہوتے ہیں کہ اپنے کو خشک کر ڈالتے ہیں اس لیے کہ نفس کو اس کے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔

یہی تمام چیزوں کا معاملہ ہے جبکہ پسندیدہ طریق اعتدال ہی ہے۔

پس جو شخص ہر ہاتھ میں آنے والی چیز خرچ کر ڈالے' وہ فضول خرچ ہے جبکہ بخیل اپنا مال چھپاتا ہے اور خود اپنے ہی کو مال کا فائدہ اُٹھانے سے محروم کر دیتا ہے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ مال خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی ضروریات کے لیے ہوتا ہے تو جب انسان نے فضول خرچی کر کے اڑا دیا تو پھر ضرورت کے وقت اس کو اپنی آبرو اور دین خرچ کرنا پڑے گا اور بخیلوں کا احسان اُٹھانا ہوگا۔ حالانکہ یہ بات مناسب نہیں ہے۔

''دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ مال جمع کرے' خواہ دشمن کے لیے چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔''

لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور ان میں بخل کے سلسلے میں آپس میں تفاوت بھی ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو خود مال ہی کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ حتیٰ کہ لاغر اور کمزور ہو کر مر گئے لیکن اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ پھر وہ مال دوسروں نے لے لیا اور چھوڑ جانے والے کی مذمت ہوئی' مجھ کو اس سلسلے میں ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں جن سے زیادہ تعجب خیز واقعات نہیں ہو سکتے۔ یہاں اس لیے ذکر کرتا ہوں تا کہ عبرت حاصل ہو۔

ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر نے اپنے استاذ عبدالمحسن صوری سے نقل کیا' وہ کہتے تھے کہ ''صور'' میں ایک تاجر تھا جو اپنے بالا خانے میں رہتا تھا۔ ہر رات دُکاندار سے دو روٹی اور ایک اخروٹ لے کر مغرب کے وقت بالا خانے میں جاتا اور اسی اخروٹ میں آگ پکڑا دیتا جس سے اتنی دیر روشنی ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے کپڑے اتار سکے۔ پھر اخروٹ کا چھلکا جتنی دیر جلتا وہ اخروٹ کے گودے سے نکلنے والے تیل کو اپنی روٹی میں ملتا اور کھا لیتا تھا۔ کافی دنوں تک اسی طرز سے گزارا کیا۔ آخر کار مر گیا تو صور کے بادشاہ نے اس کے ترکہ سے تیس ہزار درہم وصول کیا۔

خود میں نے ایک عالم کو دیکھا کہ بیمار ہوئے تو اپنے کو ایک دوست کے گھر میں ڈال دیا

نہ ان کے پاس کوئی خدمت گزار نوکر تھا نہ تیمار دار رشتہ دار جس کی وجہ سے ان کو تکلیف بھی پہنچتی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کی کتابوں کے درمیان سے پانچ سو دینار نکالے۔

ایسے ہی مجھ سے ابوالحسن راندسی نے بیان کیا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص بیمار ہوا تو اس نے مجھ کو بلوایا۔ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ قاضی نے میرے مال پر مہر لگوادی ہے میں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں جاؤں اور مہر کھول کر اس میں سے تم کو ایک تہائی دے دوں جس کو تم اپنے ہاتھوں سے تقسیم کردو یا جو چاہو کرو۔ اس نے کہا کہ نہیں! میں اس کو تقسیم کرنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ میرا مال میرے پاس رہے' میں نے کہا کہ وہ لوگ تم کو تمہارا مال نہیں دیں گے' البتہ میں تمہارے لیے تہائی مال لاسکتا ہوں جس میں تم آزاد رہو گے' اس نے کہا کہ میں یہ نہیں چاہتا ہوں' آخر کار مر گیا اور اس کا پورا مال دوسروں نے لے لیا۔

انہی ابوالحسن نے بیان کیا کہ ایک شخص آیا اور اس نے ایک عجیب واقعہ سنایا۔ کہنے لگا کہ میری ساس بیمار ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے حلوہ خرید لاؤ' میں خرید لایا۔ اس وقت وہ دوسری کوٹھری میں تھی اور میں الگ کمرے میں تھا' تھوڑی ہی دیر بعد میرا چھوٹا بچہ آیا اور اس نے کہا کہ نانی سونا نگل رہی ہے۔ میں فوراً اُٹھ کر گیا' تو دیکھا کہ وہ دینار کو تھوڑے سے حلوے میں رکھ کر نگلنے کی کوشش کر رہی تھی' تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا اور ڈانٹا تو کہنے لگی کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ تم میری بیٹی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لو گے' میں نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا' تو اس نے کہا کہ حلف اُٹھاؤ' میں نے حلف اُٹھا لیا تو اس نے باقی دینار مجھ کو دیدیئے' پھر مر گئی تو میں نے اس کو دفن کیا۔

پھر چند مہینوں کے بعد کا قصہ ہے کہ ہمارا ایک بچہ مر گیا تو ہم اس کو لے کر اسی بڑھیا کی قبر کے پاس گئے۔ میں نے اپنے ساتھ چمڑے کا ٹکڑا بھی لے لیا تھا۔ وہاں پہنچ کر قبر کھودنے والے سے کہا کہ اس بڑھیا کی ہڈیاں جمع کر کے اسی چمڑے میں رکھ دو پھر میں اس کو گھر لایا اور ٹب میں رکھ کر اس پر پانی بہانا شروع کیا اور ہلاتا رہا تو اس سے تقریباً اسی (۸۰) دینار نکلے جن کو وہ نگل چکی تھی۔

ایسے ہی ہمارے ایک دوست نے مجھ سے نقل کیا کہ ایک شخص مرا تو اس کو گھر ہی میں دفن کر دیا گیا' پھر کچھ مدت کے بعد اس کی لاش (کسی ضرورت سے) نکالی گئی تو اس کے سر

کے نیچے ایک کچی اینٹ ملی جس میں تارکول ملایا گیا تھا‘ گھر والوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ خود اسی نے اس اینٹ میں تارکول لگایا تھا اور وصیت کی تھی کہ قبر میں میرے سر کے نیچے رکھ دی جائے اور یہ بھی کہا تھا کہ کچی اینٹ فوراً گل جائے گی جبکہ یہ والی تارکول کی وجہ سے خراب نہیں ہوگی۔

پھر لوگوں نے اس کو اُٹھایا تو بھری ہوئی پایا۔لہٰذا توڑا تو اس میں ۹۰۰ دینار ملے جس کو خاندان والوں نے تقسیم کرلیا۔

اسی طرح مجھ کو یہ واقعہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص مسجدوں میں جھاڑو دیا کرتا تھا اور ان کی مٹی جمع کر کے اینٹ بنایا کرتا تھا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو کہا کہ ”یہ بابرکت مٹی ہے‘ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میری قبر میں اسی کو لگائیں۔“ پھر جب مرگیا تو وہ اینٹیں قبر میں لگادی گئیں‘ لیکن کچھ بچ گئیں تو لوگوں نے ان کو گھر میں ایک طرف ڈال دیا‘ پھر بارش ہوئی تو اینٹیں پھٹ گئیں‘ دیکھا گیا تو ان میں دینار تھے‘ تب لوگ اس کی قبر پر گئے اور قبر کی اینٹوں کو کھولا تو سب کی سب دیناروں سے بھری ہوئی تھیں۔

ایسے ہی ہمارے ایک دوست کا انتقال ہوگیا جب کہ میں جانتا تھا کہ ان کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن بہت دنوں تک بیمار رہنے کے باوجود اپنے گھر والوں کو مال کا پتہ نہیں بتلایا۔مجھ کو یقین ہے کہ یہ صرف اپنے بخل کی وجہ سے کیا کیونکہ ان کو حرص تھی کہ زندہ رہیں۔اس لیے اپنی زندگی کی امید کی وجہ سے خاندان والوں کو دفن کی جگہ نہیں بتلائی۔ یہ سوچ کر کہ کہیں میں زندہ رہوں اور مال دوسرے لوگ لے لیں حالانکہ اس رسوائی کے بعد کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔

ہمارے ایک ساتھی نے اسی طرح کی ایک ایسی حالت بیان کی جس کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی اور وہ ایک ہزار دینار کہیں دفن کیے ہوئے تھے۔ جب سخت بیمار ہوا تو گھر والوں نے گھیر لیا تو اس نے اپنے ایک بیٹے سے کہا کہ تم میرے پاس سے نہ ہٹنا‘ پھر جب تنہائی ہوگئی تو بیٹے سے کہا کہ تمہارا بھائی تو چڑیوں کے کھیل میں مصروف ہے اور تمہاری بہن کا شوہر ایک ترکی ہے اور جب میرا مال ان کو ملے گا تو وہ اس کو کھیل میں اُڑادیں گے جبکہ تم میری سیرت اور میرے اخلاق پر ہو۔ دیکھو! فلاں جگہ

پر میرا ایک ہزار دینار دفن ہے، جب میں مرجاؤں تو تم تنہا سب لے لینا۔

پھر اس شخص کے مرض میں شدت ہوئی تو لڑکا گیا اور جا کر مال نکالیا۔ اتفاق سے باپ ٹھیک ہوگیا تو اس نے بیٹے سے مطالبہ شروع کیا کہ مال واپس کرو لیکن وہ واپس نہیں کرتا تھا' پھر بیٹا بیمار پڑ گیا تو باپ اس سے عاجزی سے کہنے لگا کہ تمہارا برا ہو!! میں نے اس مال میں صرف تمہارا حصہ لگایا تھا اب تم مرجاؤ گے اور مال ضائع ہوجائے گا' تمہارا برا ہو! ایسا نہ کرو! باپ اسی طرح اس کے پیچھے لگا رہا حتیٰ کہ اس نے پتہ بتادیا' باپ گیا اور نکال لیا۔ پھر لڑکا ٹھیک ہوگیا اور باپ بیمار ہوا تو اب لڑکے نے بہت کوشش کی کہ باپ اس کو مال کا پتہ بتادے لیکن اس نے نہیں بتایا اور مرگیا اور مال ضائع ہوگیا۔

پس کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ان لوگوں کی عقل وفہم کو ختم کردیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ جانوروں کی طرح ہوگئے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر۔

اب کہاں رہ گیا ہے کوئی باوفا دوست

مجلس.... ہمارے کچھ دوست اور بھائی تھے جن کو میں دوست سمجھتا تھا۔ پھر میں نے ان کی طرف سے دوستی اور اخوت کے خلاف کچھ معاملات دیکھے اور ان کی زیادتیاں نظر آئیں تو میں نے غصہ کرنا شروع کیا مگر پھر مجھ کو ہوش آیا تو اپنے جی میں سوچا کہ آخر یہ غصہ کیا فائدہ دے گا؟ اگر یہ لوگ ٹھیک ہو بھی گئے تو غصہ کی وجہ سے ہوں گے نہ کہ تعلقات کی بناء پر' اس لیے میں نے ارادہ کرلیا کہ ان سے تعلقات ختم کردوں گا۔

پھر میں نے سوچا تو دیکھا کہ کچھ لوگ صرف جان پہچان والے ہوتے ہیں اور کچھ صرف ظاہر میں دوست ہوتے ہیں اور کچھ باطن کے اعتبار سے بھی بھائی ہوتے ہیں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا کہ پھر ان لوگوں سے تعلقات ختم کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ایسا کرو کہ ان کا نام اخوت کے دفتر سے کاٹ کر ظاہری دوست والے رجسٹر میں لکھ دو۔ پھر اگر وہ اس کے لائق بھی نہ ثابت ہوں تو ان کو متعارف لوگوں کی فہرست میں منتقل کردو اور ان کے ساتھ ویسے ہی پیش آؤ جیسے جان پہچان والے کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ تو غلط ہے کہ تم ان پر غصہ کرنے لگو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا مقولہ ہے کہ ''وہ بھائی بہت برا ہے جس سے تم کو یہ کہنے کی ضرورت ہو کہ مجھ کو اپنی دعا میں یاد رکھنا۔''

اس زمانہ میں اکثر لوگ بس ''متعارف'' کے درجہ میں ہیں۔ ظاہری دوست بھی بہت نادر ہے۔ رہی ''اخوت اور سچی دوستی'' تو یہ ایسی ''شریعت'' ہے جو منسوخ ہو چکی ہے۔ اب اس کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ اب نسبی بھائی' بیٹے اور بیوی کے تعلقات بھی خالص نہیں رہ گئے ہیں تو اب سچی دوستی کا خیال چھوڑ دو۔ ہر ایک سے کنارہ کش ہو جاؤ اور سب کے ساتھ اجنبیوں جیسا معاملہ کرو۔

خبردار! اس شخص سے دھوکہ نہ کھاؤ جو تم سے محبت کا اظہار کرتا ہو کیونکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ تم کو اس کی محبت کا اندازہ لگ جائے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تم سے کچھ حاصل کرنے کے لیے وہ اظہار محبت کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب تم کسی دوست سے سچی دوستی کرنا چاہو تو پہلے اس کو غصہ دلاؤ' اگر وہ غصہ میں ٹھیک ٹھاک رہے تو دوستی کرلو'' مگر اس زمانہ میں یہ طرز خطرناک ہے کیونکہ جب تم کسی کو غصہ دلاؤ گے تو فوراً وہ تمہارا دشمن ہو جائے گا۔

اور وجہ اس سچی اور خالص دوستی کے ختم ہو جانے کی یہ ہے کہ پہلے حضرات سلف کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہوتی تھی۔ اس لیے اخوت اور اختلاط میں ان کی نیتیں صرف دین کے لیے ہوتی تھیں نہ کہ دنیا کے لیے۔ اب اس زمانہ میں دلوں پر دنیا کی محبت چھا گئی ہے اس لیے اگر تم دین کے سلسلے میں کسی کو چاپلوسی کرتا ہوا دیکھو تو اس کو بتا دو کہ تم اس سے محبت نہیں کرتے۔

قناعت میں راحت ہے

مجلس.... میں نے دیکھا کہ صاحب عافیت' عافیت کی قدر اسی وقت کرتا ہے جب بیمار ہو جاتا ہے جیسے آزادی کا شکر اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب قید میں ڈال دیا جائے۔

دراصل میں نے آدمی کے ایک عجیب حال کو سوچا وہ یہ کہ اس کے پاس ایسی بیوی موجود ہوتی ہے جس میں کوئی خاص خرابی نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا دل اس کی محبت میں اس قدر نہیں ڈوبتا ہے جس سے لذت حاصل کر سکے جس کی دو وجہ ہے:

ایک تو یہ کہ وہ حسن و جمال میں یکتا نہیں ہوتی ہے' دوسرے یہ کہ ہر وہ چیز جو اپنی ملکیت میں آجائے وہ دل سے اتر جاتی ہے اور طبیعت ایسی چیز مانگنے لگتی ہے جس پر قدرت نہ ہو۔

تم دیکھو گے کہ آدمی تڑپتا ہے اور ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جس سے اس کو محبت ہو یا ایسی عورت چاہتا ہے جس سے اس کو عشق ہو اور یہ نہیں جانتا کہ درحقیقت وہ اپنے لیے ایک مضبوط بندھن چاہ رہا ہے جو اس کو آخرت کے معاملہ میں یعنی علم و عمل کے سلسلے میں کوشش و محنت سے روک دے گا اور دنیا میں بھٹکتا پھرے گا۔ پھر عاشق اپنے معشوق کا قیدی ہو کر رہ جائے گا کہ ساری توجہ اسی کی طرف رہا کرے گی۔

پس اس آزاد پر تعجب ہے جو قید کو ترجیح دے رہا ہے اور اس صاحب راحت پر حیرت ہے جو مشقت اور تعب کو اختیار کرنا چاہ رہا ہے۔

پھر یہ سوچو کہ اگر وہ عورت (ایسی ناقابل اطمینان ہوئی کہ) اس کی حفاظت کرنے کی ضرورت پڑے تو سمجھ لو کہ ہلاکت ہے کہ نہ کسی وقت سکون ہو گا نہ قرار اور اگر کھلے عام نکلنے والی ہوئی جس سے بدکاری کا خطرہ ہو تو پھر ایک ہی مرتبہ میں ہلاک ہو کر رہ جائے گا کیونکہ جب سوئے گا تو اس کو نیند سے لذت نہ مل سکے گی اور گھر سے نکلے گا تو بدکاری کے خطرہ سے مطمئن نہیں ہو سکے گا۔

اور اگر خرچ زیادہ مانگنے لگی جبکہ شوہر کے پاس گنجائش نہ ہو تو پھر اس کے لیے غلط راستوں پر چلنا پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر زیادہ ہمبستری کا مطالبہ کیا جبکہ شوہر کی عمر زیادہ ہو چکی ہو' تب بھی بڑی بربادی ہے۔

اور اگر کہیں شوہر سے نفرت کرنے لگی تب تو پھر بربادی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسے وقت میں شوہر اپنے کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے:

نحب القدود و نهوی الخدود ونعلم ان نحب المنونا

''ہم خواہش کرتے ہیں اچھی قامتوں اور خوبصورت رخساروں کی جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنی موت کی خواہش کر رہے ہیں۔''

تب ایسا شخص حقیقت میں بت کے پجاری کی طرح ہو جاتا ہے (کہ خواہ کتنا ہی بت کو پکارو اور مناؤ مگر وہ سنتا ہی نہیں' بالکل ساکت بیٹھا رہتا ہے' ایک چپ ہزار چپ)

لہٰذا جس کے پاس ڈھنگ کی بیوی موجود ہو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور نفس کی آرزوؤں وتمناؤں سے بے رُخی کرنی چاہیے کیونکہ ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے اس لیے کہ اگر غرض حاصل ہو بھی جائے اور خوبصورت عورت خواہش کے مطابق مل جائے تو جلد ہی اس سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے اور تیسری کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر تیسری سے بھی اکتاہٹ ہو کر چوتھی کی طلب ہو گی۔ اسی طرح کوئی انتہا نہ رہے گی۔

پھر دنیا میں اس کا نقصان یہ ہو گا کہ دل اسی میں پڑا رہے گا اور عقل اس میں گرفتار رہے گی۔ آدمی بالکل مبہوت اور حیران و پریشان ہو کر رہ جائے گا' ساری فکر ان چیزوں کے حصول میں لگ جائے گی جو محبوب کی خواہش ہو۔

پھر اگر کہیں جدائیگی ہو گئی یا کوئی آفت نازل ہو گئی یعنی حادثہ پیش آ گیا تو اگر زندہ رہ گیا تو ہمیشہ کی حسرتیں ہوں گی ورنہ پھر فوراً ہلاکت۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسا محبوب جو خوبصورت بھی ہو جس کا دین محفوظ بھی ہو اور جو صرف اپنے محبّ وعاشق پر نگاہ رکھنے والا ہو' یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے۔

لہٰذا ان چیزوں کے حاصل کرنے کی فکر کرو جن سے فکر میں سکون اور جمعیت پیدا ہو اور خواہشات اور تمناؤں کا خیال ترک کر دو تا کہ ہر فتنہ سے محفوظ رہو۔

علم اور معرفت کا ثمرہ' تواضع اور شکستگی ہے

مجلس..... جب انسان کا علم کامل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے عمل پر نگاہ نہیں رکھتا بلکہ عمل کی توفیق دینے والے کے انعام پر نظر رکھتا ہے اس لیے سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عمل پر نگاہ نہ رکھے اور نہ اس پر نازاں ہو اور اس کے لیے چند تدبیریں ہیں:

ایک یہ کہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس عمل کی توفیق سے نوازا ہے:

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

''اس نے ایمان کی محبت تم کو عطا کی اور تمہارے دلوں میں اس کو مزین کر دیا۔''

ایک یہ ہے کہ اپنے عمل کو اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں تصور کرے' تو سواں حصہ

بھی نہ پورا کر سکے گا۔ ایک یہ ہے کہ جب معبود کی عظمت کا تصور کیا جائے گا تو پھر ہر عمل اور ہر عبادت حقیر نظر آئے گی۔ لیکن یہ سب اس وقت ہے جب عمل کھوٹ سے پاک اور غفلت سے خالی ہو کیونکہ جس وقت غفلتیں عمل کا احاطہ کیے ہوئے ہوں' اس وقت تو یہ ڈرنا چاہیے کہ کہیں رد نہ کر دیا جائے اور اپنی کوتاہیوں پر عتاب کا خوف دامن گیر ہونا چاہیے نہ یہ کہ اپنے عمل پر نگاہ کی جائے۔

اس سلسلے میں سمجھ دار و ہوش مند لوگوں کے حالات کو دیکھو کہ فرشتے جو دن رات تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی سست نہیں پڑتے۔ انہوں نے کہا:

مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ. ''ہم سے آپ کی عبادت کا حق ادا نہ ہوا۔''

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے تھے:

والذی اطمع ان یغفرلی. ''مجھے امید اور خواہش ہے کہ میری مغفرت کر دی جائیگی۔''

یعنی ان کو آگ میں ڈالے جانے کے وقت اور لڑکے کو ذبح کرنے کے وقت رضا پر ناز نہیں ہوا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَامِنْکُمْ مَنْ یُّنْجِیْهِ عَمَلُهٗ. ''تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اے اللہ کے رسول؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِه.

''ہاں مجھ کو بھی نہیں! مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیں گے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

وھل انا ومالی الا لک یا رسول اللّٰهِ.

''میں اور میرا سارا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے اے اللہ کے رسول!''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لَو ان طلاع الارض لی لافتدیت بھا من ھول ما امامی قبل ان اعلم ما الخبر.

''اگر پوری زمین بھر کر بھی میرے پاس خزانہ ہوتا تو جو کچھ سامنے آنے والا ہے اس کے خوف میں سب دے کر اپنے کو چھڑانے کی کوشش کرتا اس سے پہلے کہ مجھ کو اپنا حال معلوم ہوتا۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لیتنی اذا مت لا ابعث. ''کاش! جب میں مرتا تو پھر دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔''

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں:

لیتنی کنت نسیا منسیا. ''کاش! میں بالکل فنا کر دی جاتی اور کوئی مجھ کو یاد نہ رکھتا۔''

یہی تمام اصحاب عقل وخرد کا حال ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔

اس کے برخلاف بنی اسرائیل کے چند نیک لوگوں کے ایسے واقعات مروی ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی فہم کا استعمال کم کیا۔ جیسا کہ ابھی میں نے اس کی وضاحت کی ہے (کہ عقل کے کمال کا تقاضا تواضع اور اپنے عمل پر نگاہ نہ رکھنا ہے) کیونکہ انہوں نے اپنے اعمال پر نگاہ کی اور اس پر ناز کیا۔

چنانچہ ان میں سے ایک واقعہ اس عبادت گزار کا ہے جس نے ایک جزیرہ میں پانچ سو سال تک عبادت کی تھی اور اس کے لیے ہر رات ایک انار غیب سے آتا تھا اور اس نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو سجدہ کی حالت میں موت دیں۔ پھر جب حشر میں اُٹھایا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ ''جاؤ! میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ!'' تو وہ کہے گا ''نہیں! بلکہ اپنے عمل کی وجہ سے'' تو اس کے تمام عمل کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سے وزن کیا جائے گا مگر وہ اس کے برابر نہ ہو سکیں گے۔ تب کہے گا کہ واقعی اے رب!! آپ کی رحمت ہی سے جنت میں جا سکتا ہوں۔

اسی طرح وہ غار والے بھی تھے جن پر چٹان نے راستہ بند کر دیا تھا تو اس وقت ہر ایک نے اپنے ایسے عمل سے توسل کیا جس کے ذکر کرنے سے حیا کرنی چاہیے تھی۔ مثلاً ایک نے کہا کہ زنا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا' پھر سزا کا خوف ہوا اس لیے چھوڑ دیا۔

بھلا بتاؤ جو شخص سزا کے خوف سے عمل کو چھوڑ دے تو وہ کس چیز پر ناز کر رہا ہے؟ اس نے تو سزا کے خوف سے چھوڑا ہے۔ ہاں اگر فعل مباح ہوتا تو اس کا چھوڑنا کسی درجہ میں ناز کے قابل ہو سکتا تھا۔ یقیناً اگر وہ سمجھ سے کام لیتا تو ناز کرنے سے شرماتا۔ جیسا کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے کہا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ. (میں اپنے نفس کو پاک نہیں سمجھتا ہوں)

اور دوسرے نے رات بھر بچوں کو دودھ نہیں پلایا تاکہ والدین کو پہلے پلائے جبکہ اس کے بچے رات بھر فریاد کرتے رہے حالانکہ اس نیکی کے اندر بچوں کی تکلیف بھی چھپی ہوئی ہے لیکن صحیح فہم بہت نادر چیز ہے۔

پھر چونکہ انہوں نے اپنے ظن کے مطابق اچھا عمل کیا تھا اس لیے زبان حال نے کہا کہ جو کچھ یہ مانگیں ان کو دے دو کیونکہ اپنے عمل کی اجرت مانگ رہے ہیں۔

یقیناً اگر فہم کی کمی نہ ہوتی تو کوئی متکبر اپنے ہم جنس پر تکبر نہ کرتا اور ہر صاحب کمال خوف زدہ رہتا اور اپنے عمل کو حقیر سمجھنے والا ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شکر میں کوتاہی ہر ایک سے ہوتی ہے۔

اس مضمون کو سمجھ لینا کبر کی گردن کو جھکا دے گا اور طبیعت میں ذلت وانکسار پیدا کرے گا۔

لہٰذا اس پر غور کرو! یہ بہت بڑی چیز ہے۔

توبہ کے بعد بھی لرزاں وترساں رہے

مجلس.....سمجھ دار اور ہوش مند آدمی کو گناہوں سے توبہ کر لینے اور گریہ وزاری کے بعد بھی ڈرتے رہنا چاہیے جبکہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ قبولیت توبہ پر مطمئن ہو گئے۔ جیسے انہیں یقین ہو گیا ہو کہ توبہ قبول ہو گئی ہے حالانکہ یہ ایک پوشیدہ معاملہ ہے۔ پھر اگر مغفرت ہو بھی گئی ہو، تو بھی گناہوں کے ارتکاب پر شرمندگی تو ہونی ہی چاہیے۔

اور توبہ کے بعد بھی خوف کی تاکید اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیح سند سے منقول ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ ہماری سفارش کر دیجئے تو وہ اپنا گناہ یاد کریں گے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ اپنی غلطی یاد کریں گے۔ پھر اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور یہی جواب پائیں گے۔ تو دیکھو! کہ اگر تم ان حضرات کے گناہوں کو سوچو تو اکثر تو حقیقت میں گناہ ہی نہیں ہیں اور اگر ہوں بھی تو یہ حضرات اس سے توبہ اور

معذرت کر چکے ہیں اس کے باوجود ڈرتے رہیں گے۔

پھر یہ بھی ہے کہ توبہ کے قبول ہو جانے کے بعد بھی گناہ کی شرمندگی تو نہیں ختم ہوتی (وہ تو باقی رہتی ہے) کتنی اچھی بات کہی ہے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے۔

''ہائے میری ستر کی بے حجابی! اگر چہ تو مجھ کو معاف کر دے۔''

خدا کی قسم! گناہوں کو اختیار کرنے اور ایک لمحہ کی لذت کو ترجیح دینے والے پر ''تف'' ہے کیونکہ مؤمن کے دل سے گناہ نہ کرنے کی حسرت کبھی ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر چہ اس کو معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا بہت پرہیز کرو اور بچو ایسے کاموں سے جو شرمندگی لاویں۔ یہ ایسی نصیحت ہے جس پر کسی تائب یا صوفی کی نگاہ کم ہی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ سچی توبہ کرنے کی وجہ سے گناہ معاف ہو چکے ہیں جبکہ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے آدمی کو ہمیشہ احتیاط، اندیشہ اور شرمندگی دامن گیر رہے گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے

مجلس.... اللہ تعالیٰ بدفہمی سے، خصوصاً اہل علم حضرات کی بدفہمی سے، ہم سب کو محفوظ رکھیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی اور حیان ابن عبداللہ نے آپس میں بحث کی۔ ابوعبدالرحمٰن نے حیان سے کہا تم جانتے ہو تمہارے ''صاحب'' یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس چیز نے جنگ پر آمادہ کیا؟ حیان نے کہا تم ہی بتاؤ! کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے کہ ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو معاف فرما دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔''

حالانکہ یہ ابوعبدالرحمٰن کی بدفہمی ہے کیونکہ انہوں نے گمان کر لیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو جنگیں فرمائیں وہ سب اس اعتماد پر کہ ان کی مغفرت ہو گئی ہے۔

پہلے تو حدیث کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گزشتہ اعمال جو کچھ بھی تھے، میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے۔ آئندہ گناہوں کی مغفرت تو اس روایت میں شامل نہیں ہے۔ تم ہی بتاؤ کیا اگر خدانخواستہ اہل بدر سے شرک ہو جائے (کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں) تو ان کا مواخذہ نہ ہوگا؟ تو جب شرک پر پکڑ ہو سکتی ہے تو اسی طرح

گناہوں پر بھی ہوسکتی ہے۔

اور اگر ہم مان بھی لیں کہ آئندہ گناہوں کی مغفرت کو بھی شامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''انجام کار تم لوگوں کی مغفرت ہو جائے گی۔''

پھر اس حدیث کو چھوڑ، یہ بتاؤ کیسے کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال ہوگی کہ وہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ایسی بدگمانی کرے کہ آپ نے مغفرت کی اُمید پر ناجائز کام کیا ہوگا، وہ ایسے الزام سے بالکل بری ہیں۔ انہوں نے تو دلیل کی بنیاد پر جنگ کی تھی جب کہ جنگ سے کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا آپ حق پر تھے............ اس بات میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس سے بھی جنگ کی ہے اس میں ''حق'' آپ ہی کے ساتھ تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَللّٰھُمَّ ادر معه الحق کیفما دَارَ. ''اے اللہ! حق کو علیؓ کے ساتھ دائر رکھیے جدھر بھی وہ چلیں۔''

حاصل یہ کہ ابو عبدالرحمٰن نے بہت بڑی غلطی کی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ ''عثمانی'' تھے۔

اخلاص اور ریاء

مجلس.... میں نے اپنے زمانہ کے صوفیوں کے حالات پر غور کیا تو ایسی چیزیں نظر آئیں جو نفاق اور ریاء کاری کی علامت ہیں جبکہ وہ خود اخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک گوشہ پکڑ لیتے ہیں، پھر نہ کسی دوست کی ملاقات کو جاتے ہیں اور نہ کسی بیمار کی عیادت کرتے ہیں جس سے ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ عبادت میں لگ کر مخلوق سے کنارہ کش ہیں۔ حالانکہ یہ محض اپنی ناموس کا خیال ہے تاکہ لوگ ان کی اس کنارہ کشی کی تعریف کریں کیونکہ اگر وہ لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے تو ان کی ہیبت ختم ہو جاتی۔

پہلے کے لوگ ایسے نہیں تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے، بازار سے ضرورت کا سامان خود خرید لیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قبریں کھودتے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ مُردوں کو غسل دیتے تھے۔ ان لوگوں کے وہاں ناموس اور جاہ کوئی چیز نہ تھی۔

جبکہ ہمارے یہ دوست حضرات لوگوں کے مجمع میں سکوت، خشوع، لاغری و کمزوری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ یہ سب ''نفاق'' ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کا حال تو یہ تھا کہ دن میں لوگوں کے مجمع میں خوب ہنستے، بات کرتے تھے اور رات میں روتے تھے۔

اسی طرح میں نے ایک صوفی کو دیکھا جو روزانہ مسجد میں آتے تھے اور نفل پڑھتے تھے پھر لوگ جمع ہونے لگے اور ان کی نماز میں شریک ہونے لگے، خواہ دن ہو یا رات اور یہ چیز مشہور ہونے لگی تو ان کا نفس تعریف کے خیال سے بڑھ گیا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل کے بارے میں فرمایا ہے:

''اجعلوا هذه فی البیوت'' ''نفل نمازوں کو گھر میں پڑھو۔''

ایسے ہی ہمارے ان دوستوں میں بعض ایسے ہیں جو اپنے مسلسل روزوں کا اظہار کر دیتے ہیں اور لوگوں کے اس جملہ سے اپنا نفس بڑھاتے ہیں کہ ''فلاں شخص کسی دن روزہ ناغہ نہیں کرتے ہیں'' حالانکہ یہ بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ یہ عمل لوگوں کے لیے بن رہا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ایک دو دن روزہ نہ رکھتے اور لوگ جب تعریف کرنا چھوڑ دیتے تو پھر روزہ رکھنا شروع کر دیتے تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوتے تو اپنے پاس اتنا کھانا رکھوا لیتے جتنا صحت مند لوگ کھاتے ہیں (تاکہ لوگ مزاج پرسی کے لیے آویں تو یہی سمجھیں کہ یہ بیماری کی حالت میں اتنا کھاتے ہیں، تو پھر صحت کی حالت میں کیا پوچھنا؟)

اسی طرح میں نے اپنے زمانہ کے صوفیوں میں ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھاتے ہیں اور اس میں ''معوذتین'' (یعنی ''قل اعوذ بربّ الفلق و قل اعوذ بربّ النّاس'') پڑھتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کریں کہ میں نے قرآن پاک ختم کر لیا ہے۔

یہ سب افعال کھلے طور پر نفاق اور ریاء کاری کی علامت ہیں۔

ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مالدار ہونے کے باوجود صدقہ کا مال لے لیتے ہیں جس میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ظالموں سے لیا ہے یا اہل خیر حضرات سے۔ امیروں کے پاس مانگنے کے لیے جاتے ہیں جبکہ ان کو معلوم ہے کہ مال کہاں سے اور کیسے حاصل ہوتا ہے؟

پس اللہ سے ڈر کر نیتوں کی اصلاح کرو کیونکہ اس طرح کے تمام افعال (جن میں ریا ہو) اللہ کے وہاں مقبول نہیں ہیں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جو شخص مخلص نہ ہو اس سے کہہ دو کہ اپنے کو بلاوجہ نہ تھکاؤ۔''

اور ریا کار کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ریاء سے جو مقصود ہے یعنی دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا وہ بھی اس کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ جب آدمی کے اندر اخلاص نہ ہو تو دلوں کی محبت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کوئی شخص بھی اس کی طرف التفات نہیں کرتا جبکہ مخلص آدمی سب کا محبوب ہوتا ہے۔

یقیناً اگر ریاء کار کو یقین ہو جاتا کہ ان لوگوں کے دل جن کو وہ اپنی عبادت دکھا رہا ہے اس ذات کے قبضہ میں ہیں جن کی وہ نافرمانی کر رہا ہے تو کبھی ریاء کاری نہ کرتا۔

چنانچہ ہم نے کتنے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اونی لباس پہنتے اور عبادت کا مظاہرہ کرتے تھے مگر ان کی طرف کسی کا کچھ بھی میلان نہیں تھا جب کہ دوسرے کچھ لوگ عمدہ عمدہ کپڑے پہنتے تھے اور ہنستے مسکراتے تھے لیکن لوگوں کے دل ان سے محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا اخلاص عطا فرمائیں جو ہم کو خالص اللہ کے لیے کر دے اور ایسی ریاء کاری سے پناہ میں رکھیں جو ہمارے اعمال کو باطل کر دیتی ہے۔ بلاشبہ وہ قدرت والا ہے۔

دنیا امتحان اور آزمائش کا گھر ہے

مجلس.... جہالت کی بات ہے کہ آدمی ''تکلیف'' یعنی دنیا میں بھیجے جانے کا مقصود نہ سمجھے۔ بلاشبہ اصل تکلیف وہی ہے جو اپنی ضروریات و حاجات کے خلاف ہو۔ لہٰذا سمجھدار انسان کو مقاصد کی محرومی سے ہی مانوس ہونا چاہیے۔

اگر دعا کرے اور کسی ضرورت کا سوال کرے تو یہ سمجھے کہ اس نے دُعا کی' عبادت پوری کر دی ہے' پھر اگر مل جائے تو شکر کرے اور اگر نہ ملے تو مانگنے میں اصرار مناسب نہیں ہے اس

لیے کہ یہ دنیا ضروریات کی تکمیل کے لیے بنائی ہی نہیں گئی ہے اور جی میں یہ سوچ لے:

وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ.

''ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ درحقیقت وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔''

بہت بڑی نادانی ہے کہ ضروریات نہ پوری ہونے پر دل میں ناراضگی پیدا ہو جائے بلکہ کبھی اعتراض بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ میری ضرورت پوری کر دینے میں کیا نقصان ہو جاتا؟ آخر میری دعا کیوں نہیں قبول کی جاتی؟ حالانکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کا ایمان کمزور، علم کم اور تقدیر کے فیصلے پر رضامندی نہیں ہے۔

بھلا بتاؤ! کون ایسا ہے جس کو کوئی غرض حاصل ہوئی ہو، پھر اس میں کوئی کدورت نہ شامل ہو گئی ہو۔ یہ دیکھو، حضرت آدم علیہ السلام جنت میں عیش کر رہے تھے، پھر اس سے نکال دیئے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے بارے میں سوال کیا لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں آزمائے جا رہے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح سے، حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کی گمشدگی سے، حضرت یوسف علیہ السلام خواہشات کے مقابلہ سے، حضرت ایوب علیہ السلام بیماری سے اور حضرت داؤد سلیمان علیہ السلام فتنہ سے اور ایسے ہی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی نہ کسی چیز سے آزمائے گئے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک، تکلیف اور زندگی کی کدورتیں جو پیش آئیں وہ سب کو معلوم ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا سمجھدار انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو صبر پر آمادہ کر لے اور سمجھ لے کہ جو مراد حاصل ہو گئی وہ لطف و مہربانی ہے اور جو نہیں حاصل ہوئی تو یہی دنیا کی اصل فطرت ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

طبعتُ علیٰ اکدر وانت تریدھا   صفواً من الاَقذاءِ وَالاکدارِ

''یہ دنیا کدورتوں پر ڈھالی گئی ہے جبکہ تم اس کو ہر طرح کی کدورتوں اور آلودگیوں سے پاک حاصل کرنا چاہتے ہو۔

ومکلف الایام ضد طباعھا   متطلبٌ فی المآءِ جذوۃ نارِ

''خوش عیشی اس کی طبیعت کے خلاف ہے' ایسے ہی جیسے پانی اور آگ کا شعلہ''

اور یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان کی قوت اور ضعف کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو اس بیماری کی دوا استعمال کرنا چاہیے' یعنی مالک کے سامنے سر جھکا دینا اور حکیم کی حکمت کے فیصلہ پر راضی ہو جانا چاہیے اور اپنے نفس سے کہے کہ دیکھو' سید الکل فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ. ''آپ کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔''

پھر اپنے نفس کو اس طرح تسلی دے کہ محرومی بخل کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہے' جس کو تم نہیں جانتے ہو اور جو شخص اپنی ضروریات سے صبر کرلے' اس کو اجر دیا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کن لوگوں نے اس کے فیصلے پر سر جھکایا اور راضی رہے۔

یہ بھی سوچے کہ آزمائش کا زمانہ بہت معمولی ہے اور ضروریات واغراض کو ذخیرہ کیا جا رہا ہے جو تھوڑی مدت کے بعد مل جائیں گی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوگا جیسے تاریکی سے اُجالا ہو گیا ہو اور ''اجر'' کی ''فجر'' طلوع ہو گئی ہو۔

جب آدمی کی فہم ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا ایمان تقاضا کرتا ہے کہ وہ بھی وہی چاہے جو خدا کا ارادہ ہو اور اس پر راضی ہو جائے جو خدا نے مقدر کر دیا ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو بندہ درحقیقت بندگی کی حقیقت سے نکل جاتا ہے۔

یہ ایسی اصل ہے' جس پر غور کرنا اور مرادوں کے پورا نہ ہونے کے وقت اس پر عمل کرنا چاہیے۔

عالم امیروں اور حاکموں کے دربار میں

مجلس.... میں نے بہت سے علماء اور واعظوں کا حال یہ دیکھا کہ جب ان کو دنیاوی تنگی پیش آتی ہے تو دوڑ دوڑ کر امیروں اور بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان سے کچھ حاصل کرسکیں حالانکہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور حاکم مال کو نہ تو جائز طریقے سے حاصل کرتے ہیں اور نہ صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں۔ اکثر ایسے ہیں کہ جب ان کو خراج کا مال حاصل ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کو مصالح مسلمین میں خرچ کرتے' کسی شاعر کو انعام دے ڈالتے ہیں یا مثلاً کوئی فوجی جس کی تنخواہ حق کے اعتبار سے دس دینار ہوتی ہے تو

اس کو (کسی خصوصیت کی بناء پر) دس ہزار دینار دے دیتے ہیں، کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جنگ سے جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے جس کو لشکر پر تقسیم ہونا چاہیے تو اس کو اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں، یہ سب وہ مثالیں ہیں جو معاملات میں ان کے مظالم کے علاوہ ہیں۔

لہٰذا عالم کے اوپر سب سے پہلا جو وبال پڑتا ہے وہ یہ کہ علم کے نفع سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک نیک بزرگ نے ایک عالم کو دیکھا کہ یحییٰ بن خالد برمکی کے گھر سے نکل رہے ہیں، تو کہا: **اعوذ باللہ من علم لاینفع** ''غیر نافع علم سے خدا کی پناہ!!!''

اور یہ وبال کیوں نہ پڑے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم منکرات کو دیکھتے ہو لیکن نکیر نہیں کرتے ہو، ان کا وہ کھانا کھاتے ہو جو ہمیشہ ناجائز ہی طریقہ سے حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے تمہارا دل بجھ جاتا ہے اور تم اللہ سے تعلق کی لذت سے محروم ہو جاتے ہو پھر تم کو یہ قدرت نہیں رہ جاتی کہ کوئی شخص تم سے ہدایت کا طالب ہو سکے بلکہ کبھی تو ایسے عالم کا فعل لوگوں کی گمراہی اور اپنی اقتداء سے اعراض کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا یہ عالم خود اپنے کو بھی اور اپنے امیر و حاکم کو بھی نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اس عالم کے آنے جانے اور نکیر نہ کرنے سے حاکم سوچتا ہے کہ اگر میں راہِ راست پر نہ ہوتا تو یہ عالم صاحب میرے ساتھ نہ رہتے بلکہ مجھ پر نکیر کرتے اور کبھی عوام کو بھی نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ امیر کا طرز عمل درست ہے یا پھر یہ سوچتے ہیں کہ امیر کے پاس جانا اور نکیر کرنے سے سکوت اختیار کرنا جائز ہے ورنہ کم از کم عوام کے دلوں میں دنیا کی محبت تو بڑھ ہی جاتی ہے حالانکہ خدا کی قسم! ایسی دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جو آخرت کا راستہ تنگ کر دے۔

میری زندگی ایسے لوگوں پر قربان ہے جنہوں نے ساری زندگی خواہشات کی تیز دھوپ میں دنیا کی پیاس پر صبر سے کام لیا، یہاں تک کہ موت کے وقت رضا اور خوشنودی کی شراب سے آسودہ ہوئے اور ان کے ایسے تذکرے باقی رہ گئے جو دلوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور ان کے زنگ کو دھو رہے ہیں۔

یہ دیکھو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ محتاج ہو کر راستوں پر پڑے دانے اور چھلکے چن رہے ہیں لیکن بادشاہوں سے کچھ قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

اور یہ دیکھو ابراہیم حربی صرف سبزی چباتے ہیں' اس کے باوجود معتصم باللہ کا ایک ہزار دینار واپس کر رہے ہیں۔

اور یہ ''بشر حافی'' ہیں' بھوک کی شکایت میں مبتلا ہیں' جب کہا جاتا ہے کہ کیا آپ کے لیے آٹے کا گھول تیار کر دیا جائے تو کہتے ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھ نہ لیں کہ یہ آٹا تم کو کہاں سے ملا؟

خدا کی قسم! ان حضرات کے تذکرے باقی رہ گئے ہیں جبکہ ان کے صبر کرنے کی مدت پلک جھپکنے کے بقدر تھی اور وسعت پسندوں کی لذتیں ختم ہو چکی ہیں ان کے جسم پرانے ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ دین بھی کمزور ہو گیا ہے۔

پس صبر کر اے صاحب توفیق صبر کر! اور ان پر رشک نہ کر کہ جن کو دنیا میں وسعت حاصل ہوئی کیونکہ جب تو اس وسعت کو گہرائی سے سوچے گا تو دین کے سلسلے میں اس کو تنگی دیکھے گا اور اپنے آپ کو تاویلات میں آزاد نہ کر کیونکہ دنیا میں تیری زندگی بہت تھوڑی ہے:

وسواء اذ انقضٰی یوم کسریٰ   فی سرور و یوم صابر کسرہ

''برابر ہے خواہ کسریٰ بادشاہ کا دن سرور میں گزرے یا ٹکڑوں پر صبر کرنے والے کا دن تلخی میں گزرے۔''

اور جب نفس صبر کی کمی کی بناء پر پریشان ہو تو اس کو زاہدوں اور صوفیاء کے حالات سناؤ۔ اگر اس میں ہمت یا بیداری ہوگی تو ضرور شرمندہ ہو کر شکستہ ہوگا اور اپنی خواہش سے باز آ جائے گا اور اس کو تصور کراؤ کہ دیکھو کتنا فرق ہے۔ علی بن المدینی کی رخصت پسندی اور ابن ابی داؤد کے مال قبول کر لینے میں اور امام احمد کے صبر (اور بادشاہوں کا مال واپس کر دینے) میں اور سوچو کہ ان دونوں کی روایتوں میں سے زیادہ کس کی روایت نقل کی جاتی ہے اور زیادہ کس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یقیناً ابن المدینی اس وقت شرمندہ ہو جائیں گے جب امام احمد کہیں گے کہ ''میرا دین محفوظ رہ گیا۔''

قوم کا حال

مجلس.... میں نے لوگوں کے حالات پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اکثر افراد بندگی کے

بندھن سے باہر ہیں۔ اگر عبادت کرتے ہیں تو وہی جن کی عادت پڑ چکی ہو یا جوان کے مقاصد میں اس قدر خلل انداز نہ ہوں جس سے دل پر گرانی آوے۔

اکثر بادشاہ مال کو ناجائز طریقے سے کماتے ہیں اور نامناسب جگہوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس کے مالک ہو گئے ہیں' اس خدا کا مال نہیں ہے جس کے نام پر انہوں نے جنگ کی اور جس نے ان کو غنیمت کے طور پر عطا فرمایا ہے اس لیے سارا مال اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں پھر اپنے اصحاب کو جس طرح چاہتے ہیں' دیتے ہیں۔

علماء اپنے فقر کی زیادتی اور حرص کی شدت کی بناء پر بادشاہوں کی موافقت کرتے ہیں اور ان ہی کی لڑی میں اپنے کو پرونا چاہتے ہیں۔

تاجر ناجائز عقود و معاملات میں مبتلا ہیں اور عوام گناہوں اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ اب ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائیں) زکوۃ دینا چھوڑ دیا ہے اور امر بالمعروف ترک کیے ہوئے ہیں۔

سو بعض تو ایسے ہیں کہ سزا کی تاخیر نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور بعض معافی کا یقین کیے بیٹھے ہیں جبکہ اکثر کا حال یہ ہے کہ ان کا ایمان ہی ڈانواں ڈول ہے' اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان و اسلام کے ساتھ موت عطا فرمائیں۔ (آمین)

مال' آبرو کا محافظ ہے

مجلس.... جب معاش تنگ ہو جائے' اس وقت کسی بھی صاحب عیال کا دین محفوظ رہ جانا بہت تعجب خیز ہے کیونکہ اس وقت اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی میں شکر ڈال دی جائے تو اندر اندر اثر کرتی رہتی ہے' یہاں تک کہ غالب ہو جاتی ہے' ایسے ہی یہ صاحب عیال بھی ہے کہ جب معاش تنگ ہو جاتی ہے تو تدبیر کرتے کرتے اور حلال پر قدرت نہیں رہ جاتی تو مشتبہ مال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر جب دین کمزور ہو گیا تو اس کا ہاتھ حرام کی طرف بھی بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا مؤمن جب اپنے کو دیکھے کہ کسب معاش میں کمزور ہے تو حتیٰ الامکان نکاح سے

پرہیز کرے اور اگر بیوی بچے موجود ہوں تو پھر خرچ میں کمی کرے اور تھوڑے پر قناعت کرلے اور اگر کمانے کا کوئی ذریعہ موجود ہی نہ ہو جیسے علماء وصوفیاء کا حال ہے تو پھر سلامتی نہایت نادر ہے کیونکہ بادشاہوں کے وظیفے اور عوام کے ہدیئے ان لوگوں سے ختم ہو چکے ہیں۔ اب اگر ان کے اہل خانہ زیادہ ہو جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ جاہلوں سے زیادہ بدتر حالت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا ان میں سے جس کو بھی کتابت وغیرہ کسی بھی ہنر کے ذریعہ کسب معاش کی قدرت ہو تو اس کو محنت کر کے کمانا چاہیے اور ساتھ میں خرچ کو کم کرنے اور تھوڑے پر قناعت کرنے کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

کیونکہ اس زمانہ میں جس نے بھی رخصت اور آزادی پر عمل کیا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا، اس لیے کہ مال ان کو ظالموں سے حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی جاہ اور تصوف کے نام پر۔

اور جس کے پاس مال پہلے سے موجود ہو وہ اس کو بڑھانے اور حفاظت کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اب ایثار کرنے اور قرض دینے والا کوئی نہیں رہ گیا ہے بلکہ اکثر نہیں بلکہ سب کے سب ایسے ہو گئے ہیں۔ گویا وہ مال ہی کی عبادت کرتے ہیں اس لیے جس نے اپنے مال کی حفاظت کی تو سمجھ لو کہ اس نے اپنے دین کی حفاظت کی۔

ان جاہلوں کی بات مت سنو جو کہتے ہیں کہ سارا مال خرچ کر ڈالو (اور زہد اختیار کرو) کیونکہ اب اس کا وقت نہیں ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جب فکر میں جمعیت اور سکون نہ ہو تو پھر نہ علم حاصل ہوگا اور نہ عمل اور نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تصور میں لگا جا سکے گا۔

گزشتہ حضرات کی فکر، جن وجوہات کی بناء پر مطمئن رہتی تھی ان میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کو ہر سال بیت المال سے وظیفہ ملا کرتا تھا۔ لہٰذا صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ مال بچ رہتا تھا۔

کچھ حضرات ایسے تھے جو مال رکھتے تھے اور تجارت کرتے تھے جیسے حضرت سعید ابن المسیب، حضرت سفیان ثوری اور حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمہم اللہ وغیرہم۔ اس لیے ان کی فکر پُرسکون تھی اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو مال کو مخاطب کر کے کہتے تھے:

لَوْ لَا کَ لَتَمَنْدَلُوْا بِیْ. ''اگر تو نہ ہوتا تو لوگ مجھے ہاتھ کا رومال بنا لیتے۔''

اسی طرح حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کی پونجی کھوگئی تو روئے اور فرمایا: ''وہ میری دینداری کا ستون تھا۔''

بہت سے حضرات ایسے تھے جن کو ایسے دوستوں کے ہدیے اور تحفوں کی وجہ سے سکون حاصل تھا جو دینے کے بعد احسان نہیں رکھتے تھے (بلکہ یہ احسان مانتے تھے کہ قبول کرلیا گیا) چنانچہ حضرت ابن المبارک' حضرت فضل وغیرہ کے پاس ہدیہ بھیجتے تھے اور حضرت لیث ابن سعد ڈھونڈ ڈھونڈ کر اکابر کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت مالک کے پاس ایک ہزار دینار اور حضرت ابن الہیعہ کے پاس ایک ہزار دینار بھیجا اور منصور ابن عمار کو ایک ہزار دینار اور ایک باندی ہدیہ کی جو تین ہزار دینار کی تھی۔

زمانہ اسی طرح گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچی کہ سب کچھ ختم ہوگیا' بادشاہوں کے عطیے کم ہونے لگے اور دوستوں میں ایثار کا جذبہ سرد پڑنے لگا مگر اس وقت بھی اتنا میسر ہوجاتا تھا جس سے زمانہ کی تلخی ختم کی جاسکے۔

رہا ہمارا زمانہ! تو اب تو سارے ہاتھ بالکل بند ہوچکے ہیں حتیٰ کہ واجب زکوٰۃ نکالنے والے بھی کم ہی رہ گئے ہیں۔

تو پھر بتاؤ کہ ان علماء اور صوفیاء کی فکر کیسے پُرسکون ہوسکتی ہے جو دن رات اسی فکر میں رہیں کہ کیا کمائیں اور کس طرح کمائیں جب کہ نہ یہ ان کی شان ہے اور نہ ان کو اس کا سلیقہ۔

آخر انجام یہی ہوگا کہ بادشاہوں کے وہاں حاضری دیں اور ناجائز کاموں میں آزادی اختیار کرلیں اور صوفیاء دنیا کے حصول کے لیے مکروبناٹ کا ذریعہ اپنائیں۔

لہٰذا اے وہ شخص! جو اپنی دینداری محفوظ رکھنا چاہتا ہے اللہ کا لحاظ کر اور اس کا تقویٰ اختیار کر۔ میں نے تجھ کو بار بار نصیحت کی ہے کہ خرچ کم کردے جس قدر ہوسکے تعلقات کو گھٹا اور اس ایک درہم کی حفاظت کر جو تیرے پاس ہو کیونکہ وہ تیرا دین (اور تیری آبرو) ہے اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ!!

پھر اگر نفس اپنی ضروریات اور خواہشات کے لیے تڑپے' تو اس سے کہہ کہ اے نفس!

اگر تیرے پاس ایمان ہوتو صبر کر لے کیونکہ اگر تو نے فانی چیز کے حصول کے لیے دین جیسی دولت خرچ کردی تو کوئی نفع نہیں ہوا (بلکہ گھاٹا ہو گیا) اور ان علماء وجاہ پرست صوفیاء کے بارے میں سوچ! جنہوں نے غلط طریقوں سے مال حاصل کیا کہ ان کا دین بھی گیا جبکہ دنیا تو ختم ہو ہی گئی ہے اور ان علماء وصوفیاء کے حال پر بھی نگاہ ڈال جن میں امام احمد بن حنبل اور بشر حافی جیسے لوگ ہیں کہ ان کی تنگیوں کے ایام کسی نہ کسی طرح گزر گئے جب کہ ان کا ذکر جمیل ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا ہے۔

حاصل مضمون یہ ہے: **مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ.**
''جس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگیوں سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے نوازیں گے جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ''رزق'' کبھی اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آزمائشوں پر صبر کو آسان بنادیتے ہیں' اس طرح کہ دنیا کے یہ ایام کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتے ہیں جبکہ صبر جمیل کا انجام نہایت عمدہ اور جمیل ہے۔

ناپسندیدہ عورت کیساتھ صبر' بڑی عبادت ہے

مجلس.... مجھ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ مجھ کو اپنی بیوی سے بہت نفرت ہے اور یہ بھی کہا کہ چند وجوہات کی بناء پر اس کو چھوڑنا بھی مشکل ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا قرض مجھ پر بہت زیادہ ہو گیا ہے جبکہ میرے اندر صبر کا مادہ کم ہے تو میں شکایت اور گفتگو میں زبان کی لغزشوں اور ایسے جملوں سے احتیاط نہیں کر پاتا ہوں جن سے اس کو میری نفرت کا پتہ چل جائے۔

میں نے کہا کہ یہ طرز ٹھیک نہیں ہے ''گھروں میں دروازے سے آنا چاہیے'' (یعنی کام کا جو طریقہ ہے اس طریقہ سے کرنا چاہیے) ایسا کرو کہ خلوت میں بیٹھ کر سوچو کہ وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تم پر مسلط کی گئی ہے۔ لہٰذا خوب توبہ اور معذرت کرو' چیخنے چلانے اور تکلیف پہنچانے سے کیا فائدہ ملے گا؟ جیسا کہ حضرت حسن بن الحجاج رحمۃ اللہ

علیہ نے فرمایا ہے ''بری بیوی اللہ تعالیٰ کی سزا ہے' لہٰذا اس کا مقابلہ تلوار سے کرنے کے بجائے توبہ واستغفار سے کرو۔''

اور یہ سمجھو کہ تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو' لہٰذا صبر کرنے پر اجر پاؤ گے:

وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ.

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو جبکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے فیصلہ پر صبر کا معاملہ کرو اور کشادگی کا سوال کرتے رہو۔ اگر تم نے گناہوں سے توبہ واستغفار' تقدیر پر صبر اور کشادگی کی دعاء کو جمع کر لیا تو تم کو تین طرح کی عبادت کی توفیق حاصل ہو گئی جن میں سے ہر ایک پر ثواب پاؤ گے اور تمہارا وقت غیر مفید کام میں ضائع نہ ہوگا۔ خبردار! اس گمان پر کہ تقدیر کا فیصلہ ٹال سکو گے' کوئی چال مت چلو:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ.

''اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان پہنچادیں تو خود اسی کے سوا کوئی بھی اس کا ازالہ نہیں کر سکتا ہے۔''

ہم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن ایک فوجی حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں گھس آیا۔ جب ابو یزید آئے' اس کو دیکھا تو ٹھہر گئے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ فلاں کمرہ مین جا کر تازہ لگی ہوئی مٹی کو اکھاڑ ڈالو کیونکہ اس میں کچھ شبہ موجود ہے جونہی وہ مٹی اکھاڑی گئی فوجی نکل بھاگا۔

رہا اپنی بیوی کو ستانا اور تکلیف پہنچانا تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تم پر مسلط کی گئی ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں تم کو کچھ اور طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کو گالی دی تو فوراً اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگے: ''اے اللہ! میرے اس گناہ کو بخش دیجئے جس کی وجہ سے آپ نے اس کو مسلط کیا ہے۔''

اس شخص نے کہا کہ میری بیوی مجھ سے محبت بھی کرتی ہے اور میری خدمت بھی بہت کرتی ہے مگر میری طبیعت میں اس کی نفرت بھری ہوئی ہے۔

میں نے کہا تو تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر صبر کیے رہو' یقیناً تم کو ثواب ملے گا۔ حضرت ابو عثمان نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے کس عمل سے سب سے زیادہ

امید ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''شروع جوانی میں میرے گھر کے لوگ بہت کوشش کرتے رہے کہ میں نکاح کرلوں مگر میں انکار کر دیتا تھا' ایک دن ایک عورت آئی اور کہا اے ابوعثمان! مجھ کو تم سے محبت ہوگئی ہے' تم کو خدا کا واسطہ مجھ سے نکاح کرلو' میں نے اس کے باپ کو جو ایک غریب آدمی تھا بلوایا اور عورت سے اپنا نکاح پڑھوالیا' وہ بیچارہ بہت خوش ہوا۔

جب رات ہوئی اور وہ عورت میرے پاس آئی تو میں نے دیکھا کہ کافی لنگڑی اور بدصورت تھی۔ پھر مزید امتحان یہ تھا کہ اپنی محبت کی وجہ سے مجھ کو باہر نکلنے سے بھی منع کرتی تھی تو میں اس کے لحاظ میں بیٹھ جاتا تھا' کبھی بھی اس سے نفرت کا اظہار نہ ہونے دیا حالانکہ نفرت کی وجہ سے میرا یہ حال تھا گویا میں جھاؤ کے انگارے پر بیٹھا ہوا ہوں۔

اسی حالت میں پندرہ سال گزر گئے۔ آخر کار وہ مرگئی' میرے گمان میں اس کی دلداری سے زیادہ قابل ثواب کوئی عمل میرے پاس نہیں ہے۔''

میں نے اس شخص سے کہا کہ دیکھو یہ ہے مردوں کا طریقہ! بھلا چیخ' پکار اور اظہار نفرت سے کیا ہوسکتا ہے؟ بس اس کے لیے وہی طریقہ ہے جس کو میں ذکر کر چکا ہوں کہ توبہ واستغفار' صبر اور دعا کا دامن تھاما جائے اور ان گناہوں کو سوچا جائے جن کی یہ سزا ہے۔

ان امور میں کوشش کرتے رہو' اگر راستہ کھل جائے تو یہ ایسی بات ہے کہ حساب میں کچھ نہیں رہے گا اور اگر نہ کھلے تو تقدیر پر صبر عبادت ہے۔

اور بتکلف اظہار محبت' اگرچہ دل میں نہ ہو تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

یہ سمجھ لو کہ قید و بند کوئی گناہ نہیں ہے جس پر ملامت کی جائے اس لیے اس ذات کی طرف متوجہ ہو جاؤ جس نے تم کو اس قید میں ڈالا۔ والسلام

انتشار طبیعت کے دو بڑے اسباب

مجلس.... اصل میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھنے والے شخص کو ذکر و عبادت اور احکام کی بجاآوری کے لیے انہماک ضروری ہے اور انہماک کے لیے فکری سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔

جبکہ آدمی کی طبیعت میں شہوتوں کی طرف میلان رکھ دیا گیا ہے جو خود ہی فکری سکون کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا انسان کو اپنی فکر پُرسکون رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ دل اللہ کے ذکر' اس کے احکام پر عمل اور اس کی ملاقات کے لیے تیاری کر سکے اور یہ چیز حاصل ہوتی ہے موانع کو ختم اور رکاوٹوں سے پرہیز کرنے سے جبکہ تمام موانع کا ختم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے جتنا ممکن ہو ان کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

میں نے ان دو چیزوں کے برابر فکر کو منتشر اور قلب کو بارہ بانٹ کرنیوالی کوئی چیز نہیں دیکھی:

(۱) ایک تو یہ کہ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے' اس کو پورا کیا جائے کیونکہ نفس کی خواہشات کسی حد پر ٹھہرتی نہیں ہیں۔ لہٰذا (اس چکر میں پڑ کر) دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور پوری مراد بھی حاصل نہیں ہو پاتی ہے۔

مثلاً خوبصورت عورتوں کی یا مال جمع کرنے کی حرص پیدا ہو جائے یا سرداری کی طلب ہو جائے یا اور اسی طرح کی کوئی خواہش پیدا ہو جائے تو اس وقت ایسا انتشار ہوتا ہے جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا' پھر زندگی برباد ہو جاتی ہے اور تھوڑی مراد بھی پوری نہیں ہو پاتی۔

دوسری چیز لوگوں سے میل جول ہے۔ خصوصاً عوام سے ملنا اور بازاروں میں گھومنا کیونکہ اس وقت طبیعت میں شہوتوں کا تقاضا بیدار ہو کر دنیا سے کوچ کو بھلا دیتا ہے اور انسان عبادت میں سستی' غفلت' راحت اور بیکاری کو پسند کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے میل جول کا عادی ہو اس پر علم یا عمل کی مشغولی بہت گراں ہوتی ہے۔

پھر عوام سے اختلاط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت کرنا اور اوقات کو فضول ضائع کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جو شخص فکر کی جمعیت اور سکون چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ خلوت کو اس طرح اختیار کرلے کہ کسی کی آواز بھی نہ سنے' اس وقت دل کو معرفت کی باتوں اور اچھے مضامین کے ساتھ تنہائی ملے گی اور نفس کو خواہش و شہوت جیسا کوئی ساتھی نہیں مل سکے گا جو اس کو شہوت کی یاد دلائے۔

اور جب کسی سے ملاقات کی ضرورت پڑ جائے تو بہت جلدی ختم کردے' جیسے مینڈک ایک لمحہ کے لیے نکلتا ہے پھر پانی میں لوٹ جاتا ہے۔ یہی خلوت ہی سلامتی کا راستہ ہے اس کے فائدوں پر غور کرتے رہو تو یہ خلوت خوشگوار ہو جائے گی۔

زمانہ کو برا کہنا حرام ہے

مجلس.... میری نگاہ میں لوگوں پر اس سے بڑی کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی کہ وہ ''زمانہ'' کو برا بھلا کہنے اور ''دہر'' پر عیب لگانے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

یہ مرض زمانہ جاہلیت میں تھا۔ پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اور فرمایا:

لَاتَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالدَّهْرُ.

''زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ (لاتا) ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اس ذات کو گالی دینا چاہتے ہو جس نے تمہارے خاندان میں جدائی پیدا کردی اور گھر والوں کو موت دے دی لیکن اس کی نسبت زمانہ کی طرف کردیتے ہو جبکہ اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں۔ (تو گویا تم نے خدا کو گالی دینا چاہا مگر نسبت دوسرے کی طرف کردی۔ نعوذ باللہ)

اب میں حیرت میں ہوں کہ ''بیماروں'' کو کس طرح یہ بات بتلائی جائے جبکہ وہ اسی مرض میں مبتلا ہیں جس میں اہل جاہلیت مبتلا تھے ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی حتیٰ کہ جب بڑے بڑے ادیب ظریف اور ذہین لوگوں کی محفل جمتی ہے تو ان کا شغل بھی یہی زمانے کو برا بھلا کہنا ہوتا ہے۔

کبھی یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ''دنیا'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''دنیا یہ کیا اور دنیا نے یہ بنایا'' حتیٰ کہ میں نے ابوالقاسم حریری کے یہ اشعار دیکھے:

ولما تعامی الدهر وهو ابو الوریٰ   عن الرشد فی انحائه ومقاصده

''جب زمانہ ہی اپنی روش اور اپنی گردش میں راہ راست سے اندھا ہو گیا ہے جبکہ وہی ساری مخلوق کا باپ ہے۔''

تعامیت حتّی قیل انی اخو عمی   ولاغروان یحذو الفتی حذو والده

''تو میں نے بھی اپنے کو اندھا بنالیا تا کہ مجھے بھی اندھا کہا جائے کیونکہ یہ کوئی عجیب

بات نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی روش پر چلے۔"

حالانکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حضرات سمجھدار فقیہ ہیں لیکن اس طرح کے جملوں سے احتیاط نہیں کرتے۔

اگر یہ کہو کہ ان لوگوں کی مراد زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی گردش اور مرور ہے (یعنی اس لیے بولا جاتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے ہی کے دوران حادثات پیش آتے ہیں) تو خود ہی سوچو کہ مرور زمانہ کو کیا اختیار ہوسکتا ہے وہ تو نہ کسی کا قصد کرتا ہے نہ ہدایت و گمراہی کو پہچانتا ہے تو اس کو ملامت کرنے کا کیا مطلب؟ وہ تو کسی کا تابع ہے خود صاحب تدبیر نہیں ہے' خود اسی میں تصرف ہوتا ہے وہ کسی چیز میں تصرف نہیں کرسکتا ہے۔ لہٰذا کوئی سمجھدار آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ جس کی مذمت کی جارہی ہے جو راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے اور جس کا فیصلہ غلط ہے وہ "زمانہ" ہے۔

تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ یہ لوگ اسلام کے بندھن سے نکل گئے ہیں اور ان الزامات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کررہے ہیں کہ اس کی حکمت میں قصور ہے اور ایسے کام کرتا ہے جو نہ کرنا چاہیے تھا۔ جیسا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں کہا تھا:

(اگر ان کا مطلب یہی ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے تو) پھر اس گمراہی کے ساتھ اسلام کا اعتقاد اور نماز روزہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کافروں سے بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا کوئی کام نہ درست کرے اور نہ سیدھا راستہ دکھائے۔"

عمر غنیمت ہے

مجلس.... اپنی اور ساری مخلوق کی ایک عجیب کیفیت یہ دیکھتا ہوں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عمر کی مدت مختصر ہے اور یہاں کے عمل کے بقدر ہی آخرت میں ثواب زیادہ ہوگا ان اعمال سے غفلت ہے جو ابھی ہمارے اختیار میں ہیں۔

---

[1] مصنف کا یہ غصہ بالکل بجا ہے۔ یقیناً شریعت میں زمانہ کو برا کہنے کی سخت ممانعت ہے کیونکہ یہ برائی لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جاتی ہے۔ جیسا کہ ابھی مصنف نے ذکر فرمایا ہے۔ البتہ جن حضرات کے کلام میں اس طرح کی شاعرانہ باتیں ملیں تو حضرات علماء نے اس کی تاویل کی ہے' کفر کا فتویٰ نہیں لگایا ہے۔ لہٰذا کہہ کر گزر جانے والوں کی تاویل کی جائے اور خود ایسی حرکت سے پرہیز کیا جائے جس میں کفر کا اندیشہ ہو' اللہ تعالیٰ ہم کو ہر طرح کی آفت سے بچائیں۔ آمین ۱۲ حمزہ

پس اے مختصر سی عمر والے! اپنے ایک ایک دن کو غنیمت جان اور کوچ کی گھڑی کا انتظار کر۔

خبردار! اپنے دل کو ایسے کام میں مشغول نہ کر جس کے لیے وہ پیدا نہ کیا گیا ہو۔

اپنے نفس کو تلخی پر آمادہ کر، انکار کرے تو جھڑکی دے کر آگے بڑھا اور اس کی رسی ڈھیلی نہ ہونے دے کیونکہ تو ایک چراگاہ میں ہے (جہاں دوسرے کے بھی کھیت ہیں)

جو شخص جنگ کے میدان میں دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو اس کا جنگ کے علاوہ کسی اور مشغلے میں لگنا بہت برا ہے۔

راز چھپاؤ

مجلس.... میں اس حقیقت کو اپنی اس کتاب میں کئی مرتبہ دُہرا چکا ہوں کہ راز کی حفاظت کرو اور لوگوں کے سامنے اتنا نہ کھل جاؤ جو مناسب حد سے آگے بڑھ جائے۔

کیونکہ بہت سے ایسے ہوئے جو کسی کو دوست سمجھ کر اس کے سامنے کھل گئے اور کسی دوست یا بادشاہ کے متعلق یہ سمجھ کر کہ مجھ پر کوئی الزام نہ آئے گا کوئی جملہ کہہ دیا اور وہی جملہ ان کی ہلاکت کا سبب ہو گیا اس لیے میں اس (بھولے بھالے) صاف دل شخص کو جو ہر ایک کے متعلق خوش گمان رہتا ہے نصیحت کرتا ہوں کہ لوگوں سے محتاط رہے اور کسی بھی شخص کے متعلق کوئی نامناسب جملہ نہ کہے۔

اور ایسے شخص پر بھی بھروسہ نہ کرے، جو دوستی یا دینداری ظاہر کرتا ہو کیونکہ اب خباثت عام ہو گئی ہے۔

حقیقی تسبیح و استغفار

مجلس.... میں نے زیادہ تر لوگوں کی عبادتوں کو غور سے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ عبادت کے بجائے عادت ہیں جبکہ بیدار طبیعت لوگوں کی عادتیں بھی عبادت ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ غافل عادۃً ''سبحان اللہ'' کہتا ہے اور ہوش مند عجیب عجیب مخلوقات اور خالق کی عظمت کو سوچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ متحیر ہو کر بول اُٹھتا ہے ''سبحان اللہ''

اگر کوئی انسان ایک انار کو سوچے اور دیکھے کہ کس طرح اس کے دانوں کو ترتیب سے رکھا پھر دانوں کو پردوں کے ذریعے سکڑنے سے محفوظ کیا۔ کھجور کی گٹھلی پر پانی رکھا اور پردہ

لگا کر اس کو محفوظ کیا' انڈے کے پیٹ میں بچہ کی تصویر کشی کی اور ماں کے رحم میں آدمی کا نقش بنایا' اسی طرح باقی مخلوقات پر بھی غور کرے تو یہ فکر اور سوچ اس کے اندر خالق کی اتنی عظمت پیدا کر دیتی ہے کہ کہہ اُٹھتا ہے۔ ''سبحان اللہ''

تو یہ تسبیح فکر کا نتیجہ ہے اور یہی بیدار حضرات کی تسبیح ہے پھر ان کی فکر اسی طرح گردش کرتی رہتی ہے تو ان تسبیحات کے ذریعے ان کی عبادتیں حقیقت میں عبادت بن جاتی ہیں۔

ایسے ہی یہ حضرات اپنے گزشتہ گناہوں کی خرابیوں کو سوچتے رہتے ہیں تو اس سے دل میں قلق اور طبیعت میں شرمندگی پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہہ اُٹھتے ہیں ''استغفر اللہ'' یہی ہے حقیقی تسبیح واستغفار!

جبکہ غافل لوگ یہ جملہ عادتاً کہتے ہیں۔ لہٰذا کتنا فرق ہے دونوں جماعتوں کے اندر؟

خلوت پرہیز ہے

مجلس.... جب تک مخلوق سے بالکل کنارہ کشی اختیار نہ کر لی جائے نہ عبادت ڈھنگ سے ہو سکتی ہے نہ تصوف کے اشغال اور نہ آخرت کے امور کی انجام دہی' آدمی اس قدر کنارہ کش ہو جائے کہ نہ لوگوں کو دیکھے' نہ ان کی باتیں سنے البتہ ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں مثلاً جمعہ کی نماز یا پنج وقتہ جماعت وغیرہ مگر ان اوقات میں بھی لوگوں سے محتاط رہے۔

اگر عالم ہے اور علم سے نفع رسانی چاہتا ہے تو ایک معین وقت لوگوں کو بتلا دے اور اس میں بھی ان کو بولنے کا موقع نہ دے۔

اب جو شخص آج کے دور میں بازاروں میں چلے پھرے' اس تاریک دنیا میں خرید فروخت کرے اور طرح طرح کے منکرات اور گناہ کے کاموں کو دیکھے تو گھر لوٹتے وقت اس کا دل تاریک ہو چکا ہوگا۔

لہٰذا مرید اور سالک کو چاہیے کہ اگر نکلے تو صحراؤں اور قبرستانوں میں جائے (بازاروں میں نہ پھرے)

حضرات سلف خرید وفروخت کرتے تھے اور احتیاط بھی کرتے تھے اس کے باوجود ان میں سے بعض صاف دل حضرات کے لیے کوئی وقت صاف نہیں رہ گیا تو مخلوق سے الگ

ہو گئے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں عبادت اور تجارت دونوں کرتا تھا لیکن دونوں جمع نہیں ہو سکے تو میں نے عبادت کو اختیار کر لیا۔''

اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے: **الاسواق تلهی وتلغی.** **(الحدیث)**

''بازار آدمی کو غافل اور فضولیات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔''

پس جو شخص اس نافع پرہیز پر قادر ہو پھر اختلاط یا اہل خانہ کے لیے کمانے پر مجبور ہو جائے تو اس کو ویسے ہی بچ کر چلنا چاہیے جیسے کانٹے دار جھاڑی میں آدمی چلتا ہے پھر بھی سلامتی کی امید بہت کم ہے۔

دل کی صفائی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے

مجلس.... جس کو پاکیزہ قلب اور مناجات کی لذت حاصل ہو وہ اپنے اس حال کی نگرانی رکھے اور اس کے بدل جانے سے محتاط رہے جبکہ یہ حال تقویٰ ہی سے باقی رہ سکتا ہے۔

دراصل مجھ کو ایک پاکیزہ قلب اور شیریں مناجات سے نوازا گیا تھا۔ پھر ایک صاحب منصب حاکم نے اپنے وہاں کھانے پر بلایا جس سے بچنا میرے بس میں نہیں تھا تو میں حاضر ہوا اور کھانے میں بھی شریک ہوا جس کے نتیجے میں مجھے سخت حالات پیش آئے اور میں نے فوراً ہی سزا کا مشاہدہ کر لیا۔ پھر وہ حالات کافی دنوں تک باقی رہے' میرا دل مجھ سے ناراض ہو گیا اور جو کچھ کیفیات تھیں' سب رخصت ہو گئیں۔

تو میں نے کہا کہ ہائے تعجب! میں تو اس دعوت میں مجبور ہو کر شریک ہوا تھا۔ (پھر یہ سزا کیوں ہے؟) مگر جب قاعدہ سے سوچا تو خیال ہوا کہ چند لقموں سے بھی دلداری کی جا سکتی تھی لیکن خواہش نفس نے تاویل کے ذریعے اس سے زیادہ کھلا دیا جتنے سے ٹالنا اس کو ممکن تھا۔ اس پر نفس نے کہا کہ مجھ کو کہاں معلوم تھا کہ عین وہ کھانا حرام تھا؟ تو بیداری نے جواب دیا کہ پھر شبہات سے پرہیزگاری کا موقع کیا ہے؟

حاصل یہ کہ جب میں نے تاویل سے ایسا لقمہ کھا لیا اور طبیعت نے اس کو پر لطف سمجھا تو دل کی کیفیات کے ختم ہو جانے کی وجہ سے مجھ کو دو خرابیاں پیش آئیں۔ (ایک تو کیفیات کا نقصان ہوا' دوسرے ورع پر عمل نہ ہو سکا)۔ ''فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ''

مؤمن کے تصورات

مجلس.....چونکہ مؤمن کو آخرت کی دُھن لگی رہتی ہے' اس لیے دنیا کی ہر چیز اس کو آخرت کی یاد پر اُبھارتی ہے اور جس کو کوئی چیز اپنی طرف متوجہ کرلے تو سمجھ لو کہ اس کا شغل وہی ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اگر چند پیشے والے کسی آباد مکان میں جاتے ہیں تو کپڑا بیچنے والا فرش اور بستر کو دیکھتا ہے اور اس کی قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔ بڑھئی کی نظر چھت کی کڑیوں (اور دروازے کی لکڑیوں) پر پڑتی ہے' معمار دیواروں کو دیکھتا ہے اور جولاہا بنے ہوئے کپڑوں اور پردوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ایسے ہی مؤمن بھی جب تاریکی دیکھتا ہے تو اس کو قبر کی تاریکی یاد آجاتی ہے' کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو عذاب کو سوچتا ہے' اگر تیز گھبرا دینے والی آواز سنتا ہے تو نفخہ صور کو یاد کرتا ہے۔ لوگوں کو سوتا ہوا دیکھتا ہے تو قبر کے مردے یاد آجاتے ہیں اور کوئی لذت پاتا ہے تو جنت کو یاد کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی ساری توجہ آخرت ہی کی طرف ہوتی ہے جو یہاں کی ہر نعمت سے اس کو غافل کیے ہوئے ہے۔

سب سے بڑا تصور جو اس کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ سوچتا ہے کہ جنت میں ہمیشہ کا قیام ہوگا۔ اس کی بقاء پر فنا اور زوال نہیں آئے گا' ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی اور جس وقت وہ اپنے کو ان دائمی لذتوں میں جن کے لیے فنا نہیں ہے' لطف اندوز ہوتے ہوئے تصور کرتا ہے تو مستی سے پھڑک اُٹھتا ہے اور اس پر جنت کے راستے میں پیش آنے والی تکلیفیں مثلاً درد و غم' بیماری' آزمائش' رشتہ داروں کی موت' اعزہ کی جدائیگی اور کڑوے گھونٹوں پر صبر وغیرہ آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ کعبہ شریف کے مشتاقوں پر صحرائے زرود[1] کی ریت گوارا ہو جاتی ہے اور صحت کا خواہش مند دوا کی کڑواہٹ کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اور وہ جانتا ہے کہ پھل کی عمدگی یہاں کے بیج کی عمدگی پر موقوف ہے اس لیے عمدہ سے عمدہ بیج منتخب کرتا ہے اور زندگی کے موسم خریف میں بغیر کسی سستی کے کھیتی کر لینے کو غنیمت سمجھتا ہے۔

پھر مؤمن تصور کرتا ہے کہ کہیں جہنم اور سزا کا معاملہ نہ پیش آوے' یہ سوچ کر اس کی

---

[1] صحرائے زرود عرب کا ایک بڑا ریگستان صحرا ہے

زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور قلق بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا اس کے پاس دونوں حالتوں میں دنیا اور سامان دنیا سے بے رُخی رہتی ہے اور اس کا دل کبھی تو شوق کے میدانوں میں دوڑتا ہے اور کبھی خوف کے صحرا میں حیران رہتا ہے اس لیے وہ عمارتوں پر نگاہ نہیں رکھتا۔

تو پھر جب موت آتی ہے تو چونکہ دل سلامتی کی وجہ سے مضبوط اور اپنے لیے نجات کا امیدوار ہوتا ہے اس لیے آسان ہو جاتی ہے۔

پھر جب قبر کے اندر اترے گا اور سوال کرنے والے فرشتے آئیں گے تو ایک دوسرے سے کہے گا کہ اس کو چھوڑ دو ابھی تو اس کو راحت ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسی کامل بیداری عطا فرمائیں جو فضائل کے حصول کی تحریک پیدا کرے اور رذائل کو اختیار کرنے سے روکے۔ یقیناً اگر اس نے توفیق دے دی تو بیڑا پار ہے ورنہ پھر کوئی چیز نافع نہیں ہے۔

انتخاب کے اسباب

مجلس.....میں نے اپنا آقا و مولا جل جلالہ کا ایک عجیب معاملہ دیکھا وہ یہ کہ وہ اپنی محبت اور قرب کے لیے ایسے ہی شخص کا انتخاب کرتا ہے جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے کامل ہو۔

ظاہر کے کمال سے مراد رنگ و روغن اور ناک نقشہ کا حسن نہیں ہے بلکہ اعضاء کا اعتدال ہے اور معتدل اعضاء حسن سے خالی نہیں ہوتے ہیں۔ پھر جب ظاہر معتدل ہو تو اس کے ساتھ باطنی خوبصورتی یعنی اخلاق کا کمال بھی حاصل ہوتا ہے اور رذائل ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا باطن میں کوئی خبث و فساد اور رذیلہ نہیں نظر آتا ہے بلکہ ظاہر کی طرح وہ بھی حسین ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے خوبصورت تھے کہ جو آپ کو دیکھتا فدا ہو جاتا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو چودھویں کے چاند سے بھی بڑھ کر تھے۔ کبھی کوئی ولی بظاہر کالے رنگ کا ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے نہایت حسین صورت اور لطیف طبیعت کا ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ انسان میں جس قدر ظاہری و باطنی کمال ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ پھر اعمال کے بقدر اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ کوئی تو باہر دروازہ کا نگراں

ہوتا ہے' کوئی اندر کا دربان ہوتا ہے اور بعض مقرب خادم کی طرح ہوتے ہیں جبکہ ایسا شخص بہت نادر ہے جس کو دونوں پہلوؤں سے کمال حاصل ہو۔ شاید سو سال میں کوئی ایک ہو جاتا ہو۔

اور یہ چیز اپنی کوشش سے نہیں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ کوشش اور محنت وہی کرتا ہے جس کو یہ صفت حاصل ہو کیونکہ یہ صفت جب کامل ہو گئی تو اپنے اندر کمی دیکھ کر کوشش پر آمادہ کر دے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں ہے کیونکہ یہ فطری چیز ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ:

اِذَا اَرَادَکَ لِاَمْرٍ ھَیَّاکَ لَهٗ.

''جب کسی مرتبہ کے لیے تمہارا انتخاب کر لیں گے تو اس کے لیے تیار بھی کر دیں گے۔''

حکیم مطلق کے فیصلوں میں عقل کو دخل نہ دو

مجلس..... میں نے ایسے لوگوں کے متعلق سوچا ہے جو عقل کے مدعی ہو کر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا جائے کہ جس عقل سے تم اس کی حکمت پر اعتراض و انکار کر رہے ہو کیا یہ عقل اسی کا عطیہ نہیں ہے؟ بھلا بتاؤ! کیا اس نے تم کو کمال عطا کر دیا اور خود نقص پر راضی ہو گیا؟ یہ تو کھلا ہوا کفر ہے جو قباحت میں انکارِ ذات سے بھی بڑھ کر ہے۔

ان میں سب سے پہلا معترض ابلیس ہے اس نے اپنی عقل سے سوچا کہ آگ کا مادہ مٹی کے مادے سے بہتر ہے۔ لہٰذا خالق کی حکمت کا انکار کر دیا۔ پھر اسی کے نقش قدم پر بہت سے معترضین چلے۔ مثلاً ''ابن الراوندی اور المعری'' جبکہ یہ ملعون المعری کہتا تھا کہ ''حجاج بن یوسف پر حماقت اور ظلم کا عیب کیسے لگایا جائے جبکہ زمانہ اس سے زیادہ بدکردار ہے۔''

تم ہی بتاؤ کیا ''زمانہ'' سے اس کی مراد زمانہ ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اوقات کی گردش میں کسی فعل کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ دراصل اس کا اشارہ اللہ جل جلالہ کی طرف تھا اور اس کا حال یہ تھا کہ وہ یہ گمان باندھ کر کہ مرنے کے بعد راحت پا جائے گا' موت کی دعا کیا کرتا تھا' لوگوں کو نکاح اور قربانی کو چھوڑنے کی نصیحت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انسانوں کو پیدا کرنے میں سوائے اس کے کہ تھکنا' مشقت میں پڑنا اور انجام کار بدن کا سڑ گل جانا ہو گا اور کوئی حکمت نہیں ہے حالانکہ اگر اس کا گمان درست ہوتا تو پھر یہ خلق اور ایجاد عبث و فضول

ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فعل عبث سے پاک ہیں، فرماتے ہیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً.

''ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزیں فضول نہیں پیدا کی ہیں۔''

جب وہ چیزیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں عبث نہیں ہیں تو پھر ہم اس کی معرفت کے ٹھکانے اور اس کے احکام تکلیفیہ کے محل ہیں، کیا عبث ہی پیدا کر دیئے گئے ہیں۔

یقیناً ایسی جہالت اسی شخص سے صادر ہوسکتی ہے جو عقل کے ان فیصلوں پر اعتماد کرتا ہے جو ظاہر کو دیکھ کر عقل میں آتے ہیں۔ مثلاً دیکھتا ہے کہ ایک بنی بنائی عمارت توڑی جارہی ہے تو عقل محض کو اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی حالانکہ اگر حکمت ظاہر ہو جاتی تو یقین کر لیتی کہ توڑنا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کشتی توڑنے اور غلام کو قتل کرنے کی حکمت ظاہر ہوئی۔

یہ بات معلوم ہے کہ جانور کو ذبح کرنا، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور کھانے کو چبانا، ان کے اندر اپنی ذات میں کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اس بدن کی غذا ہے جو ذبح کیے جانے والے جانور سے اشرف اور اعلیٰ ہے تو یہی فعل اچھا ہو گیا۔

ہائے تعجب! کیا عقلیں اس حکیم مطلق کی اطاعت کو لازم نہیں کہتی ہیں جس کی مخلوقات بھی حکمت سمجھنے سے خود عاجز ہیں؟ پھر بتاؤ کیسے اس کے مقابلہ پر آنے اور اس پر اعتراض کرنے کی ہمت کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسوائی اور اپنے تعلق کی محرومی سے پناہ میں رکھیں۔

حکمرانوں کو نصیحت کا طریقہ

مجلس.....جو شخص بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کرنا چاہے اس کو بے حد نرمی اختیار کرنے کی ضرورت ہے ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے ان کا ظالم ہونا ظاہر ہو کیونکہ بادشاہوں کو اپنے دبدبہ اور غلبہ کا بڑا خیال ہوتا ہے اس لیے اگر ڈانٹ اور توبیخ سے کام لے گا تو اس میں ان کی ذلت ہے اور وہ لوگ ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ اپنی نصیحت کے ساتھ حکومت کی فضیلت اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب کی روایت کو بھی شامل کر لے اور گزشتہ عادل بادشاہوں کے حالات سنائے۔

نصیحت سے پہلے بادشاہ کا مزاج دیکھ لینا چاہیے۔ اگر اس کی سیرت اچھی ہو اور بھلائی کا ارادہ رکھنے والا ہو، جیسا کہ منصور بن عمار وغیرہ کا معاملہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ تھا کہ وہ ہارون رشید کو نصیحت کرتے تھے اور ہارون رشید روتے تھے تو وعظ و نصیحت زیادہ سے زیادہ کرے اور اگر ظالم ہو، جاہل ہو، خیر کی طرف التفات نہ کرتا ہو تو اس کی کوشش کرے کہ نہ اس کے سامنے آوے اور نہ نصیحت کرے اس لیے کہ اگر سامنے آیا اور نصیحت کی تو اپنے کو خطرہ میں ڈالے گا اور اگر مدح سرائی کی تو مداہن ہو جائے گا۔

لیکن اگر ایسے کسی بادشاہ کو نصیحت کرنے پر مجبور ہو جائے تو اشارہ کنایہ میں بات کرے۔ (صاف صاف اس کو نہ کہے)

پہلے تو بہت سے بادشاہ ایسے ہوئے ہیں جو نصیحت کے وقت نرم پڑ جاتے تھے اور واعظوں کی بات برداشت کر لیتے تھے حتیٰ کہ خلیفہ منصور عباس کے منہ پر کہا جاتا تھا کہ تم ظالم ہو مگر وہ برداشت کر لیتا تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اکثر حکمرانوں میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور علماء ان سے مداہنت کرنے لگے ہیں اور جو مداہنت نہ کرنا چاہے وہ صحیح بات قبول کر لینے کی امید نہیں رکھتا ہے اس لیے خاموش رہتا ہے۔

پہلے تو حکومت وہی مانگتا تھا جو علم میں مضبوط اور تجربوں سے آراستہ ہوتا تھا لیکن اب اکثر حکام جہالت میں برابر ہوتے ہیں اور حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں پہنچتی ہے جو اس کا اہل نہ ہو اس لیے ایسے لوگوں سے احتیاط اور دوری ہی بہتر ہے۔

البتہ جو شخص ایسوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی آزمائش میں پڑ ہی جائے تو اس کو چاہیے کہ جو کچھ کہے بہت محتاط ہو کر کہے، ان کی پسندیدگی اور حسن قبول پر مغرور نہ ہو کیونکہ اگر ایک جملہ بھی ان کی اغراض کے خلاف نکلا تو ان کی حرارت جوش میں آ جائے گی۔

بادشاہ کو نصیحت کرنے والا خبردار دوسرے حاکموں اور گورنروں کی شکایت نہ کرے ورنہ اگر انہوں نے سن لیا تو پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں بادشاہ ہمارا حال نہ جانچنے لگے اور

سارا کام گڑبڑ ہو جائے' سب اسی واعظ کو ختم کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے۔

ویسے اس زمانہ میں بادشاہوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے اور نصیحت کرنے سے خاموشی ہی میں عافیت ہے مگر جو مبتلا ہو ہی جائے وہ بہت نرمی سے کام لے اور نصیحت کا مخاطب عوام کو بنائے۔ اس طرح کہ وہ سن لیں' خاص انہی کو کچھ نہ کہے۔ "واللہ الموفق"

جھوٹے مدعیان نبوت اور ہمارے نبی

مجلس.... "حق" باطل کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا ہے اس لیے باطل سے وہی شخص دھوکہ کھاتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور یہ اصول نبوت کے دعویداروں میں بھی جاری ہوتا ہے اور کرامت کے مدعیوں میں بھی۔

نبوتوں کا حال یہ ہے کہ بہتوں نے اس کا دعویٰ کیا مگر ان کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں اور رسوائیاں عام ہو گئیں اور ایسے افعال ظاہر ہوئے جن سے ہمت کی پستی اور خواہش پرستی معلوم ہوتی تھی اور اقوال و افعال میں ایسی کمزوری اور خرابی دیکھی گئی جس سے رسوائی اور ذلت ہی نصیب میں آسکی۔

چنانچہ ان جھوٹے مدعیان نبوت میں ایک شخص "اَسوَدْ عَنْسِیْ" ہے۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب "ذوالحمارہ" (گدھے والا) رکھا کیونکہ کہتا تھا کہ میرے پاس ایک گدھے والا (یعنی گدھے پر سوار فرشتہ) آتا ہے۔ شروع میں کاہن تھا' شعبدے دکھلاتا تھا اور عجیب عجیب تماشا کرتا تھا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دور میں نبوت کا مدعی بنا تو اس سے "مذحج" نے خط و کتابت کی اور "نجران" کا وعدہ کر لیا۔ پھر ان سبھوں نے حضرت عمرو بن حزم اور خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نکال دیا۔ اس طرح "یمن" پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ پھر شہر بن باذان سے جنگ کرتے ہوئے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس نے خود اس کے قتل میں مدد دی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہلاک ہو گیا اور عقل مندوں پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ شعبدہ باز تھا۔

انہی میں سے "مُسَیْلَمہ" ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے کو "رحمٰن الیمامہ" کہلاتا تھا کیونکہ کہا کرتا تھا کہ جو (فرشتہ) میرے پاس آتا ہے وہ "رحمٰن" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور دعویٰ کیا کہ مجھ کو نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک بنایا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتا بھی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ "آپ جھوٹے ہیں" (نعوذ باللہ) پھر ایسا قرآن پیش کیا جس کو سن کر لوگ ہنستے تھے۔ مثلاً:

یَاضِفْدِعُ بِنْتُ ضِفْدِ عَیْنِ نَقِّی مَاتُنَقِّیْنَ اَعْلَاکَ فِی الْمَاءِ وَاَسْفَلَکَ فِی الطِّیْنِ.

"اے مینڈک! دو مینڈکوں کی اولاد' اللہ نے صاف کر دیا تیری خوراک کو پانی میں تجھ کو اونچا کیا اور مٹی میں نیچا کیا۔"

اور وَمِنَ الْعَجَائِبِ شَاۃٌ سَوْدَآءُ تَحْلِبُ لَبَنًا اَبْیَضَ.

"عجائبات میں سے ہے کہ کالی بکری سفید دودھ دیتی ہے۔"

لہٰذا فصاحت میں بھی اس کا عیب کھل گیا۔ اسی طرح اس نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو اس کا بال جھڑ گیا' ایک کنویں میں تھوکا تو خشک ہو گیا۔

"سجاح" نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے مسیلمہ نے نکاح کیا تو سجاح کے لوگوں نے کہا کہ مہر کیا ہوگا؟ مسیلمہ نے کہا کہ مہر یہ ہے کہ میں نے تم لوگوں سے فجر اور عشاء کی نماز ختم کر دی ہے۔

اس "سجاح" نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دعویٰ نبوت کیا تھا اور ایک جماعت اس پر ایمان لائی تھی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

اَعِدُّوا الرِّکَابَ وَاسْتَعِدُّوْا لِلنِّھَابِ ثُمَّ اعْبُرُوْا عَلَی الرِّبَابِ فَلَیْسَ دُوْنَھُمْ حِجَابٌ فَقَاتِلُوْھُمْ.

"اونٹوں کو تیار کرو جھپٹنے کے لیے مستعد ہو جاؤ' پھر ٹولیوں پر گزرو کیونکہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر ان سے جنگ کرو۔"

پھر یمامہ کی طرف بڑھی تو مسیلمہ ڈر گیا اور ایلچی کے ساتھ ہدایہ اور تحائف بھیجے۔ سجاح (متاثر ہوگئی اور) مسیلمہ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ مجھ کو سناؤ' جبرئیل تمہارے

پاس کیالائے ہیں؟

مسیلمہ نے پڑھا: **اِنَّکُنَّ مَعْشَرالنِّسَاءِ خُلِقْتُنَّ اَفْوَاجًا وَجُعِلْتُنَّ لَنَا اَزْوَاجًا نُوْلِجُهٗ فِیْکُنَّ اِیْلَاجًا.**

''تم لوگ اے عورتو! پیدا کی گئی ہو فوج در فوج اور بنائی گئی ہو ہمارے لیے بیویاں، ہم تم سے ہم بستری کرتے ہیں اچھی طرح۔''

سجاح نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ تم یقیناً نبی ہو۔

مسیلمہ نے کہا: تو پھر کوٹھری میں چلو' تمہارے لیے بستر تیار ہے' پھر اگر چاہو تو چت لیٹ کر' یا چار زانو بیٹھ کر یا پھر جھک کر اور اگر چاہو تو پوری طرح لیٹ کر' اس نے کہا بس اچھی طرح لیٹ کر ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس میں لذت زیادہ ہے۔

لہٰذا خود اپنے سمجھ دار ساتھیوں ہی کے نزدیک ذلیل ہوگئی۔ عطارد ابن حاجب نے کہا:

اضحت نبیتنا انثیٰ یطاف بها　　واصبحت انبیاء الناس ذکرانا

''ہماری نبیہ ایسی عورت ہوئی جس کے گرد چکر لگایا جاتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے نبی مرد ہوئے۔''

فلعنة اللّٰه رب النّاس کلهم　　علیٰ سجاح ومن بالافک اغوانا

''لہٰذا اس اللہ کی جو سارے لوگوں کا رب ہے' لعنت ہو' سجاح پر اور اس شخص پر جس نے جھوٹ سے ہم کو دھوکہ دیا۔''

اعنی مسیلمة الکذاب لاسقیت　　اصداءُ ہٗ من رعیت حیثما کانا

''یعنی مسیلمہ کذاب! خدا کرے جہاں بھی دونوں رہیں کبھی دونوں کی پیاس نہ بجھ سکے۔''

پھر اس نے اپنی گمراہی سے رجوع کرلیا اور اسلام لائی جب کہ مسیلمہ کی رسوائیاں روز بروز بڑھتی گئیں' یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

انہی مدعیان نبوت میں سے طلیحہ بن خویلد ہے۔ یہ مسیلمہ کے دعوئ نبوت کے بعد ظاہر ہوا۔ بہت سے لوگ اس کے پیچھے ہو گئے اور ''سمیرا'' میں قیام کیا۔ اس کو ''ذوالنون'' کہا جاتا ہے کیونکہ کہتا تھا کہ جو (فرشتہ) میرے پاس آتا ہے' اس کا نام ''ذو النّون'' ہے۔

اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے: **ان اللّٰه لایصنع بتعفیر وجوهکم ولاقبح**

ادبار کم شَیْئًا فاذکروا اللہ اَعِفَّۃً وَّقِیَامًا.

''اللہ کو تمہارے چہروں کی خاک آلودگی اور تمہاری سرینوں کی بیہودگی سے کچھ کام نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا ذکر پاک دامن ہو کر کھڑے ہو کر کیا کرو۔''

اور اس کے قرآن کا نمونہ یہ ہے:

والحمام والیمام والصرد الصوام' لیبلغن ملکنا العراق والشام.

''کبوتر اور فاختہ کی قسم! روزہ رہنے والے بڑے لشکر کی قسم! ہماری حکومت عراق اور شام تک پہنچ جائے گی۔''

عیینہ بن حصین نے اس کی پیروی کی تھی۔ جب خالد بن عیینہ اس کے مقابلے میں آیا تو عیینہ بھاگ کر طلیحہ کے پاس پہنچا اور کہا بتاؤ کیا کوئی فرشتہ تمہارے پاس آیا؟ طلیحہ نے کہا نہیں واپس جاؤ اور جنگ کرو۔ اس نے جنگ شروع کی پھر آیا اور پوچھا کہ کیا آ گیا؟ اس نے کہا کہ نہیں' عیینہ لوٹ گیا اور جنگ میں مشغول ہو گیا۔ پھر آیا اور پوچھا کہ کیا آ گیا؟ طلیحہ نے کہا ہاں آ گیا ہے؟ پوچھا کہ پھر اس نے تم سے کیا کہا؟ کہا کہ وہ کہہ گیا ہے کہ تمہارے لیے ایسا لشکر ہو گا جسے تم بھول نہیں سکو گے۔ پس عیینہ پکار اُٹھا کہ ''خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے''

چنانچہ اس کے پیرو شکست کھا کر لوٹے اور یہ بھاگ کر شام چلا گیا۔ پھر اسلام لایا اور مسلمان ہوا' پھر ''نہاوند'' میں شہید ہو گیا۔

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنی یربوع کا ایک شخص جس کا نام ''جندب بن کلثوم'' اور لقب ''کردان'' تھا۔ اس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور دعویٰ یہ کرتا تھا کہ اس کی نبوت کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوہے اور مٹی کی کیلوں میں چراغ جلا دیتا ہے جس کی حقیقت یہ تھی کہ اس میں روغن بیلساں[1] مل دیتا تھا اس لیے آگ روشن ہو جاتی تھی۔

ایک اور شخص نے جس کا نام ''کہمش کلابی'' تھا' نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے:

ایھا الجائع اشرب لبنًا تُشبَعُ' وَلا تضرب الَّذِیْ لاینفع' فاِنَّہٗ لیس بمُقنعٍ.

---

[1] ایک درخت ہے جس کے پھول چھوٹے سفید اور پتے تلی کی مانند ہوتے ہیں۔ ۱۲ حمزہ

''اے بھوکے! دودھ پی، آسودہ کر دیا جائے گا اور اس کو مت مار جو نفع نہ دے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔''

اور یہ دعویٰ کیا کہ میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ اگر مجھ کو (بھوکے) درندوں کے درمیان ڈال دیا جائے تو وہ مجھ کو کھا نہیں سکتے جس کی تدبیر یہ کر رکھی تھی کہ روغن غار[1]، حجر برسان جلی ہوئی سیپی، سمندر کی جھاگ اور جلی پیسی سیپ اور کچھ ایلوا وغیرہ لے کر اپنے جسم پر مل لیتا تھا اور جب درندے قریب آ کر ان چیزوں کی بو سونگھتے تو بھاگتے تھے۔

اسی طرح ''طائف'' میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا جس کا نام ''ابو جعوانہ عامری'' تھا۔ اس نے یہ معجزہ پیش کیا کہ اگر روئی میں آگ ڈال دوں تو روئی جلے گی نہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس میں ایک مشہور تیل چھڑک دیا کرتا تھا۔

انہی میں سے بنوسعد بن زُہیر کا ''ہذیل بن یعفور'' ہے۔ ''اِصْمَعِیُ'' نے نقل کیا ہے کہ اس نے سورہ اخلاص کے مقابلہ میں ایک سورہ بنائی تھی۔

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اِلٰهٌ كَالْاَسَدِ. جَالِسٌ عَلَى الرَّصَدِ. لَايَفُوْتُهٗ اَحَدٌ''

''کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے، ایک معبود ہے شیر کی طرح، بیٹھا ہوا ہے گھات میں، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔''

انہی میں ''هذیل بن واسع'' ہے۔ کہتا تھا کہ میں نابغہ ذبیانی کی اولاد میں سے ہوں۔ اس نے سورہ کوثر کا مقابلہ کیا تھا۔

ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ تو اس نے سنایا:

''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْجَوَاهِرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَجَاهِرْ فَمَا يَرُدُّكَ اِلَّا كُلُّ فَاجِرٍ''

''ہم نے تم کو موتی عطا کیے ہیں۔ لہٰذا اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور بلند آواز سے پکارو تو تمہاری تردید وہی کرے گا جو بدکار ہو گا۔''

کچھ دنوں کے بعد ''سِنْوِدِیْ'' اس پر غالب آ گیا اور قتل کر کے ایک ستون (عمود) پر لٹکا دیا تو جب اس شخص کا گزر ہوا (جس کو اس نے اپنی سورہ سنائی تھی) تو اس نے کہا:

---

[1] ایک قسم کا درخت۔ ۱۲ احمزہ

اِنَّا اَعۡطَیۡنَاکَ الۡعَمُوۡدَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ مِنۡ قُعُوۡدٍ. بِلاَ رُکُوۡعٍ وَّلاَ سُجُوۡدٍ. فَمَآ اَرَاکَ تعُوۡدُ (ہم نے تم کو ستون دیئے۔لہٰذا اپنے رب کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھو‘بغیر رکوع اور سجود کے‘ہم نہیں سمجھتے کہ تم اب لوٹو گے)

انہی لوگوں میں سے جنہوں نے ظاہر ہو کر وحی کا دعویٰ کیا ’’مختار ابن ابی عبید ثقفی‘‘ بھی ہے۔ یہ شخص اپنے دعویٰ میں بہت خبط کرتا تھا اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ کہتا تھا کہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہوں پھر قتل کر دیا گیا۔

انہی میں ’’حنظلہ بن یزید کوفی‘‘ ہے۔کہا کرتا تھا کہ میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں شیشہ کی بوتل میں انڈا داخل کر کے صحیح سالم نکال سکتا ہوں اور کرتا یہ تھا کہ انڈے کو دیر تک کھٹے سرکہ میں بھگوئے رکھتا جس سے اس کا چھلکا نرم ہو جاتا‘ پھر بوتل میں پانی ڈالتا اور انڈا داخل کر دیتا تھا تو انڈا پانی سے مل کر سخت ہو جاتا تھا۔

اور بھی بہت سے لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جیسے ’’زرادشت‘‘ اور ’’مانی‘‘ وغیرہما مگر رسوا ہوئے اور کوئی بھی مدعی ایسا نہیں ہوا کہ جس کو لوگوں نے آخر کار چھوڑ نہ دیا ہو۔

’’قرامطہ‘‘ بھی بہت سے شعبدے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان کا اور ان کے تمام شعبدوں کا ذکر اپنی کتاب ’’**المنتظم فی تاریخ الملوک والاُمَمِ**‘‘ میں کیا ہے اور ان میں بھی کوئی ایسا نہیں ہوا جس کو سوائے رسوائی کے کچھ ہاتھ آیا ہو۔

اس کے برخلاف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی صحت پر سورج سے زیادہ روشن دلیلیں قائم ہیں۔

چنانچہ دیکھو کہ آپ فقر کی حالت میں ظاہر ہوئے اور ساری مخلوق آپ کی دشمن تھی۔ایسے وقت میں آپ نے حکومت ملنے کا وعدہ فرمایا اور وہ مل گئی۔جن واقعات کی خبر دی کہ عنقریب ہو جائیں گے وہ ہو گئے۔آپ کو بچپن ہی سے لالچ‘ حرص‘ ہمت کی پستی‘ جھوٹ اور تکبر وغیرہ سے محفوظ رکھا گیا اور اعتماد‘ امانت‘ پاکیزگی اور عفت سے سنوارا گیا۔قریب اور دور سب کے لیے معجزات ظاہر کیے گئے۔آپ پر ایسی کتاب اتری جس میں فصحاءِ عرب کی عقلیں حیران رہ

گئیں کہ پوری سورۃ تو درکنار ایک آیت بھی اس کے برابر کی نہ پیش کر سکے۔ چنانچہ جس نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی سب کے سامنے رسوا ہو گیا اور اس کو کہنا پڑا کہ قرآن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن نے کہا ہے: "فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ" ایک سورہ بھی (اس کے برابر کی) بنا کر دکھاؤ۔ پھر کہا "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا" اور تم نہ بنا سکے اور یقیناً بنا ہی نہیں سکتے ہو (تو پھر اس آگ کے لیے تیار ہو جاؤ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہیں)

ایسے ہی قرآن نے یہود سے کہا: فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ.

''تو تم لوگ موت کی تمنا کرو اور یقیناً وہ اس کی تمنا نہیں کر سکتے۔''

چنانچہ کوئی ایک شخص بھی تمنا نہیں کر سکا حالانکہ اگر کوئی ایک شخص بھی کہہ دیتا کہ میں موت کی تمنا کرتا ہوں تو قرآن پاک کا دعویٰ غلط ہو جاتا۔

جنگ بدر کی رات آپ فرما رہے تھے کہ "کل فلاں یہاں مقتول ہوگا اور فلاں یہاں" (یعنی کافروں کے قتل کیے جانے کی جگہ کی نشاندہی فرما رہے تھے) تو ایک شخص بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

آپ نے فرمایا کہ ''جب یہ کسریٰ ختم ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہ ہوگا اور جب یہ قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر کوئی قیصر نہیں ہوگا۔'' چنانچہ ان دونوں کے بعد کوئی ایسا نہیں ہو سکا جس نے کچھ حیثیت اختیار کیا ہو یا جس کا معاملہ ثابت رہ گیا ہو۔

آپ کی سچائی پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو مقصود نہیں بنایا۔

چنانچہ بھوکے رہ کر رات گزار دیتے تھے جب کچھ موجود ہوتا تو ایثار کر دیتے تھے۔

ادنیٰ معمولی لباس پہنتے تھے اور رات میں اُٹھ کر عبادت فرماتے تھے۔

جاہ اور ناموس اس لیے مطلوب ہوتی ہے تا کہ اس کے ذریعے خواہشات پوری کی جا سکیں۔ جب آپ نے خواہشات کو نہیں اپنایا تو معلوم ہو گیا کہ آپ اس آخرت کی طرف رہنمائی فرمانا چاہتے تھے جس کا وجود برحق ہے۔ پھر دیکھو کہ آپ کا دین بلند اور غالب ہوتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ساری دنیا پر چھا گیا۔ اگرچہ کفر بھی دنیا کے گوشوں میں موجود ہے مگر ذلیل ہو کر ہے[1]۔

---

[1] کاش پھر ایسا ہی ہو جاتا جیسا حضرت علامہ کے زمانہ میں تھا۔ کاش پھر دین غالب آ جاتا اور سارے عالم پر چھا جاتا اور کفر مغلوب ہو کر گوشوں میں سمٹ جاتا۔ "اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ فِىْ جَمِيْعِ الْبُلْدَانِ وَالْاَقَالِيْمِ"

آپ کے پیروکاروں میں ایسے فقہاء ہوئے کہ اگر ان کے کلام اور ان کے حسن استنباط کو گزشتہ حضرات انبیاء سنتے تو حیرت زدہ رہ جاتے۔ ایسے ایسے صوفیاء ہوئے جن کو گزشتہ راہب دیکھتے تو حیران رہ جاتے اور ایسے ایسے ذہین و ذکی حضرات ہوئے جن کی پرانے لوگوں میں کوئی نظیر نہیں تھی۔

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بچھڑے کی پوجا نہیں کرنے لگی؟ کیا وہ لوگ ایک گائے کے ذبح میں ٹال مٹول سے کام نہیں لے رہے تھے؟ کیا ایسا نہیں ہوا' ابھی سمندر کو پار کر کے (اور خدائی معجزے کا مشاہدہ کر کے) نکلے تھے' پھر کہنے لگے "اِجْعَلْ لَنَآ اِلٰهاً"؟ (ہمارے لیے ایک معبود بنا دو)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی قوم کو باوجود اس کے کہ اس کو جمع کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر "مائدہ" کا بچا ہوا جمع کرنے لگی۔

اور ایک قوم مچھلیوں کے لیے "سنیچر" کے متعلق اللہ کی نافرمانی کرنے لگی۔

جب کہ ہماری یہ اُمت بحمدہٖ تعالیٰ ایسے افعال سے محفوظ ہے۔ اگرچہ کچھ لوگوں میں ناجائز شہوات کی طرف میلان ہے مگر یہ جزئیات کی غلطی ہے اصول کی نہیں۔ چنانچہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو روتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں پر پچھتاتے ہیں۔

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد کرتے ہیں کہ اس نے ایسا دین عطا فرمایا اور ہم کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرمایا۔

تصوف میں بناوٹ میں اختیار کرنے والی ایک جماعت طلب دنیا اور طلب جاہ کی طرف مائل ہوگئی ہے اور خواہش نفس نے ان کو اغوا کر لیا ہے اس لیے وہ ایسے واقعات ظاہر کرنے لگی جو کرامت کے مشابہ ہیں۔ جیسے حلاج' ابن الشاش اور ان کے علاوہ کچھ لوگ ہیں جن کی تلبیس کا حال میں نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں ذکر کیا ہے اور ایسا ان لوگوں نے اس لیے کیا کہ ان کے مقاصد مختلف ہیں تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے سمجھدار علماء پیدا کرتا رہتا ہے جو کوتاہ بینوں کی کوتاہیوں اور تلبیسوں کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ وہ ایسے محدثین پیدا کرتا رہا جو وضع حدیث کے مجرموں کی پردہ دری فرماتے رہے ہیں تاکہ یہ دین

محفوظ رہے اور تمام شبہات زائل ہوتے رہیں۔

چنانچہ یہ فقیہ اور محدث ہر زمانہ میں وضع حدیث اور تصوف و جاہ پرستی کے دعوؤں کا عیب و نقص ظاہر کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں طبقوں کے دعوے صرف انہی لوگوں پر اثر انداز ہوسکتے ہیں جو علم و عمل سے دور ہوں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ.

''تاکہ وہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹادے۔ اگرچہ مجرمین اس کو ناپسند کریں۔''

ہائے غفلت! ہائے بے خبری!

مجلس.....تعجب ہے اس ''موجود'' پر جو اپنے وجود کا مقصود نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا ہے تو اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

جانتا ہے کہ عمر مختصر ہے اس کے باوجود اس کو نیند' بیکاری' فضول باتوں اور لذتوں کی جستجو میں گنواتا ہے حالانکہ یہ چند دن ''مزدوری'' کے ہیں بیکاری کے نہیں۔

اس کو پابند بنایا گیا تھا کہ مال خرچ کر کے طبیعت کی مخالفت کرو لیکن بخل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن سانس تنگ ہوجائے گی۔ تب کہے گا کہ میرے بعد اس کو تقسیم کردینا اور یہاں خرچ کردینا' وہاں دے دینا' بتاؤ کہ اگر اس کی وصیت کے مطابق کر بھی دیا گیا جبکہ ایسا ہونا مشکل ہی ہوتا ہے تو بھی مقصود کہاں حاصل ہوا؟ مقصود تو یہ تھا کہ سلامتی کے زمانہ میں صحت کے وقت میں جیب سے نکالنے کی مشقت کو برداشت کر کے طبیعت کی مخالفت کرو (مگر تم نے مقصود ضائع کردیا) اب اگر سمجھ ہو تو خود ہی دونوں حالتوں کے فرق کو سمجھ لو۔

لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو بیدار ہوکر عقل کے تقاضے کے مطابق عمل کرے۔ اس زمانہ کو غنیمت جانے جس کی انتہا دوام ہے اور اس عمر کے اوقات کو ضائع نہ کرے جو نہ جانے کب ختم ہوجائے۔ تمہارا برا ہو! تم اس مال کو جمع کر کے کیا کرو گے جو اعمال نامہ میں نیکی درج نہ کراسکے اور تاریخ میں کوئی باعزت مقام نہ دلاسکے۔ کیا تم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خرچ اور ثعلبہ کے بخل کا تذکرہ نہیں سنا؟ اور کیا تم نے ''حاتم'' کی مدح

اور ''حباحب'' کی مذمت ہوتے نہیں دیکھی؟

تمہارا برا ہو وہ اگر تم کو مال کے سلسلے میں آزمائش میں ڈال دیتا تو تم فریاد کرتے نظر آتے۔ ایک رات کے لیے بھی جسم میں کوئی بیماری ڈال دے تو تم شکایت کرنے لگ جاؤ۔ تو (خود ہی سوچو کہ) تم تو اس سے اپنے مطلوبات پورے پورے وصول کرو لیکن اس کے حقوق نہ ادا کرو۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ. (بربادی ہو ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے)

خوب سمجھ لو کہ یہ تھوڑی سی زندگی جس میں کوتاہی کی جارہی ہے' ایسی ہمیشہ کی زندگی میں لے جائے گی جس میں اعمال کا بدلہ ملنا ہے۔

پس بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات! جس نے ان لوگوں پر فضل فرمایا جنہوں نے مقصود کو سمجھا اور اپنے جسموں کو تھکایا اور کچھ لوگوں کے دلوں پر پردہ ڈال دیا تو ان کا وجود اور عدم برابر ہو کر رہ گیا۔

سمجھ دار شخص کیوں اپنے بدن کو نہ تھکائے جبکہ جانتا ہے کہ جس کا مقصود ''منیٰ'' ہو اس کو اپنی سواری تھکانی ہی پڑتی ہے (ورنہ پہنچے گا کیسے؟)

تو بتا اے بندے! کیا تجھ کو وجود بخشنے میں حق تعالیٰ کی ذات کی جلوہ نمائی نہیں ہوئی؟ کیوں نہیں ضرور ہوئی خدا کی قسم! تیرا وجود اس کے وجود کی دلیل ہے اور تجھ پر اس کی نعمتیں اس کے وجود کو بتلا رہی ہیں۔ لہٰذا جیسے اس نے تجھ کو تمام جانداروں پر فضیلت بخشی اور مقدم کیا ہے تو ایسے ہی تو بھی اس کو اپنے دل میں تمام مطلوبات سے پہلے جگہ دے۔

ہائے اس شخص کی محرومی! جو اس سے ناواقف رہ گیا۔ ہائے اس بندے کی محتاجی! جس نے اس سے رُخ پھیر لیا۔ ہائے اس بیچارے کی رسوائی اور ذلت!! جس نے دوسرے سے عزت حاصل کرنی چاہیے اور ہائے اس نادان کی حسرت! جو اس کی اطاعت میں نہیں لگ سکا۔

موت کی تیاری کرلو

مجلس..... مجھے اس آدمی پر تعجب ہوتا ہے جو عقل رکھتے ہوئے یہ دیکھتا ہے کہ اس کے ہم عمروں اور پڑوسیوں کو موت مغلوب کرتی پھر رہی ہے اس کے باوجود زندگی کے ٹھاٹھ میں کوئی فرق نہیں آتا' خاص کر جبکہ عمر بھی زیادہ ہو چکی ہو۔

تعجب ہے کہ سانپوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہا ہے اس کے باوجود گھبراتا نہیں ہے۔ کیا بوڑھا اپنے اعضاء میں موت کی سرسراہٹ نہیں محسوس کرتا ہے؟ طاقت کی چھری نکل چکی ہے' ضعف کا سوار اتر آیا ہے' سیاہی سفیدی سے بدل چکی ہے اور روزانہ نقص بڑھتا جا رہا ہے۔ لہٰذا عقل مند آدمی کو اپنے حال پر غور کرنے سے ایسی چیزیں مل جائیں گی جس کے بعد دنیا کی ویرانی اور بھائیوں کی جدائیگی کی طرف نظر کرنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔ اگرچہ یہ بھی ڈرانے والی چیزیں ہیں مگر جس کا گھر خود جل رہا ہو اور وہ اپنا سامان منتقل کرنے میں مشغول ہو اس کو پڑوسیوں کے گھر کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں ہے؟

اور دنیا کی فکر اور اس کی جدائیگی کو آسان کرنے والی ایک اہم تدبیر یہ ہے کہ اپنے دوست بدل دیئے جائیں (آدمی ایسے ماحول میں رہے جہاں) لوگ اس کو نہ پہچانیں (اور وہ لوگوں کو نہ جانے) چنانچہ ہم نے مالداروں کو دیکھا ہے کہ وہ (ماحول بدل جانے کے بعد) ایثار کرنے لگے' فقراء صبر پر آمادہ ہو گئے اور اپنا محاسبہ کرنے والے صوفیاء' پرہیز گاری اختیار کرنے لگے۔ اس طرح بیوقوف عقل مندوں سے اور بخیل اہل سخاوت سے بدل گئے۔

کس قدر سہل ہے یہ سفر؟ شاید نفس ان لوگوں میں رہ کر جن کو چھوڑ بیٹھا ہے' ان لوگوں سے جا ملے جن سے محبت کرتا رہا۔

عقل کی پستی!

مجلس.....میں نے اللہ تعالیٰ کی اس ارشاد میں غور کیا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ.

''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمینوں میں ہیں اور اور سورج' چاند' ستارے' پہاڑ درخت چوپائے۔''

پھر فرمایا: وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ. ''اور بہت سے انسان بھی۔''

میں نے سوچا کہ جتنے جمادات ہیں' ان کے بارے میں تو یہ کہا گیا کہ سب سجدہ کرتے ہیں جبکہ

اہل عقل (انسان) میں سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اس پر مجھے کسی شاعر کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

مَا جحد الصامت من انشاءہ ومن ذوی النطق اتی الجحودُ

''چپ رہنے والوں نے تو اپنے پیدا کرنے والے کا انکار نہیں کیا اور بولنے والوں کی طرف سے انکار سامنے آیا۔''

اور میں نے کہا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ظہور ہے کہ وہ ایک شخص کو عقل دے کر اس کو عقل کے فائدہ سے محروم کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ اس بات پر مضبوط دلیل ہے کہ وہ ذات بہت قدرت اور غلبہ والی ہے۔

ورنہ کیسے کسی صاحب عقل سے یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے وجود کو دیکھ کر بھی اس ذات کے وجود کو نہ پہچان سکے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور بھلا کیونکر اپنے ہاتھ سے ہی تراشے ہوئے بت کی پوجا کر سکتا ہے مگر بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو ایسی ہی عقل دی ہے جو ان کے خلاف حجت کو مضبوط کرے اور جیسے چاہا لوگوں کے دلوں کو راہ راست سے اندھا کر دیا۔

ناجنسوں کا اختلاط

مجلس.... میں نے مؤمن کے حق میں ناجنسوں کی صحبت سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں دیکھی کیونکہ طبیعت چور ہوتی ہے اگر مان بھی لو کہ ان کی مشابہت سے بچ جائے گا اور ان کی عادات واطوار سے محفوظ رہے گا تو بھی (اتنا نقصان ضرور ہوگا کہ) عمل میں سست ہو جائے گا دنیا کو دیکھنے سے طلب دنیا کا خیال اُبھرتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا: مَالِیْ وَلِلدُّنیا. (مجھ کو دنیا سے کیا لینا دینا)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھول دار کپڑا زیب تن فرمالیا تو اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ ''اس کے پھولوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔'' ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی' پھر اُتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''ایک مرتبہ تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور ایک مرتبہ اس کی طرف۔''

---

[1] پھاڑنے اور پھینکنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضائع کر دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ پردہ کو اس طرح پھاڑ دیا کہ دوبارہ پردہ نہ بنایا جا سکے بلکہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا جائے۔ اسی طرح انگوٹھی اور کرتا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا گیا اور مقصود اس پھاڑنے اور پھینکنے سے دوسروں کی اصلاح تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انگوٹھی اور قیمتی کپڑا پہننا بھی ثابت ہے۔ ۱۲ احمزہ

یہی حال دنیا داروں' ان کے مکانات اور ان کے طور طریقوں کو دیکھنے کا ہے (کہ اس سے طلب دنیا کا خیال ابھرتا ہے) خاص کر اس شخص کو جس کی طبیعت میں بلندی اور رفعت کی خواہش ہو۔

ایسے ہی گانا سننا اور ان پیروں کی مجلس میں بیٹھنا بھی ہے جن کی فکر ونظر کا محور صرف حاصل ہونے والی آمدنی ہو۔ کاش! وہ اس کا خیال کر لیتے کہ کس جگہ سے قبول کر رہے ہیں کیونکہ ظالموں سے قبول کرنے میں ذرا بھی احتیاط نہیں کرتے ہیں اور ان کو اللہ کا وہ خوف حاصل نہیں ہے جو پہلے زمانہ کے پیروں اور صوفیوں میں تھا۔ چنانچہ حضرت ''سری سقطیؒ'' ساری رات روتے رہتے تھے اور پرہیز گاری میں مبالغہ کرتے تھے جبکہ ان کے پاس نہ ''سریؒ'' کی پرہیز گاری ہے اور نہ ''جنیدؒ'' کی سی عبادت گزاری۔

اب تو ان کی مجالس میں کھانا پینا' رقص وسرود' کاہلی اور بیکاری اور بے ریش لڑکوں سے قوالی سننے کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک معتبر اور ثقہ شخص نے بتایا کہ میں ''ربط'' کے مشائخ میں سے ایک بڑے پیر کی مجلس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بے ریش لڑکا قوالی گا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پیر صاحب اُٹھے اور ایک دینار نکال کر اس کو لڑکے کے گال پر چپکا دیا۔

ان سب حرکتوں کے بعد ان لوگوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان چیزوں سے آخرت کی طرف میلان بڑھتا ہے کھلا ہوا جھوٹ ہے' مجھ کو زیادہ تعجب ان لوگوں پر نہیں ہے بلکہ ان نادانوں پر تعجب ہوتا ہے جو ان کو ہدیہ تحفہ پیش کرتے رہتے ہیں جس کے بل پر یہ ان سے نفاق اور مکر کی بات کرتے ہیں۔

پہلے کے پیران ومشائخ اپنے سے پہلوں کی عبادت گزاری اور پرہیز گاری دیکھتے تھے اور ان کے حالات دیکھ کر حیرت کرتے تھے تو وہ لوگ اپنی اس حیرت میں معذور تھے کیونکہ اکثر صوفیاء صحیح راستہ پر نہ تھے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں ان کے احوال کی نشاندہی کی ہے۔

مگر اس دور میں تو پردہ ہٹ گیا ہے۔ صوفی ظالموں کے پاس جاتا ہے ان کا مال کھاتا ہے' ان سے مصافحہ کرتا ہے اور لباس ایسا پہنتا ہے جس میں پھول نہ ہو کیونکہ اس کا تصوف صرف لباس میں ہے۔

کیا اس کو خدا تعالیٰ سے اس بات پر شرم نہیں آتی کہ اچھے کپڑوں سے بے رغبتی اس

کے لیے نہیں صرف مخلوق کے لیے کر رہا ہے؟ جبکہ کھانے' پینے اور مشتبہ مال سے پرہیز نہیں کرتا ہے۔لہٰذا ان لوگوں سے بھی دور رہنا لازم ہے۔

غرض جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تنہائی اور خلوت اختیار کر لے' اس کو چاہیے کہ حتی الامکان بازار کی طرف نہ جائے اور اگر کسی ضرورت سے جانا ہو جائے تو نگاہ نیچی رکھے۔کسی صاحب منصب کی زیارت اور ملاقات کو نہ جائے اور اگر مجبور ہو جائے تو اس کو خوش اسلوبی سے جلد ختم کر دے' کسی عامی سے بلا ضرورت نہ ملے اور اگر ملے تو احتیاط کے ساتھ ساتھ' اپنے اوپر بار بار نکاح کا دروازہ نہ کھولے بلکہ ایسی بیوی پر قناعت کیے رہے جس میں دینداری ہو۔چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَالْمرءُ مَادَامَ ذَا عَيْنٍ يُقَلِّبُهَا فِي اَعْيُنِ الْعَيْنِ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْخَطَرِ

''آدمی کی نگاہیں جب تک مختلف عورتوں پر پھرتی رہیں گی' خطرہ کی حالت میں رہتا ہے۔''

يُسِرُّ مَقْلَتَهُ مَا ضَرَّ مَهْجَتَهُ لَا مَرْحَبًا بِسُرُوْرٍ عَادَ بِالضَّرَرِ

''اس کی نگاہ کو ایسی چیز سے مسرت ملتی ہے جو روح کے لیے مضر ہے تو ایسی مسرت کا نہ ہونا بہتر ہے جو نقصان کا سبب ہو۔''

پھر دیکھو کہ اگر علم کا غلبہ ہے تو یکسوئی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے مگر شاگردوں کے اختلاط سے پرہیز کرے اور اگر عبادت کا غلبہ ہو تو مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

خلوت کو اپنا غم خوار بنا لینا چاہیے اور حضرات بزرگان دین کی سیرتوں کے مطالعہ کو اپنا ہم نشین بنا لے۔صالحین کی قبروں کی زیارت کا معمول بھی رکھے اور وہاں کچھ دیر خلوت میں بھی رہے۔

خبردار! تہجد کا وظیفہ نہ چھوٹنے پائے اور اس کو نصف شب کے بعد شروع کر کے جتنی قدرت ہو اتنی دیر تک پڑھے۔وہ ایسا وقت ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

اور اپنے نفس کے سامنے یہ تصور پیش کرے کہ جلد ہی دنیا سے جانا ہے تاکہ اس کی آرزوئیں کم ہو جائیں اور سفر کی درازی کے بقدر توشہ جمع کرنے میں لگ جائے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے بیداری اور عبادت و طاعت کی طرف میلان عطا فرمائیں اور اپنی بے رُخی سے ہم سب کو رسوا نہ کریں۔

شکر نعمت ہائے تو

مجلس..... جب بھی میں نے اللہ تعالیٰ کی مسلسل اور پے در پے نعمتوں کو سوچا ہے تو ان کے شکر کے سلسلے میں حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ہوں کیونکہ جب مجھ کو یہ معلوم ہے کہ ''شکر'' بھی اس کی ایک نعمت ہے تو بھلا کیسے شکر ادا کر سکتا ہوں؟

اس لیے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ میرا یہی ''اعتراف قصور'' ہی کسی درجہ میں ادائیگی حق کا ذریعہ ہے۔

دراصل مجھ کو ایک ایسی خصلت حاصل ہے کہ جس سے مجھ کو ہر طرح کے خیر کی اُمید ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص بھی روزہ، نماز ادا کر لیتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ عبادت اور فرمانبرداری کر کے معبود کا حق ادا کر رہا ہے جب کہ میں جب دو رکعت نماز پڑھتا ہوں تو یہ سوچتا ہوں کہ میں مانگنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو گویا اپنے لیے ہی عمل کر رہا ہوں کیونکہ معبود کو میری عبادت اور طاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض مشائخ کہا کرتے تھے کہ حدیث میں ہے: ''اَلدُّعَاءُ عِبَادَۃٌ'' دعاء عبادت ہے اور میں کہتا ہوں کہ ''عبادت خود دعاء ہے''

تو اس شخص پر تعجب ہے جو عبادت کیلئے کھڑا ہو کر اپنے حظوظ کا سوال کرتا ہے کہ آخر کیسے یہ تصور کر لیتا ہے کہ اس نے کچھ ''کارنامہ'' انجام دیا ہے۔

تم تو اپنی ضرورت اور حاجت کے کام میں لگے ہو اور اس ذات کے ممنون کرم ہو جس نے تم کو جگا کر (خود تمہاری ہی ضرورت کی چیز مانگنے میں لگا دیا) یہ خود ایسا احسان ہے جس کے مقابلے میں تمہاری ساری عبادتیں ہیچ ہیں۔

لہٰذا اب میں بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کے کسی شاعر نے کہا ہے:

یَا مُنتھیٰ الآ مَالِ اَنُ ت کفلتَنی وحفِظتَنِیْ

''اے میری آرزوؤں کے منتہا! تو نے ہی میری کفالت کی اور میری حفاظت فرمائی۔''

وَعَد الزمان علی کی یجتا حنی فمنعتنی

''زمانہ نے مجھ کو ہلاک کرنے کے لیے حملہ کیا مگر تو نے بچالیا۔''

فَانقَادَ لی مُتخشعًا لما اراک نصرتنی

''وہ تواضع کے ساتھ میرے سامنے جھک گیا جب دیکھ لیا کہ تو میرا مددگار ہے۔''

وکسوتنی ثوب الغنی ومن المغالب صنتنی

''تو نے ہی مجھ کو بے نیازی کا لباس پہنایا اور غالب آ جانے والے محسن سے میری حفاظت کی۔''

فاذاسکت بدائتنی واذا سالت اجبتنی

''جب میں چپ رہا تو تو نے خود ہی سے عطا کیا اور جب مانگا تو فوراً قبول کر لیا۔''

فاذا شکرتُک زدتنی فمنحتنی وبھرتنی

''جب میں نے تیرا شکر کیا تو تو نے اضافہ کیا اور خوب عطا کیا اور مجھ پر چھا گیا۔''

او ان اجد بالمالِ فا لاموال انت افدتنی

''اب اگر مجھ کو مال کے ذریعہ غنا حاصل ہوتا ہے تو وہ مال بھی تیرا ہی عطیہ ہے۔''

ظاہر پرست علماء

مجلس.... میں نے اکثر علماء کو دیکھا کہ علم کے ظاہر میں مشغول ہیں۔ ''فقیہ'' کی ساری توجہ تدریس پر ہے اور ''واعظ'' کی اپنے وعظ پر۔

فقیہ کو دیکھو کہ اپنے درس پر نگاہ رکھتے ہوئے طلبہ کی کثرت پر اتراتا ہے جو شخص اس کی مخالفت کر دے اس کے کلام میں خواہ مخواہ عیب نکالتا ہے' اپنے اوقات بحث مباحثہ کے مضامین سوچنے میں گزارتا ہے تاکہ مخالف کو زیر کر سکے۔ اس کی نگاہ مجلسوں میں صدارت اور مسند نشینی پر لگی رہتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نیت بھی دنیا حاصل کرنے کی رکھتا ہے اس لیے بادشاہوں سے میل جول بڑھاتا ہے۔

اور واعظ کی ساری توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اپنے کلام کو آراستہ کر کے مجمع کی مقدار بڑھائے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی تعظیم پر آمادہ کرے۔ پھر اگر کوئی دوسرا واعظ بھی اس کا ہم پلہ سامنے آ جائے تو اس پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں کیونکہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت

نصیب ہوتی تو توجہ اسی کی طرف رکھتے۔ اس کی مناجات سے اُنس حاصل کرتے۔ اس کی اطاعت و بندگی کو ترجیح دیتے اور اس کے ساتھ خلوت کو اختیار کر لیتے لیکن چونکہ معرفت سے خالی ہیں اس لیے دنیا میں مشغول ہو گئے اور ان کا یہ شغل بھی دنیا ہی بن گیا۔

اب جس وقت یہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو کوئی لذت نہیں پاتے کیونکہ لوگوں کا مجمع زیادہ محبوب ہوتا ہے اور مخلوق کی طرف سے زیارت و قدم بوسی زیادہ لائق توجہ ہوتی ہے حالانکہ یہ بڑی محرومی کی علامت ہے۔

اس کے برخلاف جو عالم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے لیے مخلوق سے ملنا اور ان سے بات چیت کرنا سب سے دشوار کام بن جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ خلوت اس کو سب سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ اپنے ہم پلہ لوگوں پر نکتہ چینی اور طلب جاہ کی کوشش سے بے پروا رہتا ہے کیونکہ اس کی فکر و نظر کا محور آخرت ہوتی ہے اور آخرت اس طرح کی گھٹیا چیزوں سے کہیں اعلیٰ ہے۔

یہ سمجھ لو کہ نفس کے لیے کوئی مشغولی ضروری ہے۔ اب جو شخص مخلوق کی طاعت میں مشغول ہو گا وہ خالق سے رُخ پھیر لے گا کیونکہ وہ اپنی جاہ بڑھانے کی فکر میں رہے گا اور طلب جاہ اللہ تعالیٰ سے بے رُخی کا سبب ہے۔

مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ.

''اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھا ہے۔''

شہوت کی حقیقت اور اس کا انجام

مجلس.... حدیث میں آیا ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ.

''یا اللہ! ہم کو تمام چیزوں کی حقیقت دکھا دیجئے۔''

یہ جملہ نہایت عمدہ ہے (اور یہ دعاء بہت اہم ہے) کیونکہ اکثر لوگ چیزوں کی حقیقت اور ان کی صحیح معرفت نہیں رکھتے جو چیز فنا ہو جانے والی ہے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے وہ ''باقی'' رہنے والی ہے اور یہ خیال بھی نہیں لاتے کہ جن دنیاوی نعمتوں میں وہ پل

رہے ہیں وہ کبھی زائل بھی ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کا علم رکھتے ہوں مگر محسوسات کو دیکھنے والی نگاہ موجود کو دیکھنے میں مشغول رہتی ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ لذت تو فوراً زائل ہو جاتی ہے اور اس کا گناہ باقی رہ جاتا ہے؟ یقیناً اگر چور کو ہاتھ کے کٹ جانے کا تصور ہو جاتا تو چرایا جانے والا مال بے حیثیت ہو کر رہ جاتا۔

لہٰذا جس شخص نے مال کو جمع کیا اور خرچ نہیں کیا تو سمجھ لو کہ وہ مال کی حقیقت سے بے خبر ہے کیونکہ مال تو اپنی ضروریات کے حصول کا ذریعہ ہے خود مقصود نہیں ہے۔

اسی طرح جس نے کسی گناہ کو شہوت کی نگاہوں سے دیکھا تو سمجھ لو کہ اس نے گناہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا کیونکہ اس میں وہ عیوب تو ہیں ہی جو تم چاہتے ہو اس کے علاوہ اس کا نتیجہ آخرت کا عذاب اور دنیا کی رسوائی ہے۔

سب سے بڑی حسی شہوت ہمبستری ہے۔ ذرا اس پر نگاہ ڈالو کہ نطفہ حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا ضروری ہے اور کھانے کے حصول کے لیے زمین جوتنے کی ضرورت ہے اور زمین جوتنے کے لیے جوتائی کے بیل ہونے چاہئیں جن کے ساتھ ہل ہو جبکہ ہل لوہے اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے اور اس کو بیلوں سے باندھنے کے لیے رسی بھی چاہیے۔

پھر ''رسّی'' بنانے کے متعلق سوچو کہ پہلے ''سَن[1]'' بویا جائے پھر اس کی چھال چھڑائی جائے اور رسی بٹی جائے۔ ایسے ہی ''لوہا'' کان سے نکال کر لایا جائے اور ڈھالا جائے۔ ''لکڑی'' اُگائی جائے اور گھڑی جائے' پھر ''رہٹ'' بنایا جائے اور اس سے پانی چلایا جائے' پھر جا کر کھیتی تیار ہو گی۔

پھر کھیتی کاٹنا' اس کی بھوسی چھڑانا' پیسنا' گوندھنا اور روٹی بنانا' پھر ''تنور'' تیار کرنا اور جلونی لکڑیاں فراہم کرنا۔

اگر اس طرح غور کیا جائے تو بہت سے کام ابھی باقی ہیں۔ اسی وجہ سے تجربہ کاروں نے کہا ہے کہ ''ایک لقمہ حاصل کرنے کے لیے تقریباً تین سو آدمیوں کے عمل کی ضرورت ہے۔''

اب جب لقمہ منہ میں ڈال لیا تو سوچو کہ اس کو کاٹنے کے لیے سامنے کے دانت بنائے گئے ہیں اور پیسنے کے لیے ڈاڑھ کے دانت' پھر گوندھنے کے لیے شیریں لعاب دہن اور

---

[1] سَن ایک پودا ہے جس سے سُتلی بنائی جاتی ہے۔ ۱۲ حمزہ

اُلٹنے پلٹنے کے لیے زبان پھر منہ کے عضلات کچھ اس طرح ہیں کہ کچھ چڑھتے ہیں اور کچھ باقی رہتے ہیں جس کی وجہ سے لقمے کا نگلنا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر وہ لقمہ آنت میں پہنچتا ہے تو آنت اس کو ہضم کر کے جگر کے پاس بھیجتی ہے جو اس کو پکاتا ہے۔

پھر جب خون بن جاتا ہے تو اس کا گاڑھا حصہ تلی کے پاس پہنچ جاتا ہے اور پتلا حصہ مثانہ کے پاس۔

پھر خون کا سب سے خالص اور سب سے صاف جز چھن کر جگر، دماغ اور دل کے پاس آتا ہے۔

پھر اس میں سے سب سے عمدہ جوہر قوتوں میں پہنچتا ہے، جو آدمی کی پیدائش کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

پھر جب شہوت کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ نطفہ کودتا ہے جبکہ شریعت نے اس کی طہارت[1] کا حکم لگایا ہے اور حکم دیا کہ اس کے لیے رحم بھی پاک رہے۔ (دوسرے کے نطفہ سے ناپاک نہ ہو) اور وہ جگہ بھی پاک ہو جس سے عضو تناسل ملتا ہے (یعنی حیض و نفاس کے خون سے ناپاک نہ ہو) تب جا کر اس سے ایک توحید پرست انسان پیدا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ انسان نہایت قیمتی ہے۔

لہٰذا سوچو کہ ان حالات سے گزرنے کے بعد جن کو ہم شمار نہیں کر سکے صرف اشارہ کر دیا ہے۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ یہ نطفہ حرام جگہ میں خرچ کر دیا جائے یا ناپاک محل میں ہمبستری کر کے ضائع کر دیا جائے؟

پھر یہ سوچو کہ زنا کاری سے کیسے کیسے نقصانات ہیں کہ ''ایک لمحہ کی لذت'' ان کے سویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ مثلاً لوگوں کے درمیان بے آبروئی اور پردہ دری حرام ستروں کا ایک دوسرے کے سامنے کھولنا، اگر عورت شادی شدہ ہو تو اپنے مسلمان بھائی کی خیانت اور اس عورت کی بھی رسوائی جو اپنی بہن کی طرح ہے یا بیٹی کے برابر۔ پھر اگر حمل ٹھہر گیا اور عورت شادی شدہ تھی تو یہ حمل (قانون اسلامی کے مطابق) شوہر کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس طرح اس زنا کاری کی وجہ سے غیر مستحق، میراث میں شریک ہو جائے گا اور مستحقین کا حصہ کم ہو جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ نسل در نسل چلتا ہی رہے گا۔ پھر ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ کی ناراضگی تو معلوم ہی ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا.

---

[1] ''منی'' حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناپاک ہے جبکہ دوسرے بعض آئمہ کے نزدیک پاک ہے۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حنبلی ہیں اس لیے پاکی کے قائل ہیں۔ ۱۲ احمزہ

''اور تم لوگ زنا کے قریب نہ جاؤ' یقیناً وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مامن ذنب بعد الشرکِ اعظم عند اللّٰہِ تعالٰی من نطفۃ وَضَعَھَا رجل فی رحم لاتحل لہٗ۔**

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کے بعد اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے کہ آدمی ایسے رحِم میں نطفہ داخل کرے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔''

جس شخص کو بھی فہم حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ نطفہ سے مقصود مومن اور توحید پرست انسانوں کی پیدائش ہے۔ اگر شہوت نہ پیدا کی گئی ہوتی تو کبھی ہم بستری نہ ہوتی کیونکہ اس میں ایسے دو عضو آپس میں ملتے ہیں جو بدصورت اور قابل نفرت ہیں نہ ان کی صورت اچھی ہوتی ہے اور نہ ان کی بُو خوشگوار

جب کہ شہوت یہ کرتی ہے کہ آنکھ پر پردہ ڈال دیتی ہے تاکہ اولاد کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہوت ایک وقتی چیز ہے۔

اب جو شخص اس کو حاصل کرے اور زنا کاری کے نقصانات سے غافل ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس کی نگاہ شہوت کی حقیقت سے بے خبر ہے۔

شہوت کا ذکر بطور مثال کے تھا اسی پر کھانے پینے کی چیزوں اور مال اکٹھا کرنے کو قیاس کرلو۔

نقصان دہ چیزوں کی تخلیق کی حکمت

مجلس.... ا۔ اگر کوئی پوچھے کہ مضر چیزوں کی تخلیق میں کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا اصل جواب یہ ہے کہ خالق کا حکیم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اب اگر کسی معاملہ میں حکمت سمجھ میں نہ آ سکی تو بھی سر جھکائے رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ پھر یہ سمجھو کہ دنیا کی اچھی نعمتیں کسی درجہ میں ان انعامات کا نمونہ ہیں جو بطور ثواب کے ملیں گی اور تکلیف دہ چیزیں عذابوں کا نمونہ ہیں۔

۳۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں جو چیزیں تکلیف دہ پیدا کی گئی ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ نفع ضرور ہے۔ ایک طبیب سے کہا گیا کہ فلاں آدمی کہتا ہے کہ میں بچھو کی طرح ہوں کہ کوئی

نفع نہیں دیتا' صرف نقصان پہنچاتا ہوں۔طبیب نے کہا'' کیسا کم علم ہے؟اگر بچھو کا پیٹ چاک کر کے اس کوڈسے ہوئے حصے پر باندھ دیا جائے تو فائدہ ہو جاتا ہے۔''

اسی طرح بچھو کو مٹی کی ہانڈی میں رکھ کر اس کو ہر طرف سے بند کر دیا جائے پھر ہانڈی تنور میں رکھ دی جائے' جب جل کر راکھ بن جائے تو اس راکھ سے نصف ماشہ یا اس سے کچھ زائد مقدار پتھری کے مریض کو پلائی جائے' پتھری ٹوٹ کر نکل جائے گی اور جسم کے کسی حصہ کو نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔

اگر پرانے بخار کے مریض کو بچھو ڈنک مارے تو اس کا بخار ختم ہو جاتا ہے۔ ایک مفلوج آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تو اس کا فالج ختم ہو گیا۔

اگر اس کو تیل میں ڈال کر رکھ دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر تیل میں منتقل ہو جائے تو وہ تیل ہر طرح کے سخت اور بڑے ورم کے لیے مفید ہے۔

غرض اس طرح کے بہت سے فوائد ہیں۔اس لیے یہی کہا جاتا ہے کہ'' جاہل جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔'' جاہل کا عالم پر اعتراض کرنا سب سے بڑی حماقت ہے۔

خدایا یہ تیرے پراسرار بندے

مجلس..... جب عقل وفہم معرفت کے سمندر کی گہرائی میں اتر جاتی ہے تو خالق کی عظمت ورفعت اور تخلیق کی لطافت کا ایسا مشاہدہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی محبت میں حیران ہو کر اپنی ثابت قدمی کھو بیٹھتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگوں پر محبت کا غلبہ ہوا تو مخلوق سے میل جول باقی رکھنے پر قادر نہ رہ سکے۔ بعض اپنے کو ذکر سے نہ روک سکے' بعض ایسے ہوئے جو صرف اسی وقت سوتے تھے جب نیند سے مغلوب ہو جاتے تھے بعض دیوانہ ہو کر جنگلوں میں پھرنے لگے اور بعض نے اپنے جسم میں آگ لگالی۔

ہائے کیا خوب ہے ان حضرات کا نشہ! اور کس قدر لذیذ ہے اس نشہ کی مستی! اور ہائے کیا خوب ہے ان کی حسرتوں اور قلق کی لذت! اور کتنی عمدہ ہے اس لذت کی سرمستی!

حضرت ابوعبیدہ خواص رحمۃ اللہ علیہ پر وجد کا غلبہ ہوتا تھا تو بازاروں میں چکراتے پھرتے تھے اور کہتے تھے ''ہائے اس محبوب کے دیدار کا شوق! جو مجھ کو دیکھ رہا ہے اور میں اسے نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔''

حضرت فتح بن سحرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''تیری زیارت کا شوق بہت دراز ہو چکا ہے' اب جلد ہی اپنے پاس بلا لے۔''

حضرت قیس ابن الربیع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بغیر شراب ہی کے نشہ میں مست ہوں۔

حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''حق تعالیٰ کی راہ میں بے وقعت ہو جانا' دوسرے کی راہ میں وقار اور زینت سے بہتر ہے۔''

تم ہی بتاؤ کیا تم نے کوئی ننگا احرام والوں سے زیادہ بہتر دیکھا ہے؟
اور تمہیں صوفیاء سے زیادہ بہتر لباس والا کوئی صاحب لباس نظر آیا؟
تم نے تہجد گزاروں کی نیند سے بہتر کوئی خمار دیکھا؟
تم کو غم میں ڈوب جانے والوں کے نشہ سے اچھا کوئی نشہ نظر آیا؟
تم نے پچھتانے والوں کے آنسوؤں سے زیادہ صاف اور عمدہ کوئی پانی دیکھا؟
تم نے شکستہ دلوں کے سر کی طرح کوئی جھکا ہوا سر پایا؟
بھلا بتاؤ کیا زمین پر نمازیوں کی پیشانی سے بہتر کوئی چیز رکھی گئی؟

کیا نسیم سحر جو درختوں کے پتوں جو جھما دیتی ہے اس کی یہ تحریک سحر خیز عبادت گزاروں کے دامن کی حرکت کو پا سکتی ہے؟

کیا کوئی اُٹھنے والی ہتھیلی اور پھیلنے والے ہاتھ دُعا کے ہاتھ کے مشابہ ہو سکتے ہیں؟

کیا کوئی گانے اور لہجہ کی آواز دلوں میں اس قدر حرکت پیدا کر سکتی ہے جتنی اہل شوق کے گریہ وبکا سے پیدا ہوتی ہے؟

آخر جب کسی بھی مقصد کی تحصیل یا کسی بھی ضرورت کے حصول میں بے وقعتی گوارا کی جا سکتی ہے تو پھر ہر نعمت کے دینے والے کی بندگی میں بے وقعت ہو جانا کیوں بہتر نہ ہوگا؟

آج کل کے لیڈر

مجلس.... اکثر ایسے ہوتے ہیں جو دین کے احکام سے ناواقف اور دینی طور و طریق سے عاری ہوں۔ جب کوئی شخص اصل خلقت ہی کے اعتبار سے بدفہم ہو اور اس بدفہمی کے ساتھ وہ تربیت بھی نہ پا سکا ہو جس سے طبیعت میں تہذیب اور فکر و سوچ میں ثقافت آتی ہے تو پھر اس سے کسی طرح خیر کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

عقل کی نشو و نما کے لیے تعلیم، تربیت، مشق اور ریاضت چاہیے جیسے اعضاء کو کسی کام میں مہارت کے لیے مستقل مشق و تمرین کرائی جاتی ہے۔

اور عقل کا کام غور و فکر کرنا، ہر کام کے انجام پر نظر رکھنا اور موجود سے غائب پر استدلال کرنا ہے جب کہ یہ لوگ ہمیشہ کھانے سے پر رہتے ہیں اور معدہ کا پُر رکھنا عقل کے لیے مضر ہے۔

پھر دیر تک سوتے ہیں اور جب اُٹھتے بھی ہیں تو شراب کا شغل شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح عقل کے حصہ میں بیکاری آتی ہے اور اس کے اوپر پردہ سا پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے سارا انتظام چوپٹ ہے۔

عوام سے ان کی فہم کے بقدر خطاب کرو

مجلس.... بڑے خطرے کی بات ہے کہ عوام سے ایسی گفتگو کی جائے جس کا وہ تحمل نہ کر سکیں یا ایسی بات صاف صاف کہہ دی جائے جس کے خلاف ان کے دل میں راسخ ہو چکا ہو۔

مثلاً جن لوگوں کے دل میں یہ عقائد راسخ ہو چکے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ویسے ہی اعضاء ہیں جیسے انسانوں کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے متصل ہے اور عرش ہی کے بقدر لمبی چوڑی ہے، صرف اس سے چار انگل زائد ہے اور یہ سب انہوں نے اپنے مقتداؤں سے سنا ہو۔ اسی طرح ان کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول کرتے ہیں تو بقیہ چھ آسمان اس سے خالی ہو جاتے ہیں تو جب ایسے لوگوں کو "عقیدہ تنزیہہ"[1] کی طرف دعوت دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ تمہارے خیالات و تصورات صحیح نہیں ہیں بلکہ تم ایسا کرو کہ اس

---

[1] اللہ تعالیٰ کے لیے انسان کے مشابہ اعضاء کو ماننا عقیدہ تشبیہ کہلاتا ہے اور اس کی ذات کو جسم سے اعضاء سے اور تمام عیوب سے پاک ماننا یہ عقیدہ تنزیہہ کہلاتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ "تنزیہہ" کے قائل ہیں۔ ۱۲ حمزہ

مسئلہ سے متعلق جو حدیثیں آئی ہیں ان کو اسی حالت پر رہنے دو جس پر وارد ہوئی ہیں اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دو تو یہ باتیں ان کو دشوار معلوم ہوں گی جس کی دو وجہ ہے: ایک تو یہ کہ ان پر محسوسات کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ عوام پر تو محسوسات کا غلبہ اور زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ عقائد اپنے مقتداؤں سے سنے ہیں۔ (جو حقیقت میں ان سے بھی بڑے جاہل ہیں۔

لہٰذا ایسے لوگوں سے صاف صاف گفتگو کرنا خطرناک ہے۔ چنانچہ مجھ کو یہ واقعہ معلوم ہوا ہے کہ ایک صاحب جو بہت دیندار دکھائی دیتے تھے اور عقیدہ تشبیہ کے حامل تھے انہوں نے کسی عالم سے کچھ تنزیہہ کی باتیں سن کر کہا کہ ''خدا کی قسم! اگر مجھ کو اس پر قابو مل جاتا تو میں قتل کر دیتا۔''

لہٰذا خدا کا واسطہ! خبردار! کبھی بھی عوام سے بغیر حسن تدبیر اور لطافت کے کوئی ایسی بات نہ کہنا جس کو وہ برداشت نہ کر سکیں کیونکہ ان کے عقیدہ کا ازالہ تو ہوگا نہیں البتہ کہنے والا خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور یہی طریقہ تمام عقائد میں رکھنا چاہیے۔

مردِ کامل کون ہے؟

مجلس.... کسی آدمی کی بڑبڑاہٹ سن کر یا اس کو نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کرتے ہوئے اور مخلوق سے کنارہ کش دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔

''مردِ کامل'' وہی ہے جو دو باتوں کی رعایت کرتا ہو۔ ایک تو ''حدود کی حفاظت''[1] دوسرے عمل میں ''اخلاص''

ہم نے کتنے عبادت گزاروں کو دیکھا ہے کہ غیبت کر کے حدود کو پامال کرتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق ایسے ایسے کام کر جاتے ہیں جو حقیقت میں ناجائز ہیں۔ اسی طرح کتنے دینداروں کو دیکھا کہ عمل میں اللہ کے علاوہ کسی اور کا قصد رکھتے ہیں جبکہ یہ مرض کسی میں کم ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ۔

---

[1] ''حدود کی حفاظت'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل میں اس حد پر رہنے کی کوشش کرے جو شریعت نے مقرر کر دی ہے نہ اس سے آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے یعنی ہر عمل شریعت کے ماتحت ہو جبکہ اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو آج کل عموماً اس مرض میں مبتلاء ہے کوئی حد سے تجاوز کر گیا اور اضافہ کر بیٹھا اور کوئی حد سے پیچھے رہ گیا کہ دین کے بعض اجزاء کو ختم کر دیا یا اس کی اہمیت گھٹا دی اعتدال جس شے کا نام ہے وہ عموماً اکثر جماعتوں اور تحریکوں سے مفقود ہے۔ ''الامر حفظہ اللہ'' ۱۲ حمزہ

لہٰذا کامل مرد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کرے (اور حدود وہی ہیں جو اس نے بندوں پر فرض اور واجب کیا ہے) اور نیت میں اخلاص پیدا کرے اس طرح کہ اس کا قول اور فعل سب اللہ کے لیے خالص ہو جائے نہ اس میں مخلوق کا قصد شامل ہو نہ اپنی تعظیم کیے جانے کا خیال۔

چنانچہ بہت سے لوگ خشوع اس لیے کرتے ہیں تا کہ صوفی کہے جائیں۔ چپ اس لیے رہتے ہیں تا کہ اللہ سے خوفزدہ سمجھے جائیں اور دنیا کو اس لیے ترک کرتے ہیں تا کہ زاہد کہے جائیں۔

مخلص کی پہچان یہ ہے کہ وہ جلوت میں بھی ویسے ہی رہتا ہے جیسے خلوت میں بلکہ کبھی بتکلف لوگوں کے درمیان ہنسنا بولنا شروع کر دیتا ہے تا کہ صوفی کا لقب ختم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ دن میں لوگوں کے درمیان خوب ہنستے بات کرتے تھے اور جب رات آتی تو اس طرح روتے کہ جیسے پورے گاؤں بھر کے قاتل ہوں۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کسی شریک کو پسند نہیں کرتے اس لیے مخلص آدمی تو صرف اسی کی نیت کرتا ہے جب کہ ریاء کار' لوگوں کی مدح کی نیت کر کے شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

حالانکہ ریاء کار کا یہ مقصود اُلٹ جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے دل اسی ذات کے قبضہ میں ہیں جس کے ساتھ شرک کیا گیا ہے تو وہ دلوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے بجائے اس سے پھیر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہی شخص با توفیق ہے جس کا تعلق باللہ باطنی ہو اور اعمال صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں بلکہ ایسے شخص سے لوگ بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔ اگر چہ وہ ان کی پرواہ نہ کرے جیسا کہ ریاء کار سے لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اگر چہ وہ اپنی عبادت میں اضافہ کر لے۔

پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ان اوصاف سے آراستہ مرد کامل' کسی بھی علمی کمال کی طلب سے باز نہیں رہتا اور کسی بھی عملی فضیلت سے کوتاہ نہیں رہنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے اوقات میں گنجائش سے زیادہ بھلائیاں جمع کرتا ہے اور دل میں اس عمل سے سستی نہیں آنے پاتی جس کا حساب کیا جا رہا ہے (اور بدلہ ملنے والا ہے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہے۔

یہ بھی "جاہ پرستی" ہے

مجلس.... میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ باوجود دینداری میں کوتاہ ہونے کے وصیت کرتے ہیں کہ "جب ہم مر جائیں تو ہم کو امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرہ میں دفن کرنا۔"

تم ہی بتاؤ کیا انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس پر کچھ قرض ہو یا جو مال غنیمت میں خیانت کرتا ہو اور آپ نے فرمایا کہ ''میری نماز ایسے شخص کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

جب کہ میں نے بہت سے علماء کو دیکھا جن کو شہرت کی خواہش نے اس پر آمادہ کیا کہ انہوں نے بادشاہ سے اجازت حاصل کی پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے چبوترے میں دفن کیے گئے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اس چبوترے میں بہت سی بوسیدہ ہڈیاں تہہ بہ تہہ موجود ہیں اور ہر شخص جانتا تھا کہ اس طرح کی چیزوں سے قرب خداوندی کا کوئی تعلق نہیں ہے تو بتاؤ کہ آخر اپنے کو حقیر سمجھنے کی خصلت کہاں گئی؟ کیا انہوں نے سنا نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ میں دفن کر دیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ شرک کے علاوہ باقی ہر گناہ میں آلودہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا مجھ کو زیادہ پسند ہے بنسبت اس کے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھوں!!

مگر بات یہ ہے کہ اب رسم و رواج اور حاصل خواہش ان پر غالب ہو گئی ہے اور علم صرف زبانوں پر رہ گیا ہے عمل سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

پھر نتیجہ ایسی جماعت تک پہنچا جو بادشاہوں سے میل جول رکھتی اور ظلم کا ارتکاب کرتی ہے اس کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ میں دفن ہونے کی کوشش اور وصیت جاری ہے۔ کاش! وہ اس کی وصیت کرتے کہ مجھ کو خالی جگہ میں دفن کیا جائے' وہ تو مردوں میں دفن کیے جاتے ہیں۔

کل قیامت میں ان لوگوں کی ہڈیاں نکالی جائیں گی اور ان کے ظلم کے ساتھ ان کا حشر کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ ظلم بھی شامل کیا جائے گا جو مرتے وقت ان سے صادر ہوا (دوسرے مردوں کی قبروں کو کھود کر خود دفن کیے جانے کی وصیت کرنا) حالانکہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی ظالموں کے مددگاروں میں سے ہیں۔

تم بتاؤ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ظالم کا مددگار خود ظالم ہے؟ جبکہ حدیث شریف میں ہے: ''کفٰی بالمرء خیانۃ ان یّکون امینًا للخونہ'' آدمی کے خائن ہونے کے لیے

کافی ہے کہ وہ اہل خیانت کا ساتھی ہو جائے۔

ایک جیل کے داروغہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا میں بھی ظالموں کا مددگار ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم خود ظالم ہو' ظالموں کے مددگار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہاری اس ملازمت میں مدد کی۔

حسد کی حقیقت

مجلس.....میں نے دیکھا کہ لوگ حاسد کی بہت زیادہ مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حسد وہی شخص کرسکتا ہے جس کی فطرت میں شرارت ہو کیونکہ وہ اللہ کی نعمت سے دشمنی کر رہا ہے اس کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بخل سے کام لیتا ہے۔ جب اس پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ لوگوں کا خیال درست نہیں ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان اس کو نہیں پسند کرتا ہے کہ دوسرا اس سے اوپر اُٹھ جائے اس لیے جب کسی دوست کو دیکھتا ہے کہ وہ اس سے اوپر جا رہا ہے تو متاثر ہو کر نہیں چاہتا کہ وہ اوپر جا سکے بلکہ خواہش کرنے لگتا ہے کہ کاش! میرے دوست کو یہ مرتبہ نہ ملتا یا میں بھی یہ مرتبہ پا جاتا تا کہ اس کو بلندی نہ حاصل ہو سکے۔ یہ جذبہ انسان کی خمیر اور فطرت میں داخل ہے اس لیے اس پر کوئی ملامت بھی نہیں ہے۔

ملامت کی بات یہ ہے کہ قول یا فعل کے ذریعے اس کے تقاضا پر عمل کر بیٹھے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ حقیقت صرف میری ہی جستجو اور غور و فکر کا نتیجہ ہے لیکن پھر میں نے دیکھا کہ حضرت حسن بصریؒ مجھ سے پہلے ہی یہ بات فرما چکے ہیں

چنانچہ ہم کو عبدالخالق بن عبدالصمد نے ابن النقور' المخلص' البغوی' ابوروح' مخلد ابن الحسین کے واسطوں سے خبر دی کہ ہشام نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا "کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ حسد نہ پیدا کیا گیا ہو۔

حاصل یہ کہ جو شخص قول یا فعل کے ذریعے حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

زیادہ نکاح کے نقصانات

مجلس.....انسان کو سب سے زیادہ نقصان عورتوں کی کثرت سے پہنچتا ہے جس میں

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کی محبت میں گرفتار ہو کر قلبی سکون کھو بیٹھتا ہے اسی طرح ان کی دلجوئی، آپس کی جنگ اور خرچ کے مطالبہ سے بھی فکر منتشر ہو جاتی ہے اور یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی ایک عورت اس کو ناپسند کر کے کسی دوسرے کی طرف میلان رکھنے لگے جس کی وجہ سے اس کو قتل کر کے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔

اگر فرض کرلو کہ ان سب چیزوں سے بچ بھی جائے تو بھی اتنی عورتوں کے لیے کمانے کی فکر سے کیسے بچے گا؟ اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو سب سے یا کسی ایک سے اکتاہٹ سے تو نہیں بچ سکتا ہے۔

پھر طبیعت میں ان کے علاوہ ایسی عورت کی طلب پیدا ہو جاتی ہے جس پر قدرت نہ ہو حتیٰ کہ اگر کوئی انسان شہر بغداد کی تمام عورتوں کو قبضہ میں کر لے پھر کوئی نقاب پوش عورت دوسرے شہر سے آوے تو اس کو یہی خیال ہوگا کہ شاید اس عورت کے پاس وہ لذت ہو جو ان سب عورتوں میں نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ''جدت میں لذت ہے'' (یعنی ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) حالانکہ بہت سی پوشیدہ چیز جب کھلتی ہے تو رسوائی ہی سامنے آتی ہے۔

اور اگر یہ بھی مان لو کہ ہر نقصان سے محفوظ رہ گیا تو پھر یہ ہوگا کہ ہمبستری کی کثرت کی وجہ سے بدن کو ضعیف کر لے گا۔ لہٰذا اس کی یہ طلب لذت اس کو ہمیشہ کی لطف اندوزی سے محروم کر دے گی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''بعض لقمے، بہت سے لقموں سے محروم کر دیتے ہیں'' اور ''بعض لذتیں، بہت سی لذتوں سے محرومی کا سبب ہو جاتی ہیں۔''

اس لیے سمجھدار وہی ہے جو ایک ایسی بیوی پر اکتفاء کر لے جو اس کی غرض کے موافق ہو۔ اگرچہ کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی جس میں کوئی نہ کوئی صفت ناپسندیدہ نہ ہو مگر اعتبار غالب کا ہوتا ہے لہٰذا اکثر اوصاف میں اچھی عورت کی کوئی ایک خراب عادت برداشت کر لی جاتی ہے اور (عورت کے انتخاب میں) خوبصورتی سے پہلے دینداری دیکھنی چاہیے کیونکہ جس عورت میں دین کم ہوتا ہے اس سے کوئی شریف آدمی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

معمر آدمی کو جو چیز بہت جلد ہلاک کرتی ہے وہ ''ہم بستری'' ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کے اُبھارا اور اپنے اعضاء کی ظاہری قوت سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ اب جو طاقت

خرچ ہوگی اس کا بدل نہیں حاصل ہو سکے۔ لہٰذا حرکت اور شہوت سے دھوکہ میں نہ پڑے اور اگر زندگی کی خواہش ہو تو عورتوں کے قریب نہ جائے۔

عقل اور حماقت کی پہچان

مجلس..... جب تم کسی کو اصل خلقت کے اعتبار سے کم عقل اور احمق دیکھو تو اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو ہاں اگر عقل تو پوری رکھتا ہو لیکن خواہشات سے مغلوب ہو گیا ہو تو اس سے امید کی جا سکتی ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نادانی میں تدبیر کرتا ہو پھر جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھے تو لوگوں سے چھپتا ہو، کبھی کبھی اپنے حال کو سوچتا اور اپنی نگرانی کرتا ہو، نصیحت کے وقت روتا ہو اور بزرگوں کا احترام کرتا ہو تو یہ ایسا عقل مند ہے جو خواہشات سے مغلوب ہو گیا ہے۔

اور جب بھی ندامت کی وجہ سے بیدار ہوگا تو اس کی خواہشات کا شیطان دب جائے گا اور عقل کا فرشتہ چھا جائے گا۔

اور اگر کوئی شخص فطرۃً کم عقل ہو جس کی علامت یہ ہے کہ دنیوی یا اخروی کسی بھی انجام پر نگاہ نہ ڈالتا ہو، کسی بے حیائی میں مبتلا دیکھ لیے جانے سے شرماتا نہ ہو اور اپنے دنیوی امور کا انتظام نہ کر پاتا ہو تو پھر اس سے کوئی امید نہیں کی جا سکتی، کم ہی ایسا ہو پاتا ہے کہ اس طرح کے لوگ کامیاب ہو سکیں۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقل پر خواہشات پردہ ڈالے رہتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے کھول دیتی ہیں تو انسان ہوش میں آ جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی مثال ایسی ہے جیسے مرگی زدہ جو کسی وقت افاقہ میں رہتا ہے۔

پیش بینی

مجلس..... جس چیز کا آئندہ واقع ہونا ممکن ہو اس سے احتیاط کرنی چاہیے یہ نہ کہے کہ عام طور پر تو لوگ محفوظ ہیں۔

ہم نے کتنوں کو دیکھا کہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے جس سے کشتی

ڈگمگائی اور سب لوگ ڈوب گئے حالانکہ اس صورت میں عام طور پر سلامتی ہی رہتی ہے۔

ایسے ہی انسان کو چاہیے کہ اپنے خرچ کا اندازہ مقرر کر لے۔ اگرچہ دنیا خوب فراوانی کے ساتھ حاصل ہو رہی ہو کیونکہ ممکن ہے کہ (کسی حادثہ کی وجہ سے) یہ آمدنی ختم ہو جائے جبکہ ضروریات کو پورا کرنا لابدی ہے۔ اب جس شخص نے فراخی کے وقت میں فضول خرچی کی ہوگی جب اس پر تنگی کا وقت آئے گا تو کوئی بعید نہیں کہ ناجائز راستوں پر پڑ جائے یا لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

ایسے ہی جو شخص عافیت میں ہو وہ بیماری کے لیے تیاری رکھے اور جو طاقتور جوان ہو وہ بڑھاپے کے لیے تیاری کر لے۔

حاصل یہ کہ انجام پر نگاہ رکھنا اور ہر وقوع پذیر معاملہ سے احتیاط کرنا عقل مندوں کی شان ہے اور صرف موجودہ حالت کو نگاہ میں رکھنا نادان احمقوں کی حالت ہے۔ مثلاً یہ کہ اپنے کو تندرست دیکھ کر بیماری کو بھولا رہنا یا مالدار ہو تو فقر سے غافل رہنا یا فوری لذت میں مشغول ہو کر اس کے برے نتائج کو نہ یاد رکھنا وغیرہ۔

عقل کا کام ہی یہی ہے کہ انجام پر نگاہ رکھے اور سیدھی راہ عمل بتلاتی رہے۔

مؤمن مایوس نہیں ہوتا

مجلس.... مؤمن کا ایمان آزمائش کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس وقت خوب دعائیں کرتا ہے لیکن قبولیت کا اثر نہیں دیکھتا تو اس یقین کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ مصلحتوں سے زیادہ واقف ہیں نہ اس کی اُمید ختم ہوتی ہے اور نہ تمنا میں فرق آتا ہے۔ اگرچہ مایوسی کے اسباب بہت قوی ہوں۔

یا یہ سوچتا ہے کہ مجھ سے صبر یا ایمان کا امتحان مقصود ہے جس ذات نے اس آزمائش کا فیصلہ کیا ہے وہ مجھ سے یا تو صبر کا امتحان کرنے کے لیے تسلیم و رضا دیکھنا چاہتا ہے یا (ایمان کا امتحان کرنے کے لیے) اپنے دربار میں دعاء اور فریاد کی کثرت دیکھنا چاہتا ہے۔

رہا وہ شخص جو چاہتا ہے کہ قبولیت فوراً ظاہر ہو اور اگر نہ ظاہر ہو تو اللہ تعالیٰ پر بگڑنے اور

ناراض ہونے لگے تو اس کا ایمان کمزور ہے۔ سمجھتا ہے کہ قبولیت میرا حق ہے جو خدا پر لازم ہے یعنی گویا کہ وہ اپنے اعمال کی مزدوری کا تقاضا کر رہا ہے۔

کیا تم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ نہیں سنا کہ اسی (۸۰) سال تک آزمائش میں رہنے کے باوجود ان کی آرزو میں فرق نہیں آیا۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ''بنیامین'' بھی کھو گئے تو بھی ان کی امید میں کوئی تغیر نہ ہو سکا اور فرمایا: ''عسی اللّٰہ ان یأتینی جمیعًا'' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دیں گے اس مضمون کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ فرمایا:

''ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یأتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البا سآء والضراء وزلزلوا حتّٰی یقول الرسول والذین آمنوا معه متٰی نصر اللّٰہ الا ان نصر اللّٰہ قریب.''

(کیا تم نے یہ گمان باندھ رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم کو وہ حالات نہیں پیش آئے جو تم سے پہلے والوں کو پہنچے ان کو پکڑ لیا فقر اور تنگی نے اور وہ جھنجوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے مؤمنین کہنے لگے کہ اب کب آوے گی اللہ کی مدد سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے)

حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ رسول اور مؤمنین سے یہ جملہ اسی وقت صادر ہوا ہوگا جبکہ آزمائش کا زمانہ بہت طویل ہو کر کشادگی سے مایوسی ہونے لگی ہوگی۔ اسی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لایزال العبد بخیر مالم یستعجل'' بندہ اس وقت تک خیر میں رہتا ہے جب تک جلد بازی نہ کرے' پوچھا گیا کہ ''جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا:

''یقول دعوت فلم یستجب لی'' کہنے لگے کہ میں نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی۔

لہٰذا خبردار! مصیبت کی مدد کو دراز دیکھ کر گھبرا مت جاؤ اور دعا کی کثرت کے بعد چیخ و پکار نہ کرنے لگو کیونکہ مصیبت کے ذریعے تم کو آزمایا جا رہا ہے جبکہ تم کو صبر و

دعاء کی عبادت کی توفیق بھی دی جارہی ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اگرچہ مصیبت کا زمانہ طویل تر ہو جائے۔

لمحہ کی خطا' صدیوں کی سزا

مجلس.....سوچا کہ آخر جہنم میں داخل ہونے کی وجہ کیا ہوگی؟ تو یاد آیا کہ گناہ ہی اس کا ذریعہ بنیں گے پھر گناہوں پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ (اکثر گناہ) لذتوں کی طلب میں ہوتے ہیں۔ پھر لذتوں کے متعلق سوچا تو یہ سمجھ میں آیا کہ لذتیں کچھ بھی نہیں ہیں صرف ایک دھوکہ ہے جبکہ ان کے اندر ایسی کدورتیں بھی شامل ہیں جو ان کو گھٹن اور تکلیف بنا کر لذت سے خارج کر دیتی ہیں۔

تو بتاؤ کہ پھر ایک سمجھدار آدمی کیسے اپنے نفس کی پیروی کر کے ان تکلیف دہ کدورتوں کی وجہ سے (جن کو لوگ لذت سمجھتے ہیں) جہنم میں جانے کو پسند کر سکتا ہے؟

چنانچہ ایک لذت ''زنا کاری ہے'' اب یہ سمجھو کہ اگر اس سے مقصود نطفہ کا استعمال ہے تو اس کو (حلال طریقہ سے) حلال جگہ میں استعمال کرو اور اگر معشوق کا قرب مقصود ہے تو نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ محبوب کبھی جدا نہ ہو بلکہ ہمیشہ ساتھ رہے اس لیے اس کو نکاح کے ذریعے خرید کر اپنے قبضہ میں کرتا ہے پھر جونہی محبوب پر قبضہ ہوتا ہے طبیعت اکتا جاتی ہے اور اگر تھوڑی دیر کی قربت ہو پھر جدائیگی ہو جائے تو فراق کی حسرت' قرب کی لذت سے بڑھ جاتی ہے۔

اور کہیں اگر زنا کاری سے اولاد ہو گئی تو ہمیشہ کی رسوائی' سخت سزا اور خالق و مخلوق سے شرمندگی اور ندامت کی مقدر ہے۔

یقیناً جو شخص جاہل ہے وہ اپنی غرض کے حصول میں صرف لذت پر نگاہ رکھتا ہے دنیا و آخرت کو برباد کر دینے والی تلخیوں کو بھولا رہتا ہے۔

اسی طرح شراب پینے میں بھی لذت ہے مگر دیکھو کہ اس سے منہ اور کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے' عقل دور چلی جاتی ہے اور خالق کے نزدیک اس کی تاثیرات تو معلوم ہی ہیں۔

لہٰذا اس شخص پر بہت تعجب ہے جو ایسی لذت کو اختیار کر لے جس کا ثمرہ عذاب اور بے

وقعتی ہو بلکہ جو کبھی غصہ کی حالت میں قتل تک پہنچا دے۔

انہی پر تمام لذات کو قیاس کرلو کیونکہ جب بھی ان لذتوں کو عقل کی ترازو پر تولا جائے گا تو وہ اپنی دنیاوی اور اخروی قباحتوں کے سویں حصہ کے برابر بھی نہ پہنچ سکیں گی۔ پھر یہ بھی توسوچو کہ یہ لذات اپنی ذات میں کچھ زیادہ ہیں بھی تو نہیں پھر آخر کیسے انکے عوض آخرت کی لذات کو بیچ دیا جائے؟

بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے کچھ لوگوں پر انعام فرمایا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی لذت ابھرتی ہے فوراً عقل کی ترازو قائم کر دیتے ہیں۔ پھر سوچتے ہیں کہ نتائج کیا ہوں گے؟ اور غور کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے پر کیا ثمرات مرتب ہوں گے؟ پھر زیادہ بہتر نتیجہ والی صورت کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ دلوں کو مٹادیا جس کی وجہ سے وہ ظاہری صورت کو دیکھ کر اس کے برے نتائج کو بھول جاتے ہیں۔

پھر یہ بات تعجب کی ہے کہ ہم ایک نوجوان کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی سے محض اس لیے دور رہتا ہے تاکہ (طاقت محفوظ رہے تو پھر) دوڑ کے مقابلہ میں تیز دوڑ سکے اور اس کو ''ساعی'' کا خطاب مل جائے جس کا حاصل یہ ہوا کہ وہ اپنی خواہش کو اس سے بلند چیز یعنی مدح کے حصول کے لیے مغلوب کر دیتا ہے تو آخر دنیا و آخرت کی مدح حاصل کرنے کے لیے حرام کاموں کو کیونکر نہیں چھوڑ دیتا؟

پھر حاصل ہو کر ختم ہو جانے والی لذتوں کو سوچو اور اس کا اندازہ لگاؤ کہ وہ تم کو حاصل ہوئیں پھر بے حیثیت ہو کر ختم ہو گئیں اور تم ان کی تکلیفوں سے چھٹکارا بھی پا گئے تو اب اس وقت تم کو دوسرے کے مقابلے میں کیا حاصل ہے؟ بھلا سوچو! کہ اس عالم کا تعب کہاں ہے جس نے پچاس سال تک علم حاصل کیا؟ تعب تو رخصت ہو گیا اور علم حاصل ہو گیا اور دیکھو کہ بیکار کاہل کی لذت کہاں ہے؟ وہ راحت ولذت تو رخصت ہو چکی ہے اور ندامت کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

نفس کی پیروی ہلاکت اور عقل کی پیروی نجات ہے

مجلس.... جو شخص محسوسات کے تقاضوں پر رہا وہ ہلاک ہوا اور جس نے عقل کی پیروی کی وہ مامون ہو گیا۔

وجہ یہ ہے کہ جس کی نگاہ صرف موجود یعنی دنیا پر پڑتی ہے جبکہ عقل مخلوق کو دیکھ کر خالق

کے وجود کا یقین کرتی ہے اور سمجھ لیتی ہے کہ اسی نے منع کیا ہے اسی نے مباح کیا ہے' اسی نے اجازت دی ہے اور اسی نے ناجائز کیا ہے اور اسی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کروں گا اور تمہارا امتحان لوں گا تا کہ میری فرمانبرداری میں اپنی خواہشات کو ترک کرنے سے میرے وجود کی دلیل ظاہر ہو جائے۔ یقیناً میں نے تمہارے لیے اس دنیا کے علاوہ ایک گھر بنا رکھا ہے جس میں فرمانوں کو اچھا بدلہ اور نافرمانبرداروں کو سزا دی جائے گی۔

پھر اگر حس اور خواہش نفس کو اس کی اغراض کے ساتھ یونہی چھوڑ دیا جاتا تو معاملہ ہلکا ہوتا مگر یہاں تو زنا کار' زنا کرتا ہے تو کوڑا لگایا جاتا ہے' شراب پی لے تو سزا دی جاتی ہے' چوری کر لے تو ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی لذت کا کام کر لے تو سب کے سامنے رسوا بھی ہو جاتا ہے' اسی طرح اگر کوئی علم سے بے رُخی کر کے بے کاری اختیار کر لے تو ہمیشہ ندامت دامن گیر رہتی ہے۔

پھر ہم بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہوں نے اپنی عقل کے تقاضا پر عمل کیا تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں محفوظ رہی' لوگوں کے درمیان تعظیم کا امتیاز بھی حاصل ہوا اور لذتوں کے اعتبار سے ان کی زندگی عام طور پر خواہش پرستوں کی زندگی سے بہتر ہی ہوتی ہے۔

لہٰذا جو کچھ میں نے عرض کیا اصحاب فہم کو چاہیے کہ اس کو سمجھیں اور ''رہبر عقل'' کے تقاضوں پر عمل کریں تا کہ محفوظ رہیں۔

ہم بستری میں احتیاط

مجلس.... اس شخص پر تعجب ہے جو خواہشات کو ترجیح دیئے ہوئے ہے۔ قرآن وحدیث سے قطع نظر کیا ان خواہشات کی حقیقت کو خود اپنی عقل سے نہیں سوچتا ہے؟

اس میں کوئی کلام نہیں کہ حسی لذتوں میں سب سے بڑی لذت ہمبستری ہے اب اس کی حقیقت دیکھو کہ خوبصورت عورت کا کمال تیس کے سن تک رہتا ہے کیونکہ تیس تک پہنچنے کے بعد ولادت وغیرہ کے حالات اس پر اثر انداز ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی سر کے بال بھی سفید

ہوجاتے ہیں تو آدمی کو نفرت ہوجاتی ہے اور کبھی پہلے ہی اکتاہٹ ہوجاتی ہے کیونکہ کچھ دن رہن سہن کے بعد عیوب کھلنے لگتے ہیں۔

دنیاوی عورتوں کے عیب کے سلسلے میں یہ آیت نہایت بلیغ ہے' فرمایا: "**لھم فیھا ازواج مطھرۃ**" جنت میں اہل جنت کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی (معلوم ہوا کہ دنیا کی عورتیں پاکیزہ نہیں ہوتی ہیں) اگر کوئی شخص ایسے جسم کے بارے میں سوچے جو نجاست سے بھرا ہوا ہو تو کبھی اس کو لپٹانا گوارہ نہ کرے مگر وجہ یہ ہے کہ شہوت فکر کی نگاہ پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

لہٰذا سمجھدار وہی ہے جس نے حرام لذتوں کو چھوڑ کر اپنے دین اور شرافت کی حفاظت کی' حلال جگہ میں اپنی قوت کو بچا کر اس کو علم وعمل کے درجات کے حصول میں لگایا' اپنی زندگی کو فنا کرنے کی کوشش نہیں کی اور دل میں کسی ایسی چیز کی وجہ سے انتشار پیدا نہیں کیا جس کا انجام اچھا نہ ہو۔

ان مت شوقا ولا فیھا لھا ثمن   مافی ھوادجکم من مھجتی عوض

اگر میں شوق میں جان دے دوں تو لوگوں کے پاس میری جان کا عوض اور قیمت موجود نہیں ہے ہم نے کتنے معمر لوگوں کو دیکھا کہ ہم بستری کی خواہش سے مغلوب ہوگئے تو ان کی عمر کی عمارت منہدم ہوگئی اور بہت جلد ہلاک ہوگئے۔

جبکہ بعض سمجھداروں کو دیکھا کہ اپنے آپ کو اس آزمائش سے بچالیا اور صرف ضرورت ہی کے وقت ہم بستری کی تو ان کے بالوں کی سیاہی اور جسم کی قوت محفوظ رہی جس کی وجہ سے دنیوی زندگی کا لطف بھی حاصل ہوا اور بہت سے درجات بھی حاصل کر لینے کا موقعہ مل گیا اور جب لوگوں نے ان کے عزم کی قوت کو دیکھ لیا تو پھر ان سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکے جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتی۔

خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حقیقت

مجلس.... حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "من رآنی فی المنام فقد رآنی" (جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو یقیناً اس نے مجھ کو ہی دیکھا) کا مطلب بہت سے حضرات کو سمجھ میں نہ آسکا اس لیے کہہ دیا کہ

''حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ حقیقت میں آپ کی ذات نظر آتی ہے''

حالانکہ کوئی آپ کو بوڑھا' کوئی جوان' کوئی بیمار اور کوئی صحت مند دیکھتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جسد مبارک جو مدینہ میں موجود ہے قبر سے نکل کر اس جگہ پہنچتا ہے جہاں آپ کو دیکھا گیا تو ایسی جہالت ہے جس کی کوئی نظیر نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک وقت میں ہزار جگہوں میں مختلف صورتوں میں ہزاروں افراد دیکھتے ہیں تو پھر ایک ہی شخص کے متعلق یہ چیز کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ لہٰذا آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ دیکھتا ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نہیں۔

تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ''من رآنی فقد رآنی'' کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے مجھ کو دیکھا تو یقیناً اس نے میری ہی اس صورت مثالیہ کو دیکھا جس کو وہ صحیح سمجھتا ہے اور جس سے فائدہ مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ پھر اللہ تعالیٰ کی زیارت کے متعلق کیا کہتے ہو؟ تو ہم کہیں گے کہ اس کی تو صورت مثالیہ بھی نہیں بلکہ ایک مثال نظر آتی ہے کیونکہ مثال کے لیے برابری اور مشابہت ضروری نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی اور اس سے انتفاع کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ''انزل من السمآء ماء فسالت اودیة بقدرھا'' آسمان سے پانی اتارا جس سے وادیاں اپنے اندازہ کے مطابق بہہ پڑیں۔

اور اس کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ جس نے بھی حق تعالیٰ کو دیکھا اس نے ایک مخصوص ہیئت پر دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی ہیئت سے پاک ہیں وہ تو ایک ذات ہے (جو پورے عالم پر محیط ہے) لہٰذا جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ بات واضح ہو گئی۔

طالبان علم حدیث کیلئے ضروری تنبیہات

مجلس.... خوب سمجھ لو کہ اگر عمر میں وسعت ہوتی تو میں ہر علم کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کو نہ منع کرتا مگر عمر مختصر ہے اور علوم بے انتہاء۔

لہٰذا حفظ قرآن کے بعد فن قرأت میں ''قرأت عشرہ'' مشہورہ پر اکتفاء کرے (قرأت شاذہ کے پیچھے نہ پڑے)

اور فن حدیث میں صحاح، سنن اور مسانید ومصنفات پر اکتفاء کرے کیونکہ حدیث کے علوم حد سے زیادہ پھیل چکے ہیں جبکہ متن روایات محدود ہیں اور اختلاف زیادہ تر طرق میں ہے۔

علم حدیث کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ایک فن کا دوسرے فن سے تعلق ہے اور سب کے حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے اس لیے فقہاء اس کو "علم الکسالی" (کاہلوں بیکاروں کا فن) کہتے ہیں کیونکہ حدیث کے طلبہ صرف لکھنے اور سننے سے مطلب رکھتے ہیں۔ حفظ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک اہم اور مشکل فن فقہ کو چھوڑے رہتے ہیں۔

حالانکہ پہلے زمانہ میں محدثین فقیہ بھی ہوتے تھے مگر اب ایسا زمانہ ہے کہ فقہاء حدیث نہیں جانتے اور محدثین فقہ سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا جو شخص ہمت بلند رکھتا ہو اور اپنی بھلائی کا طالب ہو اس کو چاہیے کہ ہر علم کے ضروری حصہ کو حاصل کرلے پھر اپنا سب سے اہم مشغلہ فقہ کو بنائے کیونکہ وہ سب سے بڑا اور سب سے اہم علم ہے۔

حضرت ابوزرعہ رازیؒ نے فرمایا کہ میرے پاس ''ابوثور'' نے لکھا کہ اس روایت کو اٹھانوے حضرات نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جبکہ میرے پاس یہ روایت صحیح سند سے صرف چند طرق سے پہنچی ہے کیونکہ غیر صحیح سندوں میں مشغولی ہونا اہم چیزوں کی مشغولی سے محروم کر دیتا ہے ہاں اگر عمر میں وسعت ہوتی تو تمام حدیثوں کی تمام سندوں کا حاصل کرنا بہت بہتر ہوتا مگر افسوس کہ عمر مختصر ہے۔

جب کوئی شخص ''یحیٰی بن معین'' کی طرح طرق روایات میں مشغول رہے گا تو فقہ سے محروم رہ جائے گا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا حائضہ عورت مُردہ کو غسل دے سکتی ہے؟ تو جواب نہ دے سکے جب ''ابوثور'' آئے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں جائز ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں بحالت حیض حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔

دیکھو! یحیٰی بن معین اگرچہ ابوثور سے زیادہ علم حدیث کے ماہر ہیں مگر فہم کا استعمال نہ کر سکے۔ اسی لیے میں علم حدیث کے طالبعلموں سے کہتا ہوں کہ خبردار! طرق روایات کی کثرت تم کو فقہ سے نہ روک دے۔

''بدترین بات ہے کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں ایسے شخص سے جس نے ساٹھ سال تک حدیثیں لکھی اور سنی ہوں مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہ سمجھ سکے۔''

اسی طرح میں تصوف اور خلوت نشینی اختیار کرنے والے کو علم سے بے رُخی کرنے سے منع کرتا ہوں بلکہ اس کو کچھ علم بھی حاصل کر لینا چاہیے تا کہ لغزش کے وقت چھٹکارا پانے کی صورت سمجھ سکے۔

غذا میں اعتدال

مجلس....اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کی عقل کامل اور مزاج صحیح ہو اور محبت میں ترقی کے لیے بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے۔

جبکہ کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ ان کی عقل کم اور مزاج فاسد تھے اس لیے انہوں نے خراب اور کم غذا استعمال کی جس سے کچھ فاسد خیالات پیدا ہوئے تو حق تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا دعویٰ کر دیا جبکہ ان کے پاس اتنا علم بھی نہیں تھا جو انہیں اس طرح کے دعوؤں سے روکتا' لہٰذا ہلاک ہو گئے۔ اس لیے مؤمن پر واجب ہے کہ اپنے بدن کے حقوق کی رعایت کرے اور اچھی غذائیں منتخب کرے۔

یہ سمجھ لو کہ بعض غذائیں ایسی ہوتی ہیں جو عقل کو فاسد کر دیتی ہیں' بعض سودا کو بڑھا دیتی ہیں جس سے مالیخولیا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مالیخولیا کے مریض کو دیکھو گے کہ خلوت پسند کرنے لگتا ہے' لوگوں سے بھاگنے لگتا ہے بلکہ کبھی غذا میں تقلیل کر دیتا ہے تو مرض بڑھ جاتا ہے پھر ایسے خیالات و تصورات ابھرنے لگتے ہیں جن کو وہ سچے مشاہدات سمجھتا ہے۔

چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے اور بعض کو بغیر کسی خاص بنیاد کے دعویٰ محبت اور مقام عشق کا وہم ہو جاتا ہے۔

جبکہ سمجھدار عالم راہ سلوک میں اپنے دو ساتھی علم اور عقل کے ساتھ سفر کرتا ہے کہ اگر کھانے میں کمی کی بھی تو عقل کے فیصلہ سے جس کی حد یہ ہے کہ ضرورت زائد یا مشتبہ غذا کو چھوڑتا ہے یا نفس کی عادت بگڑ جانے کے اندیشہ سے کمی کر دیتا ہے کیونکہ قدرت کے باوجود

(اور ہر محذور سے حفاظت کے ساتھ) زیادہ کمی کرنا نہ عقل کی بات ہے نہ شریعت کی البتہ اگر فقر اور احتیاج ہو تو مجبوراً تقلیل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

جس نے بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حالات پر غور کیا وہ دیکھے گا کہ یہ حضرات ایک خاص مقدار میں غذا حاصل کرتے تھے اور جسم کے لیے مفید غذاؤں کو چھوڑتے نہیں تھے۔ بلاشبہ کس قدر عمدہ اور کتنا معتدل ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

"ثلث طعام، ثلث شراب و ثلث نفس" (تہائی حصہ کھانا، تہائی حصہ پانی اور تہائی حصہ سانس) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جبکہ آپ بیمار تھے۔ فرمایا: "اصب من هٰذا الطعام فهو اوفق لک من هٰذا" تم یہ کھاؤ کیونکہ یہ تم کو اس سے زیادہ موافق ہے۔

اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم طبیبوں سے مشورہ لیتے تھے پچھنا لگواتے تھے، علاج پر ابھارتے تھے اور فرماتے تھے: "ما انزل الله داء الاّ و انزل له شفاء افتداء ووا" (اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی اتاری تو اس کے لیے دوا بھی ضرور نازل فرمائی ہے لہٰذا تم لوگ علاج کراؤ)

پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جو علم سے جاہل اور جسموں کی عمارت کے متعلق حکمت سے ناواقف تھے تو ان میں سے بعضوں نے پہاڑوں میں اقامت اختیار کی اور بلوط کا پھل کھانا شروع کیا جس کی وجہ سے ان کو قولنج کا مرض ہو گیا بعض نے کھانے میں اس قدر کمی کی کہ ان کے قویٰ کمزور ہو گئے۔

بعض نے جنگل کی گھاس پر اکتفاء کر لیا اور بعض صرف باقلا اور جو کھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے جسم میں بیماریاں پیدا ہو گئیں پھر یہ بیماریاں عقل کو فاسد کرنے کا سبب بن گئیں۔

اتفاق ایسا کہ ان کے پاس علم کم تھا کیونکہ اگر علم رکھتے تو سمجھتے کہ یہ افعال حکمت کے خلاف ہیں کیونکہ بدن اخلاط سے مرکب ہے جب یہ اخلاط معتدل ہوں گے تو سلامتی حاصل ہو گی اور اگر کوئی ایک بڑھ جائے گا تو بیماری آ جائے گی۔ چنانچہ اکثر بیمار ہوئے اور جلد ہی مر گئے، کچھ ایسے ہوئے جو اور بعض کو کچھ صورتیں نظر آئیں تو دعویٰ کر دیا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے۔

اس کے برخلاف جو حضرات علم و عقل سے آراستہ ہیں تو وہ مخلوق سے اس اندیشہ سے بھاگتے ہیں کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا کوئی منکر نہ سامنے آئے اور بعض ایسے ہیں کہ

ان کو اللہ تعالیٰ کی ایسی معرفت اور محبت حاصل ہوگئی جس نے ان کو مخلوق کی ملاقات سے روک دیا۔تو دیکھو یہ خلوتیں صاف ستھری ہیں کیونکہ علم اور عقل کے ساتھ حاصل ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ یہ سوچ کر اپنے بدن کی حفاظت کرتے ہیں کہ بدن کی مثال اس اونٹنی جیسی ہے جو منزل تک پہنچانے والی ہو۔

لہٰذا غذاؤں کے معاملہ میں لا پروائی نہ ہونی چاہیے خاص کر اس شخص کے لیے جو خشک غذاؤں کا عادی نہ رہا ہو۔اسی طرح جو شخص عادی نہ ہو وہ اونی موٹا کپڑا نہ پہنے بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے طریقہ پر نظر رکھے کیونکہ یہی حضرات مقتداء اور نمونہ ہیں اور بے حیثیت صوفی لوگوں کی بات کی طرف توجہ نہ دی جائے کہ کہنے لگے کہ فلاں صوفی نے مٹی کھائی اور فلاں صوفی ننگے پیر چلتا تھا اور فلاں نے ایک ماہ تک کچھ کھایا نہیں کیونکہ ان صوفیوں میں جو محقق گزرے ہیں اور نہایت مخلص بھی تھے وہ بھی سیدھے راستہ سے منحرف[1] تھے کیونکہ سیدھا راستہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی ہے اور وہ حضرات ایسا نہیں کرتے تھے۔

بلاشبہ حضرات صحابہ میں بھی ایسے لوگ تھے جو پانی ملے ہوئے دودھ پر اکتفاء کرتے تھے اور کئی کئی دن تک چھوٹے چھوٹے پرندے کھا کر صبر کرتے تھے لیکن ایسا یا تو مجبوری کی وجہ سے ہوتا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ اسی کے عادی تھے جیسا کہ دیہاتی لوگ صرف دودھ پینے کے عادی ہوتے ہیں اور یہ ان کے حق میں نقصان دہ نہیں ہوتا۔چنانچہ حدیث میں ہے:

''عودوا کل بدن ما اعتاد'' (ہر جسم کو اس کی عادت کے مطابق غذا دو)

ان صوفیوں میں سے بہت سے ایسے ہوئے جنہوں نے زہد اختیار کرنے کے لیے سارا مال خرچ کر دیا حالانکہ معلوم ہے کہ ضروریات کبھی ختم نہیں ہوتیں۔لہٰذا جب ضرورت پڑے گی تو مانگنے پر مجبور ہوگا یا ایسے شخص سے مال قبول کرلے گا جس کے بارے میں معلوم ہوگا کہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ان حضرات سے جو افعال صادر ہوئے جو بظاہر سنت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں تو ان کی پیروی کرنا یا ان کو سند بنانا درست نہیں ہے باقی یہ کہ ان حضرات سے ایسے افعال کا صدور کیوں ہوا؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ مغلوب الحال اور معذور تھے اور تفصیلی جواب کے لیے "السنة الجلية في الجشتية العليه" مصنفہ حضرت حکیم الامت مطالعہ کرنی چاہیے جو یقیناً اس باب میں بے نظیر کتاب ہے۔۱۲حمزہ

ظالم ہے اور آبرو بھی خرچ کرنی پڑے گی جبکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت کرتے اور مال کی حفاظت فرماتے تھے اور یہ جاہل صوفی مال جمع کرنے کو زہد کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اس پوری تفصیل کا نچوڑ اور خلاصہ یہ سمجھ لو کہ جس شخص کو فہم سے حصہ ملا ہو اس کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی کوشش کرے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کو نقصان پہنچے' کوئی ایسی غذا نہ کھائے جو اس کے موافق نہ ہو' اپنا مال ضائع نہ کرے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرے تاکہ دوسروں کا محتاج نہ ہو جائے کیونکہ جس صوفی نے بھی نفاق برتا ہے تو دنیا داروں ہی کے لیے (تاکہ دنیا حاصل کر سکے) باکمال حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرتا رہے اور علم میں مشغول رہے کیونکہ یہی رہبر ہے۔

اگر ان باتوں کی رعایت کر لی گئی تو طبیعت اس کو اپنے رب کے ساتھ خلوت پر ابھارے گی اور اس کو محبت کے شغل پر آمادہ کرے گی پھر جو کچھ ثمرہ حاصل ہو گا وہ پختہ پھل ہو گا نہ کہ کچا پھل۔ (واللہ الموفق)

عقل اور دنیا کا کھیل

مجلس.... میں نے عقلوں کے ساتھ دنیا کے کھیل سے زیادہ دلچسپ تماشا کوئی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ہم نے سنا بھی اور دیکھا بھی کہ بہت سے سمجھ دار کامل العقل افراد کے ساتھ دنیا نے وہ کھیل کیا کہ بالکل مجنوں اور پاگل سے معلوم ہونے لگے کیونکہ جب انہیں حکومت ملی تو قتل' مار پیٹ قید' گالی اور دین کی بربادی یعنی ظلم کے ارتکاب میں مشغول ہو گئے اور یہ سب صرف اس دنیا کے لیے کیا گیا جو بہت جلد ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور جتنی مدت رہتی بھی ہے تو بہت سی تکلیفوں اور گھٹن کے ساتھ رہتی ہے۔

لہٰذا اے عقل سے حصہ پانے والے! عقل کا حق نہ چھین' اس کا نور نہ بجھا' جو کچھ ہم مشورہ دے رہے ہیں اس کو غور سے سن اور طبیعت کے کم سن بچے کی فریاد کی طرف التفات مت کر جبکہ وہ اپنی خواہش کے فوت ہونے پر روئے کیونکہ اگر تو نے اس کے رونے پر ترس کھایا (اور خواہشات پوری کرتا رہا) تو چھڑانا مشکل ہو جائے گا اور تربیت ممکن نہیں رہ

جائے گا پھر وہ جاہل اور محتاج ہو کر بالغ ہوگا۔

لاتسه عن ادب الصغير لو اشكا الم التعب

''بچہ کی تربیت سے غفلت نہ کرو اگرچہ تکلیف کی شکایت کرے۔''

ودع الكبير لشانه .... كبرالكبير عن الادب

''اور بڑے کو اس کے حال پر چھوڑ دو بڑا تربیت سے اوپر اُٹھ چکا ہے۔''

خوب سمجھ لو آزمائش کا زمانہ ایسا مہمان ہے جس کی ضیافت صبر سے ہونی چاہیے۔
حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آزمائش کیا ہے؟ یہی اچھا کھانا چھوڑ کر معمولی کھانا اختیار کرنا اور اچھا لباس چھوڑ کر معمولی لباس پہن لینا اور یہ سب صرف چند دن کی بات ہے۔لہٰذا ٹھاٹھ والوں کی لذت مت دیکھو بلکہ ان کے انجام کو سوچو اور معاش کی تنگی پر دل چھوٹا نہ کرو بلکہ چلنے والی اونٹنی کو ''حدی'' کے ذریعہ بہلا کر لے چلو۔

طاول بها اليل مال النجم ام جنحا وماطل النوم ضن الجفن ام سمحًا

''سواریوں کو بہلاؤ ستارے جھکیں یا مائل ہوں' نیند کو ٹالو' پلکیں بخل کریں یا سخاوت''

فان تشكت فعللها المجرة من ضوء الصباح وعدها بالرواح ضحى

''پھر اگر شکایت کرنے لگیں تو صبح کی روشنی سے بہلاؤ اور دن چڑھے آرام کا وعدہ کرلو۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہدیہ آیا آپ نے واپس فرمادیا پھر ایک سال کے بعد اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ ''اگر اس کو قبول کر لیتے تو بھی وہ اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔
(مطلب یہ تھا کہ جیسے یہ پورا سال بغیر قبول کیے بھی عافیت کے ساتھ گزر گیا اگر قبول کر لیتے تو بھی گزرتا مگر ہدیہ دینے والے کے احسان کے بوجھ کے ساتھ ۱۲)
حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک کنویں کے پاس سے گزر رہے تھے ساتھی نے کہا مجھے پیاس لگی ہے' آپ نے فرمایا اگلے کنویں پر پی لینا' جب اگلے پر پہنچے تو فرمایا اگلے والے پر...... پھر فرمایا کہ ''دنیا کی رہ گزر بھی اسی طرح طے کی جاتی ہے۔''
اسی طرح کچھ لوگ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ گھر میں چٹائی بھی نہیں ہے کسی نے پوچھا کہ کیا اس طرح بغیر چٹائی کے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ تو فرمایا کہ تکلیف

کی مدت جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

حضرت داؤد طائیؒ کے پاس رہنے کے لیے ایک بڑا مکان تھا۔ ایک کمرے کی چھت شکستہ ہو کر گر پڑی تو آپ دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئے پھر اسی طرح منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات مکان کی باہری دہلیز پر ہوئی۔

تو دیکھو یہ لوگ ہیں جنہوں نے انجام پر نگاہ رکھی تھی مگر اس کے باوجود میں تم سے اس کا مطالبہ نہیں کرتا کہ تم یہ مرتبہ حاصل کرو بلکہ صرف تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی ایسا مباح مال جس میں نہ کسی کا احسان ہو نہ کوئی نقصان اور جسے نہ تو تم نے مانگ کر حاصل کیا ہو اور نہ کسی ظالم کے حرام اور مشتبہ مال میں سے پایا ہو تو بقدر ضرورت مباح حد تک استعمال کر لو مگر خرچ کا اندازہ لگا کر فضول خرچی سے پرہیز بھی کرو کیونکہ حلال مال فضول خرچی کا متحمل نہیں ہوتا اور اگر تم نے فضول خرچی کی تو پھر مخلوق سے مانگنے اور مشتبہ مال کھانے پر مجبور ہونا پڑے گا اور اگر مالی تنگی پیش آ جائے تو صبر سے کام لو پھر جب صبر نہ ہو سکے تو اس ذات سے سال کرو جو تمام بند دروازے کھولنے والی ہے کیونکہ وہ کریم ہے اور اسی کے پاس خزانہ غیب کی تمام کنجیاں ہیں۔

خبردار! مخلوق کے لیے بناوٹ اور تصنع کر کے یا دولت مندوں سے مال کے حصول کے لیے قرب اختیار کر کے اپنا دین مت گنوا بیٹھنا بلکہ حضرات سلف کی روش کو سامنے رکھو۔

حضرت ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک جوڑا ایسا تھا جس کو پہن کر لوگوں کے درمیان بیٹھتے تھے پھر اس کو لپیٹ کر اگلی مجلس کے لیے رکھ دیتے تھے اور وہ بھی باپ سے میراث میں ملا تھا۔ چالیس سال تک اسی کو استعمال کیا۔

حضرت میمونہ بنت شاقولہؒ لوگوں کو نصیحت اور وعظ کرتی تھیں آپ کا جوڑا بھی چالیس سال تک استعمال ہوتا رہا۔

جس کی نگاہ صاف ہوئی اور الفاظ مہذب اس کے وعظ سے نفع ہوتا ہے اور جس نے نگاہ میں کھوٹ رکھا اس کا نفع بھی کھوٹا ہو جاتا ہے اس سلسلے میں بلند مقام یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے کہ صرف اسی پر بھروسہ ہو اور اسی کی طرف نگاہ ہو مخلوق سے دل پھیر لیا جائے۔

اگر ضرورت پیش آ جائے تو اسی سے مانگا جائے اور اگر کمزوری ہو جائے تو اس کی

طرف مائل ہو جائے۔ یہ سمجھ لو کہ جب تک اسباب میں دل لگائے رکھو گے اس سے تعلق ٹوٹا رہے گا اور جب دل درست ہو جائے گا (یعنی اسی ذات واحد سے تعلق استوار کر لے گا) تو سارے کام درست ہو جائیں گے۔

سچا دوست

مجلس.... مجھے اندازہ ہوا کہ میرا دل ان ملنے جلنے والوں سے جن کو ہم دوست کہا کرتے ہیں مانوس ہو رہا ہے تو میں نے ان کو تجربوں کی کسوٹی پر رکھ کر آزمایا تو معلوم ہوا کہ اکثر تو نعمتوں پر حسد کرنے والے ہیں اور ایسے دشمن ہیں کہ کوئی لغزش چھپاتے نہیں ہیں، ہم نشین کا حق نہیں پہچانتے اور اپنے مال سے کسی دوست کی مدد کرنا نہیں جانتے۔

یہ حالت دیکھ کر میں نے اس معاملہ کی حقیقت پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کو مؤمن کے دل کے کسی چیز سے مانوس ہو جانے سے غیرت آتی ہے اس لیے وہ دنیا اور اہل دنیا کو مؤمن کے لیے مکدر اور تلخ بنا دیتا ہے تا کہ سب سے ہٹ کر اس کا دل صرف اسی سے مانوس ہو۔

لہٰذا مناسب طریقہ یہ ہے کہ سب لوگوں کو جان پہچان والے لوگوں کے درجہ میں رکھا جائے، کسی کو دوست نہ سمجھا جائے بلکہ دشمن ہی سمجھ کر معاملہ کیا جائے، اسی لیے کسی کے سامنے بھی اپنا راز نہ ظاہر کرو اور نہ کسی نامناسب شخص کو شدت تعلق کے لیے بیٹا بھائی اور دوست خیال کرو بلکہ ان سب کے ساتھ ظاہر داری کا معاملہ رکھو، میل جول بھی زیادہ نہ رکھو، بس ضرورت کے وقت احتیاط کے ساتھ تھوڑی دیر ملاقات کر لو پھر وہاں سے ہٹ جاؤ اور اپنے خالق پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات بھلائی نہیں دے سکتی اور نہ اس کے سوا کوئی برائی کو دور کر سکتا ہے لہٰذا وہی تیرا ہم نشین اور غم خوار ہے اسی پر تیرا بھروسہ ہو اور اسی سے شکایت کی جائے حتیٰ کہ اگر تیری نگاہ بصیرت کمزور ہو تو اسی سے فریاد کر اور اگر یقین میں کمی ہو تو اسی سے قوت اور مضبوطی کا سوال کر اور خبردار! کسی اور کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ وہ بہت غیرت مند ہے۔

اگر تم اس کے فیصلوں پر شکایت کرو گے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ناراض ہونے کے باوجود (اس وقت) عتاب نہیں کرتا (بلکہ کسی اور وقت کے لیے مہلت دے دیتا ہے لہٰذا شکوہ

شکایت سے پرہیز کرو) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس وحی بھیج کر سوال کیا کہ تم کو کنویں سے کس نے نجات دی؟ تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا؟ وہ کس نے کیا؟ آپ ہر سوال کے جواب میں کہتے رہے کہ (اے پروردگار) آپ نے تو پوچھا کہ پھر تم نے میری علاوہ غیر کا ذکر کیوں کیا؟ اچھا دیکھو اب میں تمہاری قید کی مدت دراز کر دیتا ہوں۔ (اوکما قال)

یہ عتاب اس پر ہوا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک سبب مباح کو اختیار کر لیا تھا۔[1]

"اذکرنی عندک ربک" (اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا) اسی طرح "ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم" (اور یاد کرو حنین کا دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو ناز میں مبتلا کر دیا[2])

تو میں سمجھتا ہوں کہ اصلی زندگی انہی کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے اس کی معیت میں جی رہے ہیں، اپنے کردار و گفتار میں اس طرح آداب کی رعایت کرتے ہیں جیسے اس کو دیکھ رہے ہوں۔ اپنی نگاہ کے دروازے پر پہریدار بن کر کھڑے رہتے ہیں تا کہ غلط جگہ نہ پڑ جائے زبان کے دروازے پر محافظ بن کر موجود رہتے ہیں تا کہ غلط بات نہ نکل جائے اور سب سے بڑھ کر دل کی چوکھٹ پر دربانی کرتے ہیں تا کہ اس میں غیروں کے آنے سے حفاظت رہے اور خدا میں مشغول ہو کر لوگوں سے وحشت کھاتے ہیں یہی لوگ ہیں جو روحانیوں اور ربانیوں کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جو اختلاط میل جول بڑھاتے ہیں تو ان کے عمل میں کھوٹ اور کدورت غالب ہو جاتی ہے جبکہ مخلص حضرات ہمیشہ رتبہ بلند کے طالب ہوتے ہیں کسی کہنے والے نے کہا ہے:

الا لا احب السیر الا مصاعدا ولا البرق الا ان یّکون یمانیا

"سن! میں رفتار وہی پسند کرتا ہوں جو اوپر چڑھنے والی ہو اور بجلی بھی وہی جو یمنی ہو۔"

---

[1] واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتلانے کے بعد نجات پانے والے ساقی سے کہا کہ جب تم چھوٹ کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچنا تو میرا ذکر بھی کر دینا۔ مقصد یہ تھا کہ بادشاہ اس معاملہ کی جانچ کرا کر مجھ کو بری کر دے خدا تعالیٰ کو غیر سے طلب مدد پر غیرت آئی تو ساقی کے ذہن سے یہ واقعہ بھلا دیا جس کی وجہ سے پھر کافی مدت تک جیل میں مزید رہنا پڑا۔ ۱۲حمزہ [2] مطلب یہ ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر بھی پہلے مرحلہ میں پسپائی کی وجہ یہی تھی کہ نظر خدا تعالیٰ سے ہٹ کر لشکر کی کثرت پر چلی گئی تو خدا تعالیٰ کو غیرت آئی اور تنبیہاً یہ معاملہ ہوا۔ ۱۲حمزہ

علم کا مقصود اور علماء کا حال

مجلس.....بہت سے علماء کو دیکھا کہ علم کے ظاہر میں مشغول ہیں نہ اس کی حقیقت سمجھتے ہیں نہ مقصود۔

قاری روایات میں لگا ہوا ہے، شاذ قرأت میں اُلجھا ہوا ہے، سمجھتا ہے کہ مقصود صرف تلاوت ہے اس لیے نہ متکلم (یعنی اللہ تعالیٰ) کی عظمت پر نگاہ ڈالتا ہے نہ قرآن پاک کی دھمکیوں اور جھڑکیوں کو سوچتا ہے۔

ممکن ہے سوچتا ہو کہ حفظ قرآن اس کی طرف سے دفاع کرے گا اسی وجہ سے اس کو دیکھو گے کہ گناہوں میں آزادروی اختیار کر لیتا ہے حالانکہ اگر فہم سے کام لیتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ غیر قاری کے مقابلہ میں اس کے خلاف حجت زیادہ قوی ہے۔

محدث، طرق روایات جمع کرنے اور سندیں حفظ کرنے میں مشغول ہے اس لیے یہ نہیں سوچتا کہ روایات کا مقصود کیا ہے بلکہ یہ سمجھ لیا ہے کہ اور لوگوں کے مقابلہ میں حدیث کا علم حاصل کر لینے کی وجہ سے مجھ کو سلامتی اور حفاظت حاصل رہے گی۔

اور ممکن ہے کہ گناہوں میں اسی گمان سے رخصت پسندی اختیار کر لیتا ہو کہ دین کی خدمت اس کی طرف سے دفاع کا کام کر دے گی۔

جبکہ مفتی کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ ان جدلی مباحث کے سیکھ لینے کی وجہ سے جن سے مناظرہ اور مقابلہ میں قوت ملتی ہے یا ان مسائل کے سمجھ لینے کی وجہ سے جن سے فتویٰ دیا جاتا ہے اس کا مرتبہ بلند اور گناہ ختم ہو جائے گا۔

ممکن ہے کہ گناہوں پر اسی خیال سے ٹوٹ پڑتا ہو کہ یہ سب اس کی طرف سے دفاع کر دیں گے۔ بعض قرآن بھی حفظ نہیں کرتے اور نہ حدیث کی معرفت رکھتے ہیں اس لیے یہ بھی نہیں جانتے کہ قرآن و حدیث نرمی اور دھمکی کے ساتھ گناہوں سے روکتے بھی ہیں پھر قرآن و حدیث سے جہالت کے ساتھ جاہ پرستی کا مرض بھی شامل ہو جاتا ہے اور بحث و جدال میں غلبہ اور جیت کا خیال بھی جس سے دل کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے۔

یہی روش اکثر علماء کی ہے کہ علم کا ظاہر ہی ان کا فن ہے جس سے ان کے اندر کبر اور حماقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

چنانچہ ایک معتبر آدمی نے ایسے شخص کے بارے میں نقل کیا جنہوں نے بہت سے علوم وفنون حاصل کرنے میں پوری عمر گزار دی تھی کہ آخری عمر میں اصرار کے ساتھ فسق میں مبتلا ہو گئے اور کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے۔

یہ حال بتلا رہا ہے کہ وہ اسی گمان میں تھے کہ میرے علوم اس بدحالی کا شر دفع کر دیں گے اور کوئی نشان باقی نہیں رہ جائے گا۔ گویا ان کو اپنی نجات کا یقین ہو چکا تھا اس لیے خوف کی کوئی علامت اور گناہ پر پچھتاوے کا کوئی اثر نہیں رہ گیا تھا۔

ناقل کہتے ہیں کہ آخر کار ان کا حال بدل گیا' یعنی فقر واحتیاج میں مبتلا ہو گئے پھر اس کے باوجود کہ سخت مصیبتیں جھیل رہے تھے اپنی بدحالی اور گناہ سے نہیں باز آتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن بھیک میں چند قیراط پائے تب شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے یا الٰہی! کیا اس حد تک؟

ناقل کہتے ہیں کہ مجھے ان کی اس غفلت پر بہت تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر (اس کی نافرمانی کر کے) کیسے انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اللہ ان کی حفاظت کرے گا' رزق میں وسعت دے گا اور ان کی تدبیر درست کر دے گا' لگتا ہے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا تھا "و ان لو استقاموا علیٰ الطریقة لا سقیناهم مآء غدقًا" (اگر وہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رہتے تو یقیناً ہم ان کو خوشگوار سیراب کرنے والا پانی پلاتے)

اور یہ نہیں جانتے تھے کہ گناہ رزق کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور یہ کہ جس نے بھی اللہ کے حقوق کو ضائع کیا اللہ تعالیٰ خود اس کو ضائع اور برباد کر دیتے ہیں۔

یہ واقعہ سن کر مجھ کو خیال ہوا کہ کوئی علم اس درجہ غیر مفید نہیں ہوتا جتنا کہ ان عالم صاحب کا علم غیر مفید ثابت ہوا کیونکہ عالم کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ لغزش ہو جائے تو شکستہ دل ہو جاتا ہے جبکہ یہ شخص گناہوں پر مصر تھا اور گناہ سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے لیے اس فعل کو جائز کر لیتا تھا یا اس کو دین میں تحلیل وتحریم کا اختیار حاصل تھا۔ پھر وہ عالم جلد ہی بیمار ہوا اور بہت بری حالت میں اس کی موت ہوئی۔

ناقل کہتے ہیں کہ اسی طرح میں نے ایک اور عالم کو دیکھا کہ علم کے صرف ظاہری الفاظ حاصل کر رکھے تھے جو ان کو فائدہ نہیں پہنچا رہے تھے جو گناہ بھی ممکن ہوتا اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور تقدیر کا جو فیصلہ بھی پسند نہ آتا تھا تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور ملامت شروع کر دیتے تھے (نعوذ باللہ) چنانچہ بڑی تلخی میں زندگی گزاری اور نہایت برے عقیدوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

دیکھو! ان لوگوں نے علم کا معنی نہیں سمجھا کیونکہ الفاظ کی صورتوں اور نقش کا نام علم نہیں ہے بلکہ علم کا مقصود یہ ہے کہ الفاظ کے معنی اور مراد کو سمجھا جائے جس سے خشیت اور خوف پیدا ہو اور یہ سمجھ میں آ جائے کہ سارا احسان اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور علم والوں پر حجت زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی بیداری اور ہوش عطا فرمائیں جو مقصود کو سمجھا کر معبود سے آشنا کر دے اور ان کمینوں کی روش سے بچائیں جن پر عالم ہونے کا نام لگا ہوا ہے لیکن علم کا بوجھ ان کو بدعملی سے نہیں روک پاتا ہے جو جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے ہیں پھر جس علم پر عمل نہیں ہے اسی کے ذریعے دوسروں پر تکبر کرتے ہیں جو باوجود اس کے کہ جس دنیاوی ساز و سامان سے انہیں منع کیا جا چکا ہے اس کو قبول کرتے رہتے ہیں جن پر طبیعت اور خواہشات کا غلبہ ہے جن کو وہ علوم درست نہیں کر سکے جو وہ ہر وقت پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اور (ان سب وجوہات کی بناء پر) جو بیچارے ان عوام سے بھی بدتر حالت میں ہیں۔

"یعلمون ظاهراً من الحياة الدنيا وهم عن الاخرة هم غافلون" (جو ظاہری دنیوی میں زندگی کا علم رکھتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں)

عالم کیلئے ایک گرانقدر نصیحت

مجلس.... مفتی کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ، سیر، حدیث، لغت وغیرہ ہر فن کا کچھ نہ کچھ ضرور مطالعہ کرے کیونکہ فقہ میں تمام علوم کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ہر فن سے ضروری اور بنیادی باتیں حاصل کر لینی چاہئیں۔

میں نے ایک مفتی کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ "حضرت شبلی اور قاضی شریک اکٹھا ہوئے" تو ان کی نادانی پر تعجب ہوا کہ کیسے وہ ان دونوں کے زمانہ کے درمیان بعد سے ناواقف رہ گئے۔

ایک اور مفتی صاحب نے مناظرہ میں فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان زوجیت کا حکم ختم نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا۔ میں نے کہا تمہارا برا ہو‘ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی حضرت امامہ سے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھانجی ہوئی تھیں نکاح کیا تھا اس سے ثابت ہوا کہ زوجیت ختم ہو چکی تھی۔

ایسے ہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم میں احادیث اور تاریخ وغیرہ کے متعلق ایسی ایسی غلطیاں نظر آئیں جو آدمی کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔ چنانچہ میں نے ان اغلاط کو ایک کتاب میں جمع بھی کر دیا ہے۔

انہوں نے اپنی ایک کتاب میں جس کا نام ”المستظهری“ رکھا ہے اور اس کو خلیفہ مستظہر باللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا ذکر کیا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت ابو حازم (جو ایک صوفی بزرگ تھے) کے پاس کہلایا کہ اپنے ناشتہ کا بچا ہوا کچھ بھیج دیجئے۔ انہوں نے بھنا ہوا چوکر بھیج دیا جس کو سلیمان نے ناشتہ میں کھایا پھر بیوی سے ہمبستری کی تو اس سے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ پھر عبدالعزیز سے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔

حالانکہ بہت فاش غلطی کی۔ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو سلیمان بن عبدالملک کا پوتا اور سلیمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دادا قرار دیدیا جبکہ سلیمان حضرت عمر کا چچازاد بھائی تھا۔

اسی طرح ابو المعالی مجوینی نے اپنی کتاب ”الشامل فی الاصول“ کے اخیر میں لکھا ہے کہ معتبر اور حقائق کی جستجو رکھنے والے حضرات کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ حلاج‘ جبائی‘ قرمطی اور ابن المقفع نے حکومتوں کا تختہ الٹنے‘ سلطنت کا نظام درہم برہم کرنے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ایک ایک علاقہ کی طرف سفر کرنے کا مشورہ کیا پھر جبائی ”احساء“ میں داخل ہوا۔ ابن المقفع ترک کے ممالک میں گھسا اور حلاج نے بغداد میں ڈیرہ ڈالا تو حلاج کے دونوں ساتھیوں نے کہا کہ تم بغداد میں ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور یہ آرزو پوری نہ ہو سکے گی کیونکہ اہل بغداد دھوکہ نہیں کھاتے ان کی سمجھ بہت زیادہ ہوتی ہے اور فراست بڑی سچی۔

میں نے کہا کہ اگر یہ صاحب یا جنہوں نے ان سے بیان کیا ہے وہ لوگ تاریخ سے

واقف ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ حلاج نے ابن المقفع کا زمانہ ہی نہیں پایا کیونکہ ابن المقفع کے قتل کا حکم منصور عباسی نے دیا تھا تو وہ ۱۴۴ھ میں قتل کر دیا گیا تھا جبکہ ابوسعید جبائی قرمطی ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا اور حلاج کو ۳۰۹ھ میں قتل کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جبائی اور حلاج کا زمانہ تو ایک دوسرے سے قریب ہے مگر ابن المقفع کا ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

لہٰذا ہر ذی علم کو باقی علوم سے بھی واقف رہنا چاہیے اور سب میں سے تھوڑا بہت مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر علم کا دوسرے علم سے ربط ہوا کرتا ہے۔

کس قدر بری بات ہے کہ محدث سے کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق پوچھ لیا جائے تو صرف اس لیے جواب نہ سمجھ سکے کہ طرق احادیث کے اکٹھا کرنے کے شغل نے اس کو فقہ سے محروم کر دیا۔ ایسے ہی فقیہ مفتی کے لیے عیب کی بات ہے کہ اس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کا مطلب پوچھ لیا جائے تو وہ نہ حدیث کی صحت سے واقف ہو اور نہ اس کا معنی ہی بتا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل اور احسان سے ایسی بلند ہمت عطا فرمائیں جو نقائص اور عیب پر راضی نہ رہے۔

مطالعہ

مجلس.... گزشتہ علماء کی ہمتیں بہت بلند تھیں جیسا کہ ان کی وہ تصانیف جو ساری زندگی کا نچوڑ اور کمائی ہیں ان کو دیکھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

مگر ان حضرات کی اکثر کتابیں مٹ کر رہ گئی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طالبان علوم کی ہمتیں ضعیف ہو چکی ہیں اس لیے وہ طویل طویل کتابوں کو نشاط کے ساتھ نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے مختصر کتابوں پر اکتفا کرنے لگے ہیں بلکہ اب تو صرف اپنی درسی کتابوں میں سے بھی بعض پر اکتفاء کر بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتابیں مٹ گئیں اور نقل نہیں کی گئیں۔

لہٰذا اب ان طالبان علوم کے لیے جو کمال پیدا کرنے کے خواہش مند ہوں یہی راستہ ہے کہ ان کتابوں کا بھی پتہ لگائیں (اور مطالعہ کریں) جو موجودہ کتابوں میں دستیاب نہیں ہیں اور مطالعہ کی مقدار بڑھا دیں تاکہ گزشتہ علماء کے وہ علوم اور وہ حوصلے نظر آویں جو ذہن کو تیز اور ارادوں میں جدوجہد کی تحریک پیدا کر دیتے ہیں

''جبکہ (یہ اصول ہے کہ) کوئی کتاب بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتی[1]۔''

اوران لوگوں کی عادات اور طور طریقوں سے تو اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں جن کے ساتھ ہم اس دور میں زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ ان میں کوئی ایسا بلند ہمت نظر نہیں آتا جس کی مبتدی طلباء نقل کر سکیں اور نہ ایسا پاک باز صوفی دکھائی دیتا ہے جس سے مریدین استفادہ کر سکیں۔ پس خدا سے ڈرو اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرو ان کی تصنیفات دیکھو اور ان کی روایات پڑھو کیونکہ ان کی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا گویا ان کی زیارت کرنا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

فاتنی ان اریٰ الدیار بطرفی فلعلی اریٰ الدیار بسمعی

''میں محبوب کے در و دیوار کو نگاہوں سے نہیں دیکھ سکا تو اب ہو سکتا ہے کہ کانوں سے دیکھ لوں۔''

میں تم کو اپنا حال بتلاتا ہوں کہ مجھ کو کسی بھی کتابوں کے مطالعہ سے سیر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ایسی کتاب دیکھ لیتا ہوں جس کو اب تک نہ دیکھا ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مخفی خزانہ دریافت ہو گیا ہو۔

چنانچہ میں ان تمام کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہوں جو مدرسہ نظامیہ کے کتب خانہ میں وقف کی گئی تھیں۔ جب میں نے اس کا رجسٹرڈ دیکھا تو معلوم ہوا کہ تقریباً چھ ہزار جلدوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابیں امام حمیدی کی تصنیفات' ہمارے استاذ عبدالوہاب بن ناصر کی کتابیں اور ابو محمد بن الخشاب کی کتابیں جو کئی بوجھ کے برابر تھیں اور ان کے علاوہ بہت سی وہ کتابیں جن پر مجھ کو قدرت مل سکی مطالعہ کر چکا ہوں۔ حتیٰ کہ اگر میں کہہ دوں کہ بیس (۲۰۰۰۰) ہزار جلدیں مطالعہ کر چکا ہوں تو درست ہوگا جبکہ ابھی میں اس کے بعد بھی طلب و جستجو میں لگا ہوا ہوں۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھ کو حضرات سلف کے وہ حالات' ان کی بلند ہمتی کے وہ مراتب ان کی یادداشت کی وہ قوت' عبادات کی وہ کثرت اور ایسے ایسے انوکھے علوم حاصل ہوئے جن کو مطالعہ نہ کرنے والے حضرات جان ہی نہیں سکتے تھے۔ اب میں اتنے علوم حاصل کر لینے کی وجہ سے ان معلومات کو معمولی سمجھنے لگا ہوں جو اس زمانہ میں عام علماء کو حاصل ہیں اور

---

[1] یعنی ذی علم حضرات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کبھی نیا علم حاصل ہوتا ہے کبھی نئی تعبیر اور نیا سلیقہ حاصل ہوتا ہے کبھی اپنی تائید اور تقویت مل جاتی ہے' کبھی مصنف کا حال اور مقام ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہ حاصل ہو تو کم از کم یہی حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں کچھ نہیں ہے اور یہ بھی فائدہ کی بات ہے۔ ۱۲ حمزہ

موجودہ زمانہ کے طالب علموں کی ہمتوں کو حقیر اور بے وقعت خیال کرنے لگا ہوں۔ (وللہ الحمد)

کفر.....حماقت ہے

مجلس.....انسان کو سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہوتی ہے اس لیے مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس کو خطرہ اور ہلاکت میں ڈال دیں جبکہ اس کا سبب عقل کی کمی اور فکر کی خرابی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اس لیے جان کو داؤ پر لگا دیتے ہیں تا کہ بزعم خویش مدح حاصل ہو۔ مثلاً کچھ لوگ درندوں کے شکار میں جاتے ہیں، بعض کسریٰ کے محل پر چڑھتے ہیں تا کہ ''شاطر'' (تیز چالاک) کہلائیں اور دوڑ . . . والا تیس میل دوڑتا ہے (تا کہ ''ساعی'' کا خطاب حاصل کرلے) حالانکہ اگر یہ لوگ اس مشغلہ میں ہلاک ہو جائیں تو جہنم میں ڈالے جائیں گے (کیونکہ خودکشی کے مترادف ہے۔۱۲)

دیکھو! اگر ان میں سے کوئی ہلاک ہو جائے تو وہ جان جس کے لیے مال (اور جاہ) حاصل کی جاتی ہے ختم ہو جائے گی۔

ان سب سے زیادہ تعجب خیز وہ شخص ہے جو اپنی جان کو ہلاکت کے خطرہ میں اس طرح ڈالے کہ اسے خبر بھی نہ ہو مثلاً غصہ میں آ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے پھر اس کے اس غصہ کو جہنم کی آگ سے ٹھنڈا کیا جائے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب یہود و نصاریٰ کا حال ہے کہ یہودی اور نصرانی کے لیے بالغ ہونے کے بعد ضروری تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر غور کرتا مگر جب اس نے اس میں کوتاہی کر دی تو پھر اس کے لیے ہمیشہ ہمیش کی سزا ہے۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص سے میں نے کہا کہ تمہارا برا ہو تم اپنے کو دائمی عذاب کے خطرہ میں ڈال رہے ہو کیونکہ ہم لوگ تمہارے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبیوں کو جھٹلائے یا تورات کا انکار کرے تو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہم تمہارے نبی کی سچائی اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہماری ملاقات تمہارے نبی سے ہوگی تو ہم کو کوئی شرمندگی نہ ہوگی۔

اگر چہ وہ ہم پر عتاب کریں اور پوچھیں کہ تم نے یوم سبت (سنیچر کا دن) کا حق کیوں نہیں ادا کیا؟ کیونکہ سبت کا حکم فروعات میں سے ہے اور فروعات پر ہمیشہ کی سزا نہیں دی جائے گی۔

یہودیوں کے سردار نے کہا کہ ہم تم سے "یوم سبت" کی عبادت کا مطالبہ بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ "سبت" کا حکم صرف بنی اسرائیل کے لیے لازم تھا۔

میں نے کہا کہ تو پھر تمہارے نزدیک بالاتفاق ہم محفوظ ہیں اور تم ہلاک و برباد ہو کیونکہ اپنی جانوں کو دائمی عذاب میں ڈال رہے ہو۔

اس شخص پر تعجب ہے جو ایسے معاملہ میں غور و فکر نہ کرے جس میں سستی کرنے سے ہمیشہ کے عذاب کا اندیشہ ہو۔ اور ان سب سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ شخص ہے جو اپنے خالق کا انکار کرے کیونکہ صنعت و کاریگری کو دیکھتے ہوئے بھی یہ کہتا ہے کہ کوئی "صانع" نہیں ہے جبکہ ان تمام چیزوں کا سبب عقل کی کمی (حماقت) اور غور و فکر کو ترک کر دینا ہے۔

اخفاءِ راز

مجلس.....سمجھ دار آدمی کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ اپنا کوئی راز ظاہر کر دے جب تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اگر وہ راز پھیل بھی گیا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

یہ بات متعین ہے کہ اظہار راز کی وجہ یہی ہے کہ آدمی راز کو ظاہر کر کے اپنی طبیعت ہلکی کر لیتا ہے حالانکہ یہ وقتی تکلیف ہے جس پر صبر کر لینا چاہیے۔

ورنہ بعض بعض لوگ بیوی سے کوئی راز ظاہر کر دیتے ہیں پھر جب طلاق دیتے ہیں تو وہ اس کو پھیلا دیتی ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔

یا کسی دوست سے ظاہر کیا گیا اور اس نے حسد میں دوسروں پر افشاء کر دیا جبکہ برابر کا دوست ہو اور اگر عام لوگوں میں سے ہو تو عامی تو احمق ہی ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی راز ظاہر ہو گیا اور ہلاکت کا سبب بن گیا۔

اے علم کے عاشق! اس عشق کے آداب ملحوظ رکھ

مجلس.....علم کی طلب میں آگے وہی بڑھتا ہے جسے علم سے عشق ہو اور عاشق کو

محبوب کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں پر صبر ہی کرنا چاہیے۔

جو بھی علم کا شغل اختیار کرے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ کسب معاش سے علیحدہ رہے پھر جبکہ امراء اور محبت کرنے والے مسلمان بھائیوں کی طرف سے علماء کی خبر گیری کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اس لیے علماء ان سے کٹ کر رہ گئے ہیں تو یقیناً علم میں مشغول حضرات کے لیے فقر و احتیاج لازم ہو گی۔

جبکہ فضیلتیں اور درجات (با آواز بلند) پکار رہی ہیں: "هنالك ابتلى المؤمنون وزلزلوا زلزالا شديدا" (اسی موقعہ پر آزمائے گئے اہل ایمان اور اچھی طرح جھنجوڑ دیے گئے)

اور جب بھی ابتلاء آزمائش پیچھے ہٹنے لگتا ہے تو کہتے ہیں:

لاتحسب المجد تمرا انت آكله　　　لن تبلغ المجد حتّٰى تلعق الصبر

"عز و شرف کو کوئی چھوہارا نہ سمجھو جسے تم کھالو گے' اس کو اس وقت تک نہ پاسکو گے جب تک ایلواء نہ چباؤ گے۔"

دیکھو! جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے محتاج ہونے کے باوجود (طلب علم کو ترجیح دی تو چالیس سال تک اسی میں مشغول رہے حتیٰ کہ نکاح بھی نہیں کیا۔ لہٰذا غریب طالب علم کو اپنی غریبی پر ویسا ہی صبر کرنا چاہیے جیسے امام احمد نے کیا۔

اور کون ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے برابر طاقت رکھتا ہو؟ کیونکہ انہوں نے تقریباً پچاسیوں ہزار کا مال واپس کیا ہو گا جبکہ خود سرکہ کی چٹنی کھاتے تھے اور نمک کو سالن بناتے تھے۔

لہٰذا سمجھ لو کہ ان کا ذکر جمیل یونہی نہیں مشہور ہو گیا ہے اور ان کی قبر کی طرف لوگوں کے قدم بلا وجہ ہی نہیں اُٹھتے ہیں بلکہ اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔

ہائے کیا تعریفیں ہیں جنہوں نے آفاق کو بھر دیا ہے کیسی خوبصورتی ہے جس نے علم کو زینت عطا کی ہے اور کیا عزت ہے جس نے ہر ذلت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ سب تو دنیا میں ہے اور آخرت کا بدلہ تو ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے برعکس اکثر علماء کی قبروں کو دیکھو کہ نہ ان کو کوئی جانتا ہے اور نہ ان کی زیارت کی جاتی ہے۔ انہوں نے رخصت پسندی اختیار کی' تاویل سے کام لیا اور بادشاہوں سے

میل جول رکھا جس کی وجہ سے ان کے علم کی برکت ختم ہوگئی' قدر و منزلت گھٹ گئی اور موت کے وقت نداموں کے گھاٹ پر اترنا پڑا۔

افسوس ان حسرتوں پر جن کی تلافی نہیں ہوسکتی ہے' ایسے گھاٹے پر جو پورا نہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ لذتوں کی صحبت پلک جھپکنے کے بقدر تھی اور حسرت وافسوس ہمیشہ کے لیے لازم ہوگیا ہے۔

پس اے فضیلتوں کے طالب! صبر کر' بلاشبہ خواہش نفس کی لذت یا بیکاری کی راحت مٹ جائے گی اور غم باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

یانفس ماھو الا صبر ایام   کان مدتھا اضغاث احلام

''اے نفس! دنیا صرف چند دن کے صبر کا نام ہے۔ گویا اس کی مدت ایک خواب کے برابر ہے۔''

یا نفس جوزی عن الدنیا مبادرۃ   وخل عنھما فان العیش قدامی

''اے نفس! دنیا سے جلدی سے گزر جا اور اس کو چھوڑ دے کیونکہ عیش کا زمانہ آگے (جنت میں) ہے۔''

بتا اے غریب عالم! کیا تجھ کو کسی بادشاہ کی سلطنت خوش کرسکتی ہے؟ اور کیا تو اس کو پسند کرسکتا ہے کہ جو علم تجھ کو حاصل ہے وہ حاصل نہ ہوتا؟ ہرگز نہیں! میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی بیدار مغز اس کو ترجیح دے دے گا۔

پھر یہ دیکھو کہ جب تم کو کوئی عجیب نکتہ یا عجیب حقیقت سمجھ میں آتی ہے تو اس وقت تم کو ایسی لذت ملتی ہے جس کو حسی لذات سے لطف اٹھانے والے نہیں پاسکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جن کو خواہشات پر قابو دیا گیا ہے انہیں اس لذت سے سے محروم رکھا گیا ہے جو تم کو عطا ہوئی ہے جبکہ اتنی روزی میں جس سے زندگی گزر سکے تم ان کے شریک ہو اب ان کے پاس وہی فضول لذات رہ گئی ہیں جن کے نہ ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ بھی سوچو کہ وہ عام طور پر آخرت کے باب میں خطرہ میں ہیں جبکہ تم عام طور پر سلامتی کے ساحل پر رہتے ہو۔

لہٰذا اے بھائی! ان دونوں حالتوں کے انجام کو سوچ اور وہ مستی ختم کر جو فضیلتوں کے حصول سے روک رہی ہے کیونکہ بہت سے علماء کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کوتاہیوں کی

وجہ سے حسرتوں اور ندامتوں میں تڑپ رہے تھے۔

ایک شخص نے ہمارے استاذ ابن الراغوانی کو خواب میں دیکھا تو شیخ نے فرمایا'' کہ تمہارے پاس زیادہ حصہ غفلت کا ہے جبکہ ہمارے پاس زیادہ حصہ ندامتوں کا تھا۔''

پس قید کیے جانے سے پہلے ہی .... اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے .... بھاگ لے اور بڑے گھاٹے سے قبل ہی خواہش نفس کے معاملہ کو فسخ کردے۔ یہ سمجھ لے کہ فضیلتیں سہولت سے نہیں ملا کرتیں اور ذراسی کوتاہی بھی خوبصورت چہرے کو عیب دار کردیتی ہے۔ لہٰذا قدم بڑھا جلد بازی سے کام لے جبکہ ابھی تیرا سانس چل رہا ہے اور موت کا فرشتہ غائب ہے سامنے نہیں آیا ہے اور ایک پختہ ارادے کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہو۔

''اذا ھَم القٰی بین عیینه عزمه'' جب ارادہ کرتا ہے تو پختہ عزم کو سامنے کرلیتا ہے۔''ونکب عن ذکر العواقب جانباً'' اور انجام کے خیال سے بے پرواہ ہوجاتا ہے۔''ولم لیستبشر فی امرہ غیر نفسه'' مشورہ بھی کرتا ہے تو صرف اپنی ذات سے ''ولم یرض الاقائم السیف صاحبًا'' اور ساتھی اس کو بناتا ہے جو تلوار لیے تیار ہو۔

اسی ارادہ میں دنیا اور اہل دنیا کا خیال بھی چھوڑ دے اللہ تعالیٰ دنیا داروں کو دنیا میں برکت دیں بیچارے وہ محتاج ہیں جبکہ ہم بے نیاز ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ولو علم الملوک و انباء الملوک مانحن فیه لجا لدونا علیه بالسیف.

''اگر ان بادشاہوں اور شاہزادوں کو ہماری دولت کی خبر ہوجائے تو تلواریں لے کر ہم پر حملہ کردیں۔''

چنانچہ دیکھو لو کہ اکثر دنیا دار جو لقمہ کھاتے ہیں یا تو حرام ہوتا ہے یا مشتبہ کیونکہ اگرچہ خود ناجائز معاملہ نہ کریں مگر ان کا وکیل بدمعاملگی کردیتا ہے اور یہ اپنے دین کی کمی کی وجہ سے کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر عمارت تعمیر کراتے ہیں تو کاریگروں سے دباؤ ڈال کر کام لیتے ہیں اور اگر مال جمع کرتے ہیں تو نامناسب اور ناجائز طریقوں سے۔

پھر ہر دولت مند اور صاحب منصب کو ہر وقت اس کا اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں اسے

قتل نہ کر دیا جائے، منصب سے معزول نہ کر دیا جائے اور عوام گالی نہ دیں۔ لہٰذا ان کا عیب یہی نقص ہے جبکہ ہم وہ کھاتے ہیں جس کا جائز اور حلال ہونا ظاہر شریعت سے ثابت ہو نہ کسی دشمن سے ڈرتے ہیں اور نہ ہمارے منصب میں معزولی کا خطرہ ہے۔

پھر دنیا میں بھی عزت کا پلہ ہماری ہی طرف ہے نہ کہ ان کی طرف، خلق خدا کا میلان بھی ہماری ہی طرف ہے بلکہ خود انہی میں سے زیادہ تر ہماری دست بوسی اور تعظیم کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درجات میں واضح فرق ہوگا۔

اگر یہ دنیادار اپنی گردنیں گھما کر دیکھیں تو انہیں ہماری فضیلت اور درجے کا پتہ چلے اور اگر انکے ہاتھ ہم کو عطا کرنے سے بندھ گئے تو (کچھ خرچ نہیں کیونکہ) عفت کی لذت بڑی پاکیزہ ہے جبکہ احسان کی تلخی عطیہ کی شیرینی سے زیادہ ہوتی ہے۔ زندگی کیا ہے؟ معمولی کھانے پر اکتفاء اور معمولی لباس پر قناعت کیونکہ چندروز کا معاملہ ہے۔

تعجب ہے کہ وہ شخص جس کی ذات میں شرافت اور کمال ہو جس کی وجہ سے اس نے علم حاصل کیا کیونکہ علم وہی حاصل کرتا ہے جس کے اندر شرافت اور خودداری ہوتی ہے کہ آخر کیا سوچکر وہ ایک ایسے شخص کے سامنے جھک جاتا ہے جس کی ساری عزت درہم و دینار سے ہے اور جس کا فخر مکان پر ہے۔ مجھ کو ابو یعلیٰ علوی نے یہ اشعار سنائے۔

رب قوم فی خلائقهم عرز قد صیروا غررا

"بہت سے لوگوں کی طبیعتوں میں نقص ہوتا ہے جس کو خوبی اور کمال بنا کر ظاہر کرتے ہیں۔"

ستر المال القبیح لهم ستریٰ ان زال ماسترا

"کیونکہ مال ان کی برائیوں پر پردہ ڈالے رہتا ہے۔ چنانچہ اگر مال ختم ہو جائے تو تمہیں ان کا عیب نظر آ جائے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں غافلوں کی نیند سے بیدار فرما کر بیدار مغزوں کی فکر عطا فرمائے اور علم و عقل کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ قریب ہے دعائیں قبول فرمالیتا ہے۔

بدن کے ساتھ برتاؤ

مجلس.... کسی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اپنے بدن کے ساتھ

نا قابل برداشت سلوک کرے۔ بدن کی مثال تو ایک سواری کے جانور جیسی ہے کہ اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا جائے تو سوار کو منزل تک نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ لوگوں میں تم کو ایسے افراد نظر آئیں گے جنہوں نے زہد اور تصوف اختیار کر کے طبیعت کی مانوس غذاؤں کو ترک کر دیا جبکہ ان کا جسم ٹھاٹھ اور نعمت میں پروان چڑھا تھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ طرح طرح کے نئے نئے امراض میں مبتلا ہو گئے اور بہت سی عبادتوں سے محروم ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

عودوا کل بدن ما اعتاد. ''بدن کو اس کی عادی غذائیں دیا کرو۔''

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوہ پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**اجدنی اعافه لانه لیس بارض قومی**'' میری طبیعت کو ناگوار معلوم ہو رہی ہے کیونکہ یہ میری قوم کے علاقہ میں نہیں پائی جاتی۔

اور حدیث ہجرت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تلاش فرمایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کرنے کے لیے پوستین بچھائی اور اس پیالہ پر جس میں دودھ تھا' پانی بہاتے رہے یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو گیا۔

خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم میں تشریف لے گئے تو فرمایا: ''اگر تمہارے پاس پرانے مشکیزہ میں رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو لاؤ ورنہ پھر ہم منہ لگا کر پی لیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کا گوشت بھی کھاتے تھے اور صحیح روایت میں ہے کہ ''شیرینی اور شہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔''

البتہ جب یہ نعمتیں نہ رہتیں تو پھر جو کچھ موجود ہوتا اسی پر قناعت فرما لیتے تھے۔ خوب سمجھ لو کہ عرب والوں میں اور اہل دیہات میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو لباس اور کھانے میں موٹے جھوٹے کے استعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا جب ایسے عادی لوگ معمولی لباس اور کھانے عادت کے مطابق کھائیں گے تو ان کو نقصان نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف جو لطیف غذاؤں اور باریک لباس کا عادی رہ چکا ہو اگر وہ اپنی حالت بدلے (اور موٹے جھوٹے کو اختیار کرنا چاہے) تو اس کے بدن کی حالت متغیر ہو جائے گی اور عبادت میں کمی پیدا ہو جائے گی۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پابندی سے گوشت کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "یہ نہ مالکؒ کی دو چپاتیاں اور نہ فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے دو پیالے" حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کو حلوہ سے خالی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سفر کرتے تھے تو تھیلے میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ رکھ کر ساتھ لیجاتے۔

اور حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا: "میں نہیں سمجھتی کہ جس بدن سے اللہ کے لیے عبادت کا کام لینا ہو اگر وہ فالودہ کھالے تو اس میں کوئی عیب کی بات ہے۔"

لہٰذا جو شخص ٹھاٹھ کا عادی رہ چکا ہو اس کو اپنے جسم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے جبکہ اس پر قدرت بھی ہو۔

اور یہ بات مجھ کو خود اپنی حالت سے سمجھ میں آئی ہے کیونکہ میری پرورش اچھی غذاؤں میں ہوئی تھی پھر جب میں نے غذا میں کمی شروع کی اور پسندیدہ کھانوں کو چھوڑ دیا تو اس سے میرے اندر بیماری پیدا ہوگئی جس نے مجھ کو بہت سی عبادتوں سے محروم کر دیا۔

چنانچہ بہت دنوں سے میرا معمول تھا کہ ہر روز قرآن پاک کے پانچ پارے پڑھتا تھا لیکن جب ایک دن معمولی غذا استعمال کی تو اس دن اتنی تلاوت نہیں ہوسکی تو میں نے سوچا کہ وہ لقمہ جس کا یہ اثر ہو کہ پانچ پارے تلاوت کا ذریعہ بن جائے جبکہ ہر ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو اس کا کھانا یقیناً بڑی عبادت ہے اور جو کھانا بدن کے لیے نقصان دہ ہو کر کسی نیک کام کے ترک کا سبب بن جائے اس کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جو زہد کی زیادتی کی وجہ سے لاغر ہو گئے تھے دیکھا تو فرمایا "من امرک بھذا" تمہیں ایسے زہد کا کس نے مشورہ دیا تھا۔

لہٰذا سمجھدار وہی ہے جو اپنے بدن کو ایسی غذائیں دے جو طبیعت کے موافق ہوں جس طرح فوجی اپنے گھوڑے کو صاف ستھرا جو کھلاتا ہے۔

خبردار! یہ سمجھ لینا کہ میں تم کو خواہشات نفس اور لذیذ غذاؤں میں کثرت کا مشورہ دے رہا ہوں۔ نہیں بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسی غذا کھاؤ جس سے جسم کی حفاظت ہو اور میں تم کو ان غذاؤں سے باز رکھنا چاہتا ہوں جو بدن کے لیے مضر ہوں۔

رہی کھانوں میں زیادتی تو یہ نیند کا سبب ہے اور آسودگی سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور بدن لاغر، کمزور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میرے مشورہ کی حقیقت کو سمجھو کیونکہ راہ وہی ہے جو معتدل ہو۔

گناہ کی اصل وجہ، عقل کی کمی ہے

مجلس.... جب عقل کامل ہوتی ہے تو ذہانت اور فطانت بھی بڑھ جاتی ہے اور ذہین شخص جب کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو چھٹکارے کی راہ نکال لیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ چور اگر ذہین اور حاضر دماغ ہوتے تو ان کا ہاتھ نہ کاٹا جاسکتا۔ رہا بیوقوف مغفل تو وہ خود اپنے اوپر مصیبتیں لا دیتا ہے۔

یہ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ سے اس لیے دور کیا تاکہ خود باپ کا قرب حاصل کرلیں اور یہ نہیں سمجھ سکے کہ یوسف علیہ السلام کے فراق کا غم حضرت یعقوب علیہ السلام کو مشغول کیے رہے گا بلکہ یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں بھائیوں پر شبہ کا دھبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں نفرت ہی بڑھا دے گا۔

پھر دیکھو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر یہ سوچا کہ کوئی قافلہ اٹھا لیجائے گا حالانکہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام ناسمجھ بچے نہیں بلکہ بڑے اور سمجھ دار بچے ہو چکے تھے تو یہ نہیں سمجھ سکے کہ اگر کوئی قافلہ ان کو اٹھائے گا تو یہ اپنا حال بتادیں گے اور خبر ابا جان کو پہنچ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ تصور محض طفل تسلی ہی تھا۔

پھر (گھر آئے تو) کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ان کا خون آلود کرتا صحیح سالم لے کر پہنچے تھے۔ اگر کرتہ پھاڑ دیتے تو سچائی کا گمان ہوسکتا تھا۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں غلہ لینے کے لیے پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگلی مرتبہ اپنے بھائی بن یامین کو بھی لانا۔ اب اگر ان کی سمجھ کھلی ہوتی تو سوچتے کہ مصر کے بادشاہ کو ہمارے بھائی سے کیا غرض؟

اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو قید کرلیا اور کہا کہ یہ پیمانہ مجھ کو

بتا رہا ہے کہ ایسا ایسا واقعہ ہوا تھا تو یہ سب دیکھ کر بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

اس کے برخلاف جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو فرمایا "اذھبو فتحسوا من یوسف" جاؤ یوسف کا پتہ لگاؤ ادھر یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعے منع کر دیا گیا تھا کہ اپنے ابا جان کو اپنے وجود کی خبر نہ ہونے دیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب دونوں حضرات میں ملاقات ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو خط کیوں نہیں لکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے منع کر دیا تھا۔

لہٰذا جب یوسف علیہ السلام کو آزمائش کی تکمیل کے لیے اطلاع سے منع کر دیا گیا تو آپ نے بھائی بنیامین کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے مقصود اشارۃً اپنے وجود پر تنبیہ کرنا تھا جیسے کہ عدت گزارنے والی عورت کو اشاروں میں پیغام دیا جاتا ہے۔

اور سچ پوچھو تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ غم اور گریہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی فہم وفراست (اور کمالات) پر تھا نہ کہ صورت کے حسن پر۔

دنیاوی تقاضوں کی تدبیر

مجلس.... آدمی کے اندر ایسے تقاضے رکھ دیئے گئے ہیں جو فکر کو منتشر کرتے رہتے ہیں، نگاہ حسین صورتیں تلاش کرتی ہے زبان بولنا چاہتی ہے، پیٹ کھانا مانگتا ہے، شرم گاہ نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور طبیعت مال جمع کرنا چاہتی ہے جبکہ ہم کو آخرت کی یاد کے لیے فکری سکون اور اطمینان کا حکم دیا گیا ہے اور خواہشات ان کو منتشر کرنے پر لگی ہوئی ہیں۔

تو بتاؤ کہ پھر کس طرح فکر پُرسکون ہوگی جبکہ اپنے جسم کی غذا اور بال بچوں کے کھانے کی فکر اور ان کی ضروریات کا خیال غالب ہوگا؟

جب صبح اُٹھ کر دکان جائے گا اور مال حاصل کرنے کی فکر کرتے ہوئے اپنی فہم کی قوت کو ضروریات کے حصول کی فکر میں لگا دے گا تو دل میں جمعیت اور سکون کیسے پیدا ہوگا؟ خصوصاً اگر کسی چیز کے متعلق حرص وعشق میں گرفتار ہو گیا ہو تو پھر عمر ختم ہو جائے گی اور دکان سے اُٹھ کر قبر ہی میں اترے گا پھر آخر علم یا عمل یا اخلاص نیت اور دوسرے فضائل کی تحصیل کب

کرے؟ لہٰذا اب صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جیسے بیدار مغزی عطا کی گئی ہو وہ فضائل و کمالات کے حصول کے لیے صبر و ہمت سے کام لے۔ چنانچہ اگر بیوی بچوں کے خرچ سے آزاد ہو اور کچھ پونجی نہ رکھتا ہو تو تھوڑی کمائی پر اکتفا کر لے۔ جیسا کہ ''اہل سبت'' سنیچر کے دن کام کر کے باقی پورے ہفتہ میں اسی کمائی پر گزارہ کرتے تھے۔

اور اگر کچھ مال موجود ہو تو ایسے شخص کے کاروبار میں سرمایہ کاری کر لے جو اپنی دیانت داری اور اعتماد کی وجہ سے خود اس کو مہتم ہونے سے بچا سکتا ہو۔

اور اگر بال بچوں کی ذمہ داری بھی ہو تو پھر ان کے لیے کمانے کی طرف متوجہ ہو جائے اور انہی کی نیت سے کمائے تو کمانے ہی میں عبادت کا ثواب پائے گا یا یہ کرے کہ جائیداد جیسے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھا اپنے استعمال میں رکھے (اور آدھے کو کرایہ پر اُٹھا دے) تا کہ اس کی آمدنی سے کفایت ہوتی رہے۔

ان سب کے ساتھ حتیٰ الامکان اپنے تعلقات کا دائرہ کم کرتا رہے تا کہ آخرت کی یاد کے لیے فکر پُرسکون رہے کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا تو پھر غفلت میں پڑ کر ندامت کے گڑھے میں پڑا رہے گا۔

سب سے بدتر حال اس عالم فقیہ کا ہوتا ہے جو اپنی فکر کو آخرت کی یاد کے لیے جس وقت بھی جمع کرنا چاہے تو دل بچوں کی روزی کے لیے منتشر ہو کر رہ جائے بلکہ کبھی ظالموں سے تعلق مشتبہ مال کے حصول اور آبرو کے خرچ کرنے کا محتاج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے عالم کو خرچ میں احتیاط کرنا ضروری ہے اور جب اسے کچھ مال کسی طریقہ سے حاصل ہو تو اس کو تدبیر سے خرچ کرے۔

یہ نہ ہو کہ قصر امل اس کو اپنا سب مال خرچ کر دینے پر اُبھار دے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "**لان تترک ورثتک اغنیاء خیر من ان تترکھا عالۃ یتکففون النّاس**" (اپنے ورثہ کو مال دار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم کو ان کو محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں سے ہاتھ پھیلا کر مانگتے پھریں۔"

''سب سے بری ذلت بخیلوں اور دولت مندوں کے وہاں حاضری ہے۔''

لہٰذا اپنے مال کو تدبیر سے خرچ کرو، تعلقات کم کردو، اپنی آبرو کی حفاظت کرو، یہ سمجھ کر زندگی بس چند ایام کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ مال ہدیہ بھیجا گیا اور صاحبزادہ نہ قبول کر لینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا اے صالح! مجھے محفوظ رکھو! پھر فرمایا کہ میں استخارہ کروں گا' جب صبح ہوئی تو فرمایا اے بیٹے! میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ قبول نہیں کروں گا۔ دیکھو یہ اس مال کے ساتھ معاملہ ہے جو ہر طرح سے عمدہ تھا اور صحیح طریقوں سے حاصل ہوا تھا جبکہ اب تو حالات بھی بدل چکے ہیں۔

حاسد سے احتیاط کرو

مجلس....مخلوق سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جانا خوشگوار زندگی کا ذریعہ ہے مگر چونکہ میل جول کے بغیر چارہ نہیں ہے اس لیے دشمن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو بلکہ اس سے معافی کرتے رہو کیونکہ کبھی تمہارے خلاف سازش کر کے ہلاک بھی کر سکتا ہے جو تم سے بدسلوکی کرے اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ' اپنے ارادوں کی تکمیل میں رازداری سے اور لوگوں کو صرف جان پہچان والے لوگوں کے درجہ میں رکھو' کسی کو سچا دوست بنانے کی آرزو مت کرو کیونکہ سچے دوست کا وجود سب سے زیادہ نادر ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ دوست کو ہم پلہ ہونا چاہیے۔ اب اگر تم کسی عامی سے دوستی کرو گے تو اس کی بدخلقی' کم علمی اور بدتہذیبی ہی کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکو گے اور اگر کسی برابر کے شخص کو دوست بناؤ گے تو وہ تم سے حسد میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر تم کو بیدار مغزی حاصل ہے تو اس کے کردار و گفتار سے تم کو سمجھ میں آ جائیگا کہ وہ تم سے حسد کر رہا ہے۔

''ولتعرفنهم فی لحن القول'' اور یقیناً آپ انہیں پہچان لیں گے گفتگو کے انداز سے اور اگر یقینی طور پر اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو اس کے پاس ایسے شخص کو بیٹھنے کا موقع دیدو جو اس کے ساتھ تمہاری عیب جوئی کرے پھر دیکھو کہ جو کچھ اس کے دل میں ہوگا سب اس کے سامنے ظاہر کر دے گا۔

اس لیے اگر زندگی کا آرام چاہتے ہو تو حاسدوں سے بہت دور رہو کیونکہ وہ تمہاری نعمت کو دیکھ کر (کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم) نظر بد ہی لگا دے گا۔

اگر ایسے کسی شخص سے ملنے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو اپنا راز اس پر نہ ظاہر کرو اور نہ اس سے مشورہ لو۔ دیکھو اس کی چاپلوسی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور اس کی دینداری اور عبادت سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ حسد ایسی بیماری ہے جو دین پر غالب آ جاتی ہے۔ چنانچہ تم کو معلوم ہی ہے کہ قابیل کو حسد ہی نے ہابیل کے قتل پر مجبور کیا تھا اور حسد ہی کیوجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائیوں نے معمولی قیمت میں فروخت کر دیا تھا۔

اسی طرح ابو عامر راہب جو نہایت سمجھدار عبادت گزار شخص تھا اور عبداللہ بن ابی جو مدینہ کے سرداروں میں تھا ان کو حسد ہی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نفاق برتنے اور راہ حق پر آنے سے روک دیا۔

تمہارے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ تم حاسد کے لیے اس سزا سے زیادہ کسی سزا کا خیال لاؤ جس میں وہ مبتلا ہے کیونکہ وہ بیچارہ خود ہی بہت بڑی سزا میں مبتلا ہے کہ اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری نعمت ختم نہ ہو جائے اور جتنی تمہاری نعمت بڑھتی جائے گی اس کی سزا اور تکلیف بڑھتی رہے گی اس لیے اس کو راحت اور سکون مل ہی نہیں سکتا۔

یہ حقیقت ہے کہ اہل جنت کو بھی راحت جب ہی ملے گی جبکہ ان کے سینوں سے حسد اور کینہ ختم کر دیا جائے گا ورنہ اگر آپس میں حسد کرنے لگیں تو سارا لطف برباد ہو جائے۔

دین سے دنیا بھی سنورتی ہے

مجلس.....جو شخص عقل کے تقاضوں پر چلے، خواہش نفس کو دبائے اور انجام پر نگاہ رکھے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی لذتوں سے ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے جنہوں نے خواہشات پر عمل کیا۔

رہا جلد باز شخص تو وہ دنیا کی لذتوں اور اچھی شہرت سے اپنے کو محروم کر لیتا ہے اور یہی اس کی لذتوں سے محرومی کی اصل وجہ ہے۔

اس کی وضاحت دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر نکاح کی خواہشات کی طرف مائل ہو کر کثرت سے ہم بستری کرے گا تو لطف اندوزی کم ہوتی جائے گی اور جسم کی حرارت و

قوت گھٹ جائے گی اور یہ چیز ہمبستری سے مقصود لذت سے محرومی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس کے برخلاف جو شخص عقل کی اجازت کے بقدر ہمبستری کرے اور برداشت سے کام لے تو اس کی لطف اندوزی زیادہ ہوگی کیونکہ دو ہمبستری کے درمیان وقفہ کی زیادتی لذت میں اضافہ کا سبب ہے اور حرارت کے باقی رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمبستری کی قوت بھی رہے گی۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص لین دین اور تجارت میں خیانت اور دھوکہ سے کام لیتا ہے تو لوگ اس سے معاملہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ایک مرتبہ کی خیانت کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تجارت کے نفع سے محروم ہو جاتا ہے حالانکہ اگر دیانت اور اعتماد کی شہرت ہوتی تو لوگ معاملہ کرتے رہتے اور نفع بڑھتا رہتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر کے علم میں مشغول ہوتا ہے یا سچے تصوف میں تو اس کو حلال اور جائز اتنی فتوحات ہوتی ہیں جن سے خوب لطف اندوز ہو لیتا ہے۔

اس کے برخلاف جو شخص کاہلی اور سستی کی وجہ سے علم سے یا خواہش کے غلبہ کی وجہ سے سچے تصوف سے محروم رہ گیا اسے اپنی مراد بہت کم حاصل ہو پاتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقینا هم مآء اً غدقا“ (اور یہ کہ اگر وہ سیدھے راستہ پر رہیں تو ہم انہیں خوشگوار پانی پلائیں گے)

خدا تعالیٰ کی معیت

مجلس.... ہر عمل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے اس کی معیت میں ہو اور اس کی وجہ سے ہو جبکہ اسی نے ہر مخلوق سے تمہاری کفایت کی ہے اور ہر خیر تمہارے لیے مہیا کیا ہے۔

خبردار! خواہش نفس کی موافقت یا کسی مخلوق کی خوشنودی کے لیے اس سے بے رُخی نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے حالات بدل دے گا پھر تمہارا مقصود نہیں حاصل ہو سکے گا۔

حدیث شریف میں ہے: ”من ارضی النّاس بسخط اللّٰہ عاد حامده من النّاس ذاما“ (جس نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا تو اس کی تعریف کرنے والے لوگ مذمت کرنے لگ جاتے ہیں)

یہ واقعہ ہے کہ سب سے خوشگوار زندگی اسی شخص کی ہے جو خدا تعالیٰ کی معیت میں زندگی گزار رہا ہے۔

اگر کوئی پوچھے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا مطلب ہے؟ میں کہوں گا کہ اس کے حکموں کو بجالانا اس کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا' اس کی حدود کی رعایت کرنا' اس کے فیصلوں پر راضی رہنا' خلوت میں حسن ادب کے ساتھ رہنا' کثرت سے اس کا ذکر کرنا اور اس کے تکلیف دہ فیصلوں پر دل کو اعتراض اور شکایت سے محفوظ رکھنا۔

اگر تم کو ضرورت پیش آئے تو اسی سے سوال کرو۔ پھر اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ نہ ملنے پر راضی رہو اور اس کا یقین رکھو کہ بخل کی وجہ سے محروم نہیں کیا ہے بلکہ اس میں تمہاری ہی کوئی مصلحت ہے اور دعاء وسوال کا سلسلہ ختم نہ کرو کیونکہ دعاء کے ذریعے بھی بندگی کا حق ادا کر رہے ہو۔

اگر ان چیزوں پر پابندی سے عمل کرلو تو وہ تمہیں اپنی محبت اور سچے توکل کی توفیق سے نواز دے گا پھر یہ محبت تم کو مقصود کی طرف لے چلے گی اور نتیجتاً اس کو بھی تم سے محبت ہو جائے گی پھر تمہاری زندگی صدیقین کی طرح گزرے گی۔

لیکن اگر یہ سب نہ ہوسکا تو پھر اس زندگی میں کوئی اچھائی نہیں ہے کیونکہ اکثر لوگ اپنی زندگی میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں' اسباب وذرائع کی طرف توجہ کیے ہوئے ہیں' انہی کی طرف دل سے مائل ہیں' حد سے زیادہ حرص کے ساتھ روزی کے حصول میں اپنے کو تھکا رہے ہیں' مخلوق کی طرف مائل ہوئے جا رہے ہیں اور مقاصد سے محرومی کے وقت اعتراض بھی کر رہے ہیں۔

تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو رہا ہے اور ان کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ نہیں ہے جبکہ حاصل وہی ہونا ہے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اور ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت اور اس کے ساتھ حسن ادب کی نعمت سے بھی محروم ہیں تو دیکھو یہ جانوروں اور چوپایوں کی زندگی ہے۔

محتاط روش

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے نکاح' لباس اور کھانے پینے کی حکمت پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ چونکہ آدمی ایسے عناصر سے پیدا کیا گیا ہے جو تحلیل ہوتے رہتے ہیں' یعنی پانی'

آگ، مٹی اور ہوا سے اور انسان کا بقاء ہمیشہ رہنے والی رطوبت اور حرارت سے ہوتا ہے اس لیے انسان کو ایسی غذا حاصل کرنا ضروری ہے جو فنا ہونے والی رطوبت اور حرارت کا بدل بن سکے۔

پھر چونکہ گوشت کا بدل گوشت ہی ہو سکتا تھا اس لیے شریعت نے جانوروں کے ذبح کو حلال کر دیا تاکہ ان کے گوشت کے ذریعے وہ گروہ قوت حاصل کر سکے جو ان سے کہیں زیادہ افضل اور اشرف ہے۔

اور چونکہ بدن کو کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ انسان کے اندر عقل اور تمیز کی قدرت ہے اور اس کو یہ قوت حاصل تھی کہ موسموں کے نقصان سے حفاظت کے لیے روئی اور اون کے کپڑے بنا سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم پر خلقی طور پر ایسی کھال نہیں بنائی جو اس کی حفاظت کا کام کرے۔ بخلاف اس کے جانوروں میں چونکہ اپنے جسم کو چھپانے والی چیزوں کے بنانے اور حاصل کرنے پر قدرت نہیں تھی اس لیے ان کو اس کے عوض پر بال اور اون سے نواز دیا۔

اسی طرح جب یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آدمی اور جانوروں کو موت سے چھٹکارا نہیں ہے (اور اس عالم کو ایک متعین مدت تک باقی رکھنا تھا) اس لیے ان کے اندر ہمبستری کی خواہش اُبھار دی تاکہ نسل کا سلسلہ چلتا رہے۔

لہٰذا اس عقل کا تقاضا جو ان مصلحتوں کے حصول پر آمادہ کرتی ہے یہی ہے کہ کھانا اور پینا بقدر ضرورت اور بقدر مصلحت ہو تاکہ عافیت اور صحت کے ذریعہ لطف اندوزی حاصل ہوتی رہے۔

یہ بڑی آفت کی بات ہے کہ آدمی کھانے پینے کی چیزوں سے لطف اندوزی کی کوشش کرے ان کا استعمال مناسب ہو یا نہ ہو اور پھر کھانے میں بھی حرص کا معاملہ رکھے۔ اسی طرح لباس اور نکاح میں بھی حد سے آگے بڑھ جائے۔

البتہ یہ احتیاط کی بات ہے کہ کچھ مال حاصل کر کے اس کو جمع کر لیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آوے یہ تو نادانی کی بات ہے کہ حاصل شدہ مال کو خرچ کر ڈالا جائے کیونکہ جب کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور پوری نہیں ہو پاتی تو پھر یا تو ضرورت کو روکنے سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے یا کم رُتبہ لوگوں سے مانگنے میں آبرو کو دھکا لگتا ہے۔

بدترین بات ہے کہ ظاہری لذت کے حصول کے لیے ہم بستری میں منہمک ہو کر رہ

جائے اور یہ بھول جائے کہ اس کے نتیجہ میں کس قدر قوت تحلیل ہو جاتی ہے جبکہ حرام ہمبستری میں سزا کی تکلیف مزید۔

حاصل یہ کہ جو شخص عقل کے مشوروں کی طرف جھکا وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ محفوظ رہے گا اور جس نے اس کے مشورہ سے رُخ پھیر لیا اور اس کی بات نہیں مانی اس کی ہلاکت میں تاخیر نہیں ہوگی۔

لہٰذا تمام قوتوں اور خواہشوں کا مقصود و مراد اور ان کی حکمتوں کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ جس نے اس کو نہیں سمجھا یا سمجھ لیا مگر تقاضا پر عمل نہیں کیا وہ جاہل عوام سے بھی بدتر ہے۔ اگرچہ بظاہر عالم سمجھا جاتا ہو۔

حکام سے ربط کے نقصانات

مجلس.... جس کے پاس بھی عقل یا تھوڑی سی دینداری ہو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا سوچ کر حاکموں سے میل جول کو اختیار کرتا ہے؟ کیونکہ ان کے میل جول یا ان کے ساتھ رہ کر حکومت میں حصہ لینے سے ہمیشہ معزولی یا قتل یا کھانے میں زہر کا خطرہ لگا رہتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ان کے حکم اور مرضی کے خلاف کوئی کام کیا جا سکے۔ چنانچہ اگر وہ کوئی ناجائز کام کرنے کو کہیں تو اس سے پہلوتہی کی قدرت نہیں ہوتی۔

معلوم ہوا کہ ایسا شخص دنیا کے لیے اپنا دین فروخت کر دیتا ہے کیونکہ حاکم کے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم نہیں رہ پاتا جس کی وجہ سے آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

ہاں! وقتی تعظیم اور جی حضوری مل جاتی ہے اور کچھ دن اس کے احکامات نافذ ہوتے رہتے ہیں مگر دین کے باب میں سلامتی سے دور ہو جاتا ہے اور دنیا بھی معزولی یا قتل کے خطرات کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔

احتیاط اور پیش بینی

مجلس.... یہ بڑی غلطی ہے کہ معزول حکمران کے حق میں نامناسب جملے بولے جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پھر حاکم ہو جائے اور انتقام لے لے۔

اصل تو یہی ہے کہ کسی سے بھی دشمنی کا اظہار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کبھی معمولی شخص

صاحب منصب ہو جاتا ہے اور جو کسی شمار میں نہیں ہوتا اس کو قابو مل جاتا ہے۔

دشمنوں کا کینہ بھی چھپائے رکھنا چاہیے اور اگر کبھی انتقام کا موقع مل جائے تو معافی بھی انتقام ہی ہے کیونکہ معافی دشمن کو ذلیل کر دیتی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے خاص کر اس شخص کے ساتھ جس کے حاکم ہو جانے کا احتمال ہو اور معزول حاکم کی بھی کچھ خدمت کرے کیونکہ کبھی اس کو حکومت مل جاتی ہے تو فائدہ پہنچاتا ہے۔

ہم سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور خادم سے کہا قاضی صاحب سے کہہ دو کہ "ابو جعفر دروازے پر کھڑا ہے" قاضی ابن داؤد نے سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہا ان کو اندر بلاؤ' جب اندر آیا تو قاضی صاحب اُٹھے اس سے ملاقات کی' اعزاز و اکرام کیا' پھر پانچ ہزار درہم تحفہ میں پیش کیے اور دروازے تک رخصت کرنے آئے۔

کسی نے کہا کہ یہ تو ایک عام آدمی تھا اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ قاضی صاحب نے کہا جب میں غریب تھا اس وقت یہ میرا دوست تھا' ایک دن میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ بھوکا ہوں اس نے مجھے بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد حلوہ روٹی اور بھنا ہوا گوشت لے کر آیا اور کہا کھاؤ۔ میں نے کہا تم بھی میرے ساتھ کھاؤ' اس نے انکار کیا میں نے کہا خدا کی قسم! جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں نہیں کھاؤں گا۔ آخر اس نے کھانا شروع کر دیا مگر اسی کے ساتھ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا بیماری ہے! میں نے کہا تم کو خدا کا واسطہ! تم مجھ کو اس راز سے آگاہ کرو' تب اس نے بتایا کہ جب تم آئے تھے اس وقت میرے پاس کھلانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی' البتہ میرے دانت سونے کے تار سے بندے ہوئے تھے' تو میں نے وہی تار نکالا اور اس کی قیمت سے کھانا خرید کر لایا ہوں (قاضی صاحب نے یہ واقعہ سنا کر کہا کہ) پھر بتاؤ کیا میں اس کا بدلہ نہ اُتاروں؟

اس کے برعکس خلیفہ واثق باللہ کے وزیر ابن الزیات کا واقعہ ہوا کہ وہ متوکل باللہ کی مذمت کیا کرتا تھا جب متوکل باللہ کی حکومت ہوئی تو اس نے ابن الزیات کو طرح طرح

سزاؤں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا۔

ایسے ہی ابن جزری خلافت سے پہلے مسترشد باللہ کا لحاظ نہیں کرتا تھا جب مسترشد خلیفہ ہوا تو ابن الجزری کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس لیے سمجھ دار وہی شخص ہے جس نے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق معاملہ کیا اور جن باتوں کا ہونا ممکن تھا ان کو تصور میں رکھ کر احتیاط کے تقاضوں پر عمل کیا۔

ان میں سب سے اہم بات فی الحال موت کے آ جانے کا تصور کرنا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بغیر کسی بیماری کے بھی اچانک آ جاوے۔

اس لیے محتاط وہی شخص ہے جو اس کے لیے تیار رہ کر اس طرح عمل کرتا رہے کہ جب موت آوے تو شرمندہ نہ ہونا پڑے اور گناہوں سے بچتا رہے کیونکہ گناہ کی مثال اس دشمن جیسی ہے جس کے لیے بدلہ اور سزا گھات میں ہوں اور نیک اعمال کا ذخیرہ کر لے کیونکہ نیک اعمال کی مثال اس سچے دوست کی طرح ہے جو مصیبت کے وقت کام آوے۔

اور سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ ہے کہ مؤمن کو یقین رکھنا چاہیے کہ جب نوافل و مستحبات اور سنتوں پر عمل میں اضافہ ہوگا تو جنت میں رُتبہ بڑھ جائے گا' کمی ہونے کی صورت میں درجات گھٹ جائیں گے۔ تو اگرچہ دوسرے کے کمال کے مقابلہ میں جنت میں اس کا درجہ کم ہی رہے گا مگر بے شعوری میں اس پر راضی رہنا خود نقص ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انجام پر نگاہ رکھتا ہو اور اس کے مطابق عمل کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والے ہیں۔

دنیا کی طرف میلان

مجلس.... جب میں نے اپنی کتاب "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم" کی تصنیف شروع کی تو بہت سے بادشاہوں' وزیروں' عالموں' ادیبوں' فقیہوں' محدثوں اور صوفیوں کے حالات مطالعہ میں آئے تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر کے ساتھ دنیا نے وہ کھیل کھیلا کہ ان کا دین برباد کر کے رکھ دیا' ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

گویا وہ سزا پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ امراء و حکام ایسے تھے جو قتل کرتے تھے' زبردستی چھین لیتے تھے' ہاتھ کاٹ دیتے تھے' قید کر دیتے تھے اور یہ سب ناحق ہوتا تھا' پھر اور گناہوں کی لڑی میں اس طرح سے منسلک نظر آتے ہیں گویا سارا اختیار انہی کو ہے اور عذاب سے حفاظت کا پروانہ پا چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ سوچتے ہوں کہ رعایا کی نگہبانی ان کی طرف سے دفاع کا کام کرے گی حالانکہ یہ بھول جاتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے: "**قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم**" (کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں) اسی طرح علم کی شہرت رکھنے والے حضرات کی ایک جماعت گناہوں کی لڑی میں منسلک ہو گئی تا کہ دنیاوی فوائد حاصل ہو سکیں۔ گویا ان کے علم نے ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا۔

ایسے ہی ہم کو بہت سے صوفیاء فوائد دنیوی کے حصول میں مشغول نظر آئے تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ دنیا جال ہے اور لوگوں کی مثال چڑیا جیسی ہے کہ چڑیا دانہ دیکھ کر گردن کی گھٹن بھول جاتی ہے۔

اکثر حضرات دنیا کی وقتی لذتوں کی طرف مائل ہو کر اپنے مال اور انجام کو بھول گئے ہیں۔ لہٰذا خواہشات کی موافقت میں لگ کر عقل کے مشورہ کی طرف التفات چھوڑ دیا' معمولی لذت کے لیے بڑے خیر کو بیچ ڈالا اور حقیر شہوتوں کے بدلہ میں بڑے عذاب کو لے لیا۔

پھر جب ایسے لوگوں میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ کاش! میں نہ پیدا ہوا ہوتا' کاش میں مٹی ہوتا' تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اب یہ بات کہہ رہے ہو؟

افسوس ہے اس چھوٹ جانے والے عمل پر جس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی اس مال رہن پر جس کا چھڑانا ممکن نہ ہو سکے۔ اس ندامت پر جس کا زمانہ اور مدت ختم نہیں ہو سکتی اور اس مبتلاء عذاب پر جس کی حفاظت امر دشوار ہو۔

خدا کی قسم! ان عقلوں سے فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کے مشوروں کی طرف التفات اور اس پر اعتماد کرے جبکہ عقل کے مشوروں کو خواہشات سے صبر کے پختہ ارادے کے بغیر قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

حاکموں اور امیروں میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حالات پر غور کرو، عالموں میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صوفیاء میں حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کو دیکھو کہ ان حضرات نے احتیاط کا حق ادا کیا ہے اور وجود کا مقصود سمجھا ہے۔

جب کہ جو لوگ بھی ہلاک ہوئے ہیں وہ خواہشات سے صبر میں کمی ہی کی وجہ سے بلکہ بعض تو ان میں ایسے بھی ہوئے جو شاید آخرت اور عذاب پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن تعجب ان لوگوں پر نہیں ہے بلکہ اس صاحب ایمان پر ہے جو آخرت اور عذاب کا یقین رکھتا ہے مگر اس کا یہ یقین اس کو کچھ فائدہ نہیں دیتا ہے اسی طرح وہ انجام کو سمجھتا ہے مگر یہ سمجھنا اس کو کچھ کام نہیں دیتا ہے۔

بلند ہمتی کا معیار

مجلس.... جسے جس قدر بلند ہمتی سے نوازا جاتا ہے وہ اتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ:

واذا کانت النفوس کباراً　　　تعبت فی مرادها الاجسام

''طبیعت جب بلند ہوتی ہے تو اس کے تقاضوں کے حصول میں جسم کو تھکنا پڑتا ہے۔''

اور دوسرا شاعر کہتا ہے:

ولکل جسم فی الفحول بلیة　　　وبلا جسمی من تفاوت همتی

''ہر جوانمرد کے جسم میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہوتی ہے اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے۔''

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے وہ تمام علوم کو حاصل کرنا چاہتا ہے پھر ہر علم کے مختصر حصہ پر قناعت نہیں کرتا بلکہ پورے علم کو حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ بدن اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔

پھر دیکھتا ہے کہ علم سے مقصود عمل ہے اس لیے رات کی نوافل اور دن کے روزوں کا اہتمام شروع کر دیتا ہے جبکہ علم اور ایسی عبادت کو جمع کر لینا بہت دشوار ہے۔

پھر سوچتا ہے کہ دنیا کو ترک کر دے حالانکہ ضروریات کا محتاج ہے اور چاہتا ہے ایثار کرے کیونکہ بخل کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح کرم و بخشش کا تقاضا ہوتا ہے کہ خرچ کرے

جبکہ عزت نفس کی وجہ سے کمانے میں ذلت کے راستے نہیں اختیار کرسکتا ہے۔ اب اگر اپنی طبیعت کی سخاوت پر عمل کرے تو محتاج وفقیر ہو جائے اور اپنے جسم اور بال بچوں کو تکلیف پہنچے اور اگر بخل سے کام لے تو طبیعت اس پر راضی نہیں ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر وقت سخت مشقت اور اضداد کو جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا صاحب ہمت ہمیشہ نہ ختم ہونے والی تھکن اور نہ زائل ہونے والی مشقت میں مبتلا رہتا ہے۔

پھر اگر عمل میں اخلاص پیدا ہو جائے تو تھکن اور بڑھ جاتی ہے اور مشقت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اب بتاؤ کہاں ایسا عالی ہمت عالم اور کہاں پست حوصلہ مولوی؟ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ اگر یہ پست حوصلہ فقہ سے تعلق رکھتا ہے اور کسی حدیث کے متعلق اس سے پوچھ لیا جائے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا اور اگر حدیث میں مشغول ہو اور فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھ لیا جائے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا اور کم ہمت عالم کو اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ اسے کم علم کہہ دیا جائے گا۔

جبکہ بلند حوصلہ عالم کسی بھی علم میں کمی کوتاہی کو ایسی رسوائی سمجھتا ہے جو اس کے عیب کا اعلان کرنے والی ہے بلکہ سوچتا ہے کہ اس رسوائی نے گویا لوگوں کے سامنے میری ستر کھول کر رکھ دی ہے۔

اسی طرح پست حوصلہ شخص لوگوں کے احسانات کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان سے سوال کو برا نہیں سمجھتا اور دھتکارے جانے سے اس کو غیرت نہیں آتی جبکہ بلند ہمت شخص اس کا تحمل نہیں کرسکتا ہے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ بلند ہمت شخص کا تعب حقیقت میں راحت ہے اور کم ہمت شخص کی راحت اگر سمجھ سے کام لے تو مشقت اور عیب ہے۔

یہ دنیا تو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں کے حصول کے لیے دوڑ اور مقابلہ کا میدان ہے۔ لہٰذا بلند ہمت شخص کو اس کی دوڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ پھر اگر سبقت مل جائے تو یہی مقصود ہی ہے اور اگر کوشش کے بعد گھوڑا کہیں ٹھوکر کھا جائے تو کوئی ملامت کی بات نہیں۔

عجب وناز

مجلس.... سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے خوش اور اپنے علم پر اکتفاء کیے رہے جبکہ یہ مصیبت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

چنانچہ یہودی یا نصرانی کو دیکھو کہ وہ اپنے کو راہ صواب پر سمجھتے ہوئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کو نہ دیکھتا ہے اور نہ اس کی تحقیق کرتا ہے بلکہ اگر کبھی ایسی بات سننے کا موقع آ جاتا ہے جس سے دل میں نرمی آوے۔ مثلاً قرآن پاک وغیرہ تو اس خیال سے بھاگ نکلتا ہے کہ کہیں کوئی دلیل کان میں نہ پڑ جائے۔

اسی طرح ہر خواہش پرست اپنے مسلک پر ثابت قدم رہتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ اس کے باپ یا گھرانہ اور خاندان کا مذہب ہے یا پہلی مرتبہ غور و فکر میں اس مسلک کو درست سمجھ لیا پھر اس کی معارض اور مخالف دلیلوں کو نہیں دیکھا اور علماء سے تحقیق بھی نہیں کی کہ وہی اس کی خطا ظاہر کر دیتے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اُٹھنے والے خوارج کا یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے اپنے خیالات کو درست اور مستحسن سمجھ کر کسی جاننے والے سے پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملے اور ان کی غلطی ظاہر فرمائی تو دو ہزار افراد نے رجوع کر لیا۔

اور جن لوگوں نے اپنی خواہش سے رجوع نہیں کیا ان میں سے ابن ملجم بھی تھا کہ اپنے مذہب کو حق سمجھ کر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو حلال سمجھ بیٹھا بلکہ اس کو دین تصور کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کہ اس کے اعضاء کاٹے جا رہے تھے تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔ پھر جب اس کی زبان کاٹنے کے لیے کہا گیا کہ زبان نکال تو پیچھے ہٹ گیا اور کہا کہ ”کیسے دنیا میں وہ اوقات گزاروں گا جن میں اللہ کا ذکر نہیں کر سکوں گا۔“

تو دیکھو ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ یہی حال حجاج کا تھا کہ کہا کرتا تھا ”خدا کی قسم! بھلائی کی جو کچھ امید ہے وہ موت کے بعد ہے“ دیکھو یہ اس کا جملہ ہے جبکہ کتنے ایسے لوگوں کو قتل کرایا ہے جن کا قتل حلال نہیں تھا جن میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

ہم کو عبدالوہاب اور حافظ بن ناصر نے مبارک بن عبدالجبار' حسین بن محمد النصیبی' اسماعیل بن سعید' ابوبکر بن الانباری' ابوعیسیٰ الختلی' ابویعلی' الاصمعی' ابوعاصم' عباد بن کثیر کے واسطوں سے بتایا کہ قحذم نے بیان کیا ہے کہ ”حجاج کے جیل میں ۳۳۰۰۰ تینتیس ہزار افراد ایسے پائے گئے جن پر نہ سولی کا جرم تھا نہ قتل کا نہ ہاتھ کاٹے جاتے کا“

میں کہتا ہوں کہ اکثر بادشاہ اور حکام جائز سمجھ کر قتل اور ہاتھ کے کاٹنے کا حکم دے دیتے ہیں حالانکہ اگر علماء سے پوچھ لیتے تو صحیح حکم ظاہر ہو جاتا اور اکثر عوام معافی پر اعتماد کر کے گناہ کر لیتے ہیں اور سزا کو بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ سوچتے ہیں کہ میں اہلسنّت میں سے ہوں یا میری نیکیاں کام آ جائیں گی حالانکہ یہ سب جہالت کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

لہٰذا ہر انسان کو دلیل کے حاصل کرنے اور اس کو پہچاننے کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور اپنے شبہات کو دل میں نہ رکھنا چاہیے اور نہ اپنے علم پر اعتماد کرنا مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو تمام آفات سے سلامتی عطا فرمائیں۔

پاداش عمل

مجلس....خوب سمجھ لو کہ خواہ نیکی ہو یا برائی بدلہ گھات میں ہے۔ یہ دھوکہ کی بات ہے کہ گناہ گار اگر گناہ کے بعد سزا کا اثر نہ دیکھے تو سمجھ لے کہ اس کو معاف کر دیا گیا جبکہ سزا کبھی کچھ مدت بعد بھی آ جاتی ہے اور کم ہی ایسا ہوا ہے کہ کسی نے گناہ کیا ہو اور اسے اس کے عوض سزا نہ ملی ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "من یعمل سوء ا یجزبه" (جس نے بھی کوئی برائی کی اس کا بدلہ دیا جائے گا) یہ دیکھو حضرات آدم علیہ السلام نے ایک لقمہ کھالیا تو جو کچھ آپ کو پیش آیا تم جانتے ہی ہو۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ کیا میں نے تم کو اپنے لیے نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تمہارے لیے اپنا گھر نہیں حلال کر دیا تھا؟ اور کیا میرے فرشتوں نے تم کو سجدہ نہیں کیا؟ لیکن تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور میرے عہد بھول گئے؟ میری عزت کی قسم اگر میں زمین کو بھر دیتا اور سب مل کر تمہاری طرح عبادت کرتے اور دن ورات تسبیح پڑھتے رہتے پھر میری نافرمانی بھی کر دیتے تو میں ان کو گنہگاروں کے درجہ میں رکھتا۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سر سے تاج اتار لیا اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے پیشانی سے تاج کی پٹی کھولی اور آپ کے سامنے کے بال پکڑ کر نیچے اتار دیا گیا پھر آپ ہندوستان کے پہاڑ پر تین سو سال تک روتے رہے اور آپ کے آنسو پہاڑی

---

[1] یہ پوری فصل عام آدمی کیلئے نہیں ہے صرف علماء حضرات کے لیے ہے۔ لہٰذا عوام اس کا مطالعہ ہرگز نہ کریں۔ ۱۲ حمزہ

وادیوں میں بہتے رہے تو انہی آنسوؤں سے یہ تمہارے عطر کے درخت اُگے ہیں[1]۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کسی عورت کو ایک نگاہ دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا عتاب ہو گیا پھر مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے سبز گھاس اُگ آئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس مقدمہ کے لیے کچھ لوگ آئے تو آپ کا میلان ایک فریق کے ساتھ ہو گیا جس کی وجہ سے سزا میں مبتلا کیے گئے اور لوگوں کی نگاہوں میں گر گئے۔ حتیٰ کہ کہتے تھے مجھ کو کھلا دو تو کوئی کھانا نہیں دیتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے سامنے ایک بچھڑا ذبح کر دیا تو اس کی سزا میں حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا کیے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زلیخا کی طرف ایک لمحہ کے میلان پر گرفت ہو گئی تو ان کے ہر بھائی کے تو بارہ لڑکے ہوئے جبکہ آپ کے اس میلان کی وجہ سے گیارہ ہی ہوئے (ایک کم ہو گیا)

حضرت ایوب علیہ السلام نے چند گھوڑوں کے لیے جو ایک بادشاہ کے علاقہ میں تھے وہاں کے ظالم بادشاہ پر نکیر میں کمی کی تو بیماری میں مبتلا کر دیئے گئے۔

حضرت یونس علیہ السلام بغیر اجازت خداوندی کے اپنی قوم سے نکل گئے تو مچھلی نے لقمہ بنالیا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ ''تیری قوم نے اس دین کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے ان کے آباء واجداد معزز ہوئے۔ میری عزت کی قسم! میں ان پر ایسے لشکر ابھاروں گا جو ان کی گریہ وزاری پر ترس نہیں کھائیں گے۔

حضرت ارمیاء نے عرض کیا ''اے میرے رب! یہ لوگ تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، تیرے صفی موسیٰ کی اُمت اور تیرے نبی آدم علیہ اسلام کی قوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے ابراہیم، موسیٰ اور داؤد علیہ اسلام کو اپنی طاعت کی وجہ سے معزز مکرم بنایا تھا اگر وہ بھی میری نافرمانی کرتے تو میں انہیں بھی گناہ گاروں کے مقام پر رکھ دیتا۔''

ایک عبادت گزار نے ایک خوبصورت شخص کو گھور کر دیکھا تو اس کے شیخ نے فرمایا کہ یہ

---

[1] یہ اور اسی طرح آگے بعض روایات جھوٹی اسرائیلی روایات ہیں ان پر یقین کرنا درست نہیں ہے، رہا مصنف کا ان روایات کو ذکر کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں'' ''فلما مکثار سلم من العثار'' ۱۲ حمزہ

بدنگاہی کیوں کی؟ جلدی ہی اس کا نتیجہ دیکھو گے۔ آخرکار چالیس سال کے بعد قرآن پاک بھول گیا' ایک اور شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص کو جس کے دانت ٹوٹ گئے تھے عیب لگادیا تو میرے دانت بھی ٹوٹ گئے اور میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھ لیا جس کا دیکھنا حلال نہیں تھا تو میری بیوی کو بھی ایسے شخص نے دیکھا جس کو میں نہیں پسند کرتا تھا۔

ایک نافرمان بیٹے نے اپنے باپ کو مارا اور گھسیٹنے لگا تو باپ نے کہا کہ بس یہیں تک رہنے دو کیونکہ میں نے بھی اپنے باپ کو یہیں تک گھسیٹا تھا۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو فقر و افلاس کا عیب لگادیا تو خود ہی افلاس میں مبتلا ہو گیا اور ایسے واقعات بہت ہیں۔ سب سے عجیب واقعہ تو وہ ہے جو میں نے وزیر ابن الحصیر ملقب بن ''نظام'' کے متعلق سنا کہ خلیفہ مقتفی باللہ نے ناراض ہو کر اس پر دس ہزار دینار کا جرمانہ کر دیا (جب وزیر گھر گیا تو) گھر والے غمزدہ حالت میں اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو دس ہزار دینار کہاں سے مل سکے گا؟

وزیر نے کہا کہ نہ مجھ سے دس ہزار لیا جائے گا نہ پانچ ہزار نہ چار ہزار۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے معلوم ہوا ہے اس نے کہا کہ میں نے ایک شخص پر ظلم کر کے تین ہزار دینار اس پر لازم کر دیا تھا تو اب مجھ سے اس سے زیادہ نہیں لیا جاسکتا ہے۔ آخر یہی ہوا کہ جب اس نے وہ تین ہزار دینار ادا کیا تو بادشاہ نے چھٹکارا دیدیا اور باقی کو معاف کر دیا۔

اب میں خود اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ مجھ کو خود بھی جو آفت یا غم یا تنگ دلی پیش آئی وہ کسی لغزش ہی کی وجہ سے آئی جس کو میں سمجھ جاتا ہوں حتیٰ کہ میں یہ بتاسکتا ہوں کہ یہ آفت فلاں لغزش کا اثر ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں نے بہت پہلے کسی عمل میں تاویل سے کام لیا تھا اور اس کی سزا اب دیکھ رہا ہوں۔

لہٰذا ہر انسان کو گناہوں کی پاداش پر نگاہ رکھنی چاہیے کیونکہ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی محفوظ رہ جائے اور سچی توبہ کا اہتمام کرنا چاہیے جبکہ حدیث شریف میں ہے:

مامن شئی اسرع لحاقا بشئی من حسنة حدیثة لذنب قدیم

''کوئی چیز کسی چیز سے ملنے میں اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ نئی نیکی پرانے گناہ سے''

اور توبہ کے ساتھ بھی مواخذہ سے ڈرتا رہے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی توبہ قبول فرما چکے ہیں اس کے باوجود حدیث شفاعت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی غلطی یاد کریں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی غلطی۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "**من یعمل سوء اً یجزبه**" (جو شخص برا عمل کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا)

خبر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی گنہگار کو معاف نہ کیا جائے گا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور گنہگار کو معاف کیا جاتا ہے تو اس کا جواب دو طرح ہے۔

ایک یہ کہ اس آیت کو ایسے گنہگار پر محمول کر لیا جائے جو گناہ پر اصرار کے ساتھ بے توبہ کے مر گیا ہو کیونکہ توبہ تو پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور میں اسی کو اختیار کرتا ہوں اور عقل و نقل سے اس کو ثابت کرتا ہوں۔ چنانچہ نقل تو یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "**یا رسول اللہ! او نجازی بکل مانعمل؟**" (کیا ہم کو ہمارے ہر برے عمل کا بدلہ دیا جائے گا؟)

آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے ہو؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے ہو؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی ہے؟ تو انہی چیزوں سے تم بدلہ پاتے ہو۔

اور عقل و معنی کی دلیل یہ ہے کہ توبہ و ندامت کے بعد بھی مؤمن کو اپنے گناہ پر ہر وقت افسوس اور غم ایسا ہوتا ہے جو ہر سزا سے بڑھ کر ہے۔ سو اس شخص کے لیے بربادی ہے جو دائمی سزا کی تلخی کو جانتا ہوا اس کے باوجود ایک لمحہ کی لذت گناہ کو ترجیح دیتا ہو۔

نوحہ زندگی

مجلس.... ایک دن میں نے اپنے بارے میں نہایت تحقیق کے ساتھ سوچا اور حساب لیے جانے سے پہلے ہی اپنا محاسبہ کیا اور تولے جانے سے قبل ہی اپنے کو میزان پر رکھا تو محسوس ہوا کہ ابتداء طفولیت سے اب تک الطاف خداوندی مجھ کو ایک کے بعد ایک لطف سے نوازتے رہے، میرے عیوب پر پردہ ڈالے رہے اور جن غلطیوں پر سزا ہونی

چاہیے تھی ان کو معاف کرتے رہے جبکہ میں ان کا شکر زبان ہی سے ادا کر پاتا ہوں۔

پھر میں نے اپنی ان غلطیوں اور خطاؤں کو سوچا جن میں سے کسی ایک پر بھی اگر گرفت ہو جائے تو میں فوراً ہلاک ہو جاؤں گا اور اگر کوئی ایک بھی لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے تو مجھے شرمندگی ہو۔ یہ سن کر کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ میری مراد ان خطاؤں سے گناہ کبیرہ ہیں کہ پھر یہ سمجھ کر میرے بارے میں بھی انہی گناہوں کا تصور باندھ لے جو فاسقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میری مراد وہ چیزیں ہیں جو مجھ جیسے عالم کے حق میں بڑے گناہ کے درجہ میں ہیں جن کا ارتکاب میں نے فاسد اور غلط تاویلوں کے سہارے کر لیا ہے۔

لہٰذا جب میں نے دعا کی تو یہ عرض کیا ''اے اللہ! آپ کو آپ کی تعریف وحمد اور میرے گناہوں کی ستاری و پردہ پوشی کا وسیلہ ہے کہ میری مغفرت فرما دیجئے۔

پھر میں نے اپنے آپ سے مطالبہ کیا کہ ان احسانات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو جیسا شکر چاہیے تھا ادا نہیں کر سکا اسی طرح یہ دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ سے اپنی خواہشات اور تقاضوں کا جس طرح مطالبہ کرتا ہوں اپنے نفس سے مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر کا مطالبہ اس طرح نہیں کر پاتا ہوں اس لیے اب میں محسن کے شکر میں کمی اور سچے عمل کے بغیر صرف حصول علم سے لطف اندوزی کی کوتاہیوں پر نوحہ کرتا ہوں کیونکہ میں نے بڑوں کے مقامات کی آرزو کی تھی مگر عمر رخصت ہو گئی اور گوہر مقصود حاصل نہ ہو سکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابو الوفاء بن عقیل نے بھی میری طرح اپنی زندگی کا نوحہ کیا ہے چونکہ مجھے ان کا انداز اچھا لگا اس لیے اسی کو یہاں لکھتا ہوں (اور میرا بھی حال یہی ہے) وہ اپنے آپ سے کہتا ہے:

''اے بیوقوف! تو الفاظ کو اس لیے درست کرتا ہے تا کہ تجھے مناظر کہا جائے حالانکہ اس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ کہہ دیا جائے اے مناظر! جیسا کہ چالاک تندرست پہلوان کو پہلوان کہہ دیا جائے۔ تو نے عمر کے وہ ایام جو عقلمندوں کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی اور نفیس ہوتے ہیں اس لیے ضائع کر دیئے کہ ان لوگوں کے درمیان جو کل فنا ہو جائیں گے تیرے مناظر ہونے کی شہرت ہو جائے۔ حالانکہ جب یہ لوگ ختم ہو جائیں گے تو ذاکر اور مذکور دونوں بھلا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی مشکل ہے کہ شہرت کا معاملہ اپنی مدت تک ہی

حاصل رہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی نوجوان عالم جو تجھ سے بھی زیادہ تیز ہو ابھر آوے تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں اور شہرت اسی کی ہو جائے جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے حضرات ایسے کام میں مشغول ہوئے کہ جب موت آوے گی تو وہ کام ان کو مشہور کردے گا یعنی اپنے علم پر عمل اور نفس کی نگرانی میں لگے (جس کا انجام شہرت ہے) مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے مختلف فنون پر کئی کئی جلدیں تصنیف کر دیں مگر ان کی وجہ سے کسی فضیلت کی کچھ مہک نہیں پھیل سکی۔

اگر مجھ سے مناظرہ کیا گیا تو نفس نے تکبر کیا اور اگر نصیحت کی گئی تو اکڑ دکھلائی جبکہ اگر کہیں دنیا کی جھلک آ گئی تو نفس کا گدھ وہاں تک اُڑ کے پہنچا اور ایسے گرا جیسے مردار پر کوے گرتے ہیں۔ پھر کاش! اس نے دنیا سے اتنا ہی کھایا ہوتا جتنا بھوک سے مرنے والا مردار سے کھاتا ہے۔لوگوں سے میل جول بڑھا کر بہت سے ایسے عیوب جمع کر لیے جو برباد کردیں گے اور اپنی طرف حق تعالیٰ کی نگرانی سے ذرا نہیں شرمایا۔ اگر کوئی حاجت پوری نہ ہو سکی تو تڑپنے لگا اور اگر نعمتیں بڑھا دی گئیں تو محسن اور منعم کو بھول گیا۔

افسوس مجھ پر جبکہ آج روئے زمین پر ہوں اور کل زمین کے نیچے رہوں گا خدا کی قسم! مٹی کے نیچے تین دن کے بعد والی میرے جسم کی بدبو کم ہوگی اس بدبو سے جو اس وقت اپنے احباب کے درمیان رہتے ہوئے میرے اندر موجود ہے۔

خدا کی قسم! اس ذات کریم کے حلم نے مجھ کو میرے نفس سے مغلوب کر دیا ہے، کس طرح اس نے میری ستاری کی جبکہ میں پردہ دری کر رہا تھا اور کیسے مجھ کو سکون دیا ہے جبکہ میں انتشار کے اسباب اختیار کرتا رہتا ہوں۔کل کہا جائے گا کہ ایک نہایت صالح اور بڑے عالم کی وفات ہو گئی حالانکہ اگر وہ لوگ مجھ کو اچھی طرح پہچان لیتے تو مجھ کو دفن کرنا بھی گوارہ نہ کرتے۔

خدا کی قسم! میں اپنے متعلق اس طرح آواز لگاؤں گا جیسے کوئی شخص اپنے دشمنوں کے عیوب کھولتا ہے اور میں نوحہ خوانوں کی طرح اپنا نوحہ خود کروں گا کیونکہ میری ان پوشیدہ مصیبتوں اور ان چھپی ہوئی خصلتوں پر نوحہ کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جن کو اس ذات نے چھپا دیا جس کو ان کا علم ہوا۔

خدا کی قسم! میں اپنے اندر کوئی ایسی پسندیدہ خصلت نہیں پاتا ہوں جس کے وسیلہ سے کوئی دعا کرسکوں اور عرض کرسکوں کہ اے خدا میرے فلاں عمل کی وجہ سے فلاں گناہ کو معاف فرمادیجئے۔ خدا کی قسم! جب بھی میں نے التفات کیا تو یہی دیکھا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی احسان میری کفایت کررہا ہے اور اس کی حفاظت مجھ کو بچارہی ہے حالانکہ مجھ پر بہت سے دشمن مسلط ہیں۔

اور جب بھی میں نے کسی ضرورت کے لیے ہاتھ پھیلایا ہے تو اس نے ضرور پوری کردی ہے۔ یہ تو اس کا سلوک ہوا میرے ساتھ حالانکہ وہ پروردگار مجھ سے بے نیاز ہے اور دیکھو میرا فعل جبکہ میں اس کا محتاج بندہ ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی عذر ہے کہ میں کہوں' میں نے جانا نہیں یا مجھ سے بھول ہوگئی۔

خدا کی قسم! اس نے مجھ کو صحیح سالم پیدا کیا' میرے دل کو سمجھ اور ذہانت سے روشن کیا جس کی وجہ سے غائب اور چھپی ہوئی چیزیں بھی میری فہم پر منکشف ہوجاتی ہیں۔

لہٰذا ہائے افسوس! اس زندگی پر جو بندگی کے تقاضوں کے خلاف گزری اور ہائے میری محرومی سمجھ دار اور ذہین حضرات کے مقامات سے۔ ہائے میری حسرت ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے حق میں کیں اور اپنے اوپر دشمنوں کو ہنسایا' ہائے اس وقت ان لوگوں کی حیرت اور مایوسی جو مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں جبکہ اعضاء کو میرے خلاف گواہی دیتے ہوئے دیکھیں گے اور ہائے میری رسوائی جبکہ میرے خلاف حجت قائم کی جائے گی' میرے سمجھ دار ہونے کے باوجود خدا کی قسم! شیطان مجھ پر ہنس رہا ہے اور میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔

اے اللہ! میں ان آلودگیوں سے خالص توبہ چاہتا ہوں اور جو گندگیاں رہ گئی ہیں ان کی اصلاح و ازالہ کے لیے سچی بیداری کی توفیق مانگتا ہوں جبکہ میں تیرے پاس پچاس کے سن کے بعد حاضر ہوا ہوں اور اپنا سامان پرانا کر کے لایا ہوں۔

علم نے انکار کردیا ہے کہ سخاوت کے سرچشمہ کی طرف لے جانے کے سوا کہیں اور لیجائے جبکہ میرے پاس افسوس اور شرمندگی کے سوا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

تیری ذات کی قسم میں نے تیری نافرمانی تیری نعمتوں کی قدر سے ناواقف ہوکر نہیں کی ہے اور تیرے سابقہ کرم کو بھولا نہیں ہوں لہٰذا میرے سابقہ گناہوں کو اپنے کرم سے معاف فرما۔

رشتہ داروں سے عداوت

مجلس.....رشتہ داروں کی عداوت بڑی سخت چیز ہے کیونکہ کبھی چلتی ہی رہتی ہے جیسے وائل کے بیٹوں بکر اور تغلب کی جنگ، بغیض کے بیٹوں عبس اور ذبیان کی جنگ اور قیلہ کے بیٹوں اوس اور خزرج کی لڑائی۔

''جاحظ'' نے لکھا ہے کہ اوس اور خزرج کی جنگیں چالیس سال تک جاری رہی ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی رشتہ دار یہ نہیں پسند کرتا کہ اس کا عزیز اس سے زیادہ بلندی حاصل کر لے اس لیے آپس میں حسد اور جلن شروع ہو جاتی ہے۔

لہٰذا جسے بلندی حاصل ہو اس کو چاہیے کہ دوسروں سے تواضع سے پیش آئے۔ حتی الامکان ان کی تعظیم کرے اور نرمی سے پیش آوے تو امید ہے کہ دوسرے لوگ جھک جائیں گے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن سے صلہ رحمی کرتا ہوں تو وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

فکانما تسفهم الملّ ولن یزال معک من اللّٰہ ظهیر مادمت علٰی ذلک

''تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور بلاشبہ جت تک تم اس حالت پر رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا ایک مددگار مقرر رہے گا۔''

مؤمن کی تہذیب اور غیروں کا برتاؤ

مجلس.... میں نے دیکھا کہ شکاری کتے جب محلّہ کے کتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو محلّہ کے کتے ان کو زور زور سے بھونکتے ہیں اور پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ گویا شکاری کتوں کو بہت معزز و مکرم خیال کر کے ان کی عزت سے حسد کرتے ہیں جبکہ اس وقت شکاری کتے ان کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کرتے بلکہ نگاہ بھی نہیں اٹھاتے اور ان کی بھونک کو کچھ اہمیت نہیں دیتے تو اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ کتے ان کی جنس ہی سے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ محلّہ کے کتے موٹے جسم بد ہیئت اور بھدے اعضاء رکھتے ہیں اور ان میں امانت بھی نہیں ہوتی جبکہ یہ ہلکا پھلکا بدن پتلے پتلے اعضاء رکھتے ہیں اور اس کے

ساتھ ایسی تہذیب بھی جوان کی خلقت کے مناسب ہو پھر یہ کہ یہ سب خواہ اپنے مالک کے خوف سے یا اس کی نعمت کے شکر میں اس کے شکار کو محفوظ رکھتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ تہذیب اور حسن معاشرت سے جسم میں لطافت اور روح میں صفائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح سمجھدار مؤمن کا حال بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنے حاسدوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا اور نہ ان کو کسی شمار میں لاتا ہے کیونکہ وہ الگ خیال میں رہتا ہے اور اس کے حاسد دوسرے ہی چکروں میں۔ حاسد دنیا کے متعلق اس سے جلتا ہے جبکہ مؤمن کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہوتی ہے اور دونوں کا فاصلہ ظاہر ہے۔

مسئلہ تقدیر

مجلس.... اس فصل کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور یہ یقین رکھے کہ وہ حکمت والا ہے ہر مخلوق کا مالک ہے اور کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی فیصلے کی حکمت مخفی رہ جائے تو جہالت اور نادانی کی نسبت اپنی طرف کر کے مالک اور حکیم کے سامنے سر جھکا دے اور اگر عقل حکمت کا مطالبہ کرے تو کہہ دے کہ مجھ پر ظاہر نہیں ہو سکی ہے اس لیے میرے ذمہ اپنے مالک کے فیصلوں کو (بلا سمجھے ہی) مان لینا ضروری ہے۔

بہت سے لوگوں نے محض عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ اگر یہ افعال مخلوق سے صادر ہوتے تو خلاف حکمت سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے فیصلوں کو بھی خلاف حکمت کہہ دیا حالانکہ یہ خالص کفر اور کھلا ہوا پاگل پن ہے کیونکہ جہالت کی نسبت اس لیے اپنی طرف کرنا ضروری ہے کہ عقلیں اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھنے سے قاصر ہیں۔

سب سے پہلے یہ حرکت جس نے کی وہ ابلیس ہے کیونکہ اس نے دیکھا کہ مٹی کو آگ پر فضیلت دی جا رہی ہے حالانکہ عقل آگ کو افضل قرار دیتی ہے تو اللہ کی حکمت پر نکتہ چینی کر دی اور یہ بیماری علماء اور عوام سب میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کتنے عالموں کو اعتراض کرتے ہوئے اور کتنے جاہلوں کو انکار کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ مصیبت اکثر لوگوں میں موجود ہے۔

دیکھتے ہیں کہ عالم پر معاش تنگ ہے اور بدکار پر وسیع تو کہہ دیتے ہیں یہ حکمت کے مناسب نہیں ہے حالانکہ علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت اور تمام کفارات اسی لیے مقرر فرمائے ہیں تاکہ ان کے ذریعے فقراء کو بھی غنا حاصل ہو سکے لیکن جب ظالموں نے ان سب کو اپنے لیے خاص کر لیا اور دولت مند حضرات زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے حیلے کرنے لگے تو فقیر بھوکا اور ضرورت مند رہ گیا۔ لہٰذا اب ہم کو چاہیے تھا کہ ہم ان ظالموں کی مذمت کرتے نہ یہ کہ اس ذات پر اعتراض کرنے لگیں جس نے فقراء کے لیے کفایت کا یہ سب انتظام کیا ہے۔

ویسے اس کے ضمن میں فقراء کا حق محبوس کرنے کی وجہ سے ظالموں کی سزا اور اپنے حظوظ سے محرومی پر فقراء کی آزمائش بھی چھپی ہوئی ہے۔

اس طرح کے اکثر معترضین جان نکلنے کے وقت ایسے اعتراض اور شبہ سے محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں جو کفر کی طرف لیجائے۔ لہٰذا ان کی جان کفر کی حالت میں نکلتی ہے۔

کتنے عامی اس طرح کہتے نظر آتے ہیں کہ فلاں صاحب آزمائش میں مبتلا ہیں حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ساتھ صحیح سلوک نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ایک بے حیا نے کہا ہے:

ایا رب تخلق اقمار لیل — واغصان بان وکثبا نعمل

"اے میرے رب! تو پیدا کرتا ہے رات کے چاند سفیدے کے ٹہنیاں اور ریت کے ٹیلے (یعنی خوبصورت چہرہ قد ار جسم والوں)"

وتنهىٰ عبادک ان یعشقوا — ایا حاکم العدل ذا حکم عدل؟

"پھر اپنے بندوں کو عشق کرنے سے منع بھی کرتا ہے تو اے منصف بادشاہ! کیا یہ عدل کا فیصلہ ہے؟"

اس طرح کے اشعار بعض علماء بھی پڑھتے اور پسند کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔

دراصل ان لوگوں نے نہی کا راز اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہم کو عشق سے نہیں منع کیا گیا ہے بلکہ عشق کے تقاضوں پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے جن میں سے بہت سی حرام چیزیں ہیں۔ مثلاً بدنگاہی، جسم کو چھونا اور بدکاری وغیرہ۔

جبکہ خواہشات سے پرہیز کرنے سے ایسی ذات کے وجود پر ایمان بھی ظاہر ہوتا ہے جس نے ان سے روکا ہے جیسے پیاسے شخص کا رمضان شریف میں صبر کرنا کہ یہ دلیل ہے اس ذات کے وجود پر ایمان کی جس نے روزہ کا حکم دیا ہے اسی طرح اپنی جانوں کو قتل اور جہاد کے لیے پیش کر دینا دلیل ہے روز جزا پر یقین کی۔ پھر یہ بھی سوچو کہ پسندیدہ اور خوبصورت خواہشات جنت کی نعمتوں کا نمونہ ہیں (یعنی ان سے پرہیز کرنے میں جنت میں اسی کے مشابہ اور اس سے بہتر نعمت میسر ہوگی) تو پھر انجام سوچنے والی عقل کا کیا فائدہ ہوا؟ کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر وہ انجام کو سوچ کر تھوڑا صبر کر لیتی تو بہت زیادہ نفع اٹھاتی۔

اگر میں علماء اور عوام کے ان اعتراضات کو جو مجھے معلوم ہیں نقل کرنے بیٹھوں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ البتہ اس مسئلہ میں سب سے کم درجہ کا حال وہ ہے جو ابن الراوندی سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن سخت بھوک سے پریشان ہو کر راستہ کے پل پر آ کر بیٹھ گیا جبکہ بھوک اس کو چور چور کر رہی تھی۔ اتفاق سے چند گھوڑے ریشم و دیبا سے آراستہ ادھر سے گزرے تو پوچھا کہ یہ گھوڑے کس کے ہیں؟ لوگوں نے کہا خلیفہ کے غلام علی بن بلتق کے ہیں، پھر کچھ خوبصورت باندیاں گزریں، پوچھا کہ یہ کس کی ہیں؟ لوگوں نے کہا علی بن بلتق کی۔

پھر ایک شخص ادھر سے گزرا اور اس نے ابن الراوندی کے چہرہ پر کمزوری اور فقر کے آثار کو دیکھ کر دو روٹی اس کی طرف پھینک دی۔ ابن الراوندی نے ان روٹیوں کو لیا اور پھینک دیا اور کہا کہ یہ سب چیزیں علی بن بلتق کو ملیں اور یہ دو چپاتی میرے مقدر میں ہے؟

اس وقت یہ احمق جاہل اپنے اعتراض اور بکواس کی وجہ سے یہ بھی بھول گیا کہ خود بھوکا ہے (اور بھوک ہی کی وجہ سے پل پر آیا تھا)

اے اعتراض کرنے والو! جبکہ تم انتہائی ناقص ہو اور ایسی ذات پر معترض ہو جس کے فیصلوں میں کوئی عیب نہیں تم لوگ ابتداء میں مٹی اور پانی تھے پھر ناپاک نطفے سے پیدا ہوئے ہو اور اب ہر وقت نجاستیں اٹھائے پھرتے ہو۔ سوچو کہ اگر صرف ہوا بند کر دی جائے تو تم سب مردار ہو جاؤ۔

تمہارے محتاط اور ہوشیار لوگ کتنی رائیں ایسی قائم کرتے ہیں جو دوسروں کے سامنے پہنچ کر قبیح اور غلط ہو جاتی ہیں پھر یہ کہ تمہاری طرف سے گناہ اور نافرمانیاں کس قدر ہیں؟

اب غور کرو کہ سوائے مالک اور حکیم پر اعتراض کے تمہارے اندر کیا رہ گیا ہے؟

اور اگر ان آزمائشوں میں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہوتا کہ ہم سے تسلیم و رضا کا امتحان لیا جائے تو بھی کافی ہوتا بلکہ اگر وہ ساری مخلوق کو صرف اس لیے پیدا کرتا کہ اس کے وجود پر دلیل ہو پھر سب کو ہلاک کر دیتا اور دوبارہ زندہ نہ کرتا تو اس کو اس کا حق تھا اس لیے کہ وہ مالک ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل سے دوبارہ پیدا کرنے بدلہ دینے اور آخرت میں ہمیشہ کی نعمتوں میں رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حاصل یہ کہ جب بھی کوئی ایسا فیصلہ سامنے آوے جس کی علت تم نہ سمجھ سکو تو اس کو اپنے علم کے قصور کی طرف منسوب کرو جبکہ تم دیکھتے بھی ہو کہ ایک شخص مظلوم ہو کر قتل کر دیا گیا حالانکہ وہ مظلوم اس سے پہلے کتنے قتل کر چکا ہوتا ہے کتنے مظالم ڈھا چکا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ قتل اس کے صرف ایک قتل کا بدلہ ہوتا ہے۔

بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی آفت یا مصیبت پہنچے اور وہ اس کا مستحق نہ ہو مگر وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ بدلہ ملتا ہے پوشیدہ رہ جاتے ہیں اور صرف بدلہ نظر آتا ہے۔

لہٰذا سر جھکا دو تا کہ محفوظ رہو اور اعتراض کا کلمہ زبان پر لانے یا دل میں چھپائے رکھنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض اعتراض تم کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیں گے۔

عید کا دن اور قیامت کا منظر

مجلس.... میں نے عید کے دن لوگوں کو دیکھ کر ان کے حال کو قیامت کے دن سے تشبیہ دی ہے کیونکہ عید کے دن جب سب لوگ اٹھتے ہیں تو عید گاہ کی طرف نکل پڑتے ہیں جیسے کہ مُردے اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف بڑھیں گے۔ پھر بعض اعلیٰ درجہ کی زینت اختیار کرتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی سواری پر آتے ہیں جبکہ بعض متوسط طبقے کے ہیں اور بعض بالکل پست اور قیامت کے دن بھی لوگوں کا یہی حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفداً" (جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کے پاس جمع کریں گے اس حال میں کہ وہ سوار ہوں گے۔ وفداً کا مطلب ہے رکباناً (سوار)

"ونسوق المجرمین الی جهنم ورداً" (مجرموں کو جہنم کی طرف کھینچیں گے

اس حال میں کہ وہ پیاسے ہوں گے۔)ورداً کا مطلب ہے عطاشاً (پیاسا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**یحشرون رکبانا ومشاۃ وعلیٰ وجوھھم**" (لوگ جمع کیے جائیں گے سوار، پیدل اور منہ کے بل اوندھے)

عید کے دن بعض لوگ بھیڑ میں روندے ہوئے جاتے ہیں ایسے ہی قیامت میں بھی ظالموں کو لوگ اپنے پیروں سے روندیں گے۔

عید کے دن بعض صدقہ دینے والے مالدار ہوتے ہیں تو قیامت میں بھی وہ لوگ احسان کریں گے جو دنیا میں دوسروں پر احسان کیا کرتے تھے۔

اور جیسے عید کے دن بعض فقیر سائل عطیہ کا سوال کرتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی اہل کبائر کے لیے سفارش کا شعبہ تیار کیا گیا ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر کوئی ترس نہیں کھاتا تو قیامت میں بھی "**فمالنا من شافعین ولا صدیق حمیم**" کہ ہمارے لیے نہیں کوئی سفارشی اور نہ کوئی سچا دوست[1]۔

جیسے بادشاہ کی طرف سے عید کے دن جھنڈے اور انعامات تقسیم ہوتے ہیں اسی طرح متقین کو قیامت کے دن جھنڈے تقسیم ہوں گے اور جیسے بگل بجایا جاتا ہے اسی طرح بندے کے حال کی خبر دی جائے گی اور پکار کر کہا جائے گا کہ اے اہل محشر! فلاں بندہ ایسی سعادت پا گیا ہے جس کے بعد کوئی بدبختی نہیں اور فلاں بندہ ایسی بدبختی پایا ہے جس کے بعد کوئی سعادت نہیں۔

پھر خواص عیدگاہ سے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو ان کو احکام بجالانے کی خبر دی جاتی ہے۔ "**اولئک المقربون**" یہی لوگ ہیں قربت والے۔

پھر ان کو شاہی مہر نامہ عطا ہوتا ہے۔ "**وکان سعیھم مشکوراً**" (اور ان کی کوشش

---

[1] زباء اور قصیر کے قصہ کا حوالہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے اس لیے مختصراً نقل کیا جاتا ہے جذیمہ اور ملیح بن براء میں جنگ تھی جذیمہ نے ملیح کو قتل کر دیا اور اس کے ملک کو تہہ و بالا کر دیا۔ ملیح کی ایک بیٹی تھی زباء نہایت خوبصورت اور باہمت اس نے لشکر جمع کر کے جذیمہ کو پیچھے ہٹایا پھر دونوں میں صلح ہوگئی، پھر جذیمہ نے زباء کو نکاح کا پیغام دیا اس نے منظور کر لیا۔ جب جذیمہ محل میں داخل ہوا تو زباء نے اس کو قتل کرا دیا۔ ادھر جذیمہ کا ایک نہایت وفادار سمجھدار غلام تھا قصیر اس نے آقا کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور نہایت چالاکی سے زباء کی ملازمت حاصل کی پھر اس کا اعتماد بھی حاصل کیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر زباء کو گرفتار کر لیا اور ملک پر جذیمہ کے بھائی کو قبضہ دلا دیا۔ پورا واقعہ بہت طویل اور پُر لطف ہے۔ کتاب الاذکیاء کے ترجمہ لطائف علمیہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

قابل قدر ہوگی) اور جولوگ ان سے کمتر ہوتے ہیں ان کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض تو آباد گھروں کی طرف جاتے ہیں۔ "بما اسلفتم فی الایام الخالیة" (ان اعمال کی وجہ سے جو تم نے کیے گزشتہ دنوں میں)

اور بعض متوسط ہوتے ہیں جبکہ بعض ویران گھروں کی طرف جاتے ہیں۔

"فاعتبروا یآ اولی الالباب" (پس عبرت حاصل کرو اے عقل والو)

علماء اور صوفیاء سے خطاب

مجلس..... یہ فصل علماء اور صوفیاء کو نصیحت پر مشتمل ہے۔

اے قوم! تم لوگ جانتے ہو کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "الا للّٰہ الدین الخالص" (سنو اللہ کے لیے خالص دین ہو)

کا مطلب سمجھ چکے ہو اسی طرح حضرات سلف کے متعلق سن چکے ہو کہ وہ کوئی عمل یا قول اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک کہ پہلے نیت صحیح نہ کر لیں۔

تو اے فقہاء کرام! سوچو کہ کیا تمہارا زمانہ بحث و مباحثہ اور جھگڑے میں گزر جائے گا؟ اور تمہاری آوازیں عوام کے اجتماعوں میں غلبہ اور جیت کے لیے بلند ہوتی رہیں گی؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ "من طلب العلم لیبا ھی به العلماء او لیمأری به السفھا و او لیصرف وجوہ النّاس الیه لم یرح رائحه الجنة" جس نے علم اس نیت سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے گا یا بیوقوفوں سے جنگ کرے گا یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیر لے گا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

پھر تم میں سے بعض لوگ باوجود اہلیت نہ رکھنے کے فتویٰ دینے کی جرأت کرتے ہیں حالانکہ حضرات سلف فتویٰ کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے۔

اور اے صوفیاء کے گروہ! یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ راز اور پوشیدہ نیتوں کا حال خوب جانتے ہیں تو بتاؤ آخر کیوں اپنے لباس سے فقر کا اظہار کرتے ہو جبکہ نفسانی خواہشات پوری پوری وصول کر لیتے ہو؟ اور کیوں خشوع و گریہ وزاری کا مظاہرہ خلوتوں کے بجائے جلوتوں میں کرتے ہو؟

حضرت ابن سیرینؒ تو (لوگوں کے درمیان) ہنستے اور قہقہہ لگاتے تھے پھر جب خلوت میں جاتے تو رات کا زیادہ حصہ رونے میں گزارتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا ''اے بے شرم! جب لوگ تم کو دیکھتے ہیں تب نماز پڑھتے ہو اور جب دیکھے جانے کا وقت نہیں ہوتا تب سوتے ہو۔

افدی ظباء فلاة ما عرفن بها مضغ الکلام ولا صبغ الحواجیب

''میں ان جنگلی ہرنوں پر قربان ہوں جو چبا چبا کر بات کرنا اور ابروؤں کو رنگ لینا نہیں جانتے' ریا کار پر اس دن حسرت ہوگی۔''

جبکہ ''وحصّل مافی الصدور'' نکال لیا جائے گا ان چیزوں کو جو سینے میں پوشیدہ ہیں یعنی نیتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

لہٰذا تم لوگ اپنے نشہ سے ہوش میں آؤ' اپنی لغزشوں سے توبہ کرو اور سیدھے راستے پر رہو۔

''ان تقول نفس یا حسرتا علیٰ مافرطت فی جنب اللّٰہ''

(یہ کہ کوئی نفس کہے ہائے حسرت! ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے حق میں کیں)

علماء اور صوفیاء کی بعض کوتاہیاں

مجلس.... میں نے اکثر لوگوں کو سنت سے منحرف اور عادات ورواج سے مانوس پایا اور بلاشبہ دو گروہ اس سے مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ (۱) علماء کی جماعت (۲) عبادت گزار صوفیاء کا گروہ لیکن میں نے علماء کے حالات کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ اکثر بد پرہیزی میں مبتلا ہیں۔

چنانچہ بعض صرف دنیاوی لین دین کے مسائل پر اکتفاء کر کے آخرت کے معاملات سے غافل ہیں اور اس کی وجہ یا تو جہالت ہے یا آخرت کے معاملہ کی دشواری بہر حال یہ لوگ علم کے تقاضے کے مطابق نفس پر گراں گزرنے والے اعمال پر عمل پیرا نہیں ہوتے ہیں اور باقی میں صرف عادت اور رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ سوچتے ہوں کہ عالم ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کا معاملہ ہو جائے گا حالانکہ یہ بھول گئے کہ علم ہی ان کے خلاف حجت ہے۔

بعض علماء صرف علم کے ظاہر اور الفاظ میں مشغول ہو کر مقصود یعنی عمل سے غافل ہیں

اور بعض بادشاہوں اور حاکموں سے میل جول رکھتے ہیں جس کی وجہ سے خود اپنا نقصان تو یہ کرتے ہیں کہ ان کے مظالم اور گناہوں کو دیکھنے کے باوجود نکیر نہیں کرتے (تو گنہگار ہوتے ہیں) بلکہ کبھی مدح بھی کر دیتے ہیں (جو اور زیادہ خطرناک ہے) اور بادشاہ کو بھی ان کی صحبت سے نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ اگر مجھ میں کمی ہوتی اور میں غلطی پر ہوتا تو یہ عالم میرے پاس نہ بیٹھتا اور عوام کو بھی ضرر پہنچتا ہے کہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر بادشاہ کا حال ٹھیک نہ ہوتا تو یہ عالم ان کے ساتھ نہ رہتے۔

ایک کوتاہی میں نے شریف اور عالی نسب لوگوں میں یہ دیکھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی سفارش پر بھروسہ کیے رہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہود بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ رہا دوسرا گروہ عبادت گزاروں کا تو ان میں بھی اکثر بد پرہیزی میں مبتلا نظر آئے کیونکہ جن کی نیت درست ہے وہ بھی اپنے اکثر اعمال میں سنت پر نہیں ہیں۔

دراصل بعض متقدمین نے ایسی کتابیں لکھ دی ہیں جن میں کچھ غلط مضامین اور غیر صحیح حدیثیں بھی آ گئی ہیں اور وہ حضرات کچھ ایسے امور کا مشورہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً حارث محاسبی اور ابو عبداللہ ترمذی کی کتابیں، ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور ابو حامد طوسی کی کتاب احیاء العلوم[1]۔

اب جس وقت مبتدی کی آنکھ کھلی اور وہ طریق سلوک طے کرنے کا ارادہ کر کے ان کتابوں کو دیکھتا ہے تو یہ کتابیں اس کو غلطیوں میں مبتلا کر دیتی ہیں کیونکہ ان حضرات نے موضوع حدیثوں پر کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ لوگ دنیا کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا کیا ہے؟ لہٰذا مبتدی دنیا کی مذمت کا تصور کر کے سارے تعلقات ختم کر دیتا ہے پہاڑ کی طرف نکل کھڑا ہوتا ہے پھر کبھی اس سے جماعت کی نماز اور جمعہ بھی چھوٹ جاتا ہے اور صرف بلوط اور ناشپاتی کھاتا ہے جس کی وجہ سے قولنج کا مریض ہو جاتا ہے۔

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ یہ کتابیں غیر معتبر ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں کہیں کہیں مصنفین سے چوک ہو گئی ہے وہ لہٰذا طالبین کو آنکھ بند کر کے عمل نہیں شروع کر دینا چاہیے بلکہ علماء سے تحقیق کے بعد عمل کریں، رہا غلطی ہونا یہ کچھ عیب نہیں، خود مصنف کتاب علامہ ابن الجوزی کی کتابیں چوک سے پاک نہیں ہیں، زہد کے مضامین میں موضوعات تک بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ فقط حمزہ

بعض صرف دودھ پر اکتفاء کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے طبیعت کھل جاتی ہے یا صرف باقلا اور دال کھاتے ہیں جس سے قراقر پیدا ہو جاتا ہے۔

حالانکہ جس کو حج کا سفر کرنا ہو اس کو چاہیے کہ اونٹنی کے ساتھ پہلے ہی سے نرمی اور اچھا برتاؤ کرے تا کہ پہنچ سکے۔ کیا تم سمجھدار ترکوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ اپنی روزی سے پہلے اپنے گھوڑے کے چارہ کا انتظام کرتے ہیں' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ واعظ' حضرات سلف اور حضرات صوفیاء کے احوا بیان کرتا ہے تو سالک مرید اس پر عمل کر کے تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اور جب ہم اس طرح کے واقعات کی تردید کرنے والوں کی غلطی بیان کرتے ہیں تو جاہل لوگ کہتے ہیں کیا تم صوفیاء کی تردید کرتے ہو؟ حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ صحیح طریق کی پیروی کرتے اور ان حضرات کے نام پر نگاہ نہ ڈالتے جن کی عظمت دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے دلیل ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نکاح کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے ....بس زور سے ڈانٹا اور فرمایا چھوڑو ان راستہ کے ٹھیکروں کو اور اپنے اوپر اس طریق کو لازم کر لو جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حارث محاسبیؒ کے سلسلے میں کلام کیا اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کی جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حرفوں کو پیدا فرمایا تو الف کھڑا رہا اور باء نے سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کی مجلس سے ہٹا دو۔

معلوم ہوا کہ حق بات میں دینا نہیں چاہیے کیونکہ وہ حقیقت ہے۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ شریعت اور سنت سے منحرف ہو گئے ہیں اور صوفیاء کے ملفوظات و اقوال کو اپنے لیے مثل شریعت کے بنا لیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرات سلف میں ایسے حضرات بھی تھے جو ایک کھجور کے برابر وزن کر کے لیتے تھے اور وہ کھجور بھی ہر روز کم ہوتی رہتی تھی حالانکہ یہ طریقہ نہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

نے جانا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے۔ وہ حضرات تو آسودگی سے کچھ کم کھاتے تھے بلکہ اپنے اوپر بھوک کی مشقت ڈالنا تو ضع ہے۔

اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جب تم ٹھنڈا پانی پیتے ہو تو موت کو کب پسند کر سکتے ہو؟ جبکہ آپ کا پانی مٹکے میں رہتا تھا اور یہ نہیں سمجھا کہ نفس کا بھی کچھ حق ہے اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کر کے نقصان پہنچاتا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ٹھنڈا پانی لایا جاتا تھا۔

کوئی کہتا ہے کہ پچاس سال سے بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش رکھتا ہوں لیکن اب تک اس کے لیے صاف اور حلال درہم نہیں ملا۔

کوئی کہتا ہے کہ میں گاجر کو شیرہ میں بھگو کر کھانا چاہتا ہوں مگر خالص حلال طریقہ سے نہیں پاتا ہوں، بھلا بتاؤ! کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دانہ جب سے زمین سے نکلا ہے کسی مشتبہ جگہ نہ پہنچا ہو؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ ایسی چیز ہے جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نگاہ نہیں فرمائی۔ اگرچہ پرہیزگاری بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے اوپر سخت مشقتیں لادلی جائیں۔

یہ دیکھو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حدیث اس لیے نہیں بیان کرتا ہوں کہ میرے دل میں حدیث بیان کرنے کی خواہش ہوتی ہے حالانکہ یہ توجیہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ انسان کو نکاح کا حکم دیا گیا ہے اور نکاح سب سے بڑی خواہش نفس کی چیز ہے اور حضرت بشر ننگے پیر رہتے تھے اس وجہ سے آپ کو حافی (ننگے پیر والا) کہا جانے لگا حالانکہ اگر وہ اپنا حال چھپا لیتے اور چپل پہنتے رہتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ ننگے پیر رہنے سے آنکھ کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کو دنیا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جوتا رہتا تھا۔

حاصل یہ کہ آج کل صوفیاء جس طریقہ پر نظر آتے ہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے مزاح فرماتے تھے، خوبصورت عورتوں کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ فرماتے تھے۔ گوشت کھاتے تھے، حلوہ اور شیرینی پسند فرماتے تھے اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی کیا جاتا تھا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی طریقہ پر تھے۔ پھر ان صوفیاء نے کچھ طریقے نکالے جو گویا کہ نئی شریعت ہیں حالانکہ یہ سب طریقے راہ سنت کے خلاف ہیں اور یہ لوگ محاسبی اور مکی کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں نہ کسی صحابی سے دلیل لاتے ہیں نہ تابعی سے اور نہ کسی فقہ کے امام سے۔

پھر اگر کسی عالم کو دیکھتے ہیں کہ اس نے خوبصورت کپڑا پہن لیا یا خوبصورت عورت سے نکاح کر لیا یا نفلی روزہ نہیں رکھتا ہے یا ہنستا اور قہقہہ لگاتا ہے تو اس پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

لٰہذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان حضرات میں سے جن لوگوں کی نیت صحیح بھی ہے وہ بھی اپنی کم علمی کی وجہ سے سیدھے راستے سے منحرف ہیں۔ حتیٰ کہ بعض کہتے ہیں کہ ۸۰ سال سے میں لیٹا نہیں ہوں اور کوئی کہتا ہے کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ سال بھر پانی نہ پیوں گا حالانکہ یہ لوگ غلطی پر ہیں کیونکہ نفس کا بھی حق ہوتا ہے[1]۔

پھر رہے وہ لوگ جن کی نیت بھی ٹھیک نہیں ہے اور انہوں نے حصول دنیا اور ہاتھوں کو بوسہ دلانے کے لیے نفاق اور ریاء کاری سے کام لیا تو ان کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہے جبکہ اکثر صوفیاء ایسے ہی ہیں کیونکہ ان لوگوں نے رنگین کپڑوں میں اس نیت سے پیوند لگوایا تا کہ لوگ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ زینت کو ترک کیے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ افلاطون سے بہتر کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ پہلے کے بزرگوں نے فقر کی وجہ سے پیوند لگوایا تھا۔ حاصل یہ کہ یہ لوگ لذتوں میں مال جمع کرنے میں، مشتبہ مال وصول کرنے میں، راحت میں، کھیل تفریح میں اور بادشاہوں سے میل جول میں منہمک رہتے ہیں اور ان کا حال بالکل ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ

---

[1] یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جو چیز غلط ہے وہ بہر حال غلط ہے خواہ کسی سے صادر ہو مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی فعل کسی کے اعتبار سے صحیح ہوتا اور کسی کے اعتبار سے غلط جیسے کمزور کے لیے بیس من اٹھانے کی کوشش اپنی ہلاکت ہے لیکن پہلوان کے لیے نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ قابل تعریف بھی۔ یہی معاملہ صحیح قصد رکھنے والے متبع سنت صوفیاء کا بھی ہے لٰہذا جو کچھ ان سے ثابت ہو سب قابل تقلید نہیں ہے بلکہ شریعت پر پرکھ کر اور اپنی طاقت اور ہمت کا اندازہ کرنے کے بعد ہی اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس کا فیصلہ سوائے محقق عالم کے کوئی نہیں کر سکتا۔ خود مصنف علامہ کی اس تنقید کا بھی مقصود یہی ہے جیسا کہ ان کی دوسری عبارتوں سے ظاہر ہے۔ خدانخواستہ کسی کی تغلیط اور تنقید یا تصوف کی نفی مقصود نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ صرف صوفیاء کے نقال ہیں اور بزرگوں کا نام بیچ رہے ہیں ان پر سب تنقید روا ہے بلکہ وہ حد تنقید سے بھی آگے بڑھ چکے ہیں۔ ۱۲ حمزہ

پہلے کے صوفیاء کے بالکل برعکس اور ان کی ضد ہیں۔ اور مجھے ان سے زیادہ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ایسے بنے ہوئے پیروں کو ہدیہ تحفہ پیش کرتے ہیں۔

نگاہ عبرت

مجلس....اللہ تعالیٰ نے آدمی کے تمام احوال کے لیے کچھ مثالیں پیدا فرمادی ہیں تا کہ ان کے ذریعے عبرت حاصل کی جائے۔

۱- چنانچہ ایک مثال تو چاند کی ہے کہ شروع میں چھوٹا سا ظاہر ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ بدر کامل بنتا ہے پھر گھٹنا اور مٹنا شروع ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کو ایسی چیزیں بھی پیش آتی ہیں جو بگاڑ دیتی ہیں۔ مثلاً گرہن وغیرہ جبکہ یہی معاملہ آدمی کا بھی ہے کہ شروع میں نطفہ ہوتا ہے پھر فساد سے اصلاح کی طرف ترقی کرتا ہے۔ اس طرح تام ہوکر بدر کامل کی طرح ہو جاتا ہے پھر اس کے احوال میں ضعف کے ساتھ کمی شروع ہوتی ہے اور کبھی بدر کامل ہونے سے پہلے ہی موت آ جاتی ہے جیسے کہ چاند کو گرہن پیش آ جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

والمرء مثل هلال عند طلعته　　　يبدو ضئيلاً لطيفًا ثم يتسق

''آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے پہلی تاریخ کا چاند کہ شروع کمزور اور لاغر ہوتا ہے پھر بڑھتا اور پورا ہوتا ہے۔''

يزداد حتّٰى اذا ماتم اعقبه　　　كر الجدك يدين نقصا ثم ينمحق

''بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ کامل ہوجاتا ہے پھر زمانہ اس پر حملہ کر کے گھٹانے لگتا ہے یہاں تک کہ ختم ہو جاتا ہے۔''

۲- دوسری مثال ریشم کا کیڑا ہے جو زندہ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی روزی کا پودا پیدا ہوتا ہے یعنی شہتوت کا پتہ پھر پتہ سبز ہو جاتا ہے تو اس میں روح سرایت کرتی ہے پھر بچہ کی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے پھر سو جاتا ہے جیسے آدمی انجام سے غافل رہتا ہے پھر جاگتا ہے اور کھانے کی خواہش کرتا ہے جیسے حریص آدمی حصول دنیا میں لالچ سے کام لیتا ہے' پھر اپنے اوپر ریشم بنا شروع کرتا ہے جیسے آدمی دین میں بہت سے گناہ اپنے اوپر لا دیتا ہے پھر وہ اسی ریشم کی قید میں محبوس رہتا ہے جیسے میت قبر

میں محبوس رہتی ہے پھر اس کو کاٹا جاتا ہے تو ایک نئی مخلوق نکلتی ہے جیسے کہ مُردے غیر مختون اور ساکت وصامت اٹھائے جائیں گے۔ اور قیامت کے دن اٹھائے جانے پر دلیل قائم فرمادی ہے کہ نطفہ کی مثال میت کی سی ہے پھر آدمی بن جاتا ہے۔

اسی طرح زمین کے اندر دانہ ڈالا جاتا کہ سڑگل جاتا ہے پھر سبز ہو کر لہلہانے لگتا ہے۔

اذا المرء كانت له فكرة ففي كل شيء له عبرة

''جب آدمی کے اندر فکر پیدا ہو جاتی ہے تو ہر چیز میں اس کو عبرت کا سامان مل جاتا ہے۔''

وقتی لذت

مجلس..... عقل کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف اسی وجہ سے کہ انجام پر نگاہ رکھتی ہے کیونکہ بیوقوف کم عقل صرف موجودہ حالت کو دیکھتا ہے اور انجام کو نہیں سوچتا۔

مثلاً چور! چوری کرتے وقت یہ دیکھتا ہے کہ اتنا مال ملے گا اور یہ بھول جاتا ہے کہ ہاتھ بھی کٹ سکتا ہے۔ اسی طرح کاہل وقتی راحت کی لذت کو تو دیکھتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کتنے علم سے محرومی ہوئی اور مال کے کمانے میں کتنا نقصان ہوا اس کو بھولا رہتا ہے۔

پھر جب بوڑھا ہوگا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو نہیں بتا سکے گا اور جب ضرورت مند ہوگا تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کر کے ذلیل ہوگا۔ حاصل یہ کہ بیکاری اور کاہلی کی وقتی لذت کے مقابلہ میں وہ افسوس اور حسرت زیادہ ہوگی جو بعد میں حاصل ہوگی۔ پھر یہ کہ دنیا میں ترک عمل کی وجہ سے آخرت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

یہی حال شرابی کا ہے کہ اس وقت میں تو لذت اٹھاتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت کی جو آفات مرتب ہوتی ہیں ان کو بھولا رہتا ہے۔ ایسے ہی زنا بھی ہے کہ انسان قضاء شہوت کو دیکھ کر اس سے جو دنیاوی رسوائی اور حد کی ذلت حاصل ہوتی ہے اس کو بھول جاتا ہے کیونکہ جب عورت شوہر والی ہو تو حمل کی نسبت شوہر کی طرف ہو کر ہمیشہ کے لیے نسب خراب ہو جاتا ہے۔

اور چیزوں کو اسی پر قیاس کر لو اور انجام کو سوچ کر بیدار ہو جاؤ' ایسی لذت کو کبھی ترجیح نہ دو جو بہت سے خیر سے محروم کر دے بلکہ مشقت پر صبر کرو تا کہ زیادہ نفع اُٹھاؤ۔

حقیقی لذت کا پتہ

مجلس.....دنیا میں سچی لذت سوائے عالم یا صوفی کے کسی اور کو نہیں ہے۔

البتہ کبھی ان کے صاف ستھرے حال میں کوئی کدورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عالم اپنے علم یا خلوت نشینی میں مشغول ہو کر مال کمانے کا موقع نہیں رکھتا اور اگر اس کی کفالت میں بال بچے بھی ہوں تو بادشاہوں سے تعلق پیدا کر کے اپنی حالت خراب کر لیتا ہے اور یہی صورت صوفی کو بھی پیش آتی ہے۔ اس لیے علماء اور صوفیاء کو چاہیے کہ تحصیل معاش کے سلسلے میں بھی کچھ ہاتھ پاؤں ہلا دیں' مثلاً اجرت پر کتابت کا کام یا کھجور کے پتوں کا کام اور اگر کچھ مال حاصل ہو تو تھوڑے پر قناعت کر لیں تو پھر کبھی ان کو کوئی شخص غلام نہیں بنا سکتا۔ جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی اجرت ملتی تھی جو شاید ایک دینار کے برابر بھی نہ ہو اور آپ اس میں سے بقدر قوت خرچ کرتے تھے اور اگر قناعت سے کام نہ لیا جائے تو پھر بادشاہوں اور عوام سے اختلاط دین کو فاسد کر دے گا۔

بعض ایسے بھی ہیں کہ کھانے پینے میں وسعت چاہتے ہیں اور بعض کو موٹا جھوٹا راس نہیں آتا ہے لیکن لذتوں کے حصول کے ساتھ یہ بات بعید ہے کہ دین محفوظ رہ جائے۔

اسی لیے اگر عالم اور صوفی قدر کفایت پر اکتفاء کر لیں تو پھر بادشاہوں کے سامنے بے حیثیت ہونے کی ضرورت نہیں پڑے گی' عالم کو اس کے دروازے کا چکر نہیں لگانا پڑے گا اور صوفی کو بناوٹ کی حاجت نہیں رہ جائے گی۔ بہر حال! یہ حقیقت ہے کہ خوشگوار زندگی اسی گوشہ نشین (عالم ہو یا صوفی) کو حاصل ہو جو نہ اپنے کو بے آبرو کرتا ہے اور نہ۔

فہم کی قلت

مجلس.....عقلوں میں آپس میں کس قدر فرق ہے حتیٰ کہ علماء کی سمجھ بھی عقائد اور مسائل ہر باب میں بہت زیادہ فرق کے ساتھ ہے۔

بہت سے عالموں کو دیکھو گے کہ صفات خداوندی کی روایات کو سن کر ان کو اپنی حس کے تقاضوں پر محمول کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ آسمان دنیا

پر نازل ہوتا اور منتقل ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل فضول بات ہے کہ کیونکہ منتقل ہونے والا ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ اس کی ذات سے بڑی ہو اور حرکت بھی ضرور ہو جبکہ یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔

اور مسائل میں ان کی مثال وہ ہے جو داؤد ظاہری کے متعلق منقول ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضا منه**" (تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو کرے)

اس سے انہوں نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر دوسرا کوئی پیشاب کرے (جس کو وضو نہ کرنا ہو) تو جائز ہے۔ دیکھو یہ صاحب مراد کو نہیں سمجھے کہ اس سے پانی نجس ہو جائے گا بلکہ صرف لفظ کو پکڑ لیا۔ اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ خنزیر کا گوشت تو حرام ہے اس کی کھال حرام نہیں اللہ تعالیٰ اس بدفہمی سے پناہ میں رکھیں۔ یہی حال ان شاعروں کا بھی ہے جن کا دن رات کا مشغلہ ہی لطیف اور دقیق پہلوؤں کو سمجھنا ہے کہ یہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے الگ الگ عقل و ذہن رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک شاعر نے کہا ہے:

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحی　　واسیافنا یقطرن من نجدة دما

"ہمارے پاس شراب کے ایسے صاف ستھرے پیالے ہیں جو دوپہر میں چمکتے ہیں جبکہ ہماری تلواریں دلیری کی وجہ سے خون ٹپکاتی ہیں۔"

اس میں الجفنات لایا ہے جو بتلا رہا ہے کہ چند پیالے ہیں حالانکہ اس کے بجائے اگر وہ الجفان لاتا تو شعر زیادہ بلیغ ہو جاتا۔ اسی طرح اگر الضحیٰ (دوپہر) کے بجائے الدجیٰ (تاریک رات) کہتا تو حسن بڑھ جاتا اور یقطرن سے معلوم ہوتا ہے کہ خون بہت کم ہے (حالانکہ موقع زیادہ بتانے کا ہے) ایسے ہی ایک شاعر کا یہ شعر:

همها العطر والفراش ویعلو　　هالجین منظم ولآلی

"محبوبہ کی ساری توجہ عطر اور فرش کی طرف ہوتی ہے اور ہمیشہ پروئی ہوئی چاندی اور موتی اس پر سوار رہتے ہیں کہ اس میں تعریف نہیں ہو سکی کیونکہ اگر یہ سب کام کوئی کالی عورت اپنے حسن کے لیے کرتی تو ٹھیک تھا البتہ تعریف تو اس شاعر نے کی ہے:

الم تر انی کلما جئت طارقا　　وجدت بها طیبا وان لم تطیب

''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب بھی میں محبوب کے پاس پہنچا تو اسے معطر پایا۔ اگرچہ اس نے خوشبو نہ لگائی ہو۔'' اسی طرح ایک شاعر کہتا ہے:

ادعوا الی هجرها قلبی فیتبعنی　　حتّٰی اذا قلت هذا صادق نزعا

''میں اپنے دل کو محبوبہ کے فراق کی دعوت دیتا ہوں تو مان جاتا ہے مگر جب سوچتا ہوں کہ میرا دل سچ مچ تابع ہو گیا ہے تو پھر مشتاق ہو جاتا ہے۔''

حالانکہ اگر یہ شاعر عشق میں سچا ہوتا تو اس کے پاس گفتگو کرنے کے لیے دل ہی نہ رہتا اور اگر رہتا بھی تو فراق کے مسئلہ میں اس کی موافقت نہ کرتا کیونکہ سچا عاشق تو اس طرح سے کہتا ہے:

یقولون لو عاتبت قلبک لا رعوی　　فقلت وهل للعاشقین قلوب

''لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنے دل کو عتاب کر کے عشق سے روکتے کیوں نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ کیا عاشقوں کے پاس دل ہوتا بھی ہے؟''

اور اگر تحقیق سے دیکھا جائے تو اس طرح کے اشعار بہت ملیں گے۔

حاصل یہ کہ سب سے کم پائی جانے والی چیز فہم اور معانی میں گہرائی اور گیرائی ہے۔

دنیا میں لذت کہاں؟

مجلس.... جس نے دنیا کے متعلق غور کیا اور گہرائی سے سوچا اسے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کوئی لذت ہے ہی نہیں کیونکہ جو لذت پائی بھی جاتی ہے وہ ایسی گھٹن اور کدورت سے مل کر حاصل ہوتی ہے جو لذت سے کئی گنا تکلیف دہ ہو۔

چنانچہ ایک لذت تو عورتوں میں ہے اور ممکن ہے کہ کسی خوبصورت عورت سے رشتہ ہو جائے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شوہر سے محبت نہ کرے۔ لہٰذا جب شوہر کو اس کا علم ہو گا تو علیحدگی اختیار کر لے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوبصورت بیوی خیانت کاری کر بیٹھے تو پھر تو شوہر کی بربادی ہی ہے۔ اور اگر فرض کر لو کہ سب چیزیں خواہش کے مطابق ہو گئیں تو بھی فراق کا تصور اس سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

اسی طرح ایک لذت اولاد میں ہوتی ہے تو لڑکی میں اس کے نکاح تک جو تکلیفیں ہوتی ہیں

وہ الگ اور جو کچھ اس کے شوہر کی طرف سے پیش آوے وہ اور عار کا اندیشہ الگ یہ سب بڑی مشقتیں ہیں جبکہ بیٹا اگر بیمار ہو جائے تو دل پگھلنے لگے اور اگر خراب و برباد ہو جائے تو افسوس و غم کا حال نہ پوچھو اور اگر کہیں دشمن بن گیا تو پھر باپ کی ہلاکت ہی اس کا مقصود ہو جاتی ہے۔

اور اگر مان لو کہ مراد پوری ہو گئی (یعنی لڑکا خواہش اور مرضی کے موافق نکلا) تو پھر اس کے فراق کا تصور اس دل کو پگھلاتا رہتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی فاسق کسی امرد یعنی بے ریش خوبصورت لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو جائے تو دنیا میں آبرو جاتی ہے اور دین بھی برباد ہو جاتا ہے بلکہ کچھ ہی دن میں شکل و صورت بھی بدل جاتی ہے اور سابق گناہ و بے آبروئی کے ساتھ قابل نفرت ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایسے ہی بہت سے لوگوں پر کالی باندیوں سے ہمبستری کی خواہش سوار ہوئی تو لڑکا کالا پیدا ہوا پھر یہ چیز اس کے لیے عار کا سبب بن گئی۔

یہی حال مال سے لطف اندوزی کا ہے کہ اس کے حصول میں بہت سے گناہ شامل ہوتے ہیں اس کی جدائی میں حسرت ہوتی ہے اور ساری عمر اس کے چکر میں گنوا دینا دھوکہ ہے۔

یہ چند چیزیں بطور نمونہ کے ہیں۔ لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازیں اس کو چاہیے کہ صرف ایسی ضروریات پر اکتفا کرے جو اس کو دین کی سلامتی بدن کی حفاظت اور عافیت کے ساتھ رکھیں اور ان خواہشات کو بالکل ترک کر دے جن کی گھٹن اور کدورتیں ان کی لذتوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

جس نے آخرت میں نفع کے خیال سے تکلیفوں پر صبر سے کام لیا وہ یقیناً کئی گنا زیادہ لذت اُٹھائے گا جیسے کہ طالبعلم تھوڑا سا تعب برداشت کر لیتا ہے تو پھر آخرت کی سلامتی کے ساتھ دونوں جہاں کی بھلائیاں حاصل کر لیتا ہے جبکہ بیکاری اور کاہلی کی لذت انجام کار علم و عمل سے محرومی لاتی ہے تو پھر اس لذت سے کئی گنا زیادہ تکلیف اور غم برداشت کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا تم کو خدا کا واسطہ! خبردار وقتی خواہش کو غالب نہ ہونے دو' جب بھی خواہش نفس ابھرنے کا ارادہ کرے تو اس کو روک دو اور وقتی لذت کو بعد کی لذت سے وزن کر کے دیکھو۔

"وما یتذکر الا اولوا الالباب" (اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں)

شیطانی دھوکے اور کلامی بحثوں کا مذموم پہلو

مجلس.... میں دیکھتا ہوں کہ ابلیس نے طرح طرح کی تدبیروں سے مخلوق کو پھنسایا۔ مثلاً یہ کہ ان میں سے اکثر کا رُخ اس علم سے پھیر دیا جو راہ رو کے لیے چراغ کا کام کرتا ہے اور ان کو جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔ اسی طرح بہتوں کو حسی امور میں اس طرح پھنسا دیا کہ وہ عقل کے مشورہ کو چھوڑ بیٹھے۔

چنانچہ اب اگر کسی کو زندگی میں تنگی پیش آتی ہے یا حالات بگڑ جاتے ہیں تو اعتراض کر کے کافر ہو جاتا ہے بعض اس مصیبت کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ بعض دنیا کو گالی دیتے ہیں حالانکہ یہ سب بہانہ بازی ہے ورنہ تو (کھلی بات ہے کہ) زمانہ اور دنیا کوئی کام نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ اعتراض درحقیقت فیصلہ کرنے والے پر ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ اس طرح کے معاملات دیکھ کر حکمت کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک بنی بنائی عمارت کو توڑ دینے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

بعضوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ٹوٹی ہوئی عمارت کا دوبارہ وجود میں آنا متصور نہیں ہو سکتا یہ کہہ کر قیامت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کر دیا۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس جگہ سے کوئی شخص واپس نہیں آیا (حالانکہ اگر وہ جگہ موجود ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو واپس آتا) اور یہ بھول گئے کہ ابھی سارے لوگ پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ اب اگر ہم میں سے کوئی واپس آجائے تو ایمان بالغیب نہیں رہ جائے گا بلکہ مشاہدہ پر ایمان ہوگا اور یہ مناسب بھی نہیں کہ زندوں کو زندوں کے ذریعہ دلیل فراہم کی جائے۔

پھر ابلیس نے نگاہ دوڑائی تو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں ذہانت دیکھ کر ان کو یہ سمجھایا کہ ظاہر شریعت پر جمے رہنے میں تو عوام بھی شریک ہیں۔ لہٰذا ان کے سامنے علم کلام کی بحثوں کی خوبیاں ظاہر کیں تو وہ لوگ بقراط، جالینوس اور فیثا غورث کی باتوں کو دلیل میں لانے لگے اور پھر یہ لوگ شریعت کے پیرو نہیں رہ گئے اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مشغول ہوئے بلکہ وہ باتیں کہنے لگے جو ان کے دل نے گھڑ لیں۔

حضرات سلف کا تو دستور یہ تھا کہ جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو حفظ قرآن اور سماع

حدیث میں مشغول کرتے تھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں ایمان راسخ ہوتا تھا۔لیکن اب یہ لوگ اس سے سستی کرنے لگے اور لڑکے فلسفہ اور منطق میں مشغول ہونے لگے اور احادیث کو خبر واحد کہہ کہہ کر پس پشت ڈالنے لگے۔

یہ لوگ حضرات محدثین کو بک بک کرنے والا گروہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دقیق علم تو "طفرہ" "ھیولی" اور "جزء لایتجزیٰ" کاعم ہے۔

پھر یہ حضرات صفات باری کے متعلق گفتگو کی جرأت کرتے ہیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح منقول روایات کی تردید اور تاویل کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوسکتا کیونکہ مرئی کے لیے جہت لازم ہے (اور اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں) حالانکہ یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد کی مخالفت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انکم ترون ربکم کما ترون القمر لا تضامون فی رویته" (یقیناً تم لوگ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاند دیکھتے ہو کہ اس کے دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں کرو گے)

اس حدیث نے ثابت کیا کہ دیدار ہوگا۔اگر چہ ہم لوگ اس کی صحیح کیفیت اس وقت نہ سمجھ سکیں۔اسی طرح یہ بیوقوف قرآن پاک کی مشعل سے محروم ہوگئے کیونکہ انہوں نے کہہ دیا کہ قرآن پاک مخلوق ہے۔جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے قرآن پاک کا احترام ختم ہوگیا اور حدیث سے بے رُخی کی یہ کہہ کر خبر واحد ہے۔بس ان کا سارا مذہب بقراط اور جالینوس کی چرائی ہوئی تحقیقات ہیں۔

فلاسفہ کی پیروی سے انہوں نے صرف یہی حاصل کیا ہے کہ اپنے آپ کو نماز روزہ کی مشقت سے محفوظ کرلیں۔ اسی وجہ سے اکابر علماء علم کلام کی مذمت فرماتے تھے۔حتیٰ کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سبھوں کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کو خچروں پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ لوگو! دیکھ لو یہ ان لوگوں کی سزا ہے جو کتاب وسنت کو چھوڑ کر علم کلام میں مشغول ہوگئے ہیں۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے یہ اعتقاد کرلیا کہ جو بھی توحید کی دلیلوں کو بیان

کرنا نہ جانتا ہو وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے واسطے ان اہل بدعت سے بہت دور رہو اور کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لوتا کہ راہ راست پر رہو۔

وقت کی قدر

مجلس..... میں نے محسوس کیا کہ آج کل وقت کو بے فائدہ ضائع کر دینے کی عادت غالب ہو چکی ہے جبکہ پہلے کے لوگ اس سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ''میں ایسے حضرات کو جانتا ہوں جن کی ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی گفتگو کو انگلی پر گنا جا سکتا ہے۔''

کچھ لوگ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر (کچھ احساس ہوا تو) عرض کیا شاید ہم لوگوں نے آپ کا حرج کیا ہے؟ فرمایا ٹھیک کہتے ہو میں تلاوت کر رہا تھا تم ہی لوگوں کی وجہ سے بند کر دیا۔ ایک عبادت گزار اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ کے پاس کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کہا کہ آپ تو بیکاروں کا بیٹھکا بن گئے ہیں یہ کہہ کر چلے گئے بیٹھے نہیں۔ دراصل جب بھی یہ قابل زیارت بزرگ نرم ہوں گے تو زیارت کرنے والوں کو زیارت کی حرص ہوگی اور زیادہ دیر تک بیٹھیں گے بھی جس کی وجہ سے ان بزرگ کا نقصان ہوگا۔ چنانچہ کچھ لوگ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے جب دیر ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ بھئی فرشتہ تو سورج کو ہانکنے اور آگے بڑھانے میں سستی نہیں کر رہا ہے تو کیا تم لوگ اُٹھنا نہیں چاہتے ہو؟ انہی لوگوں میں جو ایک ایک لحہ کی قدر پہچانتے ہیں۔ حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ ٹھہر جائیے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں' فرمایا کہ پھر سورج کو روک لو۔

حضرت کرز بن وبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کاش! آپ صحراء کی طرف نکلتے تو فرمایا ''مزدوری برباد ہو جائے گی'' حضرت داؤد طائی چورا پھانک لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ چورا پھانکنے اور روٹی کھانے کی مدت میں پچاس آیتوں کی تلاوت کا فرق ہے۔

حضرت عثمان باقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ افطار کے وقت مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جان نکل جائے گی اس لیے

کہ اس وقت کھانے کی طرف توجہ سے ذکر چھوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح ایک بزرگ اپنے احباب کو وصیت کرتے تھے کہ جب تم لوگ میرے پاس سے نکلا کرو تو الگ الگ جایا کرو تا کہ ہر ایک راستہ میں تلاوت کرتا رہے ورنہ اگر اکٹھے ہو کر چلو گے تو بات کرو گے۔ خوب سمجھ لو کہ وقت اس قدر قیمتی اور قابل شرف چیز ہے کہ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث صحیح میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من قال سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ غرست لہ بھا نخلۃ فی الجنۃ** ''جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ایک مرتبہ پڑھا اس کے لیے اس کے بدلہ میں ایک درخت جنت میں لگا دیا جائے گا۔''

جبکہ آدمی کتنی گھڑیاں اس طرح گنوا دیتا ہے کہ ان میں اس بڑے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ زندگی کے یہ ایام تو کھیتی کی طرح ہیں اور گویا انسان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جب بھی تم ایک دانہ ڈالو گے ہم اس سے ہزار بورا تمہارا لیے پیدا کر دیں گے تو خود ہی بتاؤ کیا کسی سمجھدار کے لیے جائز ہے کہ بیج ڈالنے میں کوتاہی اور سستی سے کام لے۔

اور وقت کی قدر کرنے اور اس کو غنیمت سمجھ کر فائدہ اُٹھانے کے سلسلے میں جو چیز معین و مددگار ہو سکتی ہے وہ بقدر امکان تنہائی اور گوشہ نشینی ملنے والوں سے صرف سلام پر یا کوئی اہم ضروری بات ہو ضروری بات کر لینے پر اکتفاء اور کم کھانا کیونکہ کھانے کی زیادتی زیادہ نیند اور رات کی بربادی کا سبب ہے۔ جو شخص بھی حضرات سلف کی سیرت و حالات کا مطالعہ کرے گا اور روز جزاء پر ایمان رکھتا ہو گا اس کے سامنے میرے اس مضمون کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

شوہر اور بیوی

مجلس.....(۱) سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ دیندار گھرانے کی دین دار اور نیک ایسی عورت کو پسند کرے جس کے گھرانہ میں فقر غالب ہو تا کہ شوہر جو کچھ دے اس کو زیادہ خیال کرے۔

(۲) اور ایسی عورت سے نکاح کرے جو عمر میں اس کے قریب ہو کیونکہ جب کوئی بوڑھا کسی کم سن لڑکی سے نکاح کرتا ہے تو یہ چیز لڑکی کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے پھر ایسی

بیوی کبھی تو زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے کبھی اپنے شوہر کو قتل کر دیتی ہے یا پھر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے جبکہ شوہر کو اس سے محبت ہو چکی ہو تو پھر شوہر کو تکلیف پہنچتی ہے۔

(۳) شوہر کو اپنی کمی خوش خلقی اور خرچ میں اضافہ کے ذریعے پوری کرنی چاہیے۔

(۴) بیوی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ شوہر سے اتنے زیادہ دن تک قریب رہے کہ اس کو اکتا دے اور نہ یہ کہ اتنے دن علیحدہ رہے کہ شوہر اس کو بھول جائے۔

(۵) بیوی کو چاہیے کہ شوہر کے پاس جاتے وقت بالکل صاف ستھری بن سنور کر جائے اور اپنی شرمگاہ یا سارا جسم دکھلانے سے پرہیز کرے کیونکہ انسان کا اندر کا جسم حسین نہیں ہوتا۔

(۶) ایسے ہی شوہر بھی اپنا جسم بیوی کو نہ دکھائے رہی ہمبستری تو وہ بستر کے اندر ہونی چاہیے۔

کسریٰ بادشاہ نے ایک دن دیکھ لیا کہ کس طرح جانور کی کھال اتاری جاتی ہے اور گوشت پکایا جاتا ہے تو اس کا جی بھر گیا اور گوشت کھانے سے انکار کر دیا۔ جب یہ بات اپنے وزیر کو بتلائی تو اس نے کہا اے بادشاہ! ''گوشت دستر خوان پر دیکھنا چاہیے اور بیوی کو بستر پر'' اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں زیادہ تحقیق نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

مارأیت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ولا رآہ منی' وقام لیلة عریانا فما رأیت جسمه قبلها

''نہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ دیکھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری البتہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلے بدن کے ساتھ اُٹھے تو (اس دن میری نظر پڑ گئی ورنہ) اس سے پہلے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں دیکھا تھا۔''

یہ احتیاط کی بات تھی اور اس کی وجہ سے مرد عورت پر عیب نہیں لگا پاتا کیونکہ اس نے عورت کے عیوب کو دیکھا ہی نہیں ہوتا۔

(۷) ہونا یہ چاہیے کہ بیوی کا بستر الگ ہو اور شوہر کا الگ تا کہ دونوں جب جمع ہوں تو اچھی اور کامل حالت میں۔

بہت سے لوگ ان باتوں کی وجہ سے بے وقعت ہو جاتے ہیں کیونکہ مرد عورت کو

خراب حالت میں دیکھتا ہے اور عورت سوچتی ہے کہ یہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے اور اس قدر بدحال ہے پھر دونوں ایک دوسرے کی ناپسندیدہ صفتوں پر غور کرنے لگتے ہیں تو دل میں نفرت بیٹھ جاتی ہے اور زندگی بغیر محبت کے گزارنا پڑتی ہے۔

اس فصل کو غور سے پڑھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ بڑی بنیادی نصیحت ہے۔

عہدہ قضاء اور شہادت

مجلس.... دنیا میں خوشگوار زندگی تو صرف اسی کو میسر ہے جو تھوڑے پر قناعت کرلے کیونکہ جب ضرورت سے زیادہ اسباب کی حرص ہو جائے گی تو فکر بڑھ جائے گی' دل منتشر ہو جائے گا اور انسان غلام بن کر رہ جائے گا۔

جبکہ قناعت پسند شخص کو نہ اپنے سے اوپر والوں سے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ برابر والوں کی پرواہ کیونکہ جو ان کے پاس ہے وہ اس کے پاس بھی ہوتا ہے۔

اور بلاشبہ جن لوگوں نے قناعت اختیار نہیں کی بلکہ زندگی کی لذتوں کی طلب میں لگ گئے تو انہوں نے اپنے دین میں نقص پیدا کرلیا اور دوسروں کے آگے ذلیل ہوئے۔ خصوصاً وہ اہل علم حضرات جنہوں نے امیروں کے پاس آنا جانا شروع کیا تو ان کے غلام اور تابع بن کر رہ گئے منکرات کو دیکھا مگر ان پر نکیر نہ کرسکے بلکہ بعضوں کو ظالم کے شر سے بچنے کے لیے اس کی مدح بھی کرنی پڑی۔ اسی طرح ان کو جتنی دنیا نہیں حاصل ہوئی اس سے کہیں زیادہ ذلت اور دین کی بربادی حاصل ہوگئی۔

انہی بدتر حال لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے منصب قضاء یا شہادت کا کام اپنے ذمہ لیا۔ یقیناً یہ دونوں کام پہلے بہت بہتر تھے چنانچہ قاضی عبدالحمید جو کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے انہوں نے خلیفہ معتضد باللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ نے کچھ وقف کی جائیدادیں کرایہ پر لی تھیں' ان کا کرایہ ادا کر دیجئے' معتضد کو ادا کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ معتضد نے ان سے کہا کہ فلاں شخص مر گیا ہے جبکہ اس کے ذمہ ہمارا کچھ مال باقی ہے۔ قاضی عبدالحمید نے کہا کہ آپ یاد کیجئے جب آپ نے مجھ کو قاضی بنایا تھا تو

اس وقت کہا تھا کہ میں نے فیصلہ کا اختیار اپنی گردن سے اتار دیا اور تیری گردن پر رکھ دیا۔ لہٰذا اب آپ کا دعویٰ بغیر دو گواہوں کے میں قبول نہیں کرسکتا ہوں۔

اور پہلے کے گواہ بھی ایسے ہی ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی خلیفہ کے دربار میں ایک جماعت پہنچی، خادم نے ان سے کہا کہ تم لوگ ہمارے آقا کے متعلق فلاں تحریر کے گواہ بن جاؤ چنانچہ اور سب تو گواہ بن گئے مگر مجزوعی بادشاہ کے سراپردہ کی طرف بڑھے اور کہا اے امیر المؤمنین! میں آپ کے متعلق جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر گواہ بنتا ہوں بادشاہ نے کہا ہاں بن جاؤ۔ مجزوعی نے کہا کہ لیکن یہ تحریر کافی نہیں ہے میں اس وقت تک گواہی نہیں دوں گا جب تک آپ اپنی زبان سے ہاں نہ کہہ دیں، بادشاہ نے ہاں کہا (تب انہوں نے گواہی دی)

مگر اب ہمارے اس دور میں وہ سب قواعد بدل چکے ہیں، خصوصاً جو لوگ مال کے ذریعے قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ گواہ بنا لیے جائیں ان کا حال یہ دیکھو گے کہ بے دیکھی چیزوں میں بھی زبردستی گواہ بنائے جاتے ہیں۔ مجھ سے ابوالمعالی بن شافع نے کہا کہ مجھ کو بعض لوگوں کی گواہی کے لیے لیجایا جاتا تھا جبکہ وہ قید خانہ میں بند ہوتے تھے تو میں (بلا دیکھے) گواہی دیدیا کرتا تھا، اب میں اس سے استغفار کرتا ہوں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ ان گواہوں کو کچھ وظیفہ یا تنخواہ ملتی ہو اور اسی کے لیے لیجائے جاتے ہوں بلکہ صرف جبے اور جوڑے کی نمائش اور دروازے پر معرف کی آمد اور یہ سننے کے لیے "اللہ تعالیٰ آپ کی نعمت کی نگہبانی کرے چلئے گواہی دینا ہے[1]۔"

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا کہ آپ قاضی بنائے جانے والے ہیں تو سرخ کرتہ پہن کر بازار میں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے یہ تو قاضی بننے کے لائق نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک بزرگ کو ہارون رشید نے عہدہ قضاء حوالہ کرنے کے لیے بلوایا تو انہوں نے داخل ہو کر سلام کیا اور کہا کہ کہئے کیسے مزاج ہیں؟ بال

---

[1] اسلامی حکومتوں میں بعض لوگ شہرت کے لیے یہی راہ اختیار کرتے تھے کہ جب کسی کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑی فوراً اپنے کو پیش کر دیا تاکہ اس وقت بھی عزت سے لیجائے جائیں اور جب قاضی کے وہاں ادائیگی شہادت کی ضرورت ہو تو پھر ان کی مدد کی ضرورت پڑے تو جب قاضی کا چپڑاسی بلانے کے لیے آتا تھا تو اس طرح سے کہتا تھا حرسک اللہ نعمتک شهادة۔۱۲حمزہ

بچے ٹھیک ہیں؟ (یعنی انداز ایسا اختیار کیا کہ) لوگ سمجھے کہ آپ پاگل ہیں کیا خوب کہا ہے پاگل پن ہے جو حقیقت میں عقل مندی ہو۔

میرا یہ خیال ہے کہ اب اکثر دلوں میں ایمان ڈانواں ڈول ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سلامتی عطا فرمائیں۔ بلاشبہ وہ اس پر قادر ہیں۔

حکمت والی ذات کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا

مجلس.... یہ مضمون اس کتاب میں کئی بار آ چکا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس سے غفلت نہ کی جائے بار بار اس کا تکرار ضروری ہے۔

مؤمن کے لیے اس بات کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں، حکمت والے ہیں، کوئی کام بے فائدہ نہیں کرتے۔ اس عقیدہ کے استحضار سے تقدیر پر اعتراض نہیں رہ جائے گا جبکہ کچھ لوگوں نے حکمت خداوندی پر نکتہ چینی کی جرأت کر دی حالانکہ یہ کفر ہے اور سب سے پہلے یہ حرکت ابلیس نے کی کہ کہا: ''**خلقتنی من نار وخلقته من طین**'' (مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے مطلب یہ تھا کہ آپ کا مٹی کو آگ پر فضیلت دینا حکمت کے خلاف ہے)

اسی طرح میں نے ایسے عالم دیکھے ہیں جن کا دستور اعتراض ہی کرنا تھا اور یہ اس وجہ سے کہ معترض کی نگاہ فعل کے ظاہر پر رہتی ہے اور وہ ظاہری صورت اگر ہمارے جیسے کسی شخص سے ظاہر ہوتی تو اس پر اعتراض کرنا ٹھیک ہوتا۔ رہی وہ ذات جس کی حکمت کے مطالعہ سے سارے انسانوں کی عقل وفہم عاجز ہو تو جاہل ناقص کا اس پر اعتراض کرنا پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کچھ بے شرم لوگ ایسے ہیں کہ ان کا اعتراض کبھی ختم نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سارے فیصلوں کو اپنی غرض کے مطابق چاہتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی کی کوئی غرض پوری نہیں ہو پاتی تو اعتراض کر بیٹھتا ہے چنانچہ بعض لوگ موت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو ''بنا کر توڑ دیا''

ہمارا ایک ساتھی جو قرآن پاک اور قرأت سبعہ پڑھ چکا تھا اور بہت سی حدیثیں یاد کر چکا تھا

پھر گناہوں مبتلا ہو گیا تھا اور ستر سال سے زیادہ کی زندگی پائی جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو مجھ سے ذکر کیا گیا کہ اس نے کہا ''کیا میری جان کے علاوہ ساری دنیا تنگ ہو چکی ہے؟''

اس طرح کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح ایک شخص کو میں نے موت کے وقت کہتے ہوئے سنا کہ میرا رب مجھ پر ظلم کر رہا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) ظاہر ہے کہ بے حیاؤں کے جنون و پاگل پن کے کلام اور فضول اعتراضات کو نقل کرنا کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔

اگر ان لوگوں نے یہ سمجھا ہوتا کہ دنیا مقابلہ کا ایک میدان ہے اور صبر کا ہسپتال ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہو تو اعتراض نہ کرتے اور کاش وہ سمجھ لیتے کہ جس سلامتی اور آرزوؤں کے وہ خواہش مند ہیں وہ بالکل سامنے ہے (یعنی جنت) گویا ان کی مثال اس مزدور جیسی ہے جو مٹی میں آلودہ ہو کہ جب فارغ ہوگا تب صاف کپڑے پہنے گا۔ اور جب اس بدن کو جو ہمیشہ باقی رہنے کے قابل نہیں تھا توڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس سے معزز روح کو نکال لیا جاتا ہے پھر اس کے لیے ایسا جسم بنایا جاتا ہے جو ہمیشہ رہنے کے قابل ہو۔

اس وضاحت کے بعد معترض سے کہہ دو۔

فليمدد بسبب الى السماء ثم ليقطع فلينظر هل يذهبن كيده مايغيظ

''کہ سیڑھی کی مدد سے آسمان پر چڑھے پھر وحی کو بند کروا دے، دیکھنا چاہیے کہ کیا اس کی تدبیر اس کے غصہ کو ختم کرا سکتی ہے۔''

اس سے کہہ دو اگر اعتراض کیا تو تقدیر کے فیصلے کو ختم نہیں کر سکتا۔ اگر تسلیم کر لیا تو بھی وہی فیصلہ جاری رہے گا تو پھر فیصلہ کا اس طرح نافذ ہونا کہ یہ ثواب کا مستحق ہو بہتر ہے اس سے کہ گنہگار ہو کر فیصلہ کا سامنا کرے۔ وضاح الیمن کا سکوت کس قدر بہتر تھا جب وہ صندوق میں چھپا ہوا تھا اور بادشاہ نے صندوق کو مخاطب کر کے کہا کہ اے صندوق! اگر تیرے اندر وہ ہے جس کا ہم کو گمان ہے تو سمجھ لے کہ ہم نے تیرا اثر مٹا دیا اور اگر نہیں ہے تو لکڑی کے ایک بکس کو دفن کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اب اگر وہ چیخ پڑتا تو کچھ فائدہ نہ ہوتا بلکہ ممکن تھا کہ نکال کر اس سے زیادہ بری طرح قتل کر دیا جاتا۔

دنیا سے پرہیز اور نفرت

مجلس.....جس نے دنیا کے حالات کو غور سے دیکھا اس کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی ہے کہ دنیا سے پرہیز کیا جائے۔

چنانچہ جو شخص کسی مباح کی طرف لذت کے حصول کے لیے مائل ہوتا ہے وہ ہر خوشی کے ساتھ ایک غم بھی دیکھتا ہے ہر راحت کے ساتھ مشقت بھی اٹھاتا ہے اور ہر لذت کے بعد ایسا نقص جو اس لذت سے بڑھ کر ہو اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی اوپر کی جاتی ہے اسے پست کر دیا جاتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب ہوئیں تو بہتان عظیم والا قصہ پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی طرف مائل ہوئے تو یہ ہوا "**فلما قضٰی زید منها وطراً**" (تو جب زید نے زینب سے نکاح کر لیا)

سب سے بڑھ کر یہ بات کافی ہے کہ جب بھی کوئی محبوب چیز حاصل ہوتی ہے تو عقل کی نگاہ اس کے فراق پر چلی جاتی ہے (کہ ایک دن چھوٹ جائے گی) جس کی وجہ سے سارا لطف بے مزہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

اتم الحزن عندی فی سرور　　تیقن عنه صاحبه انتقالاً

"خوشی کے سب موقع پر بڑا غم میرے نزدیک یہی ہے کہ اس کے ختم ہو جانے کا یقین رہتا ہے۔"

تو سمجھدار شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس خرابی اور خوشی میں بھی کدورت پیدا کر دینے سے یہی ہے کہ دل دنیا سے اچٹ جائے۔ لہٰذا دنیا سے بقدر ضرورت استفادہ کرے اور تعلقات کو چھوڑ دے تا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے فکر پرسکون ہو جائے جس شخص نے بھی اس اصول سے بے رُخی کی اس کو محرومیوں پر پچھتانا پڑے گا۔

دانش مندی

مجلس.....عقل مند آدمی دنیاوی تدبیر و انتظام عقل و دانائی کے ساتھ کرتا ہے اگر غریب ہو تو ایسی کوئی تجارت یا پیشہ اختیار کرے جو اس کو کسی انسان کے آگے جھکنے سے روک

سکے' تعلقات کو کم کر دے اور قناعت پر عمل کرے تا کہ لوگوں کے احسانات سے محفوظ ہو کر عزت کی زندگی گزار سکے اور مالدار ہو تو خرچ میں تدبیر و انتظام سے کام لے کیونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ کبھی محتاج ہو کر مخلوق کے سامنے ذلیل ہونا پڑے یہ بڑی آفت ہے کہ فضول خرچی سے کام لے اور اس نیت سے خرچ میں دوسروں پر فخر کرے تا کہ دشمنوں کا دل جلے کیونکہ اگر اس میں مال زیادہ ہوا تو نظر بد لگ جانے کا خطرہ ہے۔

ہر حالت میں میانہ روی اور چھپانے کے لائق امور میں پوشیدگی کا اہتمام کرنا چاہیے ایک غسال (مردہ کو نہلانے والا) کو کچھ مال مل گیا اس نے خوب خرچ کرنا شروع کر دیا۔ قاضی کو معلوم ہو گیا اس نے پکڑ لیا اور سارا مال چھین لیا وہ بیچارہ پھر فقیر ہو گیا۔

انتظام یہی ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے' خرچ میں میانہ روی اختیار کی جائے اور جس کا اظہار مناسب نہ ہو اس کو چھپایا جائے۔

یہ بھی غلطی ہے کہ اپنے مال کی مقدار بتا دی جائے کیونکہ تھوڑا ہو گا تو خود بے حیثیت ہو جائے گا اور اگر زیادہ ہو گا تو جوڑے اور توڑے کا مطالبہ بڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ولا تؤتوا السفهاء اموالكم" (یعنی اپنا مال کم عقل لوگوں کے حوالہ مت کرو)

یہی برتاؤ لڑکے کے ساتھ بھی کرنا چاہیے۔ اسی طرح راز کی بھی حفاظت کرنی چاہیے بیوی سے نہ بتائے اور دوست سے بھی ظاہر نہ کرے کیونکہ کبھی بدل جاتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

احذر عدوک مرة واحذر صديقک الف مرة

"دشمن سے ایک مرتبہ احتیاط کرو اور دوست سے ہزار مرتبہ بچ کر رہو۔"

فلربما انقلب الصديق فكان اعلم بالمضرة

"کیونکہ کبھی دوست بدل جاتا ہے تو نقصان پہنچانے کا طریقہ زیادہ جانتا ہے۔"

حرف آخر

مجلس.... اللہ جل جلالہ کی بے پایاں تعریف کے ساتھ ان مضامین کی تحریر کا سلسلہ ختم ہوتا ہے جن کو دل کے واردات میں سے قلم جمع کیا کرتا تھا جبکہ اس میں صرف ان مضامین پر اکتفاء کیا گیا ہے جو قلبی امراض سے حفاظت' شرعی آداب سے آراستگی اور پسندیدہ اخلاق سے پیراستگی پر آمادہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو وعظ وارشاد کے منبر پر بہترین رہنما اور بندوں کی ہدایت کے لیے لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ نفع بخش بنا کر ظاہر فرمائے۔

والحمدللّٰہ اولاً وآخراً وصلی اللّٰہ علیٰ
سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلّم.

کلمہ تشکر از مترجم

الحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات: خداوند قدوس کے بے انتہا فضل وکرم سے ترجمہ کا یہ طویل اور صبر آزما کام اختتام کو پہنچا۔ نہ جانے کہاں کہاں ذہن وقلم نے لغزش کھائی ہو اور رہوار فکر کو ٹھوکر لگی جبکہ انسان خطاء ونسیان کا پتلا ہے۔ لہٰذا اب یہی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لغزشوں کو معاف فرمائیں اور تلافی کی صورت پیدا فرمائیں۔

فقط وانا العبد الضعیف النحیف محمد حنیف غفرلہ اللطیف المدرس بمدرسۃ ریاض العلوم گورینی جون پور وسط ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ)

(الحمدللہ حصہ دوختم ہوا)